صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نمبر

سیارہ ڈائجسٹ

بسم الله الرحمن الرحيم

سیارہ ڈائجسٹ

کے عظیم الشان اسلامی نمبرز

قرآن نمبر

ایمان افروز، عقل پرور اور عمل آفرین پیشکش
(تین جلدوں میں)

رسولؐ نمبر

سیرت پاک پر ایک جامع دستاویز
(دو جلدوں میں)

انبیائے کرام نمبر

پیغمبرانِ خدا کی حیات طیبہ جاوداں کے
روح پرور تذکرے

اولیائے کرام نمبر

اللہ کے برگزیدہ بندوں کی ایمان افروز
داستانیں (چار جلدوں میں)

عکس سیرت نمبر

سرورِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰؐ کی حیات
طیبہ پر مبنی مقدس اور نایاب کتاب

اخلاق رسولؐ نمبر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ زندگی
کے پاکیزہ واقعات پر مشتمل دستاویز

فرمانِ رسولؐ نمبر

عاشقانِ رسول کی خدمت میں
ایک بے مثال تحفہ

خلفائے راشدین نمبر

اسلام کی سربلندی کیلئے خلفائے راشدین
کی بے مثال قربانیوں کا ذکر

صحابہ کرام نمبر

ان عظیم ہستیوں کی کہانی جنہوں نے رحمت
العالمین کی معیت میں زندگی بسر کی

ازواج مطہرات نمبر

امہات المومنین کی پاک زندگی کے واقعات
جو آج تک ایک جگہ اکٹھے نہ کیے جا سکے

جہاد نمبر

اس کتاب کے مطالعے سے آپ کا دل بھی
جہاد کے جذبے سے منور ہو جائیگا

فہم دین نمبر

سماجی زندگی اور عبادات کے بنیادی
مسائل کا حل قرآن و حدیث کی روشنی میں

قرآنی وظائف نمبر

ہماری، آپ کی اور ہر گھر کی پریشانیوں
الجھنوں اور مشکلات کے حل کیلئے وظائف

معجزات رسولؐ نمبر

سرورِ کونینؐ کی زندگی کے دوران وقوع پذیر
ہونے والے سینکڑوں معجزات پر مشتمل دستاویز

دعا نمبر

دعا تقدیر بدل دیتی ہے
حدیث رسول

حقوق العباد نمبر

قرآن وسنت کی روشنی میں دوسروں کے حقوق
و فرائض سے آگاہی کیلئے مکمل دستاویز

نقوش اسلام نمبر

اسلام کی روشن تاریخ سے ایمان افروز اور
روح پرور واقعات کا مجموعہ

قصص القرآن نمبر

ان واقعات کا مجموعہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے
آخری نبی اور اسکی امت کو بتانا ضروری سمجھے

فون: 7245412
سیارہ ڈائجسٹ 244-مین مارکیٹ ریواز گارڈن لاہور

حمد

یا رب ! غضب کی راہ سے ہردم بچا مجھے
اپنے کرم سے راستہ سیدھا دکھا مجھے
مجھ کو تو مار ڈالتے شاید یہ حادثات
رحمت نے تیری بڑھ کے دیا حوصلہ مجھے
تُو نے تفکرات کی کاٹی ہیں بیڑیاں
تُو نے ہی بندِ غم سے کیا ہے رہا مجھے
میں اس کرم کا شکر کروں کس طرح ادا
تُو نے بنایا اُمّتیِ مصطفےٰؐ مجھے
دل کا گداز ، اشکِ سحر، عشقِ مصطفےٰؐ
جو کچھ مِلا ترے ہی کرم سے مِلا مجھے
ہوتا رہے کرم ترا مجھ پہ یہ بار بار
بطحا دِکھا مجھے ، کبھی طیبہ دِکھا مجھے
ہر کام ہے خدائے دو عالم کے ہاتھ میں
عابدؔ نہیں جہاں میں کسی سے گلہ مجھے

خواجہ عابدؔ نظامی

نعت

یا نبیؐ اتنی مہربانی ہو !
تیری چاہت مری کہانی ہو
نعت لکھوں حضورؐ کی ایسے
میرے ہر لفظ میں جوانی ہو
میرے اشعار کے ستاروں میں
آپ کا حُسن آسمانی ہو
میرے افکار کے نصیبوں میں
آپ کے در کی پاسبانی ہو
ہو بیاں مجھ سے آپ کی سیرت
میرے لہجے میں یوں روانی ہو
میرے اظہار کے سمندر میں
درد کی بارشوں کا پانی ہو
کاظمیؔ مدحتِ نبویؐ کے طفیل
زندگی میری جاودانی ہو

——— اکبر کاظمی

Scanning Date: 29-02-2024

صحابہ کرام نمبر

دسواں ایڈیشن۔ اگست 2003ء

خصوصی شعبہ ادارت

امجد رؤف خان۔ نواز رحمانی کامران امجد

شاہ مصباح الدین شکیل شمس تبریز

ڈیزائن: ارشد یعقوب

خطاطی: علی احمد، عبدالعزیز، طارق

پروسیس: عامر، قیصر

سرکولیشن: بشیر احمد

اشتہارات: طارق محمود۔ خرم احمد خان۔

نگران پرنٹر: خالد محمود۔ محمد توفیق

قیمت: 100 روپے

خط و کتابت و رابطہ کیلئے: 244۔ مین مارکیٹ ریواز گارڈن لاہور۔ فون: 7245412

امجد رؤف خان پبلشر نے اللہ والا پرنٹرز سے چھپوا کر

244۔ مین مارکیٹ ریواز گارڈن لاہور سے شائع کیا

اشاریے

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ
ذخیرۂ کتب
حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فاروق سلطان قادری رح (1955-2016) الازہری
جھنگ - پنجاب
وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

اس شمارے میں

Scanned By:
ATA-UL-MUSTAFA
0333-4585215

اصحابی کالنجوم

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں

تحریر: شاہ مصباح الدین شکیل

صحابہ کرامؓ — شمع نبوّت کے پروانے

خوشا وہ وقت کہ دیدارِ عام تھا ان کا
خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا ان کا

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملنے کا وقت قریب تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ انہی دنوں آپؐ ایک رات عشا کی نماز پڑھانے کے بعد صحابہؓ کی طرف رُخِ مبارک پھیر کر کھڑے ہو گئے۔ مسجدِ نبویؐ میں جمع تمام صحابہ کرامؓ پر نظر ڈالی اور پھر ارشاد فرمایا: "تم اپنی اس رات سے متعلق مجھ سے سنو۔" صحابہؓ گوش بر آواز تھے۔ اللہ کے آخری رسول کی آواز میں نقاہت تھی۔ ہر کوئی آپ کی علالت پہ متفکر اور مغموم تھا۔ ارشاد ہوا "جو شخص آج زمین پر ہے سو برس بعد ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔" (صحیح بخاری، جلد اوّل ص ۱۲۸۳)

اس مختصر خطبے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام حضورؐ کے ارشاد پر غور کرنے لگے۔ عام خیال یہی تھا کہ آج سے ایک صدی بعد قیامت برپا ہو گی اور روئے زمین پر کوئی ذی نفس باقی نہیں رہے گا۔ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کی تاریخ نے کسی اور انداز میں تصدیق کی۔

یہ ارشاد دراصل صحابہ کرامؓ کے بارے میں تھا انسانوں کا وہ مقدس گروہ جس نے اللہ کے کلام اور اس کے رسولؐ کی تصدیق کی۔ اس امانت کو اپنے سینے میں محفوظ رکھا اور آنے والی

نسلوں کو منتقل کیا، جو از سرتاپا حکمِ الٰہی کے پابند اور اطاعتِ رسول کے خوگر تھے۔ ان کے دل دولتِ ایمان سے سرشار تھے۔ ان کے دماغ ارشاداتِ نبوی سے منور رہتے۔ جن کی محفل علم و حکمت کی درسگاہ تھی، جہاں آیاتِ ربانی کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اخلاق و عادات کی تہذیب و تربیت ہوتی تھی، جن کے ہاتھ میدانِ جنگ میں شمشیر بکف ہوتے، جن کے پاؤں اللہ کے نام کو بلند کرنے کے لیے جہاد کے راستے میں گرد آلود ہوتے، جن کے کان حکمِ ربّ پر گوش برآواز ہوتے اور معلّمِ کتاب و حکمت کے ارشادات کو اپنے لوحِ ذہن پر محفوظ کرتے جاتے، جن کی زندگی اور موت صرف اسلام کے لیے تھی، وہ جنہوں نے اپنے نام کے ساتھ بے مثل کام بھی چھوڑا ایک سو برس بعد ہستیِ رنگ و بُو میں نظر نہ آئیں گے۔

صحبتِ نبیؐ میں دین و دُنیا کی سعادتیں لوٹنے والی یہ ہستیاں اللہ کے آخری رسول کے اس دُنیا سے پردہ فرمانے کے ٹھیک ایک سو سال بعد اس دُنیا سے اُٹھ گئیں۔ عہدِ صحابہؓ میں تاریخ نے جن کے تذکرے محفوظ کیے ہیں وہ یہ ہیں۔

حضرت انس ابن مالک جو ہجرتِ نبویؐ کے موقع پر دس سال کے تھے۔ ان کی والدہ حضرت اُمِ سلیمؓ نے انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ حضورؐ نے ان کی درازیٔ عمر کے لیے دُعا مانگی تھی۔ حضرت عمرؓ نے انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دینے کے لیے بصرہ روانہ کیا۔ ایک سو تین سال کی عمر میں ۹۳ ہجری میں بصرہ میں وفات پائی۔

حضرت محمودؓ بن ربیع ۱۰۹ سال اور حضرت ہرماسؓ بن زیاد باہلی نے ۱۱۲ سال کی عمر پائی۔ مدینہ میں دفن ہونے والے آخری صحابی حضرت سہلؓ بن سعد ہیں جنہوں نے ۱۰۰ سال کی عمر میں ۹۱ ہجری میں انتقال فرمایا۔

حافظ ابن حجر نے جریر بن حازم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وہ ۱۱۰ ہجری میں مکہ میں تھے اسی زمانے میں انہوں نے ایک جنازہ دیکھا جس کے ساتھ کثیر تعداد میں لوگ تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ حضرت ابوالطفیل عامرؓ ابن واثلہ کی میت ہے جو اللہ کے رسولؐ کو دیکھنے والے آخری صحابی ہیں۔

صحیح مسلم کتاب الفضائل میں ارشادِ نبویؐ ہے کہ میرے صحابہ میری اُمت کے لیے امان ہیں۔ جب یہ ختم ہو جائیں گے تو میری اُمت پر وہ چیز آئے گی جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

صحیح بخاری ابواب المناقب میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور حضرت عمرانؓ بن حصین سے روایت ہے کہ میری اُمت کے بہترین لوگ میرے قرن کے لوگ ہیں پھر وہ لوگ بہترین ہیں

جو ان سے متصل ہیں پھر وہ لوگ بہترین ہیں جو ان سے پیوستہ ہیں۔ پھر ان تین قرنوں کے بعد ایک ایسی جماعت پیدا ہوگی جو عیش و عشرت کو پسند کرے گی۔"

صحیح بخاری ہی کی ایک اور حدیث ہے۔" لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جب کوئی جماعت جہاد کرے گی تو لوگ کہیں گے کہ کیا تم میں کوئی رسول اللہ کا صحابی ہے؟ جواب ملے گا ہاں ہے۔ پھر (اس صحابی کی برکت سے) ان کو فتح دی جاتے گی۔ پھر ایک زمانہ آئے گا جب لوگ جہاد کریں گے تو کہیں گے کہ کیا تم میں کوئی صحابی کا صحابی ہے؟ لوگ کہیں گے: ہاں۔ پھر انھیں فتح دی جاتے گی۔ پھر ایک زمانہ آتے گا لوگ جہاد کریں گے تو پوچھا جاتے گا کہ تم میں کوئی صحابی کے صحابی کا صحابی ہے؟ جواب اثبات میں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی شرکت کی برکت سے مجاہدوں کو فتح عطا فرمائے گا۔"

صحابہ کرام وہ مقدس ہستیاں ہیں جنہوں نے جمال ہم نشین کو اس درجہ جذب کرلیا تھا کہ خاک سے پاک ہو گئے تھے۔ وہ صبغۃ اللہ یعنی اللہ کے رنگ میں رنگ گئے تھے جو کتاب و سنت پر عمل پیرا ہونے کے لیے حد درجہ حریص تھے۔ جو خود گمراہ تھے وہ رسول اللہ کی بدولت زمانے کے ہادی و رہنما بن گئے جنہوں نے دنیا میں علم و تہذیب کا اجالا پھیلایا اور ارشادات نبوی کی روشنی میں اپنے عمل کو معتبر بنایا۔

عہد رسالت اور بعثت سے قبل ہزاروں لوگوں نے آپ کو دیکھا۔ کیا لفظ صحابی کا اطلاق ان سب پر ہوگا؟ یا یہ ایک مخصوص سعادت ہے جو چند شرائط کی تابع ہے؟

صحابی عربی زبان کا لفظ ہے جو لفظ صحبت سے نکلا ہے۔ عام طور پر ساتھی، رفیق، ملنے جلنے والے اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے ہم مشرب اس نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اس کے لیے زیادہ مدت صحبت میں رہنا ضروری ہے۔ جب یہ لفظ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقا کے لیے استعمال ہوتا ہے تو خاص معنی و مفہوم اختیار کرلیتا ہے۔

مشہور تابعی بزرگ حضرت سعید بن مسیب کے نزدیک ایسا شخص جو سال دو سال ایمان کی حالت کے ساتھ اللہ کے رسول کے ساتھ رہا ہو، آپ کی ہم رکابی میں ایک یا دو غزوات میں شریک رہا ہو، صحابی کہلانے کا مستحق ہے۔

بعض علما کے پاس احادیث روایت کرنے کی شرط ہے یعنی ایسا شخص جو مجلس نبوی کا حاضر باش ہو، اس نے آپ کی باتیں امت تک پہنچائی ہوں۔

علامہ سخاوی نے اپنی کتاب "فتح المغیث" میں یہ پابندی لگائی ہے کہ نہ صرف طویل مدت تک رسول اللہ کی صحبت میں رہا ہو بلکہ مقصد اتباع بھی ہو۔ ان کے خیال میں اس مقصد سے ہٹ کر

شرفِ ملاقات حاصل کرنے والے صحابی ایسے ہیں جیسے وفود میں آنے والے عام لوگ! جن علماء نے اس اصول میں نرمی برتی انہوں نے کہا کہ ہر وہ بالغ مسلمان جس نے ثباتِ عقل و ہوش میں ایمان کی حالت میں رسول اللہ کو دیکھا ہو صحابی کہلایا جاسکتا ہے۔

قاضی عبدالبر نے اپنی کتاب "استیعاب" اور ابن ہندہ نے "معرفۃ الصحابہ" میں اس کا دائرہ بہت وسیع کر دیا ہے۔ عہدِ نبویؐ کے ہر مسلمان کو چاہے اس نے شرفِ ملاقات حاصل کیا ہو یا نہ کیا ہو صحابی تسلیم کیا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ اور امام بخاریؒ نے صحابیت کے لیے کم سے کم شرط یہ عائد کی ہے کہ حالت ایمان میں شرف ملاقات حاصل کیا ہو۔ دیکھنا ضروری نہیں کہ بعض ملنے والے نابینا بھی تھے جیسے حضرت عبداللہ ابن ام کلثومؓ۔

شرف صحابیات کے لیے "اسدالغابہ" میں امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول ملتا ہے کہ ہر وہ شخص جس نے ایک مہینہ، ایک دن، ایک گھنٹہ یا ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ کے رسول کی صحبت اٹھائی یا آپ کو دیکھا ہو وہ صحابی کہلانے کا مستحق ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ حالتِ ایمان میں دیکھا ہو اور پھر اس متاع ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوا ہو۔

مندرجہ بالا معیار کو پیشِ نظر رکھا جائے تو عہدِ رسالت کے وہ بچے جو پیدا تو ہوئے مگر سنِ بلوغت کو نہیں پہنچے، اس شرف سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس طرح حضرت اویس قرنی اور حضرت حنف بن قیس جیسے مسلمان جو عہدِ نبویؐ میں موجود تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار اور صحبت سے محروم رہے۔ اس قسم کے افراد پر بھی لفظ صحابی کا اطلاق نہیں ہوتا جن خوش نصیبوں نے خواب میں زیارت رسول کی وہ بھی اس دائرہ میں نہیں آسکتے۔

عام معیار زہد و تقویٰ قرار دیا گیا ہے۔ ہر وہ شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ ایمان میں دیکھا یا ملاقات کی صحابی کے نام سے یاد کیا جاسکتا ہے۔ سب سے اہم اور بنیادی شرط تقویٰ اور ایمان ہے۔ ورنہ دیکھنے اور ملنے والوں میں عتبہ، شیبہ، ولید، ابوجہل، ابولہب، امیہ ابن خلف اور ولید ابن مغیرہ وغیرہ بھی تھے۔

مخفی مبادکہ کوئی مسلمان علمی حیثیت سے ترقی کرتا کرتا حجۃ اسلام امام غزالیؒ بن جاتے یا روحانی اعتبار سے مقامات سلوک طے کرتا کرتا پیر سے پیران پیر ہو جاتے فضیلت میں وہ نجد و حجاز کے اس چرواہے کے برابر نہیں ہو سکتا جو وسطِ صحرا سے دن بھر اونٹوں کو چرا کر گرد آلود ہاتھ پاؤں کے ساتھ مسجد نبویؐ میں آتا اور وضو کر کے اللہ کے رسول آخریؐ کے پیچھے رکوع و سجود کا شرف حاصل

کرتا ہے۔ وہ آنکھیں کہاں سے لاؤ گے جس نے محبوب رب المشرقین و رب المغربین کا دیدار حاصل کیا ہو؟ وہ کان کہاں سے لاؤ گے جس نے قرآن کو قرآن والے کی زبان سے سننے کا شرف حاصل کیا ہو؟

مقام صحابیت کے تعین کے بعد ایمان میں سبقت استقامت اور قربِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے ان کی فضیلت کی درجہ بندی کی گئی ہے۔

روئے زمین کی اوّلین ہستی جس نے منصب نبوت سے مستفید چہرۂ رسُول آخرالزماں دیکھا وہ خوش نصیب خاتون آپ کی شریکِ حیات اور مونس و غمگسار اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہیں۔ اسکے بعد مردوں میں یہ شرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حاصل ہوتا ہے۔ اُمت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اوّلیت ایمان کے لحاظ سے (بقول حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے منسوب کر کے یہ کہا جاتا ہے کہ) "مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ابوبکرؓ ابن قحافہ ہیں۔ عورتوں میں یہ سعادت اُم المومنین حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کے حصے میں آئی۔ بچوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ ابن ابی طالب ایمان لائے۔ آزاد کردہ غلاموں میں یہ شرف حضرت زیدؓ بن حارثہ کو حاصل ہوا۔" انہیں اوّل المسلمین کہا جاتا ہے۔

خلفائے راشدین

قرآن مجید نے جس ہستی کو "صاحب النبی" کہا وہ صحابہ کرام ابوبکرؓ صدیق ہیں۔ خلفائے راشدین اوّل ہیں ان کی تعداد چار بتائی جاتی ہے۔ یہ چار نہیں بلکہ چھ ہیں۔ اور یہ چھ کے چھ صحابیِ رسولؐ ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ مرتضیٰ، حضرت حسنؓ، حضرت امیر معاویہؓ۔

ازواج و بنات رسُولؐ

خلفائے راشدین کے بعد ازواجِ مطہرات اور بنات رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ ان میں دعوت و تبلیغ رفاقت اور غمگساری کے اعتبار سے بلند مرتبت اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ہیں جنہیں بجا طور پر افضل النسا اور پھر اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں جنہوں نے پیغمبرؐ کے ورثہ علم کی حفاظت کی اور نصف صدی سے زیادہ اس کی ترویج کی۔ آپ کی روایت کردہ

حدیثوں پر ایک تہائی فقہ کی بنیاد ہے۔ علمی حیثیت سے ام سلمہؓ کا مقام بھی ممتاز ہے۔ نسبی اعتبار سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی چاروں بیٹیاں خواتین میں افضل ہیں۔

عشرۂ مبشرہ

ان کے بعد صحابہ میں عشرۂ مبشرہ ممتاز ہیں۔ وہ دس صحابہ کبار ہیں جنہوں نے ایک ہی مجلس میں لسانِ وحی ترجمان سے جیتے جی جنّت کی بشارت سُنی۔ ابتدائی چار خلفاؔ کے علاوہ اس محفل میں حسب ذیل چھ صحابہ بھی مژدۂ جنّت کے حامل ہیں۔

۵۔ حضرت زبیرؓ ابن عوام	۶۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص
۷۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف	۸۔ حضرت ابوعبیدہؓ ابن جراح
۹۔ حضرت طلحہؓ ابی عبیداللہ	۱۰۔ حضرت سعیدؓ بن زید

پھر فضائل اور مناقب کے لحاظ سے وہ ہیں جن کے بارے میں سورۂ توبہ میں ارشاد ربانی ہے۔

ترجمہ: "جن لوگوں نے ایمان لانے میں سبقت کی وہ مہاجرین ہوں یا انصار اور جنہوں نے نیکو کاری کے ساتھ ان کی پیروی کی خُدا ان سے خوش ہے اور وہ خُدا سے خوش ہیں اور اس نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔"

مہاجرین میں سابقون الاولون

فضیلت میں یہ وہ طبقہ ہے جس نے حق کے راستے میں پہل کی۔ ہر طرح کی مصیبت اور ظلم برداشت کیے۔ بڑی استقامت سے اللہ اور اس کے رسول سے اپنا ناطہ جوڑے رکھا۔ ان میں قابلِ ذکر یہ ہیں۔

حضرت زیدؓ ابن حارثہ، حضرت بلال حبشیؓ، حضرت عمارؓ ابن یاسر، حضرت خبابؓ ابن الارث، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص، حضرت صہیبؓ رومی، حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت ارقمؓ بن ارقم، حضرت جعفرؓ بن ابی طالب، حضرت ابوسلمہؓ، حضرت عمروؓ بن عبسہ۔

عورتوں میں حضرت عباسؓ کی زوجہ لبابہؓ بنت حارث جن کا لقب اُمّ الفضل تھا۔ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ، حضرت اُمّ رومانؓ، حضرت سمیہؓ، حضرت فاطمہؓ بنت خطاب ابتدائی ایمان لانے والوں کی صف میں شامل تھیں۔

انصار میں سابقون الاوّلون

نبوت کے گیارہویں سال جب حج کا موسم آیا تو قبیلہ خزرج کے کچھ لوگ آئے۔ عقبہ کی گھاٹی مکّہ سے چند میل دُور ٹھہرے تھے۔ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کے لیے ان کے پاس بھی پہنچے۔ یہودیوں سے میل جول کی وجہ سے یہ لوگ نبی آخرالزماںؐ کی متوقع بعثت سے باخبر تھے جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ کی زبان سے وحی الٰہی کو سُنا تو فوراً ایمان لے آئے ان چھ افراد کے نام ہیں۔

حضرت ابو امامہ بن زُرارہ، حضرت عوفؓ بن الحارث، حضرت رافعؓ بن مالک، حضرت قطبہؓ بن عامر، حضرت عقبہؓ بن عامر، حضرت سعدؓ بن ربیع۔

یثرب جا کر ان پاک سرشت صحابہ نے نورِ ایمان پھیلایا۔ آئندہ سال ۱۲ نبوت میں حج کے موقع پر ۱۲ افراد آئے۔ ان میں حضرت سعدؓ بن ربیع کے علاوہ باقی پانچ وہی تھے اور مزید سات افراد دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے جن کے نام یہ ہیں۔

حضرت زکوانؓ بن قیس، حضرت عبادہؓ بن صامت، حضرت خالدؓ بن مخلد، حضرت عباسؓ بن عبادہ، حضرت معاذؓ بن الحارث، حضرت ابوالہیثم مالکؓ بن یتہان، حضرت عدیمؓ بن ساعدہ۔

ان سے توحید، اطاعتِ رسول، چوری، زنا، بچیوں کے قتل، جھوٹی تہمت اور چغلی سے اجتناب پر بیعت ہوئی۔ یہی پہلی بیعت ہے جو بیعت عقبہ کہلاتی ہے۔ اس موقع پر ان کی تعلیم اور دعوت کے لیے حضرت مصعبؓ بن عمیر اور عبداللہؓ بن اُمّ کلثوم کو ساتھ بھیجا گیا۔ سن ۱۳ نبوت میں حج کے موقع پر دوسری بیعت عقبہ ہوئی اس میں اوس اور خزرج کے کُل ۷۰ مرد اور دو عورتیں تھیں۔ یہ اس ارادے سے آئے تھے کہ نبی آخرالزماںؐ کو اپنے شہر یثرب میں ہجرت کی دعوت دیں۔

بیعت ہو چکی تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس طرح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے اپنے لیے بارہ اشخاص چُن لیے تھے اسی طرح جبرئیلؑ کے اشارے سے میں تم میں سے بارہ نقیب منتخب کرتا ہوں۔ تم یثرب واپس جا کر اسلام کی اشاعت کرو۔ مکّہ والوں کے لیے میں خود یہ

کام انجام دوں گا۔"

ان نقیبانِ انصار میں ۹ لوگ قبیلۂ خزرج اور ۳ لوگ قبیلۂ اوس کے تھے۔ یہ بارہ نقباء انصار کے سابقون الاولون میں فضیلت کے اسی مقام پر ہیں جہاں مہاجرین میں عشرہ مبشرہ ہیں۔

قبیلۂ خزرج کے نقیب یہ افراد ہیں۔

حضرت اسعدؓ بن زرارہ، رافعؓ بن مالک، حضرت عبادہؓ بن صامت، حضرت سعدؓ بن ربیع، حضرت منذرؓ بن عمر، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، حضرت براءؓ بن معرور، حضرت عبداللہؓ عمرو بن حرام، حضرت سعدؓ بن عبادہ۔

تین نقیبان اوس میں

حضرت اسیدؓ بن حضیر، حضرت سعدؓ بن خیثمہ، حضرت ابوالہیثمؓ بن تیہان شامل ہیں۔

ہجرت کا حکم آیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی الحجہ کے ذرا بعد صحابہ کو مقامِ ہجرت کی نشان دہی فرمائی۔ ابتدائی ہجرت کرنے والوں میں حضرت مصعبؓ بن عمیر اور حضرت عبداللہؓ بن اُمِ کلثوم کے بعد حضرت بلال حبشیؓ۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عمارؓ بن یاسرؓ یکے بعد دیگرے رہ نوردِ شہرِ یثرب ہوئے۔ پھر بیس آدمیوں کی ایک ٹولی نکلی جس میں حضرت عمر فاروقؓ بھی شامل تھے۔

حضرت عمرؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو علی الاعلان نکلے۔ جسم کو اسلحہ سے سجایا۔ سب سے پہلے کعبۃ اللہ کا رُخ کیا۔ طواف سے فارغ ہوئے تو صحن کعبہ میں جمع قریش کے افراد کو مخاطب کیا۔ فرمایا "میں ہجرت کر رہا ہوں۔ جو چاہتا ہے کہ اپنی بیوی کو بیوہ، بچوں کو یتیم اور اپنی ماں کو پیچھے روتا ہوا چھوڑے تو آئے مجھ سے مقابلہ کرے۔" کسی نے مقابلہ کی جرأت نہ کی البتہ کچھ کمزور مسلمان آپ کے ہمسفر ہوگئے۔

حضرت صہیب غلام تھے مگر بڑے مالدار۔ جب ان کے ہجرت کی خبر کفار کو ہوئی تو سدِراہ ہوئے اور کہا یہ مال مثال لیے کہاں چلے؟ جو یہاں کمایا ہے اسے لے جانے نہیں دیں گے تو فرمایا جب تک میرے ترکش میں آخری تیر ہے کوئی مجھے روک نہ سکے گا۔ ہاں مال و دولت چاہیتے ہو تو لے لو اور مجھے جانے دو۔ یوں سب کچھ لٹا کر اپنی جان بچا کر قُبا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ حضورؐ نے دیکھا تو فرمایا "تم نے بڑی پُرمنفعت تجارت کی ہے۔"

ربیع الاول کے مہینے میں اللہ کے رسولؐ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں مکہ سے یثرب کے لیے روانہ ہوئے۔ یہی وہ ہستی ہیں جن کو قرآن صحابی رسول کے نام سے یاد کرتا ہے۔ حضرت

علیؓ کو حضور اکرمؐ نے کفار کی امانتیں واپس کرنے کے لیے مکہ میں چھوڑا۔ قبا میں حضرت کلثومؓ بن ہدم کے گھر پر قیام فرمایا۔ مسجد قبا کی بنیاد ڈالی۔ تین دن کے قیام کے بعد ۔۔۔ جمعہ کے دن جانب یثرب روانہ ہوتے۔ راستے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو سالم کے محلے میں نماز ادا فرمائی جو پہلی جمعہ کی نماز تھی۔ اس کے بعد جنوبی سمت سے یثرب میں داخل ہوتے۔ اس دن سے یہ شہر مدینۃ النبیؐ کہلانے لگا اور اسے یثرب کہنے سے منع کیا گیا۔

مدینہ میں پہلا کام مسجد نبویؐ کی تعمیر تھی۔ پھر حضورؐ نے بے آسرا اور بے سرو سامان مہاجرین کی آبادکاری پر توجہ فرمائی۔ حضرت انسؓ بن مالک کے گھر پر مواخات کی غرض سے صحابہ کو جمع کیا۔ ان کی تعداد نوّے بتائی جاتی ہے جس میں ۴۵ مہاجر اور ۴۵ انصار تھے۔ حضورؐ نے ایک مہاجر اور ایک انصار میں بھائی چارہ قائم کیا۔ یہ انصار و مہاجرین وہ خوش قسمت ہستیاں ہیں جنہیں دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ سابقون الاولون میں ایسے تمام صحابیوں کا شمار ہوتا ہے۔

کاتبانِ وحی

بعض علماء نے فضیلت میں مجاہدینِ بدر سے پہلے کاتبانِ وحی کا مقام رکھا ہے۔ مدینہ میں ان کی تعداد ۴۰ تک پہنچ گئی۔ پہلی وحی کو لکھنے کا شرف حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص کو اور آخری وحی لکھنے کا امتیاز حضرت ابیؓ بن کعب کے حصے میں آیا۔

مجاہدینِ بدر

حق و باطل کے پہلے معرکہ "یوم الفرقان" میں حصہ لینے والا طبقہ بلند مقامِ فضیلت کا حامل ہے۔ ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو دیکھا اور فرمایا اب تم جو چاہو کرو۔ میں تم کو بخش چکا ہوں۔ ایک اور حدیث میں آیا کہ حضرت جبرئیلؑ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور پوچھا۔ آپؐ اہلِ بدر کو مسلمانوں میں کیسا سمجھتے ہیں؟ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ سب مسلمانوں سے افضل سمجھتا ہوں۔ حضرت جبرئیلؑ نے بتایا کہ فرشتوں میں سے جو فرشتے میدانِ بدر میں حاضر ہوئے ان کا درجہ بھی ملائکہ میں ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ ان کا مقام اس لیے بھی بلند ترین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مجاہدین کے پچھلے اور اگلے تمام گناہ معاف کر دیے اور ان پر جنّت واجب ہو گئی۔ ان کی تعداد عام روایتوں کے مطابق ۳۱۳ ہے۔

اہلِ اُحد

وہ مجاہدین جو غزوہ احد میں شریک رہے' میدانِ جنگ میں تو ایک ہزار مجاہدین گئے تھے لیکن راس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول عین وقت پر اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ پیٹھ پھیر کر چلا گیا۔ اس طرح اہلِ ایمان کی تعداد ۷۰۰ ہوئی۔

شرکائے خندق

۵ھ میں مدینے کو قریش اور عرب قبائل کے ٹڈی دل نے گھیر لیا۔ مسلمانوں نے اپنے شہر کے تین طرف ایک خندق کھودی اور کئی دنوں تک محصور رہے۔ اس میں حصہ لینے والے صحابہ فضیلت میں اہلِ اُحد کے بعد ہیں۔

بیعت رضوان کرنے والے

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ کعبۃ اللہ کی زیارت کر رہے ہیں۔ خواب کو حقیقت میں تبدیل کرنے کے لیے نکلے تو آپؐ کے ساتھ ایک روایت کے مطابق ۱۴ سو اور دوسری روایت کے مطابق ۱۶ سو صحابہ کرام تھے۔ حدیبیہ کے مقام پر کارواں ٹھہرا۔ حضرت عثمانؓ سفیر بنا کر مکہ بھیجے گئے۔ خبر آئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ببول کے پیڑ کے نیچے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے صحابہ سے بیعت لی یہ اصحاب بڑے صاحبِ عظمت ہیں۔

اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ فتح میں ارشاد فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہُوا۔ جبکہ یہ لوگ آپؐ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ اللہ کو بھی معلوم تھا۔ پس اللہ نے انہیں تسکین عطا فرمائی اور فتح بھی دے دی۔"

فتح مکہ

سورۃ حدید میں ارشاد فرمایا گیا: "جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کے راستے میں خرچ کیا اور جہاد کیا' وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا۔ فتح سے پہلے خرچ کرنے والے اور جہاد کرنے والے ان لوگوں میں زیادہ بلند ہیں جنہوں

نے فتح کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا۔ ویسے اللہ کا ان دونوں جماعتوں اور روز بروز تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہ دن بڑی آزمائش کے تھے جو ایمان لاتا وہ قریش کی نظروں میں سختی کا مستحق تھا۔ ان کے ظلم وستم کا نشانہ بن جاتا۔ خون کی گرہ ٹوٹ جاتی اور دشمنی سے کوئی لاگ لگاؤ نہ رکھا جاتا۔ حضرت عثمانؓ ایمان لے آئے تو ان کا حقیقی چچا جان کا دشمن ہوگیا جو غلام اور بے بس تھے ان پر تو نت نئے انداز سے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جاتے۔ ابوجہل، امیہ بن خلف اور ابولہب ایذارسانی میں پیش پیش تھے۔ حق کے راستے میں حضرت بلالؓ، خبابؓ، یاسرؓ، عمارؓ اور سمیہؓ پر جو مظالم کیے گئے انہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

ان حالات میں ایمان لانا گویا مصیبتوں کو دعوت دینا تھا۔ پھر بھی ذات واحد کے پرستاروں میں اضافہ ہی ہو رہا تھا۔ لیکن یہ تعداد خاطر خواہ نہیں تھی۔ تبلیغ کرتے پانچ سال کا عرصہ گزر گیا تھا۔ کفار قریش نے داعی اسلام کو بھی ستانا شروع کر دیا یہاں تک کہ بعض مؤرخین کے نزدیک آپؐ مایوس اور پریشان ہونے لگے۔ آخر آپؐ ایک قلعہ نما مکان دارالارقم میں اٹھ آئے۔ لاچار موحدین کو تختۂ مشق بنایا جانے لگا۔ تنگ آکر ۱۱ مردوں کی ایک جماعت مختصر ہجرت کرکے حضورؐ کے پاس آگئے کہ آپؐ کی رہائش میدانِ عرفات کے نزدیک واقع تھی یہاں ان نفوسِ قدسیہ نے آپؐ کے خطبات سنے اور آپؐ کے پیچھے نمازیں ادا کیں۔ ان تمام زائرین کعبہ کو مقامِ صحابیت کا شرف اور منزلت حاصل ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی تبلیغ سے ایمان لانے والوں میں عشرہ مبشرہ کی بڑی تعداد شامل ہے۔

آہستہ آہستہ تبلیغ ودعوت کا دائرہ پھیلتا گیا۔

نبوتؐ کے حلقہ تربیت کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ جو مرد جس صلاحیت کے ساتھ دامن نبوتؐ سے وابستہ ہوا اس میں اوج کمال اور مقام بلند تک پہنچ گیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے فطری رجحان کو دیکھ کر ان کی تربیت فرمائی۔

ابوقحافہ کے صاحبزادے ہادیٔ برحق پر ایمان لائے تو صدیق اکبر بن گئے۔

خطاب کا فرزند شکارِ حق کے ارادے سے نکلا اور خود آیاتِ حق کا شکار ہوگیا تو شورِ حق و باطل کے ساتھ فاروق ہی نہیں فاروقِ اعظم کہلایا۔

عفان کا نورِ نظر کامل الحیاء والایمان کی صفات کے ساتھ دہرا داماد بنا اور دونوں جہاں کی دولت لوٹ کر "ذوالنورین" (دو نور والا) مشہور ہوا۔

ابوطالب کا دلبند دامنِ نبوتؐ میں تربیت پاکر امام المتقین گنجینۂ عالم اور امت کا بہترین قاضی ہوا۔

ابوعبیدہ بن جرّاح دیانت و امانت کی خوبیوں کے ساتھ وابستہ دامن نبوتؐ ہوتے تو لسانِ وحی ترجمان سے "امین الامت" کا خطاب پایا۔

عبداللہ بن عباسؓ جن کے لیے حضورؐ نے "فہم قرآن" کی دُعا مانگی تھی وہ امام التفسیر اور حبرالامت کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ قرآن مجید کی پہلی تفسیر جو دستیاب ہے' ان ہی سے منسوب ہے۔

یمن کا جویائے حق طلبِ علم میں سینکڑوں میل کا سفر کر کے گہوارۂ علم مدینہ پہنچا اور معلم کتاب و حکمت کے حلقہ سخن کا حاضر باش ہُوا تو "امام المحدثین" کے مقام پر فائز ہُوا۔

متلاشیٔ دینِ حق اصفہان نصف جہان سے نکل کر مجوسیت نصرانیت اور یہودیت کی منزلوں سے گزرتا ہُوا رسول آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں آیا تو اہل بیت نبویؐ کا شرف پایا۔

بنی غفار کا رہزن سردار دیدارِ رسولؐ اور شرفِ تکلّم سے یکسر بدل گیا۔ حق گوئی کے جوہر اور زہد کے ذوق نے ابوذرؓ کو "مسیح الاسلام" بنا دیا۔

ولید کا بیٹا خالد عسکری صلاحیتوں اور جنگجویانہ فطرت لے کر ایمان سے بہرور ہُوا تو لسانِ وحی سے "سیف اللہ" کا لقب پایا۔

عمروؓ بن عاص اور معاویہؓ بن ابوسفیانؓ' مغیرہؓ بن شعبہ نے سیاسی مہم و تدبر کے جوہر کے ساتھ دامن نبوت سے رشتہ جوڑا تو ایک زمانہ سے اپنا لوہا منوایا۔

اکثر صحابہ کرام کے دن گھوڑے کی پیٹھ پر راہِ حق میں جہاد کرتے گزرتے اور راتیں بارگاہِ حق میں قیام' رکوع اور سجود میں بسر ہوتیں یہ معلم کتاب و حکمت کی مجلس میں ہوتے تو سر جھکا کر بیٹھتے جیسے ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوں جو ذراسی جنبش سے اُڑ جائیں گی۔ یہی تو بدر کے صف شکن احد کے جانباز خندق کے مجاہد خیبر کے نبرد آزما اور مکّہ کے فاتح ہیں۔

تبع تابعی بزرگ عبداللہ بن مبارک کا قول غور سے پڑھنے کے لائق ہے۔ ان سے کہا گیا کہ محدث سفیان ثوریؒ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کو پانچواں خلیفہ راشد کہتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ یہ سُن کر وہ تعجب سے سوال کرنے والے کا منہ دیکھنے لگے۔ کہا مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ دن آئے گا جب صحابہ کرام کے مقام و منزلت کے بارے میں سوال ہو گا۔ ان کے بعد آنے والوں سے ان کا مقابلہ ہو گا۔ پھر آپ نے کہا سُن لو اور غور سے سُن لو حضرت امیر معاویہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا۔ جہاد کے

موقع پر جس گھوڑے پر سوار ہوتے' اس کے دوڑنے سے جو گرد اُڑی' اس گرد کا وہ حصہ جو گھوڑے کے نتھنے میں جمع ہُوا حضرت امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کا مقام اس کے برابر بھی نہیں۔

حضرت سعیدؓ بن زید فرماتے تھے۔ بخدا صحابہ کرام میں سے کسی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کسی غزوہ میں شرکت جس میں وہ غبار آلود ہُوا ہو تمہارے عُمر بھر کے اعمال حسنہ سے بہتر ہے اگرچہ اس کو عمرات ہزار برس ملی ہو۔

وہ ذات جو علیم و خبیر ہے جسے اگلی اور پچھلی چیزوں کا مکمل علم ہے اس کا سورۃ فتح میں ارشاد ہے: "محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ جو لوگ ہیں وہ ایسے ہیں کہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں ایک دُوسرے کے ساتھ رحیم ہیں"۔

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسُول کے درمیان ایک مستحکم اور مقدّس واسطہ ہیں۔ یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنہوں نے نبوت اور رسالت کی گواہی دی۔ وہ برگزیدہ ہستیاں جنہوں نے آیاتِ الٰہی کو لسانِ وحی ترجمان سے سُنا اور اس کی تصدیق کی۔

وہ علم کے جویا جو معلم کتاب و حکمت کے شاگرد ہیں۔

وہ عظیم المرتبت لوگ جو قرآن مجید اور احادیثِ نبوی کے وارث ہیں انہوں نے اس کو اپنے سینوں میں محفوظ کر کے آئندہ نسلوں تک پہنچایا۔

یہی تو وہ قدسی الصفات ہیں جن کے کردار آیاتِ قرآنی میں مزیّن ہو گئے۔ سورۃ فاطر میں انہیں "منتخب بندے" فرمایا گیا اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام آیا۔ اس کے بعد فرمایا "پھر وارث بنا دیا ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو جن کا ہم نے اپنے بندوں میں سے انتخاب کیا۔

سورۃ حشر کی آیات ۸ تا ۱۰ میں مسلمانوں کے تین گروہوں کا ذکر ہے۔ پہلے مکّہ معظمہ کے مہاجرین جن کے بارے میں قرآن مجید میں ہے:

اولٰئک ہم الصادقون (یہی لوگ سچے ہیں)

دُوسرا گروہ انصار کا ہے ان کے بارے میں ارشاد ہے: اولٰئک ہم المفلحون (یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)

تیسرا طبقہ ان مسلمانوں کا ہے جو ان کے بعد قیامت تک پیدا ہوں گے۔ ان کے بارے میں ارشاد ہُوا:

"اور وہ لوگ جو بعد میں یہ کہتے ہوئے آئے کہ اے ہمارے رب ہماری بھی مغفرت فرما اور

ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لاتے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں سے کوئی بغض نہ کرنا۔

سورۃ حجرات کی آیت نمبر۷ میں فرمایا گیا۔

"اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے پیغمبر ہیں اگر بہت سی باتوں میں وہ تمہارا کہا مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ لیکن اللہ نے تم کو ایمان عزیز بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا۔ یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں۔"

صحابہ کرامؓ کے مقام و منزلت کے لیے چند ارشاد نبوی درج ہیں۔

۱۔ "میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ تم میں سے کوئی آدمی اگر اُحد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو میرے صحابی کے ایک مُد (وزن کا پیمانہ) بلکہ آدھے مُد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

۲۔ "جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم ان سے کہو اللہ کی لعنت ہے اس پر جو تم دونوں (یعنی صحابہ اور تم) میں بدتر ہیں۔

۳۔ "اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں۔ میرے بعد ان کو (طعن و تشنیع کا) نشانہ نہ بناؤ کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کے ساتھ ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی اور جو اللہ کو ایذا پہنچانا چاہے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ لے گا۔"

اللہ کے آخری رسولؐ کا ارشادِ گرامی ہے: "میرے صحابہ (ہدایت میں) ستاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔"

قدیم زمانے میں جب کارواں راتوں میں صحرا میں سفر کرتے تھے تو ستاروں ہی کی مدد سے راستوں کا پتہ چلاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس پس منظر میں کس قدر بلیغ ہے۔ آنے والی نسلوں کے لیے ہر صحابیٔ رسول آسمانِ رشد و ہدایت کا روشن ستارہ ہے اور ستارہ کا کام راستہ دکھانا ہے۔

آپؐ کے فیض سے آپؐ کے بعد بھی کتنے سورج ملے روشنی کے لیے۔

ذخیرہ کتب
جیّد عالم مولانا مفتی محمد فاروق سلطان قادری الازہری
(1955-2016)
جھنگ ۔ پنجاب

اصحابی کالنجوم
میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشاد نبوی)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی ماں نے لڑکے کے تبدیل مذہب کا حال سُنا تو نہایت کبیدہ خاطر ہوئیں، بات چیت، کھانا پینا سب چھوڑ بیٹھیں، چونکہ وہ اپنی ماں کے حد درجہ فرماں بردار اور اطاعت شعار تھے، اس لئے یہ سخت آزمائش کا موقع تھا، لیکن جو دل توحید کا لذت آشنا ہو چکا تھا وہ پھر کفر و شرک کی طرف کس طرح رجوع ہو سکتا تھا، ماں مسلسل تین دن تک بھوکی پیاسی رہیں، لیکن بیٹے کی جبینِ استقلال پر شکن تک نہ پڑی۔ خدائے پاک کو یہ شانِ استقامت کچھ ایسی پسند آئی کہ تمام مسلمانوں کے لئے معصیتِ الٰہی میں والدین کے عدم اطاعت کا ایک قانون عام بنا دیا گیا، چنانچہ آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ ہے "اگر والدین تجھ کو میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں جن کا کوئی علم و یقین تیرے پاس نہیں ہے تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر۔"

حضرت سعدؓ کا سنِ مبارک صرف اُنیس سال کا تھا کہ دعوتِ اسلام کی صدائے دل نواز نے توحید کا شیدائی بنا دیا، اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر خلعتِ ایمان سے مشرف ہوئے، آپؓ سے پہلے چھ سات حضرات خلعتِ اسلام سے سرفراز ہو چکے تھے۔

آپ کا نام سعد، ابواسحٰق کنیت، والد کا نام مالک اور ابو وقاص کنیت، والدہ کا نام حمنہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے، سعدؓ بن مالک بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب

ابن فہر بن نضر بن کنانہ القرشی زہری، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نانہال زہری خاندان میں تھی، اس لئے حضرت سعدؓ وقاص رشتہ میں آپؐ کے ماموں تھے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بارہا اس رشتہ کا اقرار فرمایا تھا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرتِ نبویؐ تک مکہ میں ہی مقیم رہے گو یہ سرزمین عام مسلمانوں کی طرح ان کے لئے مصائب و شدائد سے خالی نہ تھی، تاہم استقلال کے ساتھ ہر قسم کی سختیاں جھیلتے رہے۔

حضرت سعدؓ وقاص کفار کے خوف سے عموماً مکہ کی ویران و سنسان گھاٹیوں میں چھپ کر معبودِ حقیقی کی پرستش و عبادت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک گھاٹی میں چند صحابہؓ کے ساتھ مصروفِ عبادت تھے۔ اتفاق سے کفار کی ایک جماعت اس طرف آنکلی، اور اسلام کا مذاق اڑانے لگے حضرت سعدؓ وقاص کو اس بے بسی کی زندگی میں بھی جوش آگیا، اور اونٹ کی ہڈی اٹھاکر اس زور سے ماری کہ ایک مشرک کا سر پھٹ گیا، اور خون بہنے لگا۔ اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو حضرت سعدؓ وقاص کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔

مکہ میں جب کفار کے ظلم و ستم سے مسلمانوں کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو ہجرتِ مدینہ کا حکم دیا۔ اس حکمِ عام کی بنا پر حضرت سعدؓ وقاص نے مدینہ کی راہ لی، اور اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاصؓ کے مکان میں فروکش ہوئے۔ جنہوں نے ایامِ جاہلیت میں ایک خون کیا تھا اور انتقام کے خوف سے مدینہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

یہاں پہنچ کر مسلمانوں کو آزادی و طمانیت نصیب ہوئی۔ تاہم قریشِ مکہ کی حملہ آوری کا خطرہ موجود تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش بینی کرکے حضرت عبیدہ بن الحارثؓ کو ساٹھ یا اسی سواروں کے ساتھ غنیم کی نقل و حرکت دریافت کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت سعد وقاصؓ بھی اس جماعت میں شامل تھے۔ بغرض دورہ کرتے ہوتے حجاز کے ساحلی علاقہ میں قریش کی ایک بڑی تعداد سے مڈبھیڑ ہوئی چونکہ محض تجسس مقصود تھا، اس لئے کوئی جنگ پیش نہ آئی مگر حضرت وقاصؓ کو کہاں تاب تھی، انہوں نے ایک تیر چلا ہی دیا، چنانچہ یہ اسلام کا پہلا تیر تھا جو راہِ خدا میں چلایا گیا۔

دوسری دفعہ خود حضرت سعد وقاصؓ کے زیرِ قیادت آٹھ مہاجرین کی ایک جماعت تجسس کے لئے روانہ کی گئی، چنانچہ یہ مقام خرار تک گئے اور واپس آئے مگر کوئی جنگ نہ ہوئی۔ اس کے بعد عبداللہؓ بن الجحش کے ساتھ دشمن کی خبرگیری پر مامور ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش کو ایک سربمہر فرمان دیا تھا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھیں اور اس کی ہدایتوں پر عمل کریں۔

انھوں نے حسب ہدایت دو روز کے بعد پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہاں پہنچ کر قریش کی نقل و حرکت کا پتہ چلائیں، حضرت عبداللہؓ نے اپنے ساتھیوں کو فرمان کا مضمون سُنا کر کہا "میں کسی کو مجبور نہیں کرتا جس کو شہادت منظور ہو وہ ساتھ چلے ورنہ واپس جاتے"۔ حضرت سعد وقاصؓ اور تمام دوسرے ساتھیوں نے جوش کے ساتھ سمعاً و طاعۃً کہا، لیکن کچھ دُور جانے کے بعد عتبہ بن غزوانؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا اونٹ جو مشترکہ طور پر دونوں کی سواری میں تھا گم ہوگیا، اور اس طرح وہ دونوں پیچھے رہ گئے۔ عبداللہؓ بن الجحش نے نخلستان میں پہنچ کر قریش کے ایک قافلہ سے جنگ کی اور مال غنیمت اور چند قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آتے، چونکہ یہ وہ مہینہ تھا جس میں رسماً جنگ ممنوع سمجھی جاتی تھی، اس لئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں جنگ کا حکم نہیں دیا تھا۔ مسلمانوں نے بھی عبداللہؓ اور ان کے ساتھیوں کو ملامت کی لیکن وحیِ الٰہی نے اس مسئلہ کو اس طرح صاف کر دیا۔

"لوگ تم سے ماہِ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا (جائز ہے) کہدو اس میں لڑنا بڑا گناہ اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجدِ حرام سے باز رکھنا اور اس کے اہل کو اس سے نکال دینا خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے اور فتنہ کشت و خون سے زیادہ بُرا ہے۔"

قریش فدیہ لے کر اپنے قیدیوں کو چھڑانے آتے لیکن اس وقت تک عتبہؓ بن غزوانؓ اور سعدؓ بن ابی وقاص کا کچھ پتہ نہ تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک یہ دونوں صحیح و سلامت پہنچ نہ جائیں تمہارے قیدی رہا نہ ہوں گے۔ غرض جب یہ دونوں جانثار واپس آگئے تو مشرکین چھوڑ دیتے گئے۔

معرکۂ بدر سے مستقل جنگوں کی ابتدا ہوتی۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اس جنگ میں غیر معمولی شجاعت و جان بازی کے جوہر دکھاتے اور سعید بن العاص سرخیلِ کفار کو تہ تیغ کیا۔ حضرت سعدؓ کو اس کی ذوالکتیفہ نامی تلوار پسند آگئی تھی۔ تلوار لئے ہوتے بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر ہوتے، چونکہ اس وقت تک تقسیم غنیمت کے متعلق کوتی حکم نازل نہ ہُوا تھا اس لئے ارشاد ہُوا کہ جہاں سے اُٹھاتی ہے وہاں رکھ دو۔

حضرت سعدؓ کے برادرِ عزیز حضرت عمیرؓ اس جنگ میں شہید ہُوتے تھے کچھ تو ان کی مفارقت کا صدمہ اور کچھ تلوار نہ ملنے کا افسوس، غرض غمگین و ملول واپس آتے، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد

سورۃ انفال نازل ہوئی اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر تلوار لینے کی اجازت دے دی۔

۳ ہجری میں غزوۂ اُحد پیش آیا۔ گھاٹی کو قبل از حکمِ رسول چھوڑ دینے کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی اور ناگہانی حملہ کے باعث اکثر غازیوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ان ثابت قدم اصحاب کی صف میں تھے، جن کے پائے استقلال کو اخیر وقت تک لغزش نہ ہوئی۔ حضرت سعدؓ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، اس لئے جب کفار کا نرغہ ہُوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے:

"اے سعد! تیر چلا میرے باپ ماں تجھ پر فدا ہوں"۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سعدؓ کے سوا اور کسی کے لئے "فداک ابی و امی" کا جملہ نہیں سُنا۔

اثنائے جنگ میں ایک مشرک سامنے آیا جس نے اپنے تیز و تند جملوں سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نشانہ بنانے کا حکم دیا، لیکن اس وقت ترکش تیروں سے خالی ہو چکا تھا۔ حضرت سعدؓ نے تعمیلِ ارشاد کے لئے ایک تیر اُٹھا کر جس میں پھل نہیں تھا اس صفائی کے ساتھ اس کی پیشانی پر مارا کہ وہ بدحواسی کے ساتھ برہنہ ہو کر گر گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تیر اندازی اور اس کی بدحواسی پر بے اختیار ہنس پڑے، یہاں تک کہ دندان مبارک نظر آنے لگے۔

اسی طرح طلحہ بن ابی طلحہ کے حلق میں تاک کر ایسا تیر مارا کہ زبان کُتّے کی طرح باہر نکل پڑی اور تڑپ کر واصل جہنم ہُوا۔

غزوۂ اُحد سے فتح مکہ تک جس قدر معرکے پیش آئے، حضرت سعدؓ بہادری و جانبازی کے ساتھ سب میں پیش پیش رہے، پھر فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین میں اسی فدویت، جاں نثاری اور ثبات و پامردی کا کارنامہ پیش کیا جس کا اظہار غزوۂ اُحد میں کر چکے تھے۔

غزوۂ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں بھی شریک تھے۔ پھر ۱۰ ہجری میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا قصد فرمایا تو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ہمرکاب تھے، لیکن مکہ پہنچ کر سخت علیل ہو گئے، یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لاتے تو زندگی سے مایوس ہو کر عرض کرنے لگے "یا رسول اللہ! میں مالدار آدمی ہوں لیکن ایک لڑکی کے سوا کوئی وارث نہیں ہے، اس لئے اگر اجازت ہو تو اپنا دو ثلث مال کارِ خیر میں لگا دوں"، ارشاد ہُوا "نہیں!"

پھر عرض کی "دو ثلث نہیں تو نصف سہی" حکم ہوا "نہیں صرف ایک ثلث اور یہ بھی بہت ہے۔ تم اپنے وارثوں کو مالدار و توانگر چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال نہ پھیلاتے پھریں۔ تم جو کچھ بھی خدا کی رضاجوئی کے لئے صرف کرو گے اس کا اجر ملے گا، یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالتے ہو اس کا بھی ثواب پاؤ گے۔

حضرت سعدؓ کو مدینہ سے اس قدر محبت تھی کہ مکہ میں مرنا بھی پسند نہ تھا۔ بیماری جس قدر طول کھینچتی جاتی تھی اسی قدر ان کی بیقراری بڑھتی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشکبار دیکھ کر پوچھا "روتے کیوں ہو؟" عرض کی "معلوم ہوتا ہے کہ اسی سرزمین کی خاک نصیب ہوگی، جس کو خدا اور رسولؐ کی محبت میں ہمیشہ کے لئے ترک کر چکا تھا" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشفی دیتے ہوئے ان کے قلب پر ہاتھ رکھ کر تین دفعہ دعا فرمائی:

"اے خدا سعدؓ کو صحت عطا کر! سعدؓ کو صحت عطا کر!"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہنِ مبارک سے جو الفاظ نکلے تھے وہ اس مریضِ بسترِ مرگ کے لئے آبِ حیات ثابت ہوئے، دُعا مقبول ہوئی اور وہ صحیح و تندرست ہوئے۔ ساتھ ہی یہ بشارت سنائی کہ اے سعدؓ! تم اس وقت تک نہ مرو گے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری قوم کو نفع نہ پہنچ لے۔ یہ پیشین گوئی عجمی فتوحات کے ذریعہ پوری ہوئی، جن میں عجم قوم نے آپؓ کے ہاتھوں سے نقصان اور عرب قوم نے فائدہ اُٹھایا۔

مکہ سے واپس آنے کے بعد اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سقیفۂ بنی ساعدہ میں کثرتِ آراء سے مسندنشینِ خلافت ہوئے۔ حضرت سعدؓ وقاص نے بھی جمہور کا ساتھ دیا اور خلیفۂ اوّل کے ہاتھ پر بلاتوقف بیعت کر لی۔

خلیفۂ اوّل نے سوا دو برس کی خلافت کے بعد داعیِ حق کو لبیک کہا اور فاروقِ اعظمؓ کو جانشین کر کے رحلت گزینِ عالمِ جاوداں ہوئے، اس وقت اندرونی مہمات کا فیصلہ ہو کر شام و عراق پر فوج کشی کی ابتدا ہو چکی تھی۔ حضرت عمرؓ نے مسندنشین ہونے کے ساتھ ہی تمام عرب میں جوش و خروش کی آگ بھڑکا دی، اور ان حملوں کا انتظام زیادہ وسیع پیمانہ پر قائم کر دیا بخصوصاً عراق کی فوج کشی پر سب سے پہلے توجہ کی۔

اہلِ عرب اور ایرانیوں میں نہایت قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی، ایرانیوں نے بارہا عربوں کے اختلاف اور کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر تمام عرب کو تباہ و برباد کر دیا تھا بخصوصاً عراق عرب اور سرحدی علاقوں پر مستقل قبضہ جما لیا تھا، لیکن عرب بھی دب کر رہنے والے نہ تھے، جب موقع ملتا بغاوت کر

دیتے تھے، چنانچہ پوران دخت کے زمانہ میں جب طوائف الملوکی کے باعث ایرانی حکومت کا نظام ابتر ہوگیا تو سرحدی قبائل کو پھر شورش کا موقع ملا اور مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی جمعیت فراہم کرکے عراق کی سرحد حیرہ اور اُبلہ کی طرف غارت گری شروع کردی۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ مثنیٰ نے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوکر باقاعدہ عراق پر حملہ آوری کی اجازت طلب کی، چونکہ عام عرب میں اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی، اس لئے اس کے ایک وسیع خطہ کا کسی دوسری حکومت کے زیر اقتدار رہنا مذہبی اور قومی نقطۂ نگاہ سے نہایت خطرناک تھا۔ اس بنا پر خلیفۂ اول نے مثنیٰ کو اجازت دے دی، اور حضرت خالدؓ سیف اللہ کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مدد کے لئے روانہ کیا، انہوں نے حملہ کرکے بہت سے سرحدی مقامات فتح کرلئے، لیکن چونکہ دوسری طرف شام کی مہم بھی درپیش تھی اور وہاں کمک کی بہت زیادہ ضرورت تھی، اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو حکم دیا کہ مثنیٰ کو اپنا جانشین کرکے شامی رزمگاہ کی طرف روانہ ہوجائیں، لیکن خالدؓ سیف اللہ کا جانا تھا کہ عراق کی مہم دفعتہً سرد پڑگئی۔

حضرت عمرؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا تو پھر نئے سرے سے عراق کی مہم پر توجہ مبذول فرمائی اور حضرت ابوعبیدہؓ کو ایک فوج گراں کے ساتھ اس طرف روانہ فرمایا، انہوں نے ایرانیوں کو متفرق معرکوں میں شکست دے کر تمام متصلہ علاقوں پر قبضہ کرلیا اور مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام مروحہ تھا، غنیم کی ایک زبردست فوج کے سامنے صف آرائی کی، چونکہ بیچ کنی میں دریا حائل تھا۔ اس لئے ایرانی سپہ سالار بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تو تم اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں۔ ابوعبیدہؓ نے سرداران فوج کے اختلاف کے باوجود شجاعت کے نشے میں خود دریا کے پار اتر کر مقابلہ کیا، لیکن مسلمانوں کو نہایت افسوسناک شکست ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے کمک بھیج کر فوج کو از سر نو مستحکم کردیا اور مثنیٰ شیبانی کو سپہ سالاری کی خدمت سپرد کردی، انہوں نے معرکہ بویب اور دوسری جنگوں میں دشمن کو پے درپے شکستیں دے کر عراق کے ایک وسیع خطہ پر قبضہ کرلیا۔

ایرانیوں کو اب تک مسلمانوں کی جارحانہ قوتوں کا اندازہ نہ تھا، ان فتوحات نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ اراکین سلطنت نے حکومت کیانی کو محفوظ رکھنے کے لئے نئی تدبیریں اختیار کیں، پوران دخت کو جو ایک عورت تھی تخت سے اتار کر خاندان کسریٰ کے اصلی وارث یزدگرد کو تخت نشین کیا اور تمام ملک میں اتحاد، اتفاق اور جوش وخروش کی آگ بھڑکا دی، یہاں تک کہ مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات میں بھی بغاوت وسرکشی کی آگ بھڑک اٹھی اور مثنیٰ کو مجبوراً عرب کی سرزمین میں ہٹ آنا پڑا۔

حضرت عمرؓ نے ان واقعات سے مطلع ہوکر تمام عرب میں پرجوش وجادو بیان خطیب پھیلا

دیئے کہ وہ اپنی پُرتاثیر تقریروں سے قبائل عرب کو جنگ میں شریک ہونے کے لئے آمادہ کریں، اس کا اثر یہ ہُوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دارالخلافت کی طرف جنگ آزما بہادروں کا ایک طوفان امنڈ آیا۔
حضرت سعدؓ بن ابی وقاص عہدِ صدیقی سے ہوازن کے عامل تھے۔ انہوں نے اپنے اثر سے ایک ہزار آدمی بھیجے، جن میں سے ہر ایک تیغ و تفنگ کا ماہر تھا، غرض فوج توقع سے زیادہ فراہم ہوگئی لیکن سب سے زیادہ دقت یہ تھی کہ اس عظیم الشان لشکر کی سربراہی کے لئے کوئی شخص موزوں نظر نہ آتا تھا حضرت علیؓ سے درخواست کی گئی تو انہوں نے بھی اس بارِگراں کے اٹھانے سے انکار کر دیا، عوام کے اصرار سے خود حضرت عمرؓ تیار ہو گئے، لیکن اہل الرائے صحابہؓ مانع ہوتے کہ آپ کا جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ لوگ اسی حیص بیص میں تھے کہ دفعتہً حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پالیا حضرت عمرؓ نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعدؓ بن ابی وقاص۔ تمام حاضرین اس انتخاب پر پھڑک اٹھے، اور سب نے متفقہ طور پر تائید کی۔
حضرت سعدؓ نہایت بلند پایہ صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ اس کے ساتھ بہادری و شجاعت میں بھی بے نظیر تھے۔ تمام فوج نے ان کی سپہ سالاری کو نہایت پسندیدگی و فخر کی نگاہ سے دیکھا حضرت عمرؓ کو گو سپہ سالاری کے لحاظ سے مجبور ہو کر منظور کر لیا اور ہر قسم کی ہدایتیں اور نشیب و فراز سمجھا کر رزمگاہ کی طرف کوچ کرنے کی اجازت دے دی۔
حضرت سعدؓ اپنے لشکر کو آراستہ کر کے منزل بہ منزل طے کرتے ہوتے ثعلبہ پہنچے، یہاں تین مہینے تک قیام رہا، پھر وہاں سے چل کر مشراف میں خیمہ زن ہوتے، مثنیٰ مقام ذی قار میں آٹھ ہزار نبرد آزما سپاہیوں کے ساتھ ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، لیکن داعی اجل نے ملاقات کا موقع نہ دیا اور وہ اپنے بھائی کو سپہ سالارِ اعظم سے ملنے کی ہدایت کر کے راہی عالم جاوداں ہوتے۔ معنٰی نے حسب ہدایت مشراف میں آکر ملاقات کی اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیتے تھے، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے بیان کئے۔
حضرت سعدؓ نے مشراف میں اپنی فوج کا باقاعدہ جائزہ لیا، جو کم و بیش تیس ہزار تھی۔ پھر میمنہ و میسرہ وغیرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے اور مقام کا نقشہ، فرودگاہ کا ڈھنگ، لشکر کا پھیلاؤ اور رسد کی کیفیت وغیرہ سے دربارِ خلافت کو مطلع کیا، وہاں سے حکم آیا کہ مشراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ پر اس طرح مورچے جمائیں کہ پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں اور سامنے دشمن کا ملک ہو۔ چنانچہ وہ یہاں سے روانہ ہو کر عذیب میں عجمیوں کے میگزین پر قبضہ کرتے ہوتے قادسیہ پہنچے اور مناسب موقعوں پر مورچے جما دیتے۔

حضرت سعدؓ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے سردارانِ قبائل میں سے چودہ نامور اشخاص منتخب کئے، اور انہیں سفیر بنا کر مدائن روانہ کیا تاکہ شاہِ ایران کو اسلام یا جزیہ قبول کرنے کی دعوت دیں، چنانچہ انہوں نے پہلے اسلام پیش کیا، اور طرفین میں بڑی ردو قدح ہوتی رہی۔ آخر میں مسلمانوں نے کہا اگر تم اسلام نہیں قبول کرتے تو ہم اپنے نبی کی پیشین گوئی یاد دلاتے ہیں کہ ایک دن تمہاری زمین ہمارے تصرف میں آتے گی، مسلمانوں کی صاف بیانی پر غضبناک ہو کر مسلمانوں کی اس دلیری پر جھلا کر خاک منگا کر کہا لو یہ تم کو ملے گا۔ عمرو بن معدی کرب نے اس کو اپنی چادر میں لے لیا، اور سعدؓ کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے رکھ کر کہا کہ "فتح مبارک ہو دشمن نے خود اپنی زمین ہم کو دے دی" غرض سفراء واپس آگئے اور جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ عجمی سپہ سالار رستم نے بھی جو ساباط میں مقیم تھا، اپنی فوج کو آگے بڑھا کر قادسیہ میں ڈیرے ڈالے۔

رستم کی فوجیں قادسیہ پہنچیں تو ہر سعدؓ نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیئے کہ دشمن کی نقل و حرکت سے ہر وقت مطلع کرتے رہیں۔ نیز غنیم کی فوج کا رنگ ڈھنگ، لشکر کی ترتیب اور پڑاؤ کی حالت دریافت کرنے کے لئے فوجی افسر متعین کر دیئے۔ اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا چنانچہ ایک دفعہ رات کے وقت غنیم کے کیمپ میں گشت کر رہے تھے۔ ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا بندھا دیکھا۔ تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکالی۔ لوگوں نے ان کا تعاقب کیا تو ایک سپاہی کو قید کر کے لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے، قیدی نے حضرت سعدؓ کے سامنے آکر اسلام قبول کیا، اور عجمی فوج کے بہت سے راز بیان کئے۔

عرصہ تک صرف اسی قسم کی جھڑپ ہوتی رہی، اور کوئی باقاعدہ جنگ پیش نہ آئی۔ رستم قصداً جنگ سے جی چراتا تھا۔ اس نے ایک دفعہ پھر صلح کی کوشش کی اور حضرت سعدؓ نے اس کی خواہش پر متعدد سفارتیں روانہ کیں۔ آخری سفارت میں مغیرہؓ بھیجے گئے، لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی۔ رستم کو ناکامی ہوئی تو اس نے غضب ناک ہو کر کہا کہ "کل تمہاری فوجیں تہ و بالا کر ڈالوں گا" مغیرہؓ نے واپس آکر رستم کا مقولہ بیان کیا تو حضرت سعدؓ نے بھی جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کو تیاری کا حکم دے دیا۔

رستم اس قدر غضب ناک ہو گیا تھا کہ اس نے اسی وقت فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا اور دوسرے روز صبح کے وقت درمیان کی نہر کو عبور کر کے میدانِ جنگ میں صف آراء ہوا۔ دوسری طرف حضرت سعدؓ کا لشکر بھی تیار تھا۔ مشہور شعرا اور پُرجوش خطیب رزمیہ اشعار اور جادو اثر تقریر دل سے تمام بہادر سپاہیوں کے شجاعانہ ولولے بھڑکا رہے تھے۔ اس کے ساتھ قاریوں کی خوش الحانی اور

جہاد کی آیتوں نے جنت کے عاشقوں کو بے تاب کر رکھا تھا۔

حضرت سعدؓ نے قاعدہ کے موافق اللہ اکبر کے تین نعرے بلند کئے، اور چوتھے پر جنگ شروع ہو گئی۔ گو وہ خود عرق النساء کے عارضہ میں مبتلا ہونے کے باعث عام فوج کا ساتھ نہ دے سکے اور خالد ابن عرطفہ کو قائم مقام کر کے میدان جنگ کے قریب جو قصر تھا اس کے بالاخانہ پر رونق افروز ہوئے تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے جس وقت جو حکم دینا مناسب سمجھتے تھے پرچوں پر لکھ کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالدؓ ان ہی ہدایتوں کے مطابق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایرانی ہاتھیوں کے ریلے سے قریب تھا کہ بجیلہ سوار وں کے پاؤں اکھڑ جائیں۔ حضرت سعدؓ نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو مدد پہنچائیں۔ پھر جب اس کالی آندھی نے اس طرف رُخ کیا تو قبیلہ تمیم کو جو نیزہ بازی اور قادر اندازی میں کمال رکھتے تھے کہلا بھیجا کہ تمہارا کمال ہاتھیوں کے مقابلہ میں کیا ہوا؟ یہ سُن کر انہوں نے اس جوش سے تیر برسائے کہ دفعتہً جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ غرض تمام دن اسی زور کا رن ہوا۔ شام ہوئی تو دونوں فریق اپنے اپنے پڑاؤ میں واپس آئے۔ قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا جس کو عربی میں یوم الارماث کہتے ہیں۔

دوسرے روز پھر جنگ شروع ہوئی۔ عین ہنگامہ کارزار میں شام کی امدادی فوجیں بھی پہنچ گئیں اس تائید غیبی سے مسلمانوں کا جوش دوبالا ہو گیا اور اس زور شور سے تیغ وسنان کا بازار گرم ہوا کہ دُور سے دیکھنے والوں کی رگ شجاعت میں ہیجان پیدا ہو رہا تھا۔ ابو محجن ثقفی جن کو حضرت سعدؓ نے شراب خواری کے جرم میں اپنے قصر میں مقید کر دیا تھا۔ اس ولولہ انگیز منظر کو دیکھ کر بیتاب ہو رہے تھے، ضبط نہ کر سکے تو سلمیٰ سعدؓ کی بیوی سے درخواست کی کہ اس وقت مجھ کو چھوڑ دو۔ لڑائی سے بچا تو پھر خود آکر بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰ نے انکار کیا تو حسرت کے ساتھ اشعار پڑھے جن کا مطلب تھا:

اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں، اور میں زنجیر میں بندھا پڑا ہوں"
جب میں کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر باگ کھینچ لیتی ہے اور دروازے اس طرح سامنے
بند کر دیتے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے۔

ان اشعار سے سلمیٰ نے متاثر ہو کر ان کی بیڑیاں کاٹ دیں اور وہ حضرت سعدؓ کے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کی دہکتی ہوئی آگ میں کود پڑے اور ان لوگوں کو اپنی شجاعت وجانبازی سے متحیر کر دیا۔ حضرت سعدؓ بھی حیران تھے کہ یہ کون بہادر ہے؛ شام کو جنگ ختم ہوئی تو ابو محجن نے خود آکر بیڑیاں پہن لیں۔ سلمیٰ نے یہ حالات سعدؓ سے بیان کئے تو انہوں نے کہا "خدا کی قسم میں ایسے فدائی اسلام کو سزا نہیں دے سکتا" اور اسی وقت رہا کر دیا۔ ابو محجن پر بھی اس قدردانی کا یہ اثر ہوا کہ آئندہ شراب

سے توبہ کرلی۔

تیسرے روز حسبِ معمول پھر معرکہ شروع ہُوا۔ حضرت سعدؓ نے آج آخری فیصلہ کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن شام ہوگئی اور جنگ کے زور وشور میں کچھ فرق نہ آیا۔ زیادہ وقت ہاتھیوں کی وجہ سے تھی، وہ جس طرف جھک پڑتے تھے صفیں کی صفیں درہم برہم کر دیتے تھے۔ حضرت سعدؓ نے قعقاعؓ اور چند دوسرے بہادر سپاہیوں کو بلا کر کہا کہ تم ہاتھیوں کو مار دو تو پھر میدان تمہارے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے نہایت جانبازی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی اور نرغہ کر کے بڑے بڑے ہاتھیوں کو مار ڈالا تو دوسرے ہاتھی خود بخود بھاگ کھڑے ہوتے۔ ہاتھیوں سے میدان صاف ہونا تھا کہ حضرت سعدؓ نے اپنی فوج کو سمیٹ کر پھر نئے سرے سے ترتیب دیا اور حکم دیا کہ جب میں تیسرا نعرہ بلند کروں تو غنیم پر حملہ کر دیا جائے، لیکن ابھی پہلا ہی نعرہ بلند ہُوا تھا کہ قعقاعؓ نے جوش سے بیتاب ہو کر حملہ کر دیا، حضرت سعدؓ نے فرمایا: اے خدا قعقاعؓ کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا۔ قعقاعؓ کو دیکھ کر دوسرے قبائل بھی ٹوٹ پڑے۔ حضرت سعدؓ ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ اے خدا اس کو معاف کرنا اور اس کا معین و مددگار رہنا۔ غرض دن ختم ہونے کے بعد تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا، لیکن بالآخر مسلمان کے ثبات واستقلال نے ایرانیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ رستم کو بھی مجبوراً بھاگنا پڑا، مگر ہلال نامی ایک مسلمان سپاہی نے تعاقب کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔

حضرت سعدؓ نے بارگاہِ خلافت میں نامۂ فتح روانہ کر کے مقتولین اور مجروحین کی تجہیز و تدفین اور مرہم پٹی کا اہتمام کیا۔

حضرت سعدؓ نے معرکہ قادسیہ کے بعد ۱۵ ہجری میں تمام عراق عرب کو زیرنگین کر لینے کا تہیہ کر لیا۔ ایرانی بابل میں پناہ گزین تھے، اس لئے سب سے پہلے اسی طرف بڑھے۔ انہوں نے خود عجمیوں پر اس قدر رعب بٹھا دیا تھا کہ راہ میں بڑے بڑے سرداروں نے پیشوائی کر کے صلح کرلی اور بابل تک موقع بموقع پُل تیار کروا دیئے کہ اسلامی فوجیں آسانی کے ساتھ گزر جائیں۔ بابل پہنچ کر حضرت سعدؓ نے ایک ہی حملہ میں اس کو فتح کر لیا اور خود یہاں قیام کر کے زہرہ کی افسری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کر دیں۔ انہوں نے کوثی پہنچ کر دم لیا اور وہاں کے رئیس شہریار کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔

کوثی ایک تاریخی جگہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہیں قید کیا تھا چنانچہ قید خانہ کی جگہ اس وقت تک محفوظ تھی۔ حضرت سعدؓ بابل سے تشریف لائے تو اس کی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر ایک آیت پڑھی۔

کوثی سے آگے بڑھ کر پایہ تخت کے قریب ایک مستحکم مقام بہرہ شیر تھا، اس نام کی وجہ یہ تھی

کہ یہاں خاص کسریٰ کا شکاری شیر رہتا تھا۔ حضرت سعدؓ کا لشکر جب اس شہر کے قریب پہنچا تو شیر مقابلہ کے لئے چھوڑا گیا۔ اس نے تڑپ کر اسلامی شیروں پر حملہ کیا، لیکن حضرت سعدؓ کے بھائی ہاشمؓ نے جو ہراول کے افسر تھے۔ اس صفائی سے تلوار ماری کہ شیر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حضرت سعدؓ نے اس بہادری پر خوش ہو کر ان کی پیشانی چوم لی، اور انہوں نے ان کے قدم کا بوسہ دیا۔

بہرہ شیر کا کامل دو ماہ تک محاصرہ رہا اور اس اثنا میں متعدد ہولناک جنگیں ہوئیں، لیکن کچھ نہ ہو سکا۔ ایک روز خود ایرانی فوجیں تنگ آ کر جوش و خروش کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلیں اور دیر تک شجاعانہ لڑتی رہیں۔ اسی حالت میں ان کا سپہ سالار شہر براز جو نہایت بہادر افسر تھا۔ ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کا مقتول ہونا تھا کہ عجمی فوجیں بھاگ کھڑی ہوئیں، اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اُڑا دیا۔

بہرہ شیر اور مدائن (پایہ تخت عراق) کے درمیان صرف دجلہ حائل تھا، ایرانیوں نے مسلمانوں کے خوف سے جہاں جہاں پُل تھے سب توڑ کر بیکار کر دیئے تھے، لیکن حضرت سعدؓ کی اولوالعزمی کے آگے دنیا کی کون سی چیز حائل ہو سکتی تھی؛ انہوں نے اہلِ فوج کو مخاطب کر کے کہا "برادران اسلام! دُشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ آؤ اس کو بھی تیر جائیں تو پھر مطلع صاف ہے" یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ سپہ سالارِ اعظم کی جانبازی دیکھ کر تمام فوج نے بھی جوش کے ساتھ گھوڑے ڈال دیئے اور باہم باتیں کرتے ہوئے دوسرے کنارے پر جا پہنچے۔ ایرانی اس عجیب و غریب جوش و استقلال کا منظر دیکھ کر "دیوان آمدند" کہتے ہوئے بھاگے تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جما رہا اور دریا سے نکلنے پر مزاحم ہوا، لیکن مسلمانوں نے ان کو کاٹ کر ڈھیر کر دیا، اور مدائن پہنچ کر شاہی محلات پر قبضہ کر لیا۔ یزدگرد شاہِ ایران پہلے ہی بھاگ چکا تھا، البتہ تمام اسباب و سامان موجود تھا، جو بجنسہ مدینہ روانہ کیا گیا۔

حضرت سعدؓ جس وقت مدائن میں داخل ہوتے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار زبان سے سورہ دخان کی آیات نکلیں جن کا ترجمہ ہے

"وہ کتنی قومیں، کس قدر باغ، چشمے، کھیتیاں اور طرح طرح کی نعمتیں، عمدہ عمدہ محلات چھوڑ کر چل بسیں جس میں خوش باش زندگی بسر کرتی تھیں اور ہم نے ان چیزوں کا مالک دوسری قوموں کو بنا دیا۔"

مدائن فتح ہونے کے ساتھ تمام عراقِ عرب پر تسلط قائم ہو گیا، بڑے بڑے رؤسا اور جاگیرداروں نے صلح کر لی، اور تمام ملک میں امن و امان کی منادی ہو گئی۔ جو لوگ گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے پھر

واپس آ گئے اور حاکم و محکوم میں اس قدر ارتباط پیدا ہوا کہ باہم ازدواج و مناکحت کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

عراق عرب کے مفتوح ہونے کے بعد حضرت سعدؓ کے اہتمام سے جلولا، اور تکریت پر فوج کشی ہوئی اور نہایت کامیابی و فیروزمندی کے ساتھ ان مقامات پر اسلامی پھریرا نصب کر دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت سعدؓ نے دربارِ خلافت سے آگے بڑھنے کی اجازت طلب کی تو جواب آیا کہ "دولت و حکمرانی کے مقابلہ میں مجھے ایک ایک سپاہی کا خون زیادہ محبوب ہے۔ کاش ہمارے اور عجمیوں کے درمیان سدِ سکندری حائل ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھتے اور نہ وہ ہم پر حملہ آور ہوتے۔ غرض سردست اسی پر اکتفا کر کے ممالک مفتوحہ کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لو۔"

اس فرمان کے مطابق حضرت سعدؓ کی والیِ ملک کی حیثیت سے مدائن کو صوبہ کا مرکز بنا کر نظم و نسق میں مصروف ہو گئے۔ اصل یہ ہے کہ کسی غیر قوم پر حکمرانی اور ملکی نظام کو بہترین اصول پر مرتب کرنا بھی اسی قدر مشکل ہے جس قدر کسی ملک کو فتح کرنا، حضرت سعدؓ اپنی فطری قابلیت کے باعث ان دونوں مشکلات پر غالب آتے، انہوں نے جس خوبی و عمدگی کے ساتھ اپنے عہدۂ جلیلہ کے فرائض انجام دیئے، اس سے زیادہ اس زمانہ میں ممکن نہ تھا۔ دربارِ خلافت کے ایماء سے تمام عراق کی مردم شماری اور پیمائش کرائی، اراضی مفتوحہ کو ملک کے اصلی باشندوں کے ہاتھ میں رہنے دیا، البتہ جس زمین کا کوئی وارث نہ تھا، اس کا پھر نئے سرے سے بندوبست کیا، اسی طرح لگان اور جزیہ کے اصول بنائے اور رعایا کے امن و آسائش کا انتظام کیا، مجمیوں کے ساتھ اس قدر خلق و شفقت سے پیش آتے کہ ان کے دل پر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ بڑے بڑے امراء اور رؤسا اسی اثر سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ جمیل ابن بصبہری، بسطام بن نرسی، رفیل اور فیروز وغیرہ جو عراق کے مشہور رؤسا تھے خود بخود مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح دیلم کی چار ہزار فوج جو شاہی رسالہ کے نام سے موسوم تھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی۔

حضرت سعدؓ نے ایک عرصہ تک مدائن میں قیام کرنے کے بعد محسوس کیا کہ یہاں کی آب و ہوا نے اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل دیا ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس سے مطلع کیا تو حکم آیا کہ عرب کی سرحد میں کوئی مناسب سرزمین تلاش کر کے ایک نیا شہر بسائیں اور عربی قبائل کو آباد کر کے اس کو مرکزِ حکومت قرار دیں۔ حضرت سعدؓ نے اس حکم کے مطابق مدائن سے نکل کر ایک موزوں جگہ منتخب کر کے کوفہ کے نام سے ایک وسیع شہر کی بنیاد ڈالی۔ عرب کے جُدا جُدا قبیلوں کو جُدا جُدا محلوں میں آباد کیا۔ وسطِ شہر میں ایک عظیم الشان مسجد بنوائی، جس میں تقریباً چالیس ہزار نمازیوں کی گنجائش رکھی گئی۔

مسجد کے قریب ہی بیت المال کی عمارت اور اپنا محل تعمیر کرایا جو قصرِ سعدؓ کے نام سے مشہور تھا۔
کچھ دنوں کے بعد بیت المال میں چوری ہوگئی۔ حضرت سعدؓ نے اس کی رپورٹ دارالخلافت میں بھیجی تو حکم آیا کہ بیت المال کو مسجد سے ملا دیا جائے تاکہ ہر وقت نمازیوں کی آمد و رفت سے خزانہ محفوظ رہے، چنانچہ انہوں نے روزبہ نام ایک مشہور پارسی معمار کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی۔ اس نے نہایت خوبی و موزونی کے ساتھ بیت المال کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ حضرت سعدؓ نے اس کی کاریگری کی بڑی قدر کی اور خوش ہو کر اسے دارالخلافت بھیج دیا جہاں ہمیشہ کے لئے اس کا روزینہ مقرر ہوگیا۔
حضرت سعدؓ کا قصر چونکہ وسط بازار میں تھا، اس لئے شور و شغب کے ساتھ باہم گفتگو کرنا بھی دشوار تھا۔ انہوں نے اس سے بچنے کے لئے قصر کے سامنے ایک ڈیوڑھی بنوائی اور اس میں پھاٹک لگوایا، بارگاہِ خلافت میں اس ڈیوڑھی کی اطلاع پہنچی تو اس خیال سے کہ اہل حاجت کے لئے یہ سدِ راہ نہ ہو جائے۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ کو حکم ہوا کہ کوفہ جا کر اس میں آگ لگا دیں، چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی، اور حضرت سعدؓ وقاص اطاعت شعاری کے ساتھ خاموشی سے دیکھتے رہے۔
کوفہ دراصل ایک فوجی چھاؤنی تھی، جہاں تقریباً ایک لاکھ نبرد آزما سپاہی بسائے گئے تھے۔ ان اعلیٰ قدر مراتب تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ دس دس سپاہیوں پہ افسر ہوتے تھے۔ جو امراء الاعشار کہلاتے تھے، تنخواہیں ان کو دی جاتی تھیں اور وہ اپنے ماتحت سپاہیوں کو تقسیم کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ امرائے اعشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی، اور اس کی وجہ سے فوج میں برہمی کے آثار نمایاں ہوئے۔ حضرت سعدؓ نے فوراً دربار خلافت کو اس واقعہ سے مطلع کیا اور فرمان خلافت کے مطابق دوبارہ نہایت صحت و تحقیق کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزینے مقرر کئے، اور اس دفعہ دس کے بجائے سات سات سپاہیوں پر ایک ایک افسر متعین کیا۔
شام کی اسلامی فوجوں نے حمص پر چڑھائی کی تو اہل جزیرہ ایک جمعیت عظیم کے ساتھ رومیوں کی مدد کے لئے روانہ ہوئے، لیکن حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے جو ملک کے اندرونی و سرحدی واقعات سے ہر وقت باخبر رہتے تھے ایک فوج گراں بھیج کر ان کو وہیں روک لئے اور آگے بڑھنے نہ دیا۔
۲۱ ہجری میں ایرانیوں نے عراق عجم میں نہایت عظیم الشان جنگی تیاریاں کیں اور مسلمانوں کو ان کے مفتوحہ ممالک سے نکال دینا چاہا۔ حضرت عمرؓ نے ان تیاریوں کا حال سُنا تو تمام فوجی مرکزوں میں اسلامی فوج کو بھی آراستہ کرنے کے احکام صادر کئے۔ کوفہ سب سے بڑا مرکز تھا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص

نے یہاں نہایت اہتمام کے ساتھ تیاریاں شروع کیں اور دربارِ خلافت کے ایماء سے نعمان بن مقرن کو جو پہلے ان کی ماتحتی میں افسر مال تھے، اس فوج کا امیر عسکر مقرر کیا، لیکن یہاں ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی تھی جو قصداً جنگ سے جی چراتی تھی، اور کہتی تھی کہ بصرہ والوں نے خواہ مخواہ فارس پر حملہ کر کے یہ لڑائی مول لی ہے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے بارگاہ خلافت میں ان لوگوں کی شکایت لکھی تو ان میں سے جراح بن سنان اور اس کے چند ساتھیوں کو ان سے شدید عداوت پیدا ہو گئی اور انہوں نے مدینہ پہنچ کر شکایت کی، کہ وہ نماز اچھی طرح نہیں پڑھاتے۔ ظاہر ہے کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جیسے عالی مرتبت و بلند پایہ صحابی کی نسبت یہ شکایت کس قدر مہمل تھی۔ حضرت عمرؓ کو بھی اس کے لغو ہونے کا یقین تھا تاہم رفع بحث کے خیال سے حضرت محمدؓ بن مسلمہؓ کو تحقیقات کے لئے روانہ فرمایا، انہوں نے کوفہ کی ہر ایک مسجد میں گشت کر کے اس شکایت کی حقیقت دریافت کی تو ہر جگہ سب نے یک زبان ہو کر اس کی تکذیب کی۔ محمد بن مسلمہؓ تحقیقات سے فارغ ہو کر دونوں فریقوں کو ساتھ لئے ہوتے مدینہ پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھنے کے ساتھ پوچھا سعدؓ! تم کیسی نماز پڑھاتے ہو کہ لوگ شکایت کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ پہلی دو رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھتا ہوں اور دونوں آخری میں صرف فاتحہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بے شک تمہاری نسبت یہی گمان ہو سکتا ہے۔

گو الزام بے بنیاد ثابت ہوا، تاہم حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ ایک جماعت مخالفت پر آمادہ ہو گئی تھی ان کو اس عہدہ سے سبکدوش ہی کر دینا مناسب سمجھا، چنانچہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جن کو اپنا جانشین بناآتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان ہی کو مستقل کر دیا اور ان کو دوبارہ واپس جانے کی زحمت نہ دی۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو اپنے اُوپر اس بے ہودہ الزام کے قائم ہونے کا نہایت افسوس تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں عرب میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے راہِ خدا میں تیر اندازی کی ہے، ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درخت کے سوکھے پتے کھا کھا کر لڑتے تھے، لیکن خدا کی شان آج یہ بنو اسد پیدا ہوتے ہیں جو خود مجھے مذہب سکھاتے ہیں کہ میں نماز اچھی نہیں پڑھاتا۔

۲۳ ہجری میں حضرت عمرؓ نے ایک مجوسی غلام کے ہاتھ سے شہادت پائی۔ حالت نزاع میں لوگوں نے خلیفہ نامزد کرنے کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے اس منصب کے لئے چھ آدمیوں کے نام پیش کئے ان میں ایک حضرت سعدؓ بھی تھے اور فرمایا کہ اگر وہ خلافت کے لئے منتخب نہ ہو سکیں تو جو منتخب ہو اسے چاہیئے کہ ان کی خدمات سے فائدہ اُٹھاتے کیونکہ میں نے انہیں کسی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے معطل نہیں کیا تھا۔

فاروق اعظمؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد مجلس شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کے سر پر دستارِ خلافت باندھی اور انہوں نے حسبِ وصیت حضرت سعدؓ کو دوبارہ کوفہ کا والی مقرر کیا، لیکن اس تقرری کے تین سال بعد ۲۶ ہجری میں حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ مہتمم بیت المال سے اختلاف پیدا ہو جانے کے باعث پھر معزول ہو گئے۔

حضرت سعدؓ نے معزول ہونے کے بعد مدینہ میں عزلت نشینی اختیار کر لی، یہاں تک کہ جب خلیفہ ثالث کے آخری عہدِ حکومت میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو یہ ہنگامہ بھی ان کی گوشہ گیری میں مخل نہ ہوا۔ البتہ جب مفسدین نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو ان کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر ناکام رہے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، لیکن معاملات ملکی سے بے تعلق رہنے کی روش پر اس وقت بھی قائم رہے، چنانچہ علیؓ جب طلحہؓ و زبیرؓ کے مقابلہ میں اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوئے تو لوگوں نے ان کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی، لیکن انہوں نے معذرت کی اور کہا "مجھے ایسی تلوار بتاؤ جو مسلم و کافر میں امتیاز رکھے۔"

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے خود ان کے صاحبزادہ عمر بن سعدؓ نے ایک دفعہ جب کہ وہ جنگل میں اونٹ چرا رہے تھے آ کر کہا "کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگل میں اونٹ چرائیں اور لوگ بادشاہت و حکومت کے لئے اپنی اپنی قسمت آزمائیں" حضرت سعدؓ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا "خاموش! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ خدا مستغنی اور پرہیزگار بندہ کو محبوب رکھتا ہے۔"

جناب مرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے منازعات کا فیصلہ کرنے کے لئے جب پنچایت مقرر ہوئی، تو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بھی اس خوشی میں کہ اب خانہ جنگیوں اور خونریزیوں کا خاتمہ ہو جاتے گا۔ فیصلہ سننے کے لئے دومۃ الجندل تشریف لائے، لیکن جب یہ بے نتیجہ ثابت ہوئی تو پھر اپنے عزلت کدہ میں واپس آ گئے، اور تمام جھگڑوں سے قطعی طور پر کنارہ کش رہے۔

حضرت سعدؓ نے مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق میں اپنے لئے ایک قصر تعمیر کرایا تھا، چنانچہ عزلت نشینی کی زندگی اسی میں بسر ہوئی۔ آخر عمر میں قویٰ مضمحل ہو گئے تھے اور آنکھوں کی بصارت بھی جاتی رہی تھی، یہاں تک کہ ۵۵ ہجری میں طائرِ روح نے قفسِ عنصری کو خیر آباد کہا، حضرت سعدؓ نے وصیت کی تھی کہ جنگ بدر میں جو اُونی کپڑا میرے جسم پر تھا اس سے کفن کا کام لیا جائے، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا اور لاش مدینہ لائی گئی۔ بعض امہات المومنینؓ اس وقت زندہ تھیں،

انہوں نے حکم دیا کہ اس جاں نثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ مسجد میں لایا جائے، چنانچہ مسجد میں ان کے حجروں کے سامنے نماز ادا کی گئی، امہات المؤمنین بھی نماز میں شریک تھیں کسی نے مسجد میں نمازِ جنازہ پر اعتراض کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "لوگ کس قدر جلد بھول گئے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن البیضاؓ پر مسجد میں نماز نہیں پڑھائی تھی۔

غرض اس تزک و احتشام کے ساتھ مقام بقیع میں مدفون ہوئے۔ ستر برس سے زیادہ عمر پائی اور اس عرصہ میں اپنے عظیم الشان کارناموں کی ایسی یادگار چھوڑ گئے کہ ان کے اخلاف قیامت تک فخر و مباہات کے ساتھ ان پر رطب اللسان رہیں گے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا علمی پایہ نہایت ارفع تھا حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب سعدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث روایت کریں تو پھر اس کے متعلق کسی دوسرے سے نہ پوچھو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تحصیل علم میں کبھی پس و پیش یا شرم و حجاب دامن گیر نہ ہوتا تھا، ایک دفعہ بارگاہِ نبوت میں حاضر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو کچھ عطیے مرحمت فرمائے، لیکن اس میں سے ایک شخص کو محروم رکھا۔ حضرت سعدؓ کو اس کی محرومی پر سخت تعجب ہوا عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا خیال ہے کہ یہ بھی مومن ہے، ارشاد ہوا "مومن یا مسلم۔ لیکن حضرت سعدؓ کو تشفی نہ ہوئی۔ انہوں نے پھر اپنا سوال دہرایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ بھی وہی جواب دیا، غرض حضرت سعدؓ نے مکرر سہ کرر اس سوال کو جاری رکھا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر تشفی کر دی کہ بسا اوقات اس سے جس کو عطیے دیتا ہوں وہ شخص جس کو کچھ نہیں دیتا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

حضرت سعدؓ عمو مارات کے اخیر حصے میں مسجد نبوی میں آکر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ طبیعت رہبانیت کی طرف مائل تھی لیکن اسلام میں ممنوع ہونے کی وجہ سے مجبور تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ عثمان بن مظعونؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبانیت سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں اس کو اختیار کر لیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و جاں نثاری کا صرف اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سفر میں عموماً خود شوق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے گرد رات رات پھر پہرا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، رات کے وقت ایک جگہ قیام ہوا یہاں دشمنوں کا سخت خطرہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک جاگتے رہے

اور فرمانے لگے کہ کاش! میرے اصحابؓ میں سے کوئی مردِ صالح آج پہرہ دیتا، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ابھی یہ جملہ تمام بھی نہیں ہُوا تھا کہ اسلحہ کی جھنکار سُننے میں آئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "کون ہے؟" عرض کی "سعدؓ بن ابی وقاص۔" ارشاد ہُوا "تم کیسے آئے" عرض کی "خود بخود یہ خیال پیدا ہُوا کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنا چاہیئے" اس فرض کو انجام دینے آیا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جاں نثاری سے نہایت خوش ہوتے اور دُعا دی۔

عتبہ بن ابی وقاصؓ حضرت سعدؓ کے حقیقی بھائی تھے۔ انہوں نے حالتِ کفر میں غزوۂ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک زخمی کیا تھا۔ حضرت سعدؓ فرمایا کرتے تھے "واللہ میں عتبہ سے زیادہ کبھی کسی شخص کے خون کا پیاسا نہیں ہُوا۔"

اتباعِ سنّت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و احکام کی کامل پیروی کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔

ایک دفعہ مدینہ سے اپنے قصر کی طرف جو مقام عقیق میں تھا، تشریف لے جارہے تھے، راہ میں ایک غلام کو درخت کاٹتے دیکھا، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو حرم قرار دیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کے اوزار چھین لئے۔ غلام کے مالک نے آکر اس کا مطالبہ کیا تو فرمانے لگے "معاذ اللہ! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش کو واپس کر دوں گا؟ اور اوزار کے واپس دینے سے قطعاً انکار کر دیا۔

زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت دنیائے اسلام حکومت و بادشاہت کے جھگڑوں میں مبتلا تھی، اس وقت وہ مدینہ کے ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے اس فتنہ سے محفوظ رہنے کی دعائیں مانگ رہے تھے اور جو کوئی ان جھگڑوں کے متعلق کچھ پوچھتا تو فرماتے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ "میرے بعد عنقریب ایک فتنہ برپا ہوگا، جس میں سونے والا بیٹھنے والے سے، بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا ہوگا۔"

تواضع اور خاکساری کا صرف اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سپہ سالاری اور گورنری کے بعد بھی جب کہ کسریٰ کے وارثوں نے اپنا عظیم الشان محل ان کے لئے خالی کر دیا تھا، ان کو اونٹ اور بکریاں تک چرانے میں عار نہ تھا۔ افسر کی اطاعت کا یہ حال تھا کہ گھر میں آگ لگائی گئی اور وہ خاموشی کے ساتھ تماشہ دیکھتے رہے۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ حضرت سعدؓ درخت کے پتے کھا کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں جانبازی دکھاتے تھے لیکن اسلام نے بہت جلد روحانیت کے ساتھ ساتھ مادّی حیثیت

سے بھی اپنے فدائیوں کی عسرت و تنگ حالی کو دولت و ثروت سے بدل دیا۔ خیبر کی مفتوحہ اراضی میں جاگیر ملی، ایران کے مال غنیمت میں حصہ ملا۔ اسی طرح دورِ فتنہ و فساد میں ایک غیر آباد زمین خرید کر زراعت کا مشغلہ اختیار کیا، غرض اخیر زندگی میں ایک بڑی دولت کے مالک ہوئے۔ کوفہ میں اور مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق میں عالی شان محلات تعمیر کراتے مگر باوجود اس کے غذا و لباس کی سادگی میں کچھ فرق نہیں آیا تھا۔

آپؓ کا قد بلند و بالا، جسم فربہ، ناک چپٹی، سر بڑا اور ہاتھ کی انگلیاں نہایت موٹی اور مضبوط تھیں۔

انہوں نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں :

بنتُ الشہاب، بنتؓ قیس بن معدی کرب، امؓ عامر بنت عمرو، زبدؓ، امؓ بلال بنت ربیع، امؓ حکیم بنت قارظ، سلمیٰؓ بنت حفص، طیبہؓ بنت عامر، ام حجرؓ۔

اولاد : حضرت سعدؓ کے چونتیس اولادیں تھیں ان میں سے لڑکے سترہؓ تھے، لڑکیاں بھی اسی قدر تھیں، سب کے نام حسب ترتیب درج ذیل ہیں :

لڑکے : اسحٰاقؓ اکبر، عمرؓ، محمدؓ، عامرؓ، اسحاقؓ اصغر، اسماعیلؓ، ابراہیمؓ، موسٰیؓ، عبداللہؓ، عبداللہ اصغر، عبدالرحمٰنؓ، عمیرؓ اکبر، عمیرؓ الاصغر، عمروؓ، عمرانؓ، صالحؓ، عثمانؓ۔

لڑکیاں : ام الحکیمؓ کبریٰ، حفصہؓ، ام القسمؓ، کلثومؓ، ام عمرانؓ، ام الحکیمؓ صغریٰ، ام عمروؓ، ہندؓ، ام الزبیرؓ، ام موسٰیؓ، حمنہؓ، ام عمرؓ، ام ایوبؓ، ام اسحاقؓ، ملہؓ، عمرہؓ، عائشہؓ۔

قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھو

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے سورۂ بقرہ آٹھ سال میں پڑھی اور اس کے اختتام پر بڑی خوشی کا اظہار کیا یعنی اُونٹ ذبح کیا اور غربا و مساکین وغیرہ کو کھلایا۔ ایک روایت میں ہے کہ۔۔۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی سورۃ نازل ہوتی تھی تو ہم اس کے حلال اور حرام کو سیکھتے تھے اور ساتھ ہی اوقاف کا علم بھی (یعنی حلال چیز کا استعمال اور حرام کام سے پرہیز) آجکل یہ حالت ہے کہ ہم سارا قرآن کئی بار آخر تک پڑھ جاتے ہیں اور تراویح میں سن لیتے ہیں مگر ہم یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس چیز کا حکم فرمایا ہے کہ اس پر عمل کریں اور کس چیز سے منع فرمایا ہے کہ اس سے باز رہیں۔

لہٰذا ہم قسم کے وبال میں مبتلا ہیں۔ بلکہ اس بے عملی سے ہلاکت اور تباہی کا اندیشہ ہے جیسا کہ پہلی قوموں کے ساتھ ہوا ہے۔

(مراسلہ: محراب بعدہ ۔ مہ الدعن)

SCANNED BY
ATA-UL-MUSTAFA

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

غروب آفتاب کے قریب مکہ کی آبادی سے باہر گوشہ تنہائی میں ایک شخص بڑی دردبھری آواز میں باآواز بلند شعر پڑھ رہا تھا جس کا ترجمہ تھا،

"میں نہ عزیٰ پر ایمان رکھتا ہوں نہ اُس کی بیٹیوں پر اور نہ بنی طسم کے بتوں پر۔ جب خدائی کے کام تقسیم ہو گئے تو میں ایک اللہ پر ایمان لاؤں یا ہزار خداؤں پر۔"

شعر پڑھنے کے بعد وہ پاک شخص تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا اور پھر اشعار پڑھنے لگا جن میں خدائے بزرگ و برتر کی وحدانیت و کبریائی کا ذکر تھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

"میں نے اس ذات کے آگے اپنا سر جھکایا جس کے آگے صاف اور شیریں پانی والے بادلوں نے اپنی گردن جھکا دی۔ اور میں نے اپنا سر اس کے آگے جھکا دیا جس کے آگے بھاری چٹانوں کو اُٹھانے والی زمین نے سر جھکایا۔ اس نے اس زمین کو بچھا دیا اور جب دیکھا کہ وہ پانی پر مضبوطی سے جم گئی ہے تو اس نے اس پر پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے۔"

یہ عظیم ہستی زید تھے جن کا تعلق قریش کے نامور قبیلہ بنو عدی سے تھا وہ عمرو بن نفیل کے فرزند اور حضرت عمر فاروقؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ کعب بن لوئی پر ان کا نسب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سے مل جاتا ہے۔ زید عقیدۂ توحید میں بہت سخت تھے ان کو نہ صرف بُت پرستی اور شرک سے اجتناب تھا بلکہ وہ بتوں پر کی ہوئی قربانی، مردار اور خون کو بھی حرام سمجھتے تھے۔ انہیں کے متعلق رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تبارک و تعالےٰ زید بن عمرو کی مغفرت فرمائے۔ اس پر رحم کرے۔ اس کی وفات دینِ ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی اور قیامت کے دن تنہا ایک اُمت کی حیثیت سے اُٹھے گا۔

بُت پرستی اور رسومِ جاہلیت کی علانیہ مذمت کرنا اور لوگوں کو دینِ ابراہیمی کی طرف بلانا ایسا کام نہ تھا کہ قریش انہیں برداشت کر لیتے۔ وہ زید کے سخت دشمن ہو گئے اور ان کی ایذارسانی پر کمر باندھ لی اس معاملہ میں ان کے چچا خطاب سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ انہوں نے زید کو اس قدر ستایا کہ وہ تنگ آ کر مکہ سے نکل گئے اور حرا میں مقیم ہو گئے تاہم کبھی کبھی چھُپ چھپا کر کعبہ کی زیارت کے لئے مکہ آجاتے تھے۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب میں دُختر کشی کا عام رواج تھا۔ زید کو اس لرزہ خیز ظلم سے شدید نفرت تھی، ان کو جب کسی شقی القلب باپ کے ارادہ کا علم ہوتا تو فوراً اس کے پاس جاتے اور لڑکی کو اپنی سرپرستی میں لے لیتے اس طرح انہوں نے بیسیوں معصوم بچیوں کی جانیں بچائیں اور ان کے جوان ہونے تک کفالت کی۔ جب وہ جوان ہو جاتی تھی تو اس کے باپ سے کہتے تھے کہ اگر تم چاہو تو اس کو لے جا سکتے ہو ورنہ میرے پاس ہی رہنے دو، میں اس کے اخراجات برداشت کروں گا۔"

زید نے دینِ ابراہیمی کی تلاش میں شام موصل اور جزیرہ تک کا سفر کیا اور وہاں کے یہودی اور نصرانی علماء سے ملاقاتیں بھی کیں لیکن گوہرِ مقصود ہاتھ نہ آیا کیونکہ ان لوگوں کے خیالات بھی مشرکینِ مکہ کے عقائد سے مشابہت رکھتے تھے اس پر انہوں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا: "الٰہی تو گواہ رہیو کہ میں دینِ ابراہیمؑ پر ہوں۔"

وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ:

"اے اللہ اگر میں یہ جانتا کہ تیری عبادت کا کون سا طریقہ تجھے پسند ہے تو میں اسی طریقہ سے عبادت کرتا۔" پھر وہ اپنی ہتھیلی پر سر رکھ کر سجدہ کرتے۔"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال قبل کسی نے بلاد لخم میں زید کو قتل کر ڈالا۔

زید کی زوجہ محترمہ کا نام فاطمہ بنت نعجہ تھا جن کا تعلق بنو خزاعہ سے تھا۔ انہیں کے بطن سے حضرت سعید رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جنم لیا تھا اور جب ہوش سنبھالا تو گھر میں ہمیشہ خدائے واحد اور دینِ ابراہیمی کا ذکر سُنا۔ مُوَحِّد باپ کی تربیت نے ان کے دل میں توحید سے گہرا لگاؤ پیدا کر دیا۔

پسا نچہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد جونہی دعوتِ حق کا آغاز فرمایا، سعیدؓ لبیک کر آگے بڑھے اور دینِ حنیف کے حلقہ بگوش بن گئے ان سے پہلے صرف گنتی کے چند اصحاب سعادت اندوزِ اسلام ہوئے تھے۔ حضرت سعیدؓ کی زوجہ فاطمہؓ بنت خطاب تھیں جو حضرت عمر فاروقؓ کی ہمشیرہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بھی فطرتِ صالح سے نوازا تھا اپنے شوہر کے ساتھ ہی مشرف بہ اسلام ہوگئیں اور یوں دونوں میاں بیوی اللہ کے ان پاکباز بندوں میں شامل ہو گئے جنہیں حق تعالےٰ نے سابقون الاولون کا خطاب دے کر کھلے لفظوں میں جنت کی بشارت دی ہے) بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سعیدؓ اور حضرت فاطمہؓ بنت خطاب سے پہلے صرف چھبیس آدمی ایمان لاتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ ستائیسویں مسلمان تھیں اور حضرت سعیدؓ اٹھائیسویں۔

حضرت سعیدؓ اور فاطمہؓ دونوں میاں بیوی کو قرآن حکیم سے عشق تھا۔ وہ کلام الٰہی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے حضرت خبابؓ بن الارت کو وقتاً فوقتاً اپنے گھر بلاتے رہتے تھے۔ حق کے نام لیواؤں کے لئے یہ سخت ابتلا کا دور تھا۔ مشرکین قریش اہلِ حق پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے میں شرافت اور انسانیت کی حدیں پھلانگ گئے تھے یہاں تک کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی چند جاں نثاروں کے ہمراہ حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم کے گھر پناہ گزیں ہو گئے تھے جو کوہِ صفا کے دامن میں ایک وسیع اور محفوظ احاطہ تھا۔ اس وقت تک حضرت فاطمہؓ کے شجاع بھائی حضرت عمرؓ بن خطاب نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ حضرت عمرؓ بن خطاب رشتہ میں ابوجہل کے بھانجے ہوتے تھے۔ ان کی والدہ ابوجہل کی چچازاد بہن تھیں اور شجاعانِ قریش میں شمار ہوتے تھے۔ ابوجہل نے انہیں سخت اشتعال دلایا یہاں تک کہ وہ تلوار کھینچ کر اُٹھ کھڑے ہوتے اور کہا، اس کام کو مَیں انجام دوں گا۔

یہ کہہ کر شمشیر بدست حضرت ارقمؓ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اتفاق سے راستے میں ان کے قبیلہ کے ایک صاحب نعیمؓ بن عبداللہ النحام مل گئے، وہ دولتِ ایمان سے بہرہ یاب ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے تیور دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے پوچھا؛

"عمرؓ کدھر کا قصد ہے؟"

"بس آج اس شخص کا خاتمہ کرنے جاتا ہوں جس نے قریش میں تفرقہ ڈال رکھا ہے۔ ہمارے معبودوں کو بُرا کہتا ہے اور ہمارے دین میں کیڑے ڈالتا ہے۔" عمرؓ بن خطاب نے جواب دیا۔

"عمر! خدا کی قسم تمہارے نفس نے تم کو دھوکے میں ڈال دیا ہے، تم محمدؐ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو کیا بنو عبد مناف تمہیں زندہ چھوڑیں گے۔"

"مجھے کسی کا خوف نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی صابی ہو گئے ہو۔ کیوں نہ پہلے تمہارا ہی سر اڑا

دوں؟" عمرؓ نے جواب دیا۔
"تم مجھ کو بعد میں قتل کرنا پہلے اپنے گھر والوں کی تو خبر لو۔" حضرت نعیمؓ نے کہا۔
"میرے کون سے گھر والے؟" عمرؓ نے حیرانگی سے پوچھا۔
تمہاری بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعیدؓ بن زید جو دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔
حضرت عمرؓ کو نعیمؓ کی باتیں سُن کر سخت غصہ آیا۔ سیدھے سعیدؓ بن زید کے گھر پہنچے۔ اس وقت حضرت خبابؓ بن الارت بھی حضرت سعیدؓ کے گھر موجود تھے اور دروازہ اندر سے بند کر کے حضرت سعیدؓ اور فاطمہؓ کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے تلاوت قرآن کی آواز سُنی تو ان کا غصہ اور بھڑک اُٹھا، دروازے پر زور سے دستک دی۔ تینوں پرستاران حق سمجھ گئے کہ یہ عمرؓ ہیں۔ حضرت خبابؓ تو گھر کے پچھلے حصے میں چلے گئے اور حضرت فاطمہؓ نے کلام پاک کے اجزا جلدی سے کہیں چھپا کر دروازہ کھولا۔
حضرت عمرؓ نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا۔ "یہ کیسی گنگناہٹ تھی جو ابھی میں نے سُنی ہے؟"
حضرت سعیدؓ اور فاطمہؓ نے کہا۔ "تم نے کچھ نہیں سُنا۔"
حضرت عمرؓ سخت غضب ناک ہو کر بولے۔ "نہیں میں نے سُنا ہے، خدا کی قسم مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں بے دین ہو چکے ہو، مَیں تمہیں اس حرکت کا مزہ چکھاتا ہوں۔"
یہ کہہ کر وہ حضرت سعیدؓ سے لپٹ گئے، ان کے لمبے بال پکڑ کر زمین پر دے مارا اور پھر بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ شوہر کو پٹتے دیکھ کر بے تاب ہو گئیں اور بھائی کے ہاتھ سے انھیں چھڑانے کے لئے آگے بڑھیں۔ حضرت عمرؓ نے جوشِ غضب میں آکر لکڑی حضرت فاطمہؓ کے چہرے پر دے ماری جس سے وہ لہولہان ہو گئیں لیکن استقلال کا یہ عالم تھا کہ اسی حالت میں بولیں:
ہاں ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کر لی ہے تو جو کچھ کر سکتا ہے کر لے۔ اسلام کا نقشِ ہدایت ہمارے سینے سے کبھی نہیں مٹ سکتا۔
خون میں نہائی ہوئی بہن کے منہ سے یہ الفاظ سُن کر حضرت عمرؓ مبہوت ہو گئے ان کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا بولے:
"اچھا تو جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی دکھاؤ۔"
"حضرت فاطمہؓ نے کہا۔ "ہمیں ڈر ہے کہ تم اس کو ضائع کر دو گے۔"
حضرت عمرؓ نے اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا کہ "مَیں اسے پڑھ کر واپس کر دوں گا۔"
حضرت فاطمہؓ کو اب کچھ امید بندھی کہ شاید ان پر کلامِ الٰہی کا اثر ہو جائے۔ انھوں نے کہا:

"ہم خدا کا کلام پڑھ رہے تھے، جب تک تم غسل کر کے بدن پاک نہ کرو اس کلام پاک کو نہیں چھو سکتے"۔

حضرت عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا اور حضرت فاطمہؓ نے قرآن کے اجزا لا کر سامنے رکھ دیئے۔ اس وقت سورہ طٰہٰ ان کے سامنے آئی اسے ہی پڑھنا شروع کیا۔ ابھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی پڑھی تھی کہ جسم پر لرزہ طاری ہو گیا، دل سے کفر و شرک کی ظلمت چھٹنے لگی۔ جوں جوں تلاوت کرتے جاتے تھے ان پر رقت طاری ہوتی جاتی تھی اور پھر بے اختیار کلمہ شہادت ان کے لبوں پر مچل گیا۔

حضرت خبابؓ بن ارت جو اندر چھپے ہوئے تھے اب باہر نکل آئے اور مسرت بھرے لہجے میں کہا۔" اے عمرؓ! مبارک ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہو گئی۔ حضورؐ نے کل ہی دعا مانگی تھی کہ الٰہی عمرو بن ہشام یا عمرؓ بن خطاب میں سے جس کو تو چاہتا ہے اسلام میں داخل کر"۔

حضرت عمرؓ نے نہایت انکسار کے ساتھ حضرت خبابؓ سے درخواست کی کہ مجھے جلد رسول اللہؐ کی خدمت میں لے چلو۔

حضرت خبابؓ، حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر حضرت ارقمؓ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ دروازے پر دستک دی تو صحابہ کرامؓ نے دروازہ کھولنے میں تامل کیا، شیرِ خدا حضرت حمزہؓ کو جوش آ گیا، انہوں نے تلوار سونت لی اور کہا۔" عمرؓ آتا ہے تو آنے دو اگر اس کی نیت نیک نہیں ہے تو خدا کی قسم اس کی تلوار سے اس کا سر اڑا دوں گا۔"

اس پر رحمتِ عالمؐ نے فرمایا،" دروازہ کھول دو۔"

دروازہ کھلنے پر حضرت عمرؓ بے تابانہ اندر داخل ہوئے، حضرت خبابؓ پیچھے رہ گئے تھے۔ حضورؐ نے پوچھا، عمرؓ کس نیت سے آئے ہو؟

حضرت عمرؓ جلالِ نبوت سے کپکپا اٹھے، سر جھکا کر نہایت دھیمے لہجہ میں کہا۔" اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کے لئے۔"

یہ الفاظ سن کر صحابہ کرامؓ فرطِ مسرت سے بے خود ہو گئے، پھر اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو حضرت سعیدؓ مہاجرین اولین کے ساتھ مدینے پہنچے اور حضرت ابولبابہ انصاریؓ کے گھر قیام کیا۔ ہجرت میں ان کی اہلیہ بھی ساتھ تھیں۔ کچھ عرصہ بعد جب حضورؐ نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخاۃ قائم کرائی تو حضرت سعیدؓ کو حضرت رافعؓ بن مالک زرقی انصاری کا اسلامی بھائی بنایا۔

۲ ہجری میں بدر کے میدان میں حق و باطل کا معرکہ پیش آیا تو حضرت سعیدؓ بن زید ان تین سو تیرہ نفوسِ قدسی میں سے ایک تھے جو اپنی بے سروسامانی کے باوجود کفر سے بھڑ گئے۔

بدر کے بعد دوسرے تمام غزواتِ نبویؐ میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ اُحد، خندق، خیبر، حنین اور طائف ہر معرکے میں انہوں نے کمال درجے کی سرفروشی اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ ۶ ہجری میں بیعتِ رضوان کا شرف حاصل کیا، فتح مکہ کے موقع پر ایک دستہ فوج کے افسر تھے۔ غزوۂ تبوک میں طویل سفر کی سختیاں ہنسی خوشی برداشت کیں۔ غرض قبول اسلام کے بعد کوئی شرف ایسا نہیں تھا جو انہیں حاصل نہ ہُوا ہو۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد جب ایران اور روم سے کشمکش کا آغاز ہُوا تو حضرت سعیدؓ شام جانے والے لشکر میں ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے شریک ہوتے۔ عہدِ صدیقی میں اجنادین کا ہولناک معرکہ پیش آیا، نوّے ہزار رومی جنگجو ایک نامور سردار وردان کی قیادت میں مسلمانوں کے مقابل ہوتے جن کی تعداد صرف بیس ہزار کے لگ بھگ تھی، جن میں حضرت سعیدؓ بھی شامل تھے سر سے کفن باندھ کر لڑے اور اس کے بعد مسلمانوں نے دمشق کا رُخ کیا۔ اسی زمانے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی اور خلافتِ فاروقی کا آغاز ہُوا۔ اس وقت دمشق کا محاصرہ جاری تھا۔ اثنائے محاصرہ میں ہرقل نے ایک بڑی فوج اہل دمشق کی مدد کے لئے روانہ کی۔ سپہ سالارِ اسلام حضرت خالدؓ بن ولید کو اس فوج کی نقل و حرکت کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنی فوج کے ایک حصے کو محاصرے پر چھوڑا اور باقی فوج کے ساتھ دمشق سے ایک منزل دُور رومیوں کی امدادی فوج کے مقابل ہوتے۔ اسلامی فوج کی صف بندی کرتے وقت انہوں نے حضرت سعیدؓ بن زید کو رسالہ کا افسر مقرر کیا، رومی لشکر نے حملہ کیا تو سب سے پہلے مسلمانوں کا رسالہ اس کی زد میں آیا۔ حضرت سعیدؓ نے بڑی جرأت اور استقامت کے ساتھ رومیوں کے پُرجوش حملے کو روکا، اس اثنا میں حضرت خالدؓ نے رومیوں کے میسرہ پر اور حضرت معاذؓ بن جبل نے میمنہ پر اس زور کا حملہ کیا کہ دُشمن کے قدم اُکھڑ گئے اور اسلامی رسالہ ان کے دباؤ سے آزاد ہوگیا۔ اس وقت حضرت سعیدؓ رومیوں پر اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ ان کی تمام صفیں درہم برہم ہوگئیں اور وہ اپنے سینکڑوں آدمی کٹوا کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ یہ لڑائی "یوم مرج الصفر" کے نام سے مشہور ہے۔ اسلامی لشکر مظفر و منصور واپس دمشق آگیا اور تھوڑی ہی مدت کے بعد اس پر بزورِ شمشیر قبضہ کر لیا۔ دمشق کے بعد مسلمان قنسرین اور بعلبک کو مفتوح کر کے حمص کی طرف بڑھے جو شام کا ایک اہم شہر تھا اور جہاں رومیوں نے ایک زبردست لشکر جمع کر رکھا تھا۔ اس وقت شام کا ایک نامی جنگجو مرلیس، حمص کا حاکم تھا۔ اس نے پہلے تو شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن جب

ایک خونریز لڑائی کے بعد مسلمانوں نے اسے شکست دی تو وہ قلعہ بند ہونے پر مجبور ہو گیا۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور اس کو فتح کرنے کے لئے بار بار حملے کیے لیکن اہل حمص نے سخت مزاحمت کی اور مسلمانوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ بالآخر مسلمانوں نے ایک جنگی منصوبہ بنایا اور اس کے مطابق تھوڑے سے سوار اور معمولی سامان پیچھے چھوڑ کر سارا لشکر دمشق کا محاصرہ اُٹھا کر ایک منزل دور چلا گیا۔ حاکم حمص مرلیس نے سمجھا کہ مسلمان بددل اور مایوس ہو کر پسپا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی فوج کو ساتھ لے کر قلعہ سے باہر نکلا اور مسلمانوں کی لشکر گاہ پر ہلہ بول دیا۔ مسلمان سواروں نے معمولی مقابلہ کیا اور پھر پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ رومیوں کے دل بڑھ گئے اور انہوں نے تیزی سے مسلمانوں کا پیچھا کیا۔ اس طرح مسلمانوں کی چال کامیاب ہو گئی۔ بڑی اسلامی فوج نے دمشق سے کافی دور خفیہ مورچے قائم کر لئے تھے، جونہی رومی لشکر اس کی زد میں آیا، مجاہدین اسلام اس پر برقِ بے اماں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ رومی جان توڑ کر لڑے لیکن جب حضرت سعیدؓ نے ان کے سردار مرلیس کا کام تمام کر دیا تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔

حمص کی فتح کے بعد یرموک کی خونریز جنگ پیش آئی جس نے شام کی قسمت کا بڑی حد تک فیصلہ کر دیا، اس لڑائی میں حضرت سعیدؓ پیدل فوج کے افسر تھے وہ ایسی شجاعت اور پامردی سے لڑے کہ جہاد کا حق ادا کر دیا۔

علامہ شبلیؒ نے الفاروق میں لکھا ہے کہ اثنائے جنگ میں رومیوں نے اچانک مسلمانوں کے میسرہ پر حملہ کیا۔ ابتداً مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے لیکن افسر جمے رہے، انہیں میں حضرت سعیدؓ غصے میں گھٹنے ٹیکے کھڑے تھے، رومی ان کی طرف بڑھے تو وہ شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار کر گرا دیا۔ حضرت سعیدؓ اور ان جیسے دوسرے مجاہدوں کی جانبازی کا یہ نتیجہ ہوا کہ رومیوں کے ٹڈی دل کو عبرتناک شکست ہوئی۔ اسی زمانے میں سپہ سالارِ اسلام حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے حضرت سعیدؓ کو دمشق کا حاکم مقرر کیا لیکن ان کے دل میں شوق جہاد کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ انہوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کو لکھا کہ میں ایسا ایثار نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ تو جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں لہٰذا یہ خط پہنچتے ہی میری جگہ کسی اور کو بھیج دیجئے۔ پھر دمشق کی امارت سے استعفاد ے کر میدانِ جہاد میں پہنچ گئے۔ فتح شام کے بعد حضرت سعیدؓ مدینہ منورہ آ کر گوشہ نشین ہو گئے۔

۲۳ ہجری میں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ مجوسی فیروز لولو کے ہاتھوں زخمی ہوئے تو حضرت سعیدؓ ان کے گھر میں تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی وہیں بیٹھے تھے، حضرت عمرؓ نے جو حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے فرمایا:

"دیکھو میں نے کلالہ کے متعلق کچھ نہیں کہا اور کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا، جو عرب اس

وقت قید میں ہیں وہ سب آزاد ہیں۔"
حضرت سعیدؓ بولے، "اگر آپ کسی مسلمان کو خلیفہ نامزد کر دیں تو مسلمان آپ پر اعتماد کریں گے۔"
حضرت عمرؓ نے فرمایا، "میں تو صرف ان چھ شخصوں کے اندر خلافت کو رکھوں گا جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے وقت تک راضی رہے اور جن میں بارِ خلافت اٹھانے کی صلاحیت بھی ہے۔"
آپ نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو محض اس لئے خلافت کے لئے نامزد نہیں کیا کہ وہ ان کے اپنے خاندان بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے اور دوسرے کسی صاحب کا تعلق بنو عدی سے نہیں تھا۔
اس واقعہ کے بعد حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے باقی تمام زندگی نہایت سکون اور خاموشی کے ساتھ گزاری۔ اس دوران میں ملکی سیاست میں کئی اتار چڑھاؤ آئے لیکن وہ ہر قسم کے ہنگاموں سے کنارہ کش رہے۔ تاہم ۳۵ ہجری میں امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ مظلومانہ شہید ہوئے تو وہ خاموش نہ رہ سکے اور ظالموں کی برملا مذمت کی۔ اس زمانہ میں وہ کوفہ میں مقیم تھے اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے کوفہ کی مسجد میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> "لوگو! خدا کی قسم میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ اسلام لانے کے جرم میں عمرؓ مجھے اور اپنی بہن کو باندھ دیا کرتے تھے جب کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور تم نے عثمانؓ کے ساتھ جو بدسلوکیاں اور زیادتیاں کی ہیں، اگر ان کی وجہ سے کوہِ اُحد پھٹ جاتے تو اس کا پھٹ جانا بجا ہے۔"

حضرت سعیدؓ نے نواحِ مدینہ میں عقیق کے مقام پر مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اسی جگہ انہوں نے تقریباً اسی سال کی عمر میں ۵۲ ہجری میں جمعہ کے دن وفات پائی۔ جنازہ عقیق سے مدینہ لایا گیا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے غسل دیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حنوط ملا اور نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پھر حضرت سعدؓ اور ابن عمرؓ قبر میں اُترے اور اسلام کے اس مہرِ درخشاں کو سپردِ خاک کر دیا۔
حضرت سعیدؓ بن زید کا شمار ان دس عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے جن کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر نام لے کر جنت کی بشارت دی تھی، یہ اصحاب "عشرہ مبشرہ" کے عظیم الشان لقب سے مشہور ہیں۔
زہد و تقویٰ اور کثرتِ عبادت کی بدولت حضرت سعیدؓ کو "مستجاب الدعوات" کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ امام مسلمؒ، حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اروی بنت اویس نامی ایک عورت نے والیٔ مدینہ مروان بن الحکم کے پاس شکایت کی کہ سعیدؓ بن زید نے اس کی زمین کا کچھ حصہ

دبا لیا ہے۔ مروان نے ان کو طلب کر کے حقیقت حال دریافت کی تو فرمایا:
"تم میری نسبت گمان کرتے ہو کہ میں نے اس کی زمین کا کچھ غصب کر لیا ہے حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص ایک بالشت بھر زمین پر ظلم سے قبضہ کرے گا۔ قیامت کے دن اس کو ویسی سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔"
مروان نے ان سے قسم کھلانے کو کہا تو وہ اس زمین سے دست بردار ہو گئے لیکن دل گرفتگی کے عالم میں منہ سے یہ الفاظ نکل گئے:
"الٰہی اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اسے اندھا کر دے اور اس کو اسی کی زمین میں موت دے اور مسلمانوں پر میرے حق کو بخوبی واضح کر دے۔"
خدا کی قدرت کچھ عرصہ بعد اروی کی بینائی زائل ہو گئی اور ایک دن وہ اسی حالت میں اپنے گھر کے کنوئیں میں گر کر مر گئی۔ اس کے بعد اہل مدینہ میں یہ ضرب المثل بن گئی۔
(خدا تجھے اندھا کرے جیسا کہ اروی کو اندھا کیا)
حُبِ رسولؐ، شوقِ جہاد، زہد و تقویٰ، ایثار و اخلاص اور خشیتِ الٰہی حضرت سعیدؓ بن زید کے خاص اوصاف تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ "سعیدؓ بن زید کا دامن عمل کبھی معصیت کی آلودگیوں سے داغدار نہیں ہوا اور وہ ہمیشہ اتباعِ رسولؐ میں کوشاں رہتے تھے۔
حضرت سعیدؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثیر اولاد ہوئی۔ اہل سیر نے ان کے چودہ لڑکوں اور بیس لڑکیوں کے نام صراحت سے لکھے ہیں۔ آپ طویل القامت گندم گوں تھے اور ان کے سر پر لمبے اور گھنے بال تھے۔

سب کا خیال رکھنا چاہیے

مدینے میں بنو سلمہ نے اپنے محلے میں ایک مسجد بنالی تھی جہاں حضرت معاذ بن جبلؓ نماز پڑھایا کرتے۔ ایک دن عشاء کی نماز میں انھوں نے سورۂ بقر پڑھی جو قرآن پاک کی سب سے لمبی سورۃ ہے۔ پیچھے کو میں ایک صاحب تھے جو سارا دن کھیت میں کام کر کے آئے تھے اور بہت تھکے ہوئے تھے۔ حضرت معاذؓ ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ وہ نیت توڑ کر مسجد سے چلے گئے۔
حضرت معاذؓ کو خبر ہوئی تو کہنے لگے کہ وہ منافق ہے۔ اُس شخص نے جب یہ سنا تو اُسے بہت رنج ہوا۔ وہ حضورؐ کے پاس آیا اور حضرت معاذؓ کی شکایت کی۔
حضورؐ نے حضرت معاذؓ کو بلایا اور فرمایا۔
"چھوٹی سورتیں پڑھا کرو، کیوں کہ تمہارے پیچھے پڑھنے والوں میں سبھی قسم کے لوگ ہوتے ہیں، بوڑھے بھی اور وہ جنہیں کوئی کام ہوتا ہے۔ تم کو سب کا خیال رکھنا چاہیے۔"

سیارہ ڈائجسٹ کی ایک منفرد
تحقیقی اور عظیم پیشکش

قرآنی وظائف نمبر

شائع ہوگیا ہے

- یہ وظائف ہماری آپ کی اور ہر گھر کی پریشانیوں، الجھنوں اور مشکلات کا حل ہیں۔
- قرآن مجید کی چھوٹی چھوٹی آیات پر مشتمل یہ وظائف آسان، سادہ اور عام فہم زبان میں اس طور سے پیش کیے جا رہے ہیں کہ ہر قاری بھی ان پر بغیر کسی دشواری کے عمل پیرا ہو کر ان قرآنی وظائف سے اپنی بگڑی بنا سکے۔
- اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کے مصدقہ آزمودہ اور پُر اثر قرآنی وظائف۔
- انشاء اللہ یہ نمبر بھی ماضی کی طرح آپ کی امنگوں پر پورا اترے گا۔

سیارہ ڈائجسٹ 16-B سانده روڈ، لاہور فون: 7245412

SCANNED BY:
ATA-UL-MUSTAFA

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ بن عوام

چھوٹا سا بچہ ایک جوان آدمی سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اسنے نوجوان کو ایسی ضرب لگائی کہ اس شخص کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ لوگوں نے اس بچے کی ماں سے شکایت کی تو انہوں نے سب سے پہلے یہ سوال کیا کہ تم نے زبیر کو کیسا پایا بہادر یا بُزدل ؟

حضرت زبیرؓ کی والدہ حضرت صفیہؓ بڑی شجاع اور شیر دل خاتون تھیں۔ وہ حضرت زبیرؓ سے سخت محنت و مشقت کا کام لیتیں اور وقتاً فوقتاً زجر و توبیخ اور زدوکوب سے بھی گریز نہ کرتیں۔ نوفل بن خویلد ایک دن بھتیجے کو ماں کے ہاتھوں پٹتا دیکھ کر بیتاب ہو گئے اور حضرت صفیہؓ کو سختی سے روکا کہ اس طرح تم بچے کو مار ڈالو گی۔ انہوں نے بنو ہاشم سے بھی کہا کہ وہ صفیہؓ کو بچے پر سختی کرنے سے روکیں۔ جب اس بات کا چرچا عام ہوا تو حضرت صفیہؓ نے لوگوں کے سامنے رجز پڑھا جس کا مطلب تھا۔

جس نے یہ کہا کہ میں اس (زبیر) سے بغض رکھتی ہوں اس نے غلط کہا' میں اس کو اس لیے پیٹتی ہوں کہ عقلمند ہو۔

اور فوج کو شکست دے اور مالِ غنیمت حاصل کرے۔

ایک دن مکہ میں ایک وحشت اثر خبر پھیل گئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین نے گرفتار کر لیا ہے اور کچھ کا کہنا تھا کہ حضورؐ شہید کر دئے گئے ہیں۔ بنو ہاشم سخت غیظ و غضب کے عالم

میں تھے۔ ابھی کوئی قدم اٹھانے کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ نوعمر زبیر کے کانوں میں بھی اس خبر کی بھنک پڑ گئی۔ اس سولہ سالہ کشیدہ قامت اور قوی الجثہ نوجوان کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت تھی یہ خبر سنتے ہی تڑپ کر اٹھا۔ کھونٹی سے تلوار اتار کر اس کا نیام زمین پر پٹک دیا اور شمشیر بکف مکہ کی گلیوں میں کود گیا۔ اس کا رُخ مکہ کے بالائی حصے میں واقع سرورِ عالم کے کاشانہ اقدس کی جانب تھا۔ اس وقت جوشِ غضب سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا وہ نہایت تیزی سے گلیاں طے کر رہا تھا۔ جلد ہی وہ حضورؐ کے کاشانہ مبارک پر پہنچ گیا اور یہ دیکھ کر اس کی مسرت کی انتہا نہ رہی کہ مہبطِ وحی و رسالتؐ خیر و عافیت کے ساتھ وہاں رونق افروز ہیں۔ حضورؐ شمشیر بکف نوجوان کو دیکھ کر متبسم ہو گئے اور فرمایا "زبیر! خیر تو ہے اس وقت تم شمشیر برہنہ سونت کر کیسے آ رہے ہو؟"

زبیر نے عرض کیا: "یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ میں نے سُنا تھا کہ آپ کو دُشمنوں نے گرفتار کر لیا ہے یا شاید آپ شہید کر دیئے گئے ہیں۔"

ارشاد ہوا: "اچھا تو یہ بات ہے اور اگر واقعی ایسا ہو جاتا تو تم کیا کرتے؟"

اس نے بے ساختہ عرض کیا: "یا رسول اللہ خدا کی قسم میں اہلِ مکہ سے لڑ مرتا۔"

اس کا جواب سُن کر رحمتِ عالمؐ کے روئے انور پر بشاشت پھیل گئی۔ آپؐ نے اس کے جذبۂ فدویت کی تحسین فرمائی اور اس کے حق میں دُعائے خیر کی بلکہ اس کی تلوار کو بھی دُعا دی کہ یہ پہلی تلوار تھی جو راہِ حق اور رسولِ برحق کی حمایت میں بلند ہوئی۔

سیدنا حضرت ابو عبداللہ زبیرؓ بن العوام تاریخ اسلام کی ایک عظیم الشان شخصیت ہیں۔ ان کو بارگاہ نبوت سے "حواریِ رسول" کا لقب عطا ہوا۔ اور سرورِ کائناتؐ نے اپنی زبانِ مبارک سے انہیں جنت کی بشارت دی۔ اس طرح وہ اصحابِ عشرہ مبشرہ میں شمار ہوتے۔ ان کی جلالتِ قدر کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ سیدنا عمر فاروقؓ انہیں ارکانِ دین میں سے ایک رکن قرار دیا کرتے تھے۔

حضرت زبیرؓ ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے تھے جس پر آفتابِ اسلام کی شعاعیں دعوتِ حق کی ابتدا ہی میں پڑنے لگی تھیں۔ ان کی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ اسلام کی خاتونِ اوّل تھیں۔ والدہ حضرت صفیہؓ بھی آغازِ عہد نبوت میں مشرف بہ ایمان ہو گئی تھیں۔ انہوں نے باختلافِ روایت آٹھ بارہ یا سولہ برس کی عمر میں ہی دعوتِ حق پر لبیک کہا۔ سابقون اولون میں وہ ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ جب تک وہ اسلام نہیں لاتے تھے اپنے چچا کی شفقتوں کا مرجع تھے لیکن جونہی انہوں

نے دعوتِ حق قبول کی چچا کا رویہ بدل گیا اور اس نے ان پر سخت مظالم ڈھانے شروع کر دیتے۔ وہ اپنے بھتیجے کو چٹائی میں لپیٹ دیتے' آگ سُلگا کر اس کی دھونی دیتے اور کہتے کہ اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آ۔ لیکن زبیرؓ ہر بار یہی کہتے: "ہرگز نہیں ہرگز نہیں اب میں کبھی کافر نہ ہوں گا۔"

جب چچا کی ایذا رسانی حد سے بڑھ گئی تو حضرت زبیرؓ نے سرورِ عالمؐ کے ایما پر حبش کی ہجرت اختیار کی۔ کچھ عرصہ وہاں گزار کر مکّہ واپس آ گئے اور تجارت کا شغل اختیار کیا۔ کچھ مدّت بعد خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ کو ہجرت فرمائی۔ اس وقت حضرت زبیرؓ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے ہوتے تھے۔ جب وہ شام سے مکّہ کی طرف واپس آ رہے تھے تو رسولِ اکرم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ مدینہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ حسنِ اتفاق سے راستہ میں حضرت زبیرؓ کو ان سے شرفِ نیاز حاصل ہو گیا۔ اس موقع پر انہوں نے حضورؐ اور صدیقِ اکبرؓ کی خدمت میں کچھ سفید کپڑے ہدیۃً پیش کیے اور پھر مکّہ تشریف لے گئے۔

تھوڑے ہی عرصہ بعد انہوں نے اپنی والدہ حضرت صفیہؓ اور بیوی حضرت اسمٰاءؓ بنتِ ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ مدینہ کو ہجرت کی اور کچھ مدّت قبا میں قیام پذیر رہے۔ وہیں ۱ھ میں حضرت اسمأؓ کے بطن سے حضرت عبداللہؓ بن زبیر پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت سے پہلے کئی ماہ تک کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہ ہوئی تھی اس لیے یہودِ مدینہ نے مشہور کر رکھا تھا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اور ان کا سلسلۂ نسل منقطع کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہؓ پیدا ہوتے تو مسلمانوں کو بے حد مسرت ہوئی اور انہوں نے فرطِ انبساط میں اس زور سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے کہ دشت و جبل گونج اُٹھے۔ مسلمانوں کو زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ اس ولادت باسعادت نے یہودیوں کے دجل و تلبیس کا پردہ چاک کر دیا تھا۔

سرورِ عالمؐ نے مدینہ میں مہاجرین اور انصار کے مابین عقدِ مواخاۃ قائم فرمایا تو حضرت زبیرؓ کے اسلامی بھائی حضرت سلمہؓ بن سلامہ بن وقش قرار پاتے۔ قیامِ مدینہ کے ابتدائی چند سالوں میں حضرت زبیرؓ کی معاش کا انحصار زراعت پر رہا۔ رسولِ اکرمؐ نے انہیں بنونضیر میں ایک نخلستان اور ایک دوسری جگہ کچھ زمین عطا فرمائی تھی۔ ان کی آمدنی واجبی سی تھی اس لیے بڑی تنگدستی سے گزر ہوتی تھی۔ بعد میں انہوں نے زراعت کے ساتھ تجارت بھی شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی برکت دی اور وہ نہایت آسودہ حال ہو گئے۔

ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت زبیرؓ نے ہر معرکے میں کمال درجے کی

استقامت اور بے جگری سے دادِ شجاعت دی۔ کئی موقعوں پر خود ذاتِ رسالتمآبؐ نے ان کی شجاعت اور جذبہ فدویت کی برملا تعریف و تحسین فرمائی۔ حق و باطل کا معرکہ اول بدر کے میدان میں برپا ہُوا تو حضرت زبیرؓ کی شمشیر خارا شگاف دشمن کی صفوں پر برقِ بے اماں بن کر گری اور انہیں درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ جدھر جُھک پڑتے تھے دُشمن کا دل بادل کائی کی طرح پھٹ جاتا۔ اس دن ان کے سر پر زرد عمامہ تھا۔ حضورؐ کی نظر اس پر پڑی تو فرمایا :۔

"آج مسلمانوں کی مدد کے لیے ملائکہ بھی زرد عمامے باندھ کر آسمان سے اُترے ہیں۔"

حضرت اسماءؓ بنتِ ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ عین ہنگامہ کارزار میں جنگجو مشرک ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر للکارا :۔

"کوئی ہے جو میرے مقابلے پر آئے۔"

حضورؐ نے ایک صحابیؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا" کیا تو اس کے مقابلہ کے لیے جاتا ہے؟"

انہوں نے عرض کیا۔"یا رسُولؐ اللہ اگر آپ چاہتے ہیں تو میں تیار ہوں۔"

اسی اثنا میں سرورِ عالمؐ کی نظر حضرت زبیرؓ پر پڑی جو قریب ہی بیٹھے تھے اور جوشِ غضب سے کسمسا رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا" اے ابنِ صفیہؓ کھڑے ہو جاؤ اور اس مشرک کے مقابلے پر جاؤ۔" حضرت زبیرؓ تیر کی طرح اس پر جھپٹے اور اس سے گتھم گتھا ہو گئے۔ دونوں بڑے شہ زور تھے اور ایک دُوسرے کو ٹیلے سے گرانے کی کوشش کرتے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا" ان دونوں میں سے جو پہلے گرے گا وہ مارا جائے گا۔" پھر آپؐ نے حضرت زبیرؓ کے حق میں دُعا فرمائی چند ہی لمحے بعد دونوں لڑھکتے ہوتے نیچے اس طرح گرے کہ مشرک نیچے تھا اور حضرت زبیرؓ اس کے اُوپر اور پھر پلک جھپکنے کی دیر میں حضرت زبیرؓ نے اپنی تلوار سے مشرک کی گردن اُڑا دی۔

اس کے بعد حضرت زبیرؓ کا مقابلہ قریش کے نامی بہادر عبیدہ بن سعید بن عاص سے ہُوا۔ وہ سرتاپا لوہے میں غرق تھا۔ صرف اس کی آنکھیں نظر آتی تھیں۔ اس نے للکار کر کہا" میں ہوں ابو ذات الکرش۔ حضرت زبیرؓ نے اپنی برچھی سے اس پر حملہ کیا اور تاک کر اس کی آنکھ میں برچھی ماری جس سے وہ مر گیا۔"

جب حضرت زبیرؓ ابو ذات الکرش کو ہلاک کر چکے تو اپنی برچھی کو اس کی لاش پر پاؤں اڑا کر بڑی مشکل سے اس طرح نکالا کہ برچھی کا پھل مُڑ گیا۔ سرورِ کائناتؐ نے یہ برچھی حضرت زبیرؓ سے مانگ لی اور تا وفات اپنے پاس رکھی۔

حضرت زبیرؓ کی جو تلوار بدر کے میدان میں چمکی وہ بھی اس برچھی کی طرح یادگار بن گئی۔ آپ

نے یہ تلوار اس طرح چلائی کہ اس میں دندانے پڑ گئے۔ اس تلوار میں چاندی کا کام تھا۔ حضرت زبیرؓ کی شہادت کے بعد یہ تلوار ان کے جلیل القدر فرزند حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کے قبضہ میں آئی۔

غزوہ بدر میں حضرت زبیرؓ کو تلوار کے ایک یا دو زخم کاندھے پر آئے۔ ایک زخم اتنا شدید تھا کہ اس کے مندمل ہونے پر وہاں گڑھا سا بن گیا۔ حضرت عروہؒ بن زبیرؒ کا بیان ہے کہ میں بچپن میں اس گڑھے میں اپنی انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتا تھا۔

غزوۂ اُحد میں حضرت زبیرؓ ان چودہ ثابت قدم صحابہ کرامؓ میں سے ایک تھے جو شروع سے اخیر تک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سپر بنے رہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ احد کے دن طلحہ ابی طلحہ مشرکین کا علمبردار تھا۔ اس نے میدانِ جنگ میں آکر مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔ حضرت زبیرؓ دوڑتے ہوئے اس کی طرف گئے اور جست لگا کر اس کے اُونٹ پر سوار ہو گئے۔ پھر اس کو زمین کی طرف دھکیل کر اُونٹ سے گرا دیا۔ اور اپنی تلوار سے اس کو ذبح کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کی تعریف فرمائی اور فرمایا:۔

"ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔ اگر زبیر اس کے مقابلے کے لیے نہ نکلتا تو میں خود اس کے مقابلے پر جاتا۔"

اثنائے جنگ میں ایک موقع پر سرورِ عالمؐ نے اپنی شمشیر مقدس نیام سے کھینچی اور فرمایا۔

"کون ہے جو آج اس کا حق ادا کرے؟"

حضرت زبیرؓ اور حضرت ابو دجانہ انصاریؓ نے تین مرتبہ اس خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔ بالآخر حضورؐ نے یہ تلوار حضرت ابو دُجانہ کو عطا فرمائی۔ تاہم حضرت زبیرؓ کا جذبۂ فدویت تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لیے محفوظ رہ گیا۔

صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیرؒ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احد میں زخم لگے اور مشرکین واپس چلے گئے تو آپؐ نے اس خیال سے کہ کہیں وہ پلٹ نہ پڑیں، فرمایا "کون ان کے تعاقب میں جاتا ہے؟" صحابہ میں سے ستر آدمی اس کام کے لیے آمادہ ہوتے ان میں حضرت زبیرؓ بھی تھے۔

غزوۂ خندق کے موقع پر مشرکین کا ایک سیلابِ عظیم مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا۔ سرورِ کائنات نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر اس لشکر کا مقابلہ کیا۔ مشرکین کا محاصرہ تقریباً تین ہفتے جاری رہا۔ ایک دن نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی نے اپنی لشکرگاہ سے باہر نکل کر مسلمانوں کو مقابلے کے

لیے للکارا۔ حضرت زبیرؓ جھپٹ کر اس کے مقابل ہوئے اور اپنی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ اس موقع پر ان کی تلوار میں ایک دندانہ پڑ گیا۔ نوفل کو جہنم داصل کرنے کے بعد حضرت زبیرؓ یہ رجز پڑھتے ہوئے واپس آئے۔

میں وہ شخص ہوں جو اپنی بھی حفاظت کرتا ہوں اور نبی مصطفیٰ امی کی بھی حفاظت کرتا ہوں۔

یہود بنی قریظہ اور مسلمانوں میں باہم خیر سگالی کا معاہدہ تھا لیکن جنگ خندق کے موقع پر یہودیوں کی نیت بدل گئی اور وہ مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپنے کے منصوبے بنانے لگے۔ اہلِ حق کے لیے یہ بڑا نازک وقت تھا۔ حضورؐ کو ان غداروں کے فاسد عزائم کا علم ہوا تو آپؐ نے مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا۔ "کون بنی قریظہ کی خبر لاتا ہے؟"

حضرت زبیرؓ نے بڑھ کر عرض کی۔ "یا رسول اللہ میں جاتا ہوں۔"

سرورِ عالمؐ نے تین مرتبہ اپنے الفاظ دہرائے اور تینوں مرتبہ حضرت زبیرؓ نے اپنے آپ کو اس پُرخطر کام کے لیے پیش کیا۔ حضورؐ ان کے جذبہ فدویت سے بہت خوش ہوئے۔

صحیح بخاری ہی میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے یہ روایت ہے کہ غزوۂ احزاب میں عمر بن ابی سلمہ اور میں عورتوں کے ساتھ کر دیتے گئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ زبیر گھوڑے پر سوار دو یا تین مرتبہ بنی قریظہ کی طرف گئے اور واپس آئے۔ جب (شام کو) میری ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا "ابا جان میں نے آپ کو (بنی قریظہ کی طرف) جاتے دیکھا تھا۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا:۔

"بیٹا تم نے مجھے دیکھا تھا؟"

میں نے کہا۔ "ہاں"۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کون بنو قریظہ کی خبر لاتا ہے۔ میں گیا جب واپس آیا تو حضورؐ نے میرے لیے اپنے ماں باپ جمع کیے اور فرمایا میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔"

اکثر اہلِ سیرت کا بیان ہے کہ "فِدَاکَ اَبِی وَاُمِّی" کے الفاظ لسانِ رسالتؐ سے حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے سوا کسی اور کے لیے نہیں نکلے۔

غزوۂ احزاب کے فوراً بعد حضرت زبیرؓ غزوۂ بنی قریظہ میں شریک ہوئے اور پھر ذیقعدہ ۶ھ میں بیعت رضوان کا عظیم شرف حاصل کیا۔ اواخر ۶ھ یا شروع ۷ھ میں خیبر کی جنگ پیش آئی تو اس میں بھی حضرت زبیرؓ نے کمال دلجمعی کی جانبازی اور سرفروشی کا مظاہرہ کیا۔

جب رئیسِ خیبر مرحب حضرت علیؓ مرتضٰی کے ہاتھ سے مارا گیا تو اس کا قوی ہیکل اور جنگجو بھائی یاسر غضب ناک ہو کر میدان میں آیا۔ حضرت زبیرؓ اس کے مقابلے کے لیے بڑھے۔ ان کا قد و قامت یاسر کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ آج یاسر کے ہاتھ سے نہیں بچیں گے۔ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ بھی حضورؐ کے ساتھ مدینے سے آئی تھیں' انہوں نے بیقرار ہو کر حضورؐ سے عرض کیا:۔

"یارسولؐ اللہ میرا جگر گوشہ شہید ہو گا۔"

سرورِ عالمؐ نے فرمایا:۔

"نہیں انشاءاللہ وہ دشمن پر غالب آئے گا۔" چنانچہ تھوڑی دیر کی لڑائی کے بعد حضرت زبیرؓ نے یاسر کو قتل کر دیا۔

۸ھ میں جب دس ہزار "قدسیوں" کا لشکر مکّہ میں فاتحانہ داخل ہوا تو اس موقع پر حضرت زبیرؓ کو یہ امتیاز حاصل ہوا کہ وہ مہاجرین کے علمبردار مقرر ہوتے اور خاص عَلمِ نبوی انہیں تفویض کیا گیا۔ صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیرؓ سے فتحِ مکّہ کے بارے میں روایت ہے کہ:۔

"ایک فوج آئی جس کی تعداد دُوسرے تمام دستوں سے کم تھی۔ اس میں رسولؐ اللہ اور اصحاب تھے اور عَلمِ نبوی زبیرؓ بن العوام کے پاس تھا۔"

بخاری کی روایت کے مطابق حضرت زبیرؓ سب سے آخری اور سب سے چھوٹے دستے میں تھے۔ رحمتِ عالمؐ بھی اسی دستے میں رونق افروز تھے۔ مؤرخ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ فتح مکّہ کے بعد جب ہر طرف امن و سکون ہو گیا تو حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ بن الاسود کندی اپنے گھوڑوں پر سوار بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے۔ اس موقع پر انہیں یہ عظیم سعادت نصیب ہوئی کہ سرورِ عالمؐ نے کھڑے ہو کر اِن کے چہروں سے گرد صاف کی۔

۱۱ھ میں سرورِ کائناتؐ نے رحلت فرمائی تو حضرت زبیرؓ پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا اور انہوں نے شکستہ دل ہو کر عزلت گزینی اختیار کی۔ دو تین سال انہوں نے نہایت خاموشی سے گزارے' لیکن فاروقِ اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں ان کے خون نے جوش مارا اور وہ اپنے کم سن فرزند عبداللہ کو ساتھ لے کر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے شام پہنچ گئے۔ اس وقت شام کی فیصلہ کن جنگ یرموک کے میدان میں لڑی جا رہی تھی۔ حضرت زبیرؓ نے اس جنگ میں حیرت انگیز جرأت و بسالت کا مظاہرہ کیا۔ صحیح بخاری میں ان کے فرزند عروہؒ سے روایت ہے کہ اصحابِ رسولؐ نے جنگ یرموک میں زبیرؓ سے کہا' آپ شدت کیوں نہیں کرتے تاکہ ہم بھی شدت کریں۔ انہوں نے کہا اگر میں شدت

کروں گا تو تم جھوٹے ثابت ہو گے (یعنی میرا ساتھ نہ دے سکو گے) لوگوں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا۔ حضرت زبیرؓ نے کفار پر (ایک شدید) حملہ کیا اور ان کی صفوں کو درہم برہم کرتے ہوئے آگے نکل گئے لیکن ان کا ساتھ کوئی مسلمان نہ دے سکا۔ جب واپس آنے لگے تو کفار نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑلی اور ان کے کندھے پر دو زخم لگائے۔

فتح شام کے بعد مجاہدینِ اسلام نے حضرت عمروؓ بن العاص کی قیادت میں مصر پر چڑھائی کی اور وہاں کے مشہور شہر فسطاط کا محاصرہ کر لیا۔ چونکہ فسطاط کا قلعہ بہت مضبوط تھا اور مجاہدین کی تعداد بہت قلیل تھی اس لیے حضرت عمروؓ بن العاص نے امیرالمومنین سے مدد مانگ بھیجی۔ فاروقِ اعظمؓ نے چار ہزار فوج حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت عبادہؓ بن صامت، حضرت مقدادؓ بن اسود کندی اور حضرت مسلمہؓ بن مخلد کی سرکردگی میں روانہ کی اور حضرت عمروؓ کو لکھا کہ "ان میں سے ہر افسر ایک ہزار سوار کے برابر ہے اس لیے اس فوج کو آٹھ ہزار سمجھنا۔" مصریوں کا دفاع اس قدر مضبوط تھا کہ اس فوج کے پہنچنے کے باوجود قلعہ سات ماہ تک فتح ہونے میں نہ آیا۔ ایک دن حضرت زبیرؓ کو سخت جوش آیا اور وہ سیڑھی لگا کر شمشیر بدست قلعہ کی دیوار پر چڑھ گئے۔ چند اور مجاہدین نے بھی ان کا ساتھ دیا اور فصیل پر پہنچ کر ایک فلک شگاف نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ نیچے کی فوج نے بھی نعرے لگانے شروع کر دیے۔ عیسائی سراسیمہ ہو گئے، اسی اثنا میں حضرت زبیرؓ نے فصیل سے اُتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا، اس کے ساتھ ہی تمام اسلامی لشکر اندر گھس آیا۔ عیسائیوں نے ہتھیار پھینک دیے اور امان طلب کی۔ حضرت عمروؓ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور فسطاط پر اسلامی علم لہرا دیا۔

فسطاط کی فتح کے بعد حضرت زبیرؓ نے سکندریہ کی تسخیر میں نمایاں حصّہ لیا۔ سکندریہ کا قلعہ اپنے زبردست انتظامات کی وجہ سے ناقابلِ تسخیر متصور ہوتا تھا۔ اسلامی فوجیں مدّت سے اس کا محاصرہ کیے پڑی تھیں۔ آخر ایک دن حضرت زبیرؓ اور مسلمہؓ بن مخلد نے فوج کے چند مضبوط دستے اپنے ہمراہ لیے اور اس زور شور سے حملہ کیا کہ دشمن کے لیے اطاعت قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

۲۳ھ میں سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے جامِ شہادت پیا۔ آپ نے اپنی شہادت سے پہلے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے نام مسلمانوں کے سامنے پیش کر کے وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان چھ بزرگوں سے آخر وقت تک راضی رہے تھے۔ اس لیے بہتر ہو گا کہ ان چھ میں سے ایک کو میرے بعد منصبِ خلافت پر فائز کیا جائے۔ ان سب نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو اپنا حکم بنایا۔ انہوں نے ہر شخص سے انفرادی رائے لینے کے بعد حضرت عثمانؓ کے حق میں فیصلہ دیا حضرت

زبیرؓ نے اس انتخاب کو فوراً تسلیم کر لیا اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔
امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں حضرت زبیرؓ نے پھر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اور ہر قسم کے ہنگاموں سے کنارہ کش ہو گئے لیکن عامۃ المسلمین میں ان کے اثر و رسوخ کا یہ عالم تھا کہ ایک بار حضرت عثمانؓ شدّت نکسیر کی وجہ سے حج سے معذور ہو گئے۔ تو لوگوں کے مطالبہ پر انہوں نے حضرت زبیرؓ کو امیر حج اور اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اس موقع پر انہوں نے قسم کھا کر لوگوں سے یہ بھی کہا کہ بے شک زبیرؓ تم لوگوں میں بہتر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے زیادہ محبوب تھے۔
۳۵ھ میں مفسدین نے مدینہ منورہ پر اپنی حکومت قائم کر لی اور بارگاہِ خلافت کا محاصرہ کر لیا۔ اس نازک موقع پر حضرت زبیرؓ نے اپنے بڑے فرزند عبداللہ کو بارگاہِ خلافت کی حفاظت پر مامور فرمایا۔ لیکن ایک دن باغی دوسری طرف سے دیوار پھلانگ کر کاشانۂ خلافت میں داخل ہو گئے اور امیر المومنین حضرت عثمانؓ ذوالنورین کو نہایت بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ حضرت زبیرؓ کو امیر المومنین کی مظلومانہ شہادت سے سخت صدمہ پہنچا۔ ادھر مفسدین کی شقاوتِ قلبی کا یہ عالم تھا کہ وہ امیر المومنین کی تجہیز و تکفین کے بھی روادار نہ تھے۔ آخر حضرت زبیرؓ اور چند دوسرے مسلمانوں نے جان پر کھیل کر حضرت عثمانؓ شہید کی تجہیز و تکفین کی۔ پھر رات کے وقت پوشیدہ طور پر حضرت زبیرؓ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور مضافاتِ مدینہ میں حش کوکب کے مقام پر انہیں سپردِ خاک کر دیا۔
حضرت عثمانؓ غنی کی شہادت کے بعد سیدنا علیؓ مرتضیٰ سریر آرائے خلافت ہوتے۔ ان کے عہدِ خلافت کے اوائل ہی میں حالات و واقعات نے کچھ ایسی صورت اختیار کی کہ قصاصِ عثمانؓ کے سلسلے میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلے میں اصلاح کا عَلَم بلند کر دیا۔ حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور کئی دوسرے صحابہ اُمّ المومنین کے پُرجوش حامیوں میں تھے۔ مستدرک حاکم کی روایت کے مطابق لڑائی کے آغاز سے پہلے سیدنا علیؓ مرتضیٰ تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں تشریف لاتے اور حضرت زبیرؓ کو پکار کر کہا:۔

"ابو عبداللہ۔ کیا تمہیں وہ دن یاد ہے جب ہم دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے رسول اللہ کے سامنے سے گزرے تھے۔ حضورؐ نے تم سے سوال کیا تھا' کیا تم علی کو دوست رکھتے ہو؟ جب تم نے اثبات میں جواب دیا تو حضورؐ نے فرمایا تھا' ایک دن تم ناحق علی سے لڑو گے۔"

حضرت زبیرؓ نے جواب دیا: "ہاں مجھے یاد آگیا"
حضرت علیؓ تو یہ بات یاد دلا کر اپنے لشکر میں واپس چلے گئے لیکن حضرت زبیرؓ کے دل کی دُنیا بدل گئی۔ وہ اسی وقت میدانِ جنگ سے کنارہ کش ہو کر بصرہ روانہ ہو گئے۔ ایک شخص عمرو بن جرموز نے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کا تعاقب کیا۔ حضرت زبیرؓ نے بصرہ پہنچ کر اپنے غلاموں کو سامان و اسباب کے ساتھ روانہ ہونے کی ہدایت کی اور خود بصرہ کی آبادی سے دُور نکل آئے۔ اس وقت ابنِ جرموز گھوڑا دوڑا کر ان کے قریب پہنچا اور پوچھا: "ابو عبداللہ آپ نے قوم کو کس حال میں چھوڑا؟"
حضرت زبیرؓ: "لوگ ایک دُوسرے کا خُون بہانے پر تُلے ہوتے تھے"
ابنِ جرموز: "آپ کہاں جا رہے ہیں؟"
حضرت زبیرؓ: "مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے اور اب میں اس ہنگامے سے کنارہ کش ہو کر کسی طرف نکل جانا چاہتا ہوں۔
ابنِ جرموز نے کہا تو چلیے میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ کچھ دُور جانے کے بعد ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ حضرت زبیرؓ نماز پڑھنے کے لیے ٹھہر گئے۔ ابن جرموز نے کہا میں بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھوں گا۔
حضرت زبیرؓ نے فرمایا: "میں تمہیں امان دیتا ہوں کیا تم بھی میرے حق میں ایسا ہی کرو گے؟"
ابنِ جرموز نے کہا: یقیناً
اس عہد و پیمان کے بعد دونوں گھوڑوں سے اُتر کر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حضرت زبیرؓ جونہی سجدے میں گئے عمرو بن جرموز نے غداری کر کے ان کی گردن پر تلوار کا وار کیا اور حواریِ رسُول کا سرِ اقدس تن سے جُدا کر دیا۔ اس کے بعد وہ حضرت زبیرؓ کی زرہ، تلوار اور سر لے کر امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسے توقع تھی کہ امیر المومنین اس کام کو سراہیں گے، لیکن شیرِ خدا نے حضرت زبیرؓ کی تلوار پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالی اور فرمایا:۔
"اس تلوار نے بارہا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے دُشمنوں کے دَل بادل ہٹائے ہیں۔ اے ابنِ صفیہؓ کے قاتل تجھے جہنم کی بشارت ہو۔"
شہادت کے وقت حضرت زبیرؓ کی عمر چونسٹھ برس کی تھی۔ اپنی جاتے شہادت وادی السباع

ہی میں دفن کیے گئے۔

حضرت زبیرؓ نے اپنی زندگی میں مختلف اوقات میں سات شادیاں کیں۔ بوقتِ شہادت حضرت زبیرؓ نے اپنے پیچھے چار بیویاں، نو لڑکے اور نو لڑکیاں چھوڑیں۔

سیّدنا حضرت زبیرؓ فضائل ومناقب کے آسمان کے مہرِ درخشندہ ہیں، ہر وہ شرف اور اعزاز جو دورِ رسالت کے کسی مسلمان کا طرۂ افتخار ہو سکتا تھا انہیں حاصل ہُوا۔ ان کے تقدم فی الدین کی یہ شان تھی کہ بارہ یا سولہ برس کی عُمر میں اس وقت دائرے حق کو تھاما جب ایسا کرنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف تھا اسی پُر آشوب دَور میں سب سے پہلے سیّدالانامؐ کی حمایت میں تلوار بلند کی، راہِ حق میں ہر قسم کے مصائب سہے، دو ہجرتوں کی سعادت حاصل کی۔ بدر سے تبوک تک ہر غزوے میں حیرت انگیز پامردی اور سرفروشی کا ثبوت دیا۔ راہِ حق میں اتنے زخم کھائے کہ جسم کا کوئی ظاہری اور پوشیدہ حصہ ایسا نہ تھا جو زخموں کے نشان سے خالی ہو، حواریِ رسولؐ کا عظیم الشان لقب حاصل کیا، بیعتِ رضوان سے سعادت اندوز ہوئے۔ لسانِ رسالتؐ سے جنّت کی نوید پائی۔ جہادِ شام ومصر میں عدیم المثال شجاعت وشہامت کا مظاہرہ کیا۔ جامِ شہادت پیا تو وہ بھی اس شان سے کہ سر سجدے میں اور زبان پر تکبیر۔

حضرت زبیرؓ کا چمنِ اخلاق بھی رنگا رنگ کے پھُولوں سے آراستہ تھا۔ انفاق فی سبیل اللہ، زہد وتقویٰ، خشیتِ الٰہی، عبرت پذیری، ایثار اور امانت داری اس چمن کے سب سے خوش رنگ پھُول تھے۔ آپ کی دیانت اور امانت کا اس قدر شہرہ تھا کہ لوگ نہ صرف اپنا مال ومتاع ان کے پاس امانت رکھتے تھے بلکہ اپنی وفات کے وقت انہیں اپنی اولاد اور مال کا محافظ بنانے کی آرزو کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف جیسے جلیل القدر صحابہؓ نے انہیں اپنا وصی بنایا۔

زہد وتقویٰ اور خشیتِ الٰہی کا یہ عالم تھا کہ ہر بات میں سُنّتِ نبوی کا اتباع کرنے کی کوشش کرتے تھے اور معمولی سے معمولی واقعہ پر خوفِ خُدا سے کانپ اُٹھتے تھے۔ قرآنِ حکیم کی کوئی ایسی آیت سُنتے جس میں قیامت کا ذکر ہوتا تو لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔ حضرت زبیرؓ اگرچہ حواریِ رسُول تھے اور سالہا سال تک فیضانِ رسالت سے خوشہ چینی کی تھی لیکن کمالِ اتقا کے باعث وہ بہت کم حدیثیں بیان کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کی قلّتِ روایت کا سبب اس طرح بیان کیا ہے:۔

"میں نے زبیرؓ سے کہا، میں آپ کو رسُولؐ اللہ سے حدیث بیان کرتے ہوئے

نہیں سُنتا جس طرح فلاں اور فلاں حدیث بیان کرتے ہیں۔ فرمایا: میں نے حضورؐ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا لیکن آپؐ کو فرماتے ہوئے سُنا ہے جو مجھ پر جھوٹ بولے (مجھ سے کوئی غلط بات منسوب کرے) اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔"

حضرت زبیرؓ سے کل اڑتیس حدیثیں مروی ہیں ان میں سے بھی اکثر کا تعلق اخلاق سے ہے۔

فاروقِ اعظمؓ نے اپنی شہادت سے پہلے جن چھ بزرگوں کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا ان میں حضرت زبیرؓ بھی تھے لیکن انہوں نے اپنے سراپا ایثار ہونے کا ثبوت یوں دیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں دست بردار ہو گئے اور جب مجلسِ شوریٰ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے حق میں فیصلہ دیا تو انہوں نے بلاچون وچرا حضرت عثمانؓ کی بیعت کر لی۔

حضرت زبیرؓ کی جلالتِ قدر کا اندازہ اس قصیدہ سے بھی کیا جا سکتا ہے جو ایک موقع پر شاعرِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم حضرت حسّانؓ بن ثابت نے ان کی شان میں موزوں کیا اور اس میں حضرت زبیرؓ کے فضائل نہایت بلیغ پیرائے میں بیان کیے۔ اس قصیدے کے چند اشعار کا مطلب یہ ہے۔

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے عہد اور سنت پر قائم رہے۔ وہ حضورؐ کے حواری ہیں اور عمل ہی سے سچ سمجھا جاتا ہے۔

وہ ایسے مشہور شہسوار اور بہادر ہیں کہ جو اس دن حملہ کرتے تھے جب لوگ (جنگ کے) خوف سے چھُپتے پھرتے تھے۔

ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے قرابتِ قریبہ حاصل تھی اور یہ وہی ہیں جن سے اسلام کو نصرت حاصل ہوئی۔

چنانچہ بہت سے مصائب زبیرؓ نے اپنی تلوار سے (محمد) مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلّم) سے دُور کیے اور اللہ بہت عطا اور بخشش کرنے والا ہے۔

جب لڑائی اپنی آگ روشن کرتی تھی تو وہ شمشیر بدست موت کی طرف دوڑتے تھے۔

ذخیرہ کتب
حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فاروق سلطان قادری رحمۃ اللہ علیہ
(1955-2016)
جھنگ - پنجاب

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہجرت کر جانے کے باوجود مشرکین قریش نے مسلمانوں سے معاندانہ روش اور دشمنی جاری رکھی۔ حتیٰ کہ ۲ ہجری کو میدانِ بدر میں حق و باطل کا عظیم معرکہ برپا ہوا۔ دونوں طرف سے جنگ شباب پر تھی۔ باطل کی کوشش تھی کہ وہ حق کا چراغ بجھا دے۔ لیکن جس چراغ کو اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے سینوں کے اندر روشن کیا تھا وہ باطل سے کب بجھنے والا تھا۔

حضرت عبیدہؓ بن الجراح اس معرکہ میں شریک بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ آپ کا والد عبداللہ کفار کی جانب سے لڑ رہا تھا۔ بیٹے کے اسلام لانے پر وہ سخت برگشتہ و مضطرب تھا۔ تمام رشتوں کو بھلا کر وہ بیٹے کا جانی دشمن بن گیا تھا۔ اب اسے موقعہ ملا تھا کہ بیٹے سے اس کے اسلام قبول کرنے کا بدلہ لے سکے۔ وہ تاک تاک کر آپ کو نشانہ بنا رہا تھا لیکن ہر بار بیٹے نے درگزر سے کام لیا۔ جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آتا تو اسلامی حمیت نسبتی رشتے پر غالب آگئی۔ آپ نے ایسا وار کیا کہ باپ کو خون میں نہلا دیا۔ اسلامی جوش اور مذہبی وارفتگی کی ایسی مثال تھی جو چشم فلک نے شاید اس سے قبل نہ دیکھی ہوگی۔ ان عظیم جذبوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بے حد پسند فرمایا اور سورہ مجادلہ میں یوں ارشاد فرمایا۔

"جو لوگ اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے

دشمنوں سے دوستی کرتے ہوتے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ بیٹے یا بھائی یا خاندان کے ہی لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔"

آپ کا اسم پاک عامر کنیت ابوعبیدہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ لقب امین الامت تھا۔ دادا کا نام الجراح تھا لہٰذا باپ کے نام کی بہ نسبت دادا کے اسی نام سے زیادہ شہرت پائی۔ ساتویں پشت میں فہر پر آپ کا سلسلہ نسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

حضرت عبیدہؓ بن الجراح جب زندگی کی ستائیس بہاریں دیکھ چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان بعثت فرمایا۔ توحید کی آواز نے مشرکین قریش میں ہل چل مچا دی۔ آپؐ کے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیقؓ در پردہ لوگوں کو دعوتِ حق دیتے تھے۔ حضرت عبیدہؓ بن الجراح پر ان کی باتوں کا بے حد اثر ہوا۔ زیادہ سوچ و بچار سے کام نہیں لیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں یقین تھا کہ جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں وہی حق ہے۔ ان دنوں ابھی محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں تشریف نہیں لے گئے تھے کہ حضرت عبیدہؓ بن الجراح حاضر بارگاہِ رسالتؐ ہوئے۔ اسی دن حضرت عثمانؓ بن مظعون بھی آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا سنہری طوق گلے میں پہن لیا۔

جب کوئی شخص حلقۂ بگوش اسلام ہوتا تھا تو تمام لوگ اس کے دشمن بن جاتے تھے اور تعلق و رشتوں کو بالائے طاق رکھ کر اس پر ظلم و استبداد کے دروازے کھول دیتے تھے۔ منشاء و مقصود یہ ہوتا تھا کہ اذیتوں سے تنگ آ کر بت پرستی کی طرف واپس لوٹ آئے مگر ان کو یہ خبر نہ تھی کہ دین حق میں شامل ہونے کے بعد مصائب و آلام کا برداشت کرنا اس پر آسان ہو جاتا تھا۔ حضرت عبیدہؓ بن الجراح پر بھی انہوں نے مشق ستم کی۔ دو مرتبہ ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی۔ آخری مرتبہ صحابہ کرام کے ہمراہ مدینہ کی جانب جب ہجرت کی تو وہاں حضرت کلثومؓ بن الہدم کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا بھائی چارہ حضرت سعدؓ بن معاذ سے کرا دیا۔

تمام غزوات و مشاہد میں آپ نے بڑی گرم جوشی و جاں فروشی سے شرکت کی۔ غزوہ احد میں عبداللہ بن قیبہ کے حملہ سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور زخمی ہو گیا۔ ذرہ کی دو کڑیاں رخسار مبارکؐ میں کھب گئی تھیں۔ شدید تکلیف تھی حضرت ابوبکر صدیقؓ بڑی تیزی سے اپنے ہادی و آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئے۔ دوسری طرف سے حضرت عبیدہؓ بن الجراح بھاگتے ہوئے آئے جیسے ہوا میں اڑ رہے ہوں۔

"میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں مجھے اجازت دیں کہ میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک گال سے ذرہ کے حلقے نکالوں"۔

حضرت عبیدہؓ بن الجراح نے ملتجیانہ انداز میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا حالانکہ اس سعادت سے وہ خود بہرہ ور ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے پہلے ذرہ کے ایک حلقہ پر اپنے دانت رکھ کر پوری طاقت و قوّت سے اسے باہر کھینچا۔ اس میں آپ کا ایک دانت شہید ہو گیا۔ ذرہ کے دوسرے حلقے کو دانتوں سے زور لگا کر باہر نکالا تو دُوسرا دانت بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلّم پر قربان ہو گیا۔ ذرہ کے حلقے نکلنے کی دیر تھی کہ خون بہہ نکلا حضرت مالکؓ بن سنان جو اس وقت پاس کھڑے تھے اس خُون کو پیتے اور زخم پر منہ رکھ کر چُوستے تھے۔ قریب کھڑے دوسرے عشاق نے پوچھا۔

"مالکؓ بن سنان! تم خُون پیتے ہو"۔

"ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا خُون اقدس شربت کی طرح پیتا ہوں"۔

غزوہ احزاب اور بنو قریظہ میں بھی آپ نے مثالی جاں سپاری کا مظاہرہ کیا۔ یہی آرزو تھی کہ کسی طرح محبوب صلی اللہ علیہ وسلّم راضی ہو جائیں کیونکہ اللہ کو راضی کرنے کا یہی واحد طریقہ تھا۔

ربیع الاوّل ۶ ہجری میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلّم نے آپ کو بنو ثعلبہ کی سرکوبی کے لیے ذی القصہ کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ کی ماتحتی میں چالیس سرفروش تھے۔ بنی ثعلبہ و انمار اور محارب کی بستیاں بے آب و گیاہ ہو گئیں تو انہوں نے مدینے کے مویشی لُوٹ لینے کا فیصلہ کیا۔ جو مدینے سے سات میل دُور بیضا کے مقام پر چرتے تھے۔ ان کی سرکوبی مقصود تھی۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح تعمیل ارشاد میں مغرب کی نماز کے بعد ذی القصہ کی طرف چل پڑے۔ راتوں رات منزلِ مقصود پر پہنچ گئے۔ جب صبح کا چہرہ ابھی زیادہ تاباں نہیں ہوا تھا کہ آپ نے بنی ثعلبہ پر حملہ کر دیا۔ وہ خوف اور ڈر سے بھاگ کر پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے۔ صرف ایک شخص ہاتھ لگا جس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس مہم میں کچھ اونٹ اور دوسرا مال و اسباب ہاتھ لگا جسے آپ نے لا کر بارگاہِ نبوتؐ میں پیش کر دیا۔

رجب المرجب ۸ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے تین سو مجاہدین پر آپ کو امیر بنا کر قریش کے قافلہ کی حفاظت اور قبیلہ جہنیہ کو روکنے کے لیے بھیجا۔ حکم سیف البحر تک جانے کا تھا کیونکہ جہنیہ قبیلہ ساحل سمندر پر آباد تھا۔ مدینہ سے یہ مقام پانچ دن کی مسافت پر تھا۔ اس سریہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت جابرؓ جیسے صحابہ بھی موجود تھے۔ بوقت روانگی امیر العسکر کو بطور زادِ راہ کھجوروں کی ایک تھیلی عطا کی گئی۔ جس میں سے آپ نے تمام مجاہدین کو ایک ایک مٹھی خرما دے دیئے۔ جب راستے

ہیں کھانے کے لیے کوئی چیز نہ رہی تو لشکری اپنی کمانوں سے درختوں کے پتے توڑ کر کھاتے تھے۔ اس لحاظ سے اس کا جیش الخبط (لشکر برگ) نام پڑ گیا۔ جب سمندر کے کنارے یہ مجاہدین اسلام پہنچے تو کھانے کو کچھ نہ تھا۔ سب صبر و شکر و رضا کے پیکر بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جاں نثاروں کے لیے سمندر کی لہروں کو حکم دیا۔ انہوں نے ایک بہت بڑی مچھلی کو ساحل پر پھینک دیا۔ اس کی لمبائی ساٹھ گز تھی اور اس کی آنکھ کے حلقے میں تیرہ آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ حضرت عبیدہؓ بن الجراح اونٹ پر سوار اس مچھلی کی پسلی کے نیچے سے گزر گئے۔ اس لحاظ سے اسے سریہ سیف البحر بھی کہتے ہیں۔ اٹھارہ دن تک مجاہدین شکم سیر ہو کر مچھلی کا گوشت کھاتے رہے۔ اس کی چربی کو جسم پر مل کر نہاتے رہے یہاں تک کہ خوب توانا ہو گئے اور کامیاب و کامران مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے۔

جمادی الآخر ۸ ہجری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مجاہدین پر حضرت عمروؓ بن العاص کو امیر مقرر فرما کر ذات السلاسل کی طرف بھیجا۔ وہاں جب پہنچے تو پتہ چلا کہ غنیم کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کمک کے لیے لکھ بھیجا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبیدہؓ بن الجراح کو دو سو مجاہدین پر امیر بنا کر بھیجا۔ ان میں حضرت شیخینؓ جیسی عظیم ہستیاں شامل تھیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ کی موجودگی میں حضرت عمروؓ بن العاص کو سپہ سالاری کا حق نہ تھا۔ لیکن آپ نے اصرار نہیں فرمایا اور جس مقصد سے وہاں تشریف لے گئے تھے اسے سرانجام دینے کے بعد مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے۔

بیعت رضوان کے موقعہ پر جب مسلمانوں اور کفار میں معاہدہ تحریر ہوا تو آپ نے اس پر بطور گواہ دستخط ثبت فرمائے۔

ایک مرتبہ یمن سے وفد آیا اور بارگاہ رسالتؐ میں عرض کی۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اسلام کی تعلیم کے لیے کسی کو ہمراہ فرما دیں۔"

آپ نے سماعت فرمایا تو حضرت عبیدہؓ بن الجراح کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا۔

"ہر امت کا امین ہوتا ہے۔ یہ امین الامت ہیں۔ انہیں تمہارے ساتھ کرتا ہوں۔"

ایک مرتبہ آپ کو اہلِ بحرین سے جزیہ کی رقم وصول کر کے لانے پر مامور فرمایا آپ جب واپس تشریف لائے تو اس روز نماز فجر میں انصار کا غیر معمولی ہجوم تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"شاید تم لوگوں کو ابو عبیدہؓ کے آنے کی خبر ہو گئی ہے۔"

"جی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"
"بشارت ہو آج تمہیں خوش کر دوں گا۔"
آپؐ نے ارشاد فرمایا اور پھر گویا ہوتے۔
"لیکن اللہ کی قسم میں تمہارے فقر و افلاس سے نہیں ڈرتا۔ خوف ہے کہ پہلی اُمتوں کی طرح تم پر دُنیا کشادہ ہو جائے گی اور جس طرح ان کو باہمی مناقشت اور حسد و طمع نے ہلاک کر دیا تھا تمہیں بھی ہلاک کر دے گی۔"

حجتہ الوداع میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اس کے تین ماہ بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر جب سقیفہ بنو ساعدہ میں انتخاب خلیفہ کا مسئلہ زیر بحث آیا تھا تو اس وقت حضرت ابو عبیدہؓ نے بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ انصار کو مخاطب کر کے فرمایا۔
"تم نے امداد و اعانت کا وعدہ کیا تھا۔ لہٰذا اس پر حرف نہ آنے دو۔"

اس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے علاوہ حضرت ابو عبیدہؓ کا نام بھی خلافت کے لیے پیش کیا۔ لیکن ہر دو بزرگوں نے آگے بڑھ کر حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کر لی۔

عہد صدیقی میں ملک شام پر کئی اطراف سے لشکر کشی کی گئی۔ حمص کی طرف حضرت عبیدہؓ بن الجراح کو، دمشق کی جانب حضرت یزید بن سفیانؓ کو سوتے اردن حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کو اور بطرف فلسطین حضرت عمروؓ بن العاص کو روانہ کیا گیا۔ لیکن ان سب پر حضرت ابو عبیدہؓ کو سپہ سالار اعظم تعینات کیا گیا۔ عرب کی سرحد سے باہر قدم قدم پر رُومیوں سے آمنا سامنا ہُوا لیکن آپ نے ان کو مار بھگایا۔ ان کی کثرت کا اندازہ لگا کر خلیفۃ الرسولؐ حضرت صدیقؓ کو کمک کیلئے لکھ بھیجا۔ انہوں نے حضرت خالدؓ بن ولید کو عراقی مہم چھوڑ کر شام جانے کا حکم دیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے تمام اسلامی فوج کو یکجا ہونے کا حکم دیا اور پھر متحدہ فوج نے بصرے فحل اور اجنادین کو فتح کرنے کے بعد دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ اسی دوران میں حضرت صدیق اکبرؓ اپنے خالق کے پاس تشریف لے گئے تو ان کی جگہ حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ مقرر ہوتے۔ انہیں دنوں دمشق کے بطریق کے ہاں ایک لڑکے نے جنم لیا اس خوشی میں لوگوں نے خوب شرابیں پی کر بدمستی کی اور بے سدھ پڑ کر سو رہے۔ حضرت خالدؓ بن ولید مع چند جانبازوں کے فصیل شہر پھاند کر اندر داخل ہو گئے اور دروازے کھول دیتے۔ فوج اندر داخل ہو گئی۔ اس آفت ناگہانی کا صرف ایک ہی حل تھا کہ سپہ سالار اعظم حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح سے صُلح کی درخواست کریں۔ آپ اس وقت دوسری طرف تھے اور اس صورت حال کا

علم نہ تھا کہ مسلمان شہر کے اندر داخل ہو چکے ہیں۔ انہوں نے صلح قبول کر لی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عبیدہؓ بن الجراح کی فوجوں کی جب دمشق کے بازار کے وسط میں ملاقات ہوئی تو حقیقتِ حال منکشف ہوئی۔ چونکہ حضرت عبیدہؓ مصالحت کر چکے تھے اس لیے دمشق کی فتح مصالحانہ قرار دی گئی۔ کسی کے ماتھے پر بل تک نہ پڑا کیونکہ اسلامی تعلیم اور اطلاعات سردار کا یہی تقاضا تھا۔
رومیوں کو بڑا دکھ تھا کہ دمشق ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ انہوں نے فوجوں کو اُردن کے شہر میں جمع کیا لیکن مسلمانوں کے رعب و دبدبہ اور عزم و جاں نثاری کی جذبوں کو دیکھ چکے تھے لہٰذا گفت و شنید کے لیے اپنا قاصد براہِ راست حضرت عبیدہؓ بن الجراح کے پاس بھیجا۔

رُومی قاصد حیران و پریشان اسلامی لشکر میں پھر رہا تھا۔ ہر شخص کو ایک ہی رنگ میں رنگے ہوتے دیکھ کر بڑا پریشان ہوا۔ افسر اور ماتحت میں کوئی تمیز نظر نہیں آتی تھی جو کہ ان کے ہاں بڑی نمایاں تھی آخر کار اس نے ایک مُسلمان سے پوچھا۔

"تمہارا سردار کون ہے؟"

"سامنے زمین پر بیٹھے ہیں۔"

انگلی کے اشارے سے اسے بتایا تو وہ اور ورطہ حیرت میں ڈوب گیا۔ یقین نہیں آتا تھا کہ اسلامی فوجوں کا سپہ سالارِ اعظم ایک عام آدمی کی طرح زمین پر بیٹھا ہو گا۔ مزید تسلی کرنے کے بعد وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

"کون ہو؟" آپ نے پوچھا۔

"میں رومی قاصد ہوں" اس نے جواب دیا۔

"کس لیے آتے ہو؟" آپ نے دریافت کیا۔

"مصالحت کے لیے مجھے بھیجا گیا ہے۔ ہمارا سردار کہتا ہے کہ اگر آپ یہاں سے چلے جائیں تو فی کس دو دو اشرفیاں دیں گے۔"

"ہرگز نہیں۔"

حضرت عبیدہؓ بن الجراح نے دوٹوک فیصلہ کرتے ہوتے فرمایا اور خوں ریز معرکے کے بعد اُردن فتح کر لیا۔

حمص اور دُوسرے شہر فتح کرنے کے بعد آپ لاذقیہ پہنچے۔ یہ بڑا مضبوط و مستحکم شہر تھا۔ اس کو فتح کرنے کے لیے آپ نے میدان میں بہت سے پوشیدہ غار کھدواتے اور بظاہر محاصرہ چھوڑ کر حمص کی طرف روانہ ہو گئے۔ اہلِ شہر نے دیکھا تو اطمینان کا سانس لیا اور کاروبار کے لیے شہر کے

دروازے کھول دیتے۔ لیکن آپ اسی شب واپس آکر ان پوشیدہ غاروں میں چھپ گئے اور صبح جب لوگ اپنے کاروبار میں مصروف تھے کہ شہر میں داخل ہوکر اسلام کا جھنڈا بلند کر دیا۔

مسلسل شکستیں کھانے کے بعد رومیوں نے ہرقل شاہ روم سے فریاد کی تو اس کی غیرت جاگ اٹھی۔ پوری قوت سے مسلمانوں کو پسپا کرنے کے لیے اس نے تمام ممالک کو فوجیں بھیجنے کے لیے لکھ بھیجا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انطاکیہ میں فوجوں کا طوفان اُمڈ پڑا۔ حضرت عبیدہؓ بن الجراح نے ایک بار پھر تمام افواج اسلامی کو دمشق میں جمع ہونے کے لیے کہا۔ صلاح مشورہ کے بعد طے پایا کہ یرموک میں مورچہ بندی کی جاتے۔ ان حالات میں مفتوحہ علاقوں کے عیسائیوں کی حفاظت ممکن نہ تھی۔ لہذا ان سے وصول شدہ جزیہ کی ایک ایک کوڑی تک واپس کر دی۔ یہ حُسنِ سلوک اور انصاف دیکھ کر وہ رو رو کر مسلمانوں کی واپسی کے لیے دُعائیں کرنے لگے۔

حضرت عمر فاروقؓ کو صورتِ حال سے مطلع کیا گیا اور امداد طلب کی تو مدینہ کا ہر شخص جذبۂ جہاد سے لبریز ہو گیا اور جنگ پر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ بہرکیف تھوڑی سی کمک روانہ کر دی گئی۔

یرموک کے قریب ہی دو لاکھ سے زائد رومیوں کا لشکر خیمہ زن تھا۔ اگرچہ تعداد میں وہ مُسلمانوں سے سات گنا زیادہ تھے لیکن مسلمانوں کے ہاتھ دیکھ چکے تھے۔ چاہتے تھے کہ بھرم رہ جاتے ان کے سپہ سالارِ اعظم باہان نے مصالحت کے لیے قاصد بھیجا۔ جب جارج اسلامی لشکر میں آیا تو مغرب کی نماز شروع ہوتی عجب رُوح پرور نظارہ تھا۔ وہ بے حد متاثر ہُوا۔ بعد از نماز قاصد نے حضرت عبیدہؓ بن الجراح سے متعدد سوالات کیے اور مسلمان ہو گیا۔ آپ نے اسے واپس جانے کے لیے فرمایا وہ جانا نہیں چاہتا تھا تو کہا۔

"اس طرح رُومیوں کو بدعہدی کا گمان ہوگا مسلمان کبھی بدعہدی نہیں کرتا لہذا تم واپس جاؤ اور کل جو سفیر آتے اس کے ساتھ چلے آنا۔"

۱۵ ہجری اور رجب المرجب کا مہینہ تھا کہ معرکہ یرموک پیش آیا۔ بڑی خوں ریز جنگ ہوتی۔ دل کھول کر داد شجاعت دی گئی۔ جب رومیوں کے ستر ہزار افراد واصل جہنّم ہو چکے اور مسلمانوں کے تین ہزار مجاہدین مقام شہادت پر فائز ہوتے تو رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور فتح کا سہرا مسلمانوں کے سر بندھا۔

جزیرہ جو عراق کا حصہ تھا مگر اس کی سرحد شام کے ساتھ ملی ہوتی تھی ہنوز فتح نہیں ہُوا تھا اور وہاں سے خطرہ کسی وقت بھی جنم لے سکتا تھا۔ چنانچہ وہاں بھی رومیوں کے پاؤں جم نہ سکے اور فتح و کامرانی نے حضرت عبیدہؓ بن الجرّاح کے قدم چُومے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ دمشق کے والی مقرر ہوتے تھے کہ خلیفہ المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے معزول کر دیے گئے بوقت رخصتی حضرت خالد بن ولید نے ارشاد فرمایا۔

"لوگو! تمہیں خوش ہونا چاہیئے کہ امین الامت تمہارا والی ہے۔" اس کے جواب میں حضرت عبیدہؓ الجراح گویا ہوتے۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سُنا ہے کہ خالدؓ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔"

۱۸ ہجری میں جب عرب میں قحط پڑا تو آپ نے شام سے چار ہزار اُونٹ غلے سے لدے ہوتے بھجوا دیتے۔ آپ نے اشاعت اسلام میں بڑا نمایاں حصّہ لیا۔ اَن گنت لوگ آپ کے اخلاقِ حسنہ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے۔

اسی سن ہجری میں طاعون کی وبا پھیلی۔ شام میں اس کا بڑا زور تھا بے شمار لوگ لقمہ اجل بن گئے کئی مشہور و نامور ہستیاں اس کا شکار ہو گئیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کو علم ہُوا تو بڑے فکر مند ہوتے بطرف ملک شام روانہ ہوتے مقام سرغ پر حضرت عبیدہؓ بن الجراح اور دوسرے سرداروں نے آپ کا استقبال کیا۔ طاعون کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔ مشاورت سے طے پایا کہ فی الحال لوگوں کو یہاں سے کہیں اور منتقل ہو جانا چاہیئے۔ اس ضمن میں منادی کرادی گئی۔ حضرت عبیدہؓ بن الجراح تقدیر کے بڑے قائل تھے۔ خلیفۃ المومنین سے عرض کیا۔

"آپ تقدیر سے بھاگتے ہیں۔"

اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے جواب دیا۔

"ہاں تقدیرِ الٰہی کی طرف بھاگتا ہوں۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے مدینہ واپس آکر حضرت عبیدہؓ بن الجرّاح کو بُلا بھیجا۔ آپ اپنے خلیفہ کا اشارہ پا گئے جواباً لکھا۔

"جو مقدر میں ہے پُورا ہو گا۔"

اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے تاکیداً لکھا کہ فوجوں کو مرطوب مقامات سے ہٹا کر کسی بلند اور صحت بخش مقام کی طرف لے جاؤ چنانچہ آپ نے فوجوں کو جابیہ منتقل کر دیا۔

مرض طاعون اندرونی طور پر حضرت عبیدہؓ پر اپنا اثر کر چکا تھا۔ لہذا جابیہ پہنچتے ہی اس مرض میں مبتلا ہو گئے۔ جب مرض بڑھ گیا تو حضرت معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور لوگوں کو جمع کر کے فرمایا۔

"صاحبو! یہ مرض خدا کی رحمت اور تمہارے نبیؐ کی دعوت ہے۔ پہلے بہت سے صلحاء روزگار اس میں جاں بحق ہوتے ہیں اور اب عبیدہ اپنے اللہ سے اس سعادت میں حصہ پانے کا متمنی ہے۔"

جب نماز کا وقت آیا تو حضرت معاذؓ نے امامت کی اور جب نماز ختم ہوئی تو آپ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس وقت آپ کی عمر اٹھاون سال تھی۔ آپ کو اُردن کے شہر بیسان میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

آپ بلند قامت وسینہ، پتلے دُبلے تھے۔ چہرے مبارک پر گوشت کم تھا۔ داڑھی چھدری تھی۔ پیشانی سے ذہانت و فطانت جھلکتی تھی۔ خدا ترسی، اتباعِ سنت، تقویٰ وزہد، تواضع و انکساری، رحم و مساوات، خشیتِ الٰہی اور عشقِ رسولؐ کے پیکر تھے۔ آپ ان دس صحابہ کرام میں سے تھے جنہیں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی تھی۔ آپ کے دو صاحب زادے یزید اور عمیر تھے جو لاولد رہے اور سلسلہ نسب آگے نہ چل سکا۔

بچانے والا اللہ ہے

رسول اللہؐ غزوۂ نجد سے واپس آ رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ اس جگہ درختوں کے کئی جھنڈ تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ صحابہؓ ان درختوں کے سائے میں ادھر اُدھر آرام کے لیے لیٹ گئے اور سو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک درخت کے نیچے اکیلے آرام فرما رہے تھے۔ آپؐ کی تلوار درخت کی ایک شاخ سے لٹکی ہوئی تھی۔ اچانک ایک بدو جو شاید اسی موقع کی تاک میں تھا۔ چپکے سے آیا اور آپؐ کی تلوار اُتار کر نیام سے نکالی اور آپؐ کے سامنے آ گیا۔

آپؐ ہوشیار ہوئے تو دیکھا کہ ایک بدو ننگی تلوار لیے سر پہ کھڑا ہے۔ بدو نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوشیار دیکھ کر پوچھا۔

"اے محمدؐ! بتاؤ اب تمہیں کون بچا سکتا ہے؟"

حضورؐ نے نہایت سکون اور اطمینان سے جواب دیا،

"اللہ!"

یہ سنتے ہی بدو کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی اور وہ معافی مانگنے لگا۔

سیارہ ڈائجسٹ
کے عظیم الشان اسلامی نمبرز

قرآن نمبر
ایمان افروز، عقل پرور اور عمل آفرین پیشکش
(تین جلدوں میں)

رسول ﷺ نمبر
سیرت پاک پر ایک جامع دستاویز
(دو جلدوں میں)

انبیائے کرام نمبر
پیغمبرانِ خدا کی حیاتِ طیبہ جاوداں کے
روح پرور تذکرے

اولیائے کرام نمبر
اللہ کے برگزیدہ بندوں کی ایمان افروز
داستانیں (چار جلدوں میں)

عکس سیرت نمبر
سرورِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیات
طیبہ پر مبنی مقدس اور نایاب کتاب

اخلاق رسول ﷺ نمبر
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ زندگی
کے پاکیزہ واقعات پر مشتمل دستاویز

فرمانِ رسول ﷺ نمبر
عاشقانِ رسول کی خدمت میں
ایک بے مثال تحفہ

خلفائے راشدین نمبر
اسلام کی سربلندی کیلئے خلفائے راشدین
کی بے مثال قربانیوں کا ذکر

صحابہ کرام نمبر
ان عظیم ہستیوں کی کہانی جنہوں نے رحمت
العالمین کی معیت میں زندگی بسر کی

ازواج مطہرات نمبر
امہات المومنین کی پاک زندگی کے واقعات
جو آج تک ایک جگہ اکٹھے نہ کیے جا سکے

جہاد نمبر
اس کتاب کے مطالعے سے آپ کا دل بھی
جہاد کے جذبے سے منور ہو جائیگا

فہم دین نمبر
سماجی زندگی اور عبادات کے بنیادی
مسائل کا حل قرآن و حدیث کی روشنی میں

قرآنی وظائف نمبر
ہماری، آپ کی اور ہر گھر کی پریشانیوں
الجھنوں اور مشکلات کے حل کیلئے وظائف

معجزاتِ رسول ﷺ نمبر
سرورِ کونین ﷺ کی زندگی کے دوران وقوع پذیر
ہونیوالے سینکڑوں معجزات پر مشتمل دستاویز

دعا نمبر
دُعا تقدیر بدل دیتی ہے
حدیثِ رسول

حقوق العباد نمبر
قرآن وسنت کی روشنی میں دوسروں کے حقوق
و فرائض سے آگاہی کیلئے مکمل دستاویز

نقوش اسلام نمبر
اسلام کی روشن تاریخ سے ایمان افروز اور
روح پرور واقعات کا مجموعہ

قصص القرآن نمبر
ان واقعات کا مجموعہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے
آخری نبی ﷺ اور اسکی امت کو بتانا ضروری سمجھے

فون: 7245412
سیارہ ڈائجسٹ 244- مین مارکیٹ ریواز گارڈن لاہور

Scanned By: ATA-UL-MUSTAFA 0333-4585215

اصحابی کالنجوم

میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں (ارشادِ نبویؐ)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یمن کے ایک معزز قبیلہ بنو قضاعہ (بنو کلب) کے رئیس حارثہ بن شراحیل کو اللہ تعالےٰ نے اپنی نعمتوں سے خوب نوازا تھا۔ قبیلہ طے بنو معن کی ایک نیک سیرت خاتون سعدیٰ بنت ثعلبہ اس کی رفیقۂ حیات تھی۔ اولاد بھی اللہ تعالےٰ نے دے رکھی تھی اور مال و دولت کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ میاں بیوی اور تین بچوں اسماء، جبلہ اور زید پر مشتمل یہ چھوٹا سا کنبہ ہنسی خوشی سے دن گزار رہا تھا کہ یکایک ہوا کا رُخ بدل گیا۔ سعدیٰ ایک دفعہ اپنے آٹھ سالہ فرزند زید کو ساتھ لے کر ایک قافلے کے ہمراہ اپنے والدین کے گھر جا رہی تھی کہ راستے میں بنی قین بن جسر کے لوگوں نے قافلے پر چھاپہ مارا۔ مال و اسباب کے علاوہ سعدیٰ کے لختِ جگر کو بھی ان سے چھین لیا اور نظروں سے غائب ہو گئے۔ اپنے نورِ بصر کے یوں چھن جانے سے بدنصیب ماں کی دنیا اندھیر ہو گئی وہ دھاڑیں مار کر رو رہی تھی اور اس کی فریاد اور نالوں سے زمین و آسمان کا کلیجہ پھٹا جاتا تھا۔ جب حارثہ کو اپنے فرزندِ دلبند کے اغوا ہونے کی خبر ملی تو بدنصیب باپ وفورِ رنج و الم سے دیوانہ ہو گیا۔ قریہ قریہ اور کوچہ کوچہ زید زید پکارتا پھرتا تھا۔ صحرا، جنگل پہاڑ سب چھان مارے لیکن زید کا کھوج نہ ملنا تھا نہ ملا۔ فراقِ پسر میں دیوانہ باپ چرند پرند، شجر و حجر ہر ایک سے التجا کرتا تھا کہ للہ میرے فرزند کا کچھ تو پتہ دو۔ لُو کے جاں سوز تھپیڑوں اور نسیم سحری کے روح پرور جھونکوں سے بھی اس کی یہی التجا تھی کہ خدا کے لیے میرے نورِ نظر کا پتہ لا دو۔ بیٹے کے فراق میں اس کے کہے ہوئے نوحے

زبان زدِ خلائق ہو گئے تھے۔ وہ جب اپنے یوسفِ گم گشتہ کے لیے یہ نوحہ پڑھتا تھا تو دوست تو دوست دشمن بھی رو دیتے تھے۔

• مَیں زید کے لیے رویا پیٹا لیکن معلوم نہیں وہ کہاں ہے۔
نہ معلوم وہ زندہ ہے کہ امید کا دیا روشن رکھوں یا اس نے جامِ اجل پی لیا۔
بخدا مَیں بار بار پوچھتا بھی ہوں پھر بھی نہیں جانتا کہ تو نرم زمین کی پہنائیوں میں غرق ہو گیا یا تجھے پہاڑ نگل گیا۔
کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تیری واپسی کبھی ممکن ہے (تجھے کیا معلوم کہ) تیری واپسی سے میری دُنیا آباد ہو جائے گی۔
طلوعِ شمس مجھے اس کی یاد دلاتا ہے اور غروبِ آفتاب پھر اس کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔
بادِ بہاری کے جھونکے اس کے فراق کی آگ کو بھڑکا دیتے ہیں۔ آہ مَیں کتنے رنج و الم میں مبتلا ہوں۔
اے فرزند! مَیں تیری تلاش میں دُنیا کا کونہ کونہ چھان ماروں گا۔ اس جستجو سے عمر بھر نہ تھکوں گا یہاں تک کہ اونٹ تھک جائے۔
یا مجھ پر موت وارد ہو جائے۔ ہر انسان فانی ہے اگرچہ سرابِ اُمید نے اُسے دھوکا دے رکھا ہو۔
میں قیس اور عمر کو وصیت کرتا ہوں، پھر یزید کو اور اس کے بعد جبل (جبلہ) کو کہ وہ زید کی تلاش جاری رکھیں۔"
بے شمار لیل و نہار یونہی گزر گئے۔

❖

دوسری طرف حارثہ بن شراحیل کے یوسفِ گم گشتہ کے لیے قدرت نے وہ مراتب مقدر کر رکھے تھے کہ جن کے لیے فرشتے بھی ترستے تھے۔

زیدؓ کو رہزن، والدہ کی شفیق گود سے جدا کر کے عکاظ کے بازار میں لے گئے۔ وہاں اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے انھیں چار سو درہم میں خرید لیا اور مکہ آ کر اپنی پھوپھی کی نذر کر دیا۔ جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہوا تو آپ نے ان کے ہاں زید کو دیکھا۔ اس نوجوان لڑکے کے خصائل و اطوار آپ کو اس قدر پسند آئے کہ آپ نے انھیں

حضرت خدیجہ سے مانگ لیا۔ اس طرح اس بلند اقبال نوجوان کو پندرہ برس کی عمر میں ایک ایسی مقدس ہستی کی بارگاہ میں غلامی کی سعادت نصیب ہوئی جو نوید مسیحا اور دعائے خلیل تھی۔ ایسے غلام کی خوش بختی کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ زیدؓ کی نیک سیرت اور بے پناہ خلوص نے انھیں حضورؐ کی شفقت اور الطاف کا مورد بنا دیا۔ زیدؓ کو بھی حضورؐ سے ایسی محبت ہوگئی کہ انھیں جمالِ حبیبؐ کی زیارت کے بغیر ایک لمحہ چین نہ پڑتا تھا۔

اسی زمانے میں ایک سال بنو کلب کے چند آدمی حج کے لیے مکہ آئے۔ بنو قضاعہ اور ان لوگوں کی قرابت داری تھی۔ ایک دن وہ حارثہ بن شراحیل کا وہ نوحہ جو اس نے اپنے بیٹے کے فراق میں کہا تھا بڑی پُرسوز آواز میں پڑھ رہے تھے کہ زیدؓ کا ادھر سے گزر ہوا۔ ٹھٹک کر کھڑے ہوگئے۔ بنو کلب کے لوگوں کی نظر بھی ان پر پڑی۔ انھوں نے فوراً پہچان لیا کہ حارثہ کا گم گشتہ فرزند یہی ہے۔ زیدؓ کو قریب بلا کر نام اور دوسرے حالات دریافت کیے تو ان کا ــــ اندازہ درست ثابت ہوا۔ اب انھوں نے زیدؓ کو ان کے والد کی داستانِ غم سنائی اور انھیں اپنے ساتھ چلنے کو کہا لیکن زیدؓ عشقِ رسولؐ کے اس مقام پر پہنچ چکے تھے جہاں ماں باپ عزیز و اقارب سب کی محبت ان کے سامنے ہیچ تھی۔ انہوں نے بنو کلب کے حاجیوں سے کہا۔

"میرے بزرگو اور بھائیو! براہِ کرم میرے غمزدہ خاندان کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ گو میں ان سے دور ہوں لیکن اپنی قوم سے محبت کرتا ہوں۔ میں خانۂ کعبہ میں مشعرِ حرام کے قریب رہتا ہوں اس غم کو بھول جاؤ جس نے تمہیں رنجور کر رکھا ہے اور اونٹوں کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو۔ خدا کا شکر ہے کہ میں بنی معد کے ایک معزز خاندان میں ہوں جو پشت ہا پشت سے ذی عزت ہے۔"

جب ان حاجیوں نے واپس جا کر حارثہ بن شراحیل کو اس کے گم شدہ فرزند کے متعلق خبر دی اور اس کا پیغام پہنچایا تو مایوس اور غمزدہ باپ کو فرطِ مسرت سے غش آگیا۔ ہوش آیا تو اپنے بھائی کعب اور دوسرے بیٹے کو ساتھ لے کر فوراً مکہ کی راہ لی۔ دنوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کی اور سرورِ کائنات کی خدمت میں پہنچ کر بے اختیار رونا شروع کر دیا ــــ سالہا سال سے اپنے نورِ بصر سے بچھڑا ہوا باپ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور سسکیاں بھرتے ہوئے رحمتِ عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یوں عرض پیرا ہوا۔
" اے صاحبِ قریش، اے ابن عبد المطلب، اے حرم کے متولّی، اے غریبوں کے والی اے مصیبت زدوں کے دست گیر۔ میں ایک دلفگار مصیبت زدہ شخص ہوں۔ خدا کے لیے میرے لختِ جگر کو مجھ سے ملا دو۔ اور مجھے اجازت دو کہ اسے اپنے ساتھ لے چلوں۔ اس کی آزادی کے لیے میں اپنی ساری متاع دینے کو تیار ہوں۔"

حضورؐ نے غمزدہ باپ کی ڈھارس بندھائی اور پوچھا۔
" تمہارا لختِ جگر کون ہے؟"
اس نے کہا۔" زید۔"

حضورؐ نے فرمایا۔" جو زید پسند کرے وہی مجھے منظور ہے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ میں کوئی فدیہ لیے بغیر اس کو تمہارے حوالے کردوں گا اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا چاہے تو میں ایسا نہیں کہ اسے زبردستی اپنے سے جُدا کروں۔"

چنانچہ فیصلہ کے لیے زیدؓ کو بلایا گیا۔ انھوں نے ایک ہی نظر میں اپنے باپ، چچا اور بھائی کو پہچان لیا لیکن حضورؐ کے اجلال اور پاسِ ادب سے ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ حضورؐ نے پوچھا۔

" زید جانتے ہو یہ کون لوگ ہیں؟"
انھوں نے عرض کی۔" جی ہاں، یہ میرے والد ہیں، یہ چچا اور یہ میرا بھائی ہے۔"
حضورؐ نے فرمایا۔" اٹھو اور ان کو سلام کرو۔"

زیدؓ حکم پاتے ہی اُٹھے اور ان سب سے ملے۔ اس موقع پر ہجر و فراق کا مارا ہوا باپ اپنے کھوئے ہوئے" لختِ جگر" کو سینے سے چمٹا کر اس قدر رویا کہ داڑھی اور کپڑے تر ہوگئے۔ یہ ایسا رقت انگیز منظر تھا کہ دیکھنے والے بھی آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکے۔ جب جذبات ذرا سکون پذیر ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا۔

" زید یہ تمہارے باپ اور چچا تمہیں لینے آئے ہیں۔ میری طرف سے تمہیں پورا اختیار ہے، اگر ان کے ساتھ جانا چاہو تو شوق سے جا سکتے ہو۔"

حضرت زیدؓ نے فوراً جواب دیا۔
" میرے آقا آپ کی ذاتِ گرامی پر میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ بلاشبہ مجھے اپنے قدموں سے جدا نہ کیجیے۔"

یہ سن کر حارثہ بن شراحیل ششدر ہو گئے۔ انھوں نے زیدؓ سے کہا۔
" زید افسوس تم آزادی، باپ، چچا، بھائی، خاندان اور وطن پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو۔"
زید بولے :۔
" میرے آقا مجھ پر اس قدر مہربان ہیں کہ حقیقی والدین بھی اپنی اولاد کے حق میں اتنے رحیم و شفیق نہیں ہوتے۔ اس لیے میں ان کی غلامی کو ہزار آزادیوں پر ترجیح دیتا ہوں۔"
حضرت زیدؓ کا جواب سن کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر مسرور ہوئے کہ آپ نے اسی وقت انھیں آزاد کر دیا۔ پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر خانۂ کعبہ میں تشریف لے گئے اور قریش کے مجمع عام کے سامنے اعلان فرمایا :۔
" لوگو گواہ رہنا کہ زید آج سے میرا فرزند ہے، میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا وارث ہوگا۔"
حارثہ، کعب اور جبلہ نے حضورؐ کی یہ شفقت دیکھی تو فرطِ مسرت سے بےخود ہو گئے۔ آپ کی دریا دلی اور کریم النفسی کا شکریہ ادا کیا اور خوش و خرم اپنے وطن کو واپس چلے گئے۔
ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ حضرت زیدؓ کو بہت پہلے اپنا متبنیٰ بنا چکے تھے۔ جب زیدؓ کے والد اور چچا مکہ آئے تو حضورؐ نے زیدؓ کو فرزند بنانے کے اعلان کی محض تجدید فرمائی۔ اس واقعہ کے بعد لوگ حضرت زیدؓ کو " زید بن محمدؐ " کہنے لگے۔
حضرت زیدؓ کے جذبۂ عشقِ رسول کو ایک دردمند شاعر (مولانا ضیاء احمد بدایونی) نے ان الفاظ میں نظم کیا ہے :۔

زبدۂ حلقۂ اربابِ وفا حضرت زیدؓ — تھے جو مشہور پسرِ خواندہ شاہِ ابرارؐ
متفق ہو کے جنہیں کہتے ہیں سب اہلِ سیر — اوّلین حلقہ بگوشانِ رسالت میں شمار
ہیں یہی جن کو کیا نام سے قرآں میں یاد — حق نے منجملہ اصحابِ رسولِ مختارؐ
اپنے ماں باپ سے بچپن میں بچھڑ کر اک دن — سرِ بازار بکے صورتِ یوسفِ ناچار
لے کے پھر خدمتِ سلطانِ دو عالمؐ کے لیے — کر دیا نذر خدیجہؓ نے انھیں آخر کار
باپ نے یوسفِ گم گشتہ کی پائی جو خبر — دل کو دم بھر نہ رہا صورتِ یعقوبؑ قرار
آئے مکہ میں کہا حال شہِ والاؐ سے — ہوا ارشاد کہ خود زید ہیں اس میں مختار
آ دا اکش تھی یہ کچھ ایسی کٹھن جس کے سبب — اک عجب کشمکش صعب میں تھی جانِ نزار
اک طرف باپ کی کلفت سے تھی خاطر مغموم — اک طرف آپؐ کی الفت سے تھی فطرت سرشار

عقل کہتی تھی کہ راحتِ دنیا منظور — عشق کہتا تھا کہ اس راہ میں لعنت ہے مدار
عقل کہتی تھی مبارک ہو تجھے مسندِ گل — عشق کہتا تھا گوارا ہے مجھے بسترِ خار
تھام کر دامنِ سرکارؐ کو آخر یہ کہا
لاکھ آزادیاں اِک تیری غلامی پہ نثار

اُوپر جو واقعات بیان ہوئے ہیں وہ بعثت سے پہلے کے ہیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب منصبِ نبوت پر سرفراز ہوئے تو حضرت خدیجہ الکبریٰؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ساتھ حضرت زیدؓ کو بھی یہ عظیم شرف حاصل ہوا کہ وہ کسی شک اور تردّد کے بغیر فوراً حضورؐ پر ایمان لے آئے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زیدؓ ایمان لائے لیکن وہ غلام نہیں تھے بلکہ حضورؐ مدتوں پہلے انھیں آزاد کر چکے تھے اس لیے قبولِ اسلام میں تقدم کی فضیلت میں وہ مذکورہ تینوں بزرگوں کے برابر کے شریک ہیں۔

حضورؐ نے اپنے محبوب چچا شیرِ خدا حضرت حمزہؓ سے ان کا بھائی چارہ یعنی رشتہ مواخاۃ قائم کرا دیا تھا۔ یہ دونوں بھائی ایک دوسرے سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ حضرت حمزہؓ جب کسی غزوے میں جاتے تو حضرت زیدؓ کو اپنا وصی بنا کر جاتے تھے۔ دونوں کے تعلقِ خاطر کا اندازہ صحیح بخاری کی اس روایت سے کیا جا سکتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد حضورؐ مکہ سے روانہ ہوئے تو حضرت حمزہؓ کی لڑکی اُمامہؓ "یا عم یا عم" کہتی ہوئی دوڑیں۔ حضرت علیؓ نے انھیں اُٹھا لیا اور پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے سپرد کیا کہ یہ تمہاری بنتِ عم ہے۔ اس پر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت زیدؓ بن حارثہ نے بارگاہِ نبوت میں دعویٰ کر دیا کہ امامہؓ ان کی تربیت میں آنی چاہیے۔ حضرت جعفرؓ فرماتے تھے کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی حقیقی خالہ (اسماء بنت عمیس) میرے نکاح میں ہے۔ اسی طرح حضرت علیؓ بھی اُمامہؓ کے ابن عم ہونے کی بناء پر اپنا استحقاق ظاہر کرتے تھے لیکن حضرت زیدؓ کہتے تھے "ابنۃ اخی" (وہ میرے بھائی کی لڑکی ہے) سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا کیونکہ ان کے گھر اُمامہؓ کی حقیقی خالہ تھیں۔

رحمتِ عالمؐ حضرت زیدؓ کو حقیقی بیٹے کی طرح چاہتے تھے اس لیے وہ لوگوں میں "حبِ رسول اللہ" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ حضرت زیدؓ پر سرورِ کون و مکان کی بے پناہ شفقت بلاوجہ نہیں تھی۔ فی الحقیقت یہ جلیل القدر شخصیت بے شمار خوبیوں کی حامل تھی۔ ان کے بے حد و نہایت

خلوص، حضورؐ سے والہانہ شیفتگی، اللہ اور اللہ کے رسول کی راہ میں جان قربان کرنے کے انمٹ
جذبہ نے انھیں بارگاہِ نبوت میں درجۂ محبوبیت عطا کر دیا تھا۔ مکی اور مدنی زندگی میں کوئی مصیبت
اور سختی ایسی نہ تھی جس میں حضرت زیدؓ نے اپنے آقا کا ساتھ نہ دیا ہو۔ نبوت کے چوتھے سال جب
سرورِ عالمؐ نے حکمِ الٰہی کے مطابق دعوتِ حق کو آشکار کر دیا اور مختلف قبائلِ عرب کو علانیہ حق کی
طرف بلانا شروع کیا تو لات و عزّیٰ کے پجاریوں کی آتشِ غضب بھڑک اٹھی اور انھوں نے پرستارانِ
حق پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ اس پُر آشوب دَور میں چشمِ فلک نے کئی بار دیکھا کہ سرورِ
عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی قبیلے میں تبلیغِ حق کے لیے جا رہے ہیں اور آپؐ نے اونٹنی پر اپنے پیچھے
حضرت زیدؓ کو بٹھا رکھا ہے۔ اگر حضورؐ پا پیادہ تشریف لے جا رہے ہیں تو زیدؓ بھی آپؐ پر نثار ہو
جانے کا جذبہ دل میں لیے ساتھ ساتھ ہیں۔

نبوت کے دسویں سال ماہِ شوال میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زیدؓ کو ساتھ لے
کر قبیلہ بنو بکر میں تشریف لے گئے لیکن انھوں نے آپؐ کی پذیرائی نہ کی، پھر آپؐ نے قبیلہ قحطان
میں قدم رنجہ فرمایا انھوں نے بھی معاندانہ رویہ اختیار کیا۔ وہاں سے آپؐ طائف تشریف لے گئے اور
وہاں کے سرداروں عبد یالیل بن عمرؓ مسعود بن عمرو اور حبیب بن عمرو کو دعوتِ حق دی۔ یہ تینوں
بھائی سخت بداخلاقی سے پیش آئے۔ علامہ ابن سعد اور ابنِ جریر طبری کا بیان ہے کہ ان تینوں
نے حضورؐ کو بڑے ناشائستہ اور بھونڈے جواب دیئے۔ عبد یالیل نے کہا: "خدا نے تمہیں نبی بنا کر
اپنے ہاتھ سے کعبہ کا غلاف پُرزے پُرزے کر دیا ہے۔" مسعود نے یوں "گلفشانی" کی: "کیا تمہارے
سوا خدا کو کوئی اور آدمی نہیں ملا جسے نبی بناتا۔"

حبیب نے کہا: "اگر تم واقعی نبی ہو تو تمہارے خلاف زبان ہلانا سوءِ ادب ہے اور اگر تم خدا پر
افترا پردازی کر رہے ہو تو تم اس قابل ہی نہیں کہ تم کو اپنا مخاطب بناؤں۔ بہتر یہی ہے کہ تم یہاں سے
چلتے بنو۔" ان لوگوں نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ طائف کے لونڈوں اور اوباشوں کو ہشکار دیا کہ وہ
آپؐ کو خوب ستائیں۔ شیطان کے ان چیلے چانٹوں نے حضورؐ کے دس روزہ قیامِ طائف کے دوران میں
ایسا ہلڑ مچایا کہ خدا کی پناہ۔ حضورؐ جس طرف تشریف لے جاتے یہ پیچھے پیچھے تالیاں پیٹتے، آوازے
کستے، گالیاں بکتے اور کلوخ اندازی کرتے۔ حضرت زیدؓ اپنے آپ کو حضورؐ کی ڈھال بنا لیتے اور ان کی
یہی کوشش ہوتی کہ جو پتھر آئے وہ آقا کے جسمِ اطہر پر پڑنے کے بجائے ان کو لگے لیکن جب چاروں طرف
سے پتھراؤ ہو رہا ہو تو زیدؓ کہاں تک حضورؐ کی حفاظت کر سکتے تھے۔ حضورؐ بھی زخمی ہو جاتے تھے اور زیدؓ
بھی۔ دسویں دن ان بدبختوں نے شقاوت کی انتہا کر دی۔ رحمتِ عالمؐ شدید زخمی ہو گئے اور آپؐ کا

جسدِ اطہر خون میں نہا گیا۔ حضرت زیدؓ بھی زخموں سے نڈھال ہو گئے۔ مجبور ہو کر آپ نے شہر سے باہر انگوروں کے ایک باغ میں پناہ لی۔ یہ باغ رؤسائے مکّہ عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کی ملکیت میں تھا۔ باغ میں آکر اوباشوں کا پیچھا چھوٹا تو حضرت زیدؓ نے اپنی چادر سے حضورؐ کے جسمِ اطہر سے خون صاف کیا اور پھر اپنے زخم صاف کیے۔ باغ میں کچھ دیر قیام کے بعد حضورؐ نے حضرت زیدؓ کیساتھ مکّہ کو معاودت فرمائی۔ حضرت زیدؓ نہ صرف سفرِ حضر میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے بلکہ وہ حضورؐ کی خوشنودی کا کوئی موقعہ بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ ہجرت سے چند سال پہلے ایک دفعہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ جو شخص کسی جنّتی عورت سے نکاح کرنا چاہے اسے اُمّ ایمنؓ سے نکاح کرنا چاہیئے۔" اُمّ ایمنؓ حضورؐ کی آیا تھیں، آپ ان کی بے حد تعظیم فرماتے تھے اور فرطِ محبّت سے انھیں "میری ماں" فرمایا کرتے تھے۔ حضرت زیدؓ نے حضورؐ کی خوشنودی کی خاطر فوراً حضرت اُمّ ایمنؓ سے نکاح کر لیا۔ حالانکہ وہ عمر میں ان سے کہیں بڑی تھیں۔

حضرت اُمّ ایمنؓ کے بطن سے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ پیدا ہوئے۔ حضرت زیدؓ اور اُمّ ایمنؓ سے تعلق خاطر کی بناء پر حضورؐ حضرت اسامہؓ سے اس قدر محبّت فرماتے تھے کہ وہ بھی "حِبّ رسول اللہ" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت زیدؓ بھی ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور باختلافِ روایت حضرت کلثومؓ بن ہدم انصاری یا حضرت سعدؓ بن خیثمہ انصاری کے مہمان ہوئے۔ جب حضورؐ مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت زیدؓ کو حضرت ابورافعؓ اور عبداللہ بن اریقط کے ہمراہ اپنے اہل و عیال لانے کے لیے مکّہ روانہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ، حضرت اُمّ کلثومؓ، اُمّ المومنین حضرت سودہؓ بنتِ زمعہ، حضرت عبداللہؓ بن ابوبکرؓ، حضرت اُمّ رومانؓ، اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت اسماء بنتِ ابوبکرؓ نے انہی اصحاب کے ساتھ مکّہ سے مدینہ کو ہجرت کی۔ غزوۂ بدر کے بعد حضورؐ کے حکم کے مطابق حضرت زیدؓ پھر مکّہ گئے اور آپ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ واپس آئے۔

ہجرت کے پانچ ماہ بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخاۃ قائم فرمائی تو حضرت زیدؓ بن حارثہ کو قبیلہ عبدالاشہل کے رئیس حضرت اُسیدؓ بن حُضیر انصاری کا اسلامی بھائی بنایا۔ وہ بھی بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور انصار کے سابقون اوّلون میں سے تھے۔

سنہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ بنت جحش کا نکاح حضرت زیدؓ سے کر دیا۔ حضرت زینبؓ کا مہر حضورؐ نے حضرت زیدؓ کی طرف سے خود ادا کیا، اس نکاح سے پہلے حضرت زیدؓ خاندانِ نبوت کے ایک فرد کی حیثیت سے سرورِ عالمؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ اب حضورؐ نے انھیں علیحدہ مکان میں بسایا اور خانہ داری کے لیے ضروری سامان عطا فرمایا۔ حضرت زینبؓ تقریباً ایک سال تک حضرت زیدؓ کے نکاح میں رہیں لیکن خاندانی ونسبی عدم توازن اور طبائع کی ناموافقت کے سبب میاں بیوی میں نباہ نہ ہو سکا۔ حضرت زیدؓ نے بار بار دربارِ نبوت میں حضرت زینبؓ کے مزاج کی سختی کی شکایت کی یہاں تک کہ ان کو طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضورؐ نے ان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا، ارشاد ہوا۔

اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ (سورہ احزاب) یعنی تم اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو (نہ چھوڑو) اور خدا سے ڈرو۔

حضرت زیدؓ اس وقت تو خاموش ہو گئے لیکن میاں بیوی میں شکر رنجی بڑھتی ہی گئی۔ جب تعلقات انتہائی کشیدہ ہو گئے تو حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔ جب ان کی عدت پوری ہو گئی تو حضورؐ نے منشائے الٰہی کے مطابق حضرت زیدؓ ہی کی معرفت اپنے نکاح کا پیغام حضرت زینبؓ کو بھیجا۔ انھوں نے حضرت زینبؓ کو یہ پیغام دیا تو وہ بولیں:۔

"جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہ آئے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

اس کے معاً بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا — پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا نکاح تم سے کر دیا۔

اس طرح حضرت زینبؓ بنت جحش امہات المومنین میں داخل ہو گئیں۔ اس نکاح پر منافقین یہود اور مشرکین نے حضورؐ کو بدنام کرنے کے لیے طوفانِ عظیم برپا کر دیا۔ ان کی شر انگیزی کی بنیاد یہ تھی کہ محمدؐ تو بہو سے نکاح کو حرام قرار دیتے ہیں لیکن خود انھوں نے اپنے بیٹے زیدؓ کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ ان لوگوں کی فتنہ پردازی کا جواب بارگاہِ خداوندی سے یوں دیا گیا:۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ — (لوگو) محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو حکم دیا گیا۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (احزاب) منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے

پکارو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔
اس حکم کے بعد لوگ حضرت زیدؓ کو "زیدؓ بن محمدؐ" کے بجائے زیدؓ بن حارثہ کہنے لگے۔ اور جاہلیت کا یہ خیال ہمیشہ کے لیے باطل ہو گیا کہ منہ بولا بیٹا بھی حقیقی بیٹے کی طرح ہوتا ہے۔

حضرت زیدؓ کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو اُن کا شوقِ جہاد ہے۔ شجاعت و بسالت اُن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور راہِ حق میں سر کٹانے کا جذبہ ہر وقت اُن کے سینے میں موجزن رہتا تھا۔ وہ ایک ماہر تیر انداز اور مشاق تیغ زن تھے۔ ہجرت کے بعد غزوات و سرایا کا سلسلہ شروع ہوا تو بدر سے موتہ تک تمام غزوات میں حضرت زیدؓ نے بڑی پامردی کے ساتھ دادِ شجاعت دی۔ غزوۂ مریسیع میں چونکہ سرورِ عالمؐ نے انھیں مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اس لیے اس میں شریک نہ ہو سکے۔
مشہور غزوات میں شرکت کے علاوہ حضرت زیدؓ کو باختلافِ روایت سات یا نو فوجی مہموں (سرایا) کی قیادت کا شرف حاصل ہوا۔ ان میں سے چند لڑائیوں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ سَریۂ قردہ

یہ سَریہ نجد کے ایک چشمہ "قردہ" کے قریب باختلافِ روایت جمادی الاخری ۳ھ یا ۵ھ میں پیش آیا۔ حضرت زیدؓ کی قیادت میں مسلمانوں نے دشمن کو عبرتناک شکست دی اور بہت سے اونٹ، مال و اسباب کے علاوہ دشمن کے ایک سردار فرات بن حیّان عجلی کو گرفتار کر لیا۔

۲۔ سریہ جموم (یا جموح)

ربیع الثانی ۶ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو بنی سُلیم کے مقابلہ کے لیے روانہ فرمایا۔ یہ لوگ مدینہ منورہ سے چار منزل کے فاصلے پر ایک نخلستان جموم میں رہتے تھے۔ حضرت زیدؓ نے بنو سُلیم کی خاطر خواہ سرکوبی کی۔ مالِ غنیمت میں بہت سے اونٹ اور بکریاں ہاتھ لگیں۔ ان کے علاوہ دشمن کے بہت سے آدمیوں کو گرفتار کر کے مدینہ لائے۔

۳۔ سریۂ عیص

جمادی الاولیٰ ۶ھ ہجری میں حضورؐ کو خبر ملی کہ قریش کا ایک قافلہ سامان سے لدا پھندا شام سے واپس آرہا ہے۔ آپؐ نے حضرت زیدؓ کو ایک سو ستر سواروں کے ساتھ اس قافلے کو روکنے کا حکم دیا۔ حضرت زیدؓ نے اس قافلے کو عیص کے مقام پر جا گھیرا اور سب اہلِ قافلہ کو گرفتار کر کے

مدینہ منورہ لے آئے۔ مالِ غنیمت میں چاندی کا بہت سا سامان ہاتھ آیا۔ قیدیوں میں حضورؐ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص بھی تھے۔ انھوں نے حضرت زینبؓ کی پناہ حاصل کرکے رہائی پائی۔ حضورؐ نے ان کا سارا مال بھی واپس کردیا۔

۴۔ سَرِیّۂ طَرَف

طرف مدینہ منورہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر بجانب عراق ایک چشمہ تھا۔ جمادی الآخری ۶ ہجری میں حضورؐ نے ایک دشمن قبیلے کی سرکوبی کے لیے حضرت زیدؓ کو وہاں بھیجا۔ دشمن کو مقابلے پر آنے کی ہمت نہ پڑی اور وہ حضرت زیدؓ کے پہنچنے سے پہلے ہی بھاگ گیا۔

۵۔ سَرِیّۂ حِسمیٰ

سریۂ طرف کے فوراً بعد حضورؐ نے حضرت زیدؓ کو پانچ سو سواروں کے ساتھ بنی جذام کی سرکوبی کے لیے حسمیٰ روانہ فرمایا۔ ان لوگوں نے حضرت دحیہ کلبیؓ کو قسطنطنیہ کی سفارت سے واپس آتے وقت لوٹ لیا تھا اور وہ قرار واقعی سزا کے مستحق تھے۔ حضرت زیدؓ نے اس مہم میں بڑی احتیاط اور تدبر سے کام لیا۔ وہ دن کو اپنے ساتھیوں سمیت پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے اور رات کو سفر کرتے تھے یہاں تک کہ حسمیٰ پہنچنے تک دشمن کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ حضرت زیدؓ نے اچانک حملہ کرکے ان کی خوب گوشمالی کی۔ بنو جذام کا سردار ہنید بن عوض اپنے بیٹے سمیت مارا گیا۔ مالِ غنیمت میں ایک ہزار اونٹ پانچ ہزار بھیڑ بکریاں اور بہت سے قیدی ہاتھ آئے۔ حضرت زیدؓ نے یہ سب حضرت زیدؓ بن رفاعہ کے ہاتھ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیئے۔ جس وقت مالِ غنیمت مدینہ منورہ پہنچا اتفاق سے بنو جذام کے ایک سربرآوردہ آدمی ابویزیدؓ بن عمرو دربارِ نبوت میں موجود تھے۔ چونکہ وہ پہلے ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے اس لیے حضورؐ کو ان کا بہت لحاظ تھا۔ جب انھوں نے اپنے قبیلے والوں کی سفارش کی تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قیدی چھوڑ دیئے اور سارا مالِ غنیمت بھی واپس کردیا۔

۶۔ سریۂ اُمِ قرفہ فزاریہ (یا سریۂ وادی القریٰ)

رمضان المبارک ۶ ہجری میں حضرت زیدؓ ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کی طرف جا رہے تھے کہ وادی قریٰ کے مقام پر بنو فزارہ کے ایک گروہ نے قافلہ پر چھاپہ مارا اور سامانِ تجارت لوٹ لیا۔ حضرت زیدؓ کے ساتھ مسلمانوں کی بہت قلیل جمعیت تھی اسے فزاری رہزنوں کے ہاتھوں سخت اذیت اٹھانی پڑی۔ حضرت زیدؓ بڑی مشکل سے جان بچا کر مدینہ منورہ پہنچے اور سارے واقعات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیے۔ بنو فزارہ کے لوگ اس سے پہلے بھی

ڈکیتی اور رہزنی کی کئی وارداتیں کر چکے تھے۔ اب حضورؐ نے ان کی گوشمالی کے لیے حضرت زیدؓ کو فوج کا ایک مضبوط دستہ دے کر بھیجا وہ بڑی احتیاط سے دن کو چھپتے اور رات کو سفر کرتے ہوئے یکایک بنو فزارہ پر جا پڑے۔ فزاریوں کو مقابلے کی ہمت نہ پڑی اور وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے البتہ ان کی حکمران اُمّ قرفہ بنتِ ربیعہ بن بدر اور اس کی بیٹی کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔ حضرت زیدؓ واپس مدینہ منورہ آئے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں تشریف فرما تھے۔ ام المومنینؓ کا بیان ہے کہ زیدؓ نے میرے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس حالت میں تھے فوراً اسی حالت میں باہر تشریف لے گئے۔ اس وقت حضورؐ کی چادر زمین پر گھسٹ رہی تھی۔ آپؐ نے جوشِ مسرت میں زیدؓ کو اپنی بغل میں لے لیا۔ ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر دیر تک زیدؓ سے اس مہم کے حالات دریافت فرماتے رہے۔

۷۔ غزوۂ موتہ

یہ غزوہ جمادی الاول ۸ھ میں پیش آیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کو دعوتِ اسلام کا خط دے کر حاکمِ بصریٰ کے پاس بھیجا تھا۔ وہ دمشق کے قریب موتہ کے مقام پر پہنچے تو بلقاء کے رئیس شرجیل بن عمرو غسانی نے انھیں شہید کر دیا (ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حارثؓ حاکمِ بصریٰ کو خط پہنچا کر واپس آ رہے تھے۔

سفیر کا قتل ایک سنگین اور قبیح جرم تھا۔ حضورؐ نے اس کا انتقام لینے کے لیے تین ہزار مجاہدین کا لشکر روانہ فرمایا۔ اس لشکر کا امیر حضورؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو مقرر فرمایا۔ حضورؐ نے تھوڑی دُور تک مجاہدین کی مشایعت فرمائی اور ان کو رخصت کرتے وقت فرمایا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب امیرِ لشکر ہوں گے اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ قیادت سنبھالیں گے۔ علامہ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ اس موقع پر حضرت جعفرؓ نے (جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقیقی بھائی اور حضورؐ کے ابنِ عم تھے) عرض کی:

• یا رسول اللہؐ مجھے یہ امید نہ تھی کہ آپ زیدؓ کو مجھ پر امیر بنائیں گے۔"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

• اس بات کو جانے دو۔ تم نہیں جانتے کہ اللہ کے نزدیک بہتر کیا ہے۔"

یہ لشکر موتہ پہنچا تو عیسائیوں کا ٹڈی دل اپنے حلیف قبائل سمیت مقابلے کے لیے اُمڈ آیا۔ اس کی مجموعی تعداد ایک لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ تاہم مسلمان اللہ کے بھروسے پر اس مہیب طاغوتی قوت سے بھڑ گئے۔ نہایت خونریز جنگ ہوئی جس میں حضرت زیدؓ نے کمال درجے کی استقامت اور

شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ اپنے ساتھیوں کو جوش دلانے کے لیے وہ دُور تک دشمن کی صفوں میں گھستے چلے گئے اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ عین اس وقت جب لڑائی اپنے شباب پر تھی حضرت زیدؓ کے سینے میں ایک نیزہ لگا اور وہ شہید ہو کر نیچے گر گئے۔ حضرت جعفرؓ نے آگے بڑھ کر عَلَم اسلام تھام لیا۔ کافی دیر دادِ شجاعت دینے کے بعد جب وہ بھی رتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے قیادت سنبھال لی جب وہ بھی شہید ہو گئے تو حضرت خالدؓ بن ولید نے عَلَم ہاتھ میں لیا اور مجاہدین کو مجتمع کر کے دشمن پر ایسے تابڑ توڑ حملے کیے کہ اس کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان مظفر و منصور مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

محدثین اور اربابِ سیر و مغازی نے اس سلسلہ میں یہ روایت تواتر کے ساتھ نقل کی ہے کہ عین اس وقت جب موتہ کے میدان میں گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے درمیان مسجدِ نبوی میں رونق افروز تھے۔ یکایک آپ نے فرمایا۔

" زیدؓ شہید ہو گئے اور اب جعفرؓ نے عَلَم سنبھالا ہے، جعفرؓ بھی شہید ہو گئے اور اب عَلَم عبداللہ بن رواحہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ بھی جنت کو سدھارے اور اب اس شخص نے عَلَم ہاتھ میں لیا ہے جو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔"

اس وقت اللہ تعالیٰ نے میدانِ جنگ کا نقشہ حضورؐ کے سامنے کر دیا تھا یا جبرئیل امینؑ آپ کو پَل پَل کی خبریں پہنچا رہے تھے۔ صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مجاہدین کے لوٹنے سے بہت پہلے حضورؐ نے حضرت زیدؓ، جعفرؓ اور عبداللہؓ بن رواحہ کی شہادت کی خبر مسلمانوں کو دے دی تھی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضورؐ نے جس وقت مسلمانوں کو یہ خبر سنائی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ علامہ ابن اثیرؒ نے اسدالغابہ میں لکھا ہے کہ اس موقع پر حضورؐ نے یہ الفاظ بھی ارشاد فرمائے۔

اخوانی و مونسانی و محدثانیؑ

(یہ میرے بھائی، میرے مونس اور مجھ سے بات چیت کرنے والے تھے)

حضرت خالدؓ بن سمرہ سے روایت ہے کہ حضرت زیدؓ کی (کمسن) صاحبزادی نے باپ کی شہادت کی خبر سنی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ اسے دیکھ کر حضورؐ پر بھی گریہ طاری ہو گیا اور آپ اس قدر روئے کہ آواز رک گئی۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے حیران ہو کر پوچھا: "یارسول اللہ یہ کیا ہے؟" فرمایا۔

" یہ جذبۂ محبت ہے جو ہر محب کے دل میں اپنے محبوب کے لیے ہوتا ہے۔"

حافظ ابنِ حجرؒ نے لکھا ہے کہ شہادت کے وقت حضرت زیدؓ بن حارثہ کی عمر پچپن برس کی تھی۔ (کتاب الاصابہ) دوسری طرف طبقات ابنِ سعد میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کی یہ روایت درج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد سے عمر میں دس سال بڑے تھے۔ اگر طبقات کی روایت درست تسلیم کر لی جائے تو شہادت کے وقت حضرت زیدؓ کی عمر ۵۱۔۵۲ سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

حافظ ابنِ حجرؒ نے حضرت زیدؓ کا حلیہ اس طرح بیان کیا ہے۔ قد پست، ناک چپٹی اور رنگ گہرا گندمی تھا۔ (اصابہ)

علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت زیدؓ کا رنگ کھلا ہوا گندمی تھا۔ (اُسدُ الغابہ)

حضرت زیدؓ نے اپنی زندگی میں پانچ نکاح کیے۔ ازواج کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حضرت اُمِّ ایمنؓ

۲۔ حضرت زینبؓ بنت جحش (جو بعد میں ام المومنین بنیں)

۳۔ اُمِّ کلثومؓ بنتِ عقبہ بن ابی معیط (یہ حضورؐ کی پھوپھی زاد بہن اروی بنتِ کریز کی دختر تھیں۔ حضرت عثمانؓ بن عفان ان کے سوتیلے بھائی تھے)

۴۔ دُرّہؓ بنتِ ابی لہب (یہ حضورؐ کی بنتِ عمّ تھیں)

۵۔ ہندؓ بنتِ عوام۔ (یہ حضورؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ حضرت زبیرؓ بن عوام ان کے حقیقی بھائی تھے اور امّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ان کی حقیقی پھوپھی تھیں۔)

حضرت زیدؓ کے کل تین اولادیں ہوئیں۔ حضرت امّ ایمنؓ کے بطن سے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ اور امّ کلثومؓ سے زید بن زید اور رقیہ بنت زیدؓ۔

حضرت اسامہؓ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین صحابی بننے کا شرف حاصل ہوا۔ زیدؓ نے ایامِ حضانت میں وفات پائی اور رقیہ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی گود میں پرورش پا کر (بچپن ہی میں) قضا کی۔

❖

حضرت زیدؓ بن حارثہ آسمانِ فضائل کا مہرِ عالم تاب ہیں۔ وہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآنِ پاک میں آیا ہے اور فضیلت میں کوئی ان کا شریک وسہیم نہیں۔ ان کے صحیفۂ اخلاق میں حبِّ رسول، وفا شعاری، شوقِ جہاد، ذوقِ عبادت فقر وغنا اور انکسار و تواضع کے ابواب سب سے نمایاں ہیں۔ اپنے اخلاقِ حمیدہ اور جذبۂ فدویت کی بدولت انھیں بارگاہِ رسالت میں درجۂ محبوبیت حاصل ہو گیا تھا اور وہ حبُّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ

فرماتی تھیں کہ :۔

"ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی لڑائی میں حضرت زیدؓ کو بھیجا ہو اور انہیں اس لشکر کا قائد نہ بنایا ہو۔ اگر وہ حضورؐ کی رحلت کے وقت زندہ ہوتے تو آپؐ انھیں کو اپنا جانشین بناتے۔"

اسی طرح حضرت سلمہؓ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ "میں سات لڑائیوں میں حضرت زیدؓ کے ساتھ شریک ہوا میں نے دیکھا کہ ہر لڑائی میں حضورؐ نے حضرت زیدؓ کو فوج کا سپہ سالار بنایا۔

حضرت زیدؓ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان کا ایک رکن متصوّر فرماتے تھے۔ اگر کوئی شخص ان کی شان میں کوئی نا ملائم بات کہہ دیتا تو حضورؐ کو بہت رنج ہوتا۔ ایک دفعہ بعض لوگوں نے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کے نسب میں طعن کرنا شروع کر دیا (محض اس بناء پر کہ حضرت زیدؓ کا رنگ گندمی تھا اور حضرت اسامہؓ کا سیاہ)۔ حضورؐ تک یہ باتیں پہنچی تھیں تو آپؐ کو ملال ہوتا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ "اسی زمانے میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت شاداں و فرحاں گھر تشریف لائے۔ اس وقت آپؐ کا روئے انور جوشِ مسرت سے چمک رہا تھا۔ آتے ہی فرمایا، عائشہ جانتی ہو ابھی ابھی مجزز مدلجی (مشہور قیافہ شناس) آیا تھا۔ اس وقت زیدؓ اور اسامہؓ دونوں ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے صرف دونوں کے پاؤں چادر سے باہر تھے۔ مجزز نے دونوں کے پاؤں دیکھتے ہی کہا یہ پاؤں ایک دوسرے سے پیدا ہیں۔"

اس موقع پر حضورؐ کی خوشی کی وجہ یہ تھی کہ قیافہ شناس نے حق کی تصدیق کر دی تھی جس سے حاسدوں کی زبان بند ہو گئی تھی ورنہ عام حالات میں ایسے لوگوں کی بات حجت نہیں ہوتی۔ اور نہ حضورؐ نے منجموں، کاہنوں اور قیافہ شناسوں کی باتوں پر یقین کرنا پسند فرمایا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں صحابہؓ کے وظائف مقرر کیے تو اپنے فرزند عبداللہؓ کا وظیفہ ڈھائی ہزار اور حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کا تین ہزار مقرر کیا۔ حضرت عبداللہؓ نے عرض کی :۔

"میں تمام غزوات میں اسامہ کے دوش بدوش رہا اور آپ بھی کسی لڑائی میں اسامہ کے والد زید سے پیچھے نہیں رہے پھر میرا وظیفہ آپ نے اسامہ سے کم کیوں مقرر کیا ہے؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا :۔

"جانِ پدر تم ٹھیک کہتے ہو لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تم سے اور اسامہ

کے باپ کو تمہارے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے سالہا سال بعد ایک دن فاروق اعظمؓ کے جلیل القدر فرزند عبداللہؓ نے مسجدِ نبوی کے ایک گوشے میں ایک نوجوان کو دیکھا جس کی پیشانی نورِ سعادت سے ایسی درخشاں تھی کہ ضعیف العمر عبداللہؓ کو بے اختیار اس کی طرف کشش پیدا ہوئی۔ پاس ہی عبداللہؓ بن دینار بیٹھے تھے، ان سے پوچھا۔ "یہ نوجوان کون ہے؟ اے کاش! یہ میرے پاس آئے۔"

ایک شخص بولا۔" ابوعبدالرحمٰن کیا آپ اسے نہیں جانتے، یہ زیدؓ کا پوتا محمدؒ بن اسامہؓ ہے۔" حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے یہ سن کر تعظیم سے گردن جھکا لی اور ہاتھوں سے زمین کریدنے لگے، پھر فرمایا۔

"اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھتے تو (اس کے باپ اور دادا کی طرح) اس کو بھی محبوب رکھتے۔"

اتنا کہتے کہتے ان کی آواز بھر آگئی اور آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے۔ اس وقت ان کو محمدؒ کے دادا زیدؓ بن حارثہ سے سیدنا محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور زیدؓ بن حارثہ کی اپنے آقا سے والہانہ شیفتگی یاد آگئی۔ اسی یاد نے انھیں بے قرار کر دیا۔ زیدؓ بن حارثہ وہی تو تھے جو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے محبّ بھی تھے اور محبوب بھی۔ جن کی زندگی کے بے شمار لیل و نہار رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزرے تھے۔ جن کے متعلق حضورؐ نے فرمایا تھا۔

"میں زید کا وارث ہوں اور زید میرا وارث ہے۔"

جو کبھی فرزندِ رسول (ابنِ محمدؐ) کے نام سے مشہور تھے۔ اسی لیے تو ان کی اولاد کو دیکھ کر بڑے بڑے رفیع المرتبت صحابہؓ ازخود رفتہ ہو جاتے تھے اور انھیں جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقدس زمانہ یاد آ جاتا تھا۔ جب زیدؓ نے اپنا سب کچھ عشقِ حبیبؐ کی نذر کر دیا تھا۔

حضرت زیدؓ اور ان کے فرزند اسامہؓ سے حضورؐ کی محبت کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ جنگِ موتہ کے بعد حضورؐ نے شہداء کا انتقام لینے کے لیے ایک لشکر تیار کیا۔ اگرچہ اس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت

سعیدؓ بن زید، حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح اور حضرت قتادہؓ بن نعمان جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے لیکن حضورؐ نے اٹھارہ سالہ اسامہؓ کو اس لشکر کا امیر مقرر فرمایا۔ بعض لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو آپ شدّتِ علالت کے باوجود سرِ اقدس پر پٹی باندھے حجرے سے باہر تشریف لائے اور منبر پر رونق افروز ہو کر خطبہ دیا۔ اس میں ارشاد فرمایا:۔

"مجھے خبر ملی ہے کہ تم میں سے بعض لوگوں نے اسامہ کی سرداری پر اعتراض کیا ہے۔ لوگو میرے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے تم لوگ اسامہ کے باپ زید کو سردارِ فوج بنانے پر اعتراض کر چکے ہو۔ خدا کی قسم زید ہر طرح سیادت کے لائق تھا اور وہ مجھے بے حد محبوب تھا اور اس کے بعد اسامہ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہے۔"

حضرت زید رضی اللہ عنہ، کو سالہا سال رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی اور ذاتِ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود اُن کی تربیت فرمائی تھی۔ اس لیے وہ دین اور دُنیا کے ہر معاملے میں حضورؐ کا اتباع کرتے تھے۔ ہمیشہ پیوند لگے اور کھردرے کپڑے پہنتے، اپنی جوتیوں کی خود مرمت کر لیتے، غذا میں بالعموم جو کی روٹی ہوتی تھی جسے دودھ یا پانی میں بھگو کر خوشی خوشی کھا لیتے، کسی شخص نے کہا: "ابواُسامہ آپ اتنا گھٹیا لباس پہنتے ہیں؟" حضرت زیدؓ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

"ہماری عزت و توقیر تو لبس اسلام سے ہے، قیمتی لباس سے کیا ہوتا ہے۔"

حضرت زیدؓ اگرچہ ایک کامیاب فوجی افسر اور دور اندیش سپہ سالار تھے، لیکن میدانِ جنگ میں ایک عام سپاہی اور اُن میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا۔ ان کے اندر اس جذبہ کی نمود نہیں دیکھی گئی کہ مَیں فوج کا سردار ہوں اور دوسرے لوگ میرے ماتحت سپاہی ہیں۔ حضرت عبداللہؓ بن عامر کہتے ہیں کہ حضرت زیدؓ کسی سفر (یا مہم) پر جاتے تو اپنے لیے کبھی خیمہ نہ لگاتے بلکہ دھوپ کے وقت ایک چادر کسی درخت یا جھاڑی پر ڈال کر اسی کے سائے میں آرام کر لیتے۔ اپنے ساتھیوں کو بھی سخت کوشی اور سادگی کی ہدایت فرماتے اگر ساتھیوں کو پانی کی ضرورت ہوتی تو خود پانی بھر کر لاتے۔ ایک دن ایک پڑاؤ پر اپنے کندھے پر پانی سے بھری ہوئی مشک لا رہے تھے: مَیں نے کہا: "اے امیر! یہ مجھے دے دیجئے" فرمایا: "تمہیں اللہ تعالیٰ جزا دے یہ کام مَیں خود ہی کروں گا تاکہ میرے دل و دماغ میں امارت کی بو نہ پیدا ہو جائے۔"

فقر و غنا کا یہ عالم تھا کہ گھر میں ایک پُرانے بوریئے اور چند معمولی برتنوں کے سوا کوئی سامان

نہ تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے ان کی انتہائے سادگی پر تعجب کا اظہار کیا تو فرمایا۔
" اس گھر کی آرائش سے کیا فائدہ جس سے بہت جلد رخصت ہونا ہے "

حضرت زیدؓ کو عبادتِ الٰہی سے خاص شغف تھا، رات کو بہت کم سوتے اور زیادہ وقت نماز میں گزارتے۔ نمازِ تہجد کا ساری عمر التزام رہا۔ آخر شب میں اپنے ساتھیوں کو بھی نماز کے لیے جگا دیتے، خشیتِ الٰہی سے اکثر اشکبار رہتے۔ مہمانوں کی بےحد تواضع کرتے، مسکینوں، غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور حاجت مندوں کی خدمت فرض سمجھ کر کرتے۔ پوری زندگی خشیتِ الٰہی اطاعت و محبتِ نبوی، عبادت و تقویٰ اور خدمتِ خلق کی آئینہ دار تھی ــــ یہی وہ اوصاف و خصائل تھے جنہوں نے زیدؓ کو خیر الخلائق، رحمتِ عالم، محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب بنا دیا تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خالدؓ اور یاسرؓ

صحابہؓ کے لیے سب سے بڑی دولت رسول اللہؐ کی اطاعت اور آپؐ کی خوشنودی تھی، اس لیے وہ اپنے جذبات کو بھی آپؐ کی خواہش پر قربان کر دیتے تھے۔

حضرت خالدؓ بن ولید مزاج کے تیز تھے، لیکن حضورؐ کے حکم کے سامنے ان کے مزاج کی تیزی نرمی میں بدل جاتی تھی۔ ایک مرتبہ ان میں اور حضرت عمارؓ بن یاسرؓ میں کسی معاملے پر بحث ہو گئی۔ بحث اتنی بڑھی کہ سخت کلامی ہونے لگی۔ حضرت عمارؓ حضورؐ کے ان صحابہ میں سے تھے جو اسلام کے ابتدائی دنوں میں ایمان لائے۔ انہوں نے دین کی خاطر بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ ہجرت کے بعد ہر غزوہ میں حضورؐ کے ساتھ رہے اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ انہوں نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت خالدؓ کی شکایت کی۔ اسی وقت حضرت خالدؓ بھی آ گئے۔ وہ شکایت سن کر سخت غصے میں آ گئے اور حضرت عمارؓ کو برا بھلا کہنے لگے۔

حضورؐ خاموش تھے۔ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہنے لگے:
" حضورؐ! آپؐ دیکھ رہے ہیں کہ خالد میرے ساتھ کتنی زیادتی کر رہے ہیں؟"
حضورؐ نے سر اٹھا کر فرمایا:
" جو شخص عمار سے بغض رکھتا ہے، وہ اللہ سے بغض رکھتا ہے۔"
خالدؓ حضورؐ کا یہ ارشاد سنتے ہی شرمندہ ہو گئے اور فوراً اٹھ کر حضرت عمارؓ کو منانے لگے۔ وہ کہتے تھے:
" جب میں حضورؐ کے پاس سے اٹھ کر آیا تو عمارؓ کی رضا جوئی سے بڑھ کر مجھے اور کوئی چیز عزیز نہ تھی۔"

Scanned By:
ATA-UL-MUSTAFA
0333-4585215

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عموریہ کے مردِ درویش نے اکھڑی ہوئی آواز میں کہا۔

"اے حق کے متلاشی بیٹے میں تمہیں کیا مشورہ دوں؟ اس وقت ساری دنیا بحرِ عصیاں میں غرق ہے۔ کفر و شرک کی بجلیاں چاروں طرف کوند رہی ہیں۔ اس دنیا میں مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جس کے پاس تجھے بھیجوں، البتہ اب اس نبی آخر الزماں کے ظہور کا وقت قریب ہے جو صحرائے عرب سے اٹھ کر دینِ حنیف کو زندہ کرے گا اور اس زمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ جس پر کھجور کے درختوں کی کثرت ہوگی۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی۔ وہ ہدیہ قبول کرلے گا لیکن صدقہ کو اپنے لیے حرام سمجھے گا۔ اگر تم اس پاک نبیؐ کا زمانہ پاؤ تو اس کی خدمت میں ضرور حاضر ہونا۔"

یہ کہہ کر اسقف نے آخری ہچکی لی اور مولائے حقیقی سے جا ملا۔

اب مابہ تھا اور نبی آخر الزماںؐ کی جستجو۔ وہ ہر وقت اسی لگن میں رہتا کہ کوئی قافلہ ملے تو اس کے ساتھ اس سرزمین میں پہنچ جائے۔ جہاں نبی آخر الزماںؐ کو مبعوث ہونا ہے۔ آخر ایک دن اس کی دلی مراد بر آئی۔ قبیلہ بنو کلب کا ایک قافلہ عموریہ سے گزرا۔ مابہ کو معلوم ہوا کہ اس قافلہ کو عرب جانا ہے تو وہ فوراً رئیسِ قافلہ کے پاس پہنچا اور اس سے ملتجی ہوا کہ میرے مویشی

آپ لے لیں اور مجھے اپنے ساتھ عرب لے چلیں۔ رئیسِ قافلہ فوراً رضامند ہوگیا اور مابہ کی گائیں اور بکریاں اپنے قبضے میں کرکے اسے اپنے ساتھ لے لیا۔

جب قافلہ وادیٔ القریٰ میں پہنچا تو قافلہ والوں کی نیت اس سادہ دل نوجوان کے متعلق بدل گئی اور اسے غلام بنا کر ایک یہودی کے پاس بیچ دیا۔ مابہ کچھ دن اس یہودی کے پاس رہا۔ ایک دن اس یہودی کا ایک رشتہ دار جو یثرب کا رہنے والا تھا اس سے ملنے آیا۔ اسے ایک غلام کی ضرورت تھی۔ اپنے میزبان سے ذکر کیا تو اس نے مابہ کو اپنے مہمان کے ہاں فروخت کر دیا۔ یہ شخص مابہ کو اپنے ہمراہ یثرب لے آیا۔ یثرب پہنچ کر مابہ نے ہر طرف کھجوروں کے جھنڈ دیکھے تو اسے یقین ہو گیا کہ جس نبی آخرالزماں کا ذکر عموریہ کے راہب پاکباز نے کیا تھا۔ وہ اپنے قدوم میمنت لزوم سے ایک دن اس کھجوروں والی زمین کو مشرف فرمائیں گے۔

آخر ایک دن وہ ساعتِ مسعود آگئی جس کا مابہ کو شدت سے انتظار تھا۔ وہ اپنے یہودی آقا کے باغ میں کھجور کے ایک درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑ رہا تھا۔ آقا نیچے بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک یہودی شہر سے بھاگتا ہوا آیا اور کہنے لگا: خدا بنو قیلہ کو غارت کرے۔ سب کے سب قبا میں ایک شخص کے پاس بھاگے جا رہے ہیں۔ جو مکہ سے آیا ہے اور اپنے آپ کو نبی کہتا ہے ان لوگوں نے اس کے دعویٰ پر یقین کر لیا ہے اور ان کے بچوں اور عورتوں تک میں ہیجان بپا ہے۔

مابہ کے کانوں تک یہ الفاظ پہنچے تو اس کے جسم میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ اس کے دل نے گواہی دی کہ میرا مطلوب اور مقصود آپہنچا۔ بدحواس ہو کر درخت سے نیچے اترا اور آنے والے یہودی سے بے تحاشا پوچھا۔

"تم کیا کہہ رہے تھے۔ ذرا پھر بیان کرنا۔"

اس کا آقا اپنے غلام کے تجسس اور بدحواسی پر چراغ پا ہوگیا۔ زور سے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا اور کہا۔ "جا کم بخت اپنا کام کر۔ تمہیں ان باتوں سے کیا غرض۔"

مابہ دل پر پتھر رکھ کر خاموش ہو گیا، لیکن متاعِ صبر و قرار لٹ چکی تھی۔ چند دنوں کے بعد موقع ملا تو کھانے کی کچھ چیزیں خرید کر بارگاہِ رسالت میں پہنچا اور یوں عرض پیرا ہوا۔

"اے خدا کے برگزیدہ بندے آپ اور آپ کے ساتھی غریب الوطن ہیں۔ یہ چند اشیاء میں نے صدقہ کے لیے رکھی تھیں، آپ سے بڑھ کر ان کا مستحق کسی کو نہیں پاتا۔ انہیں قبول فرمایئے۔"

حضورؐ نے مابہ سے یہ چیزیں لے کر اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیں اور خود کوئی چیز نہ کھائی۔ مابہ نے

دل میں کہا: "نبی آخر الزماں کی ایک علامت تو دیکھ لی کہ وہ صدقہ قبول نہیں کرتے۔" دوسرے دن پھر کھانے کی کوئی چیز خریدی اور دربارِ رسالت میں پیش ہو کر عرض کی: "یہ ہدیہ ہے اسے قبول فرمایئے۔" حضورؐ نے یہ ہدیہ قبول کر لیا۔ اس کا کچھ حصہ خود نوش فرمایا اور باقی صحابہؓ میں تقسیم کر دیا۔ مابہ کو یقین ہو گیا کہ صدقہ سے احتراز فرمانے اور ہدیہ قبول فرمانے والے ہی نبیؐ آخر الزماں ہیں لیکن ابھی مہرِ نبوت کا مشاہدہ کرنا باقی تھا۔

چند دن کے بعد مابہ نے سنا کہ رسولِ اکرمؐ ایک جنازہ کے ساتھ بقیع غرقد تشریف لائے ہیں، کشاں کشاں وہاں پہنچا، حضورؐ کو مودبانہ سلام کیا اور پشتِ اطہر کی طرف جا کر منتظر رہا کہ کسی وقت کپڑا ہٹے تو مہرِ نبوت دیکھوں۔ حضورؐ نے مابہ کی دلی کیفیت پہچان لی۔ پشتِ مقدس سے کپڑا ہٹا دیا۔ مابہ کے سامنے مہرِ نبوت اپنی پوری ضوفشانیوں کے ساتھ موجود تھی۔ اس نے بصد احترام و عقیدت جھک کر اپنے کانپتے ہوئے ہونٹ مہرِ نبوت پر ثبت کر دیئے اور پھر بے اختیار ہو کر رونے لگا۔ حضورؐ نے فرمایا: "سامنے آؤ۔" مابہ سامنے حاضر ہوا اور جستجوئے حق میں جن مراحل سے اسے گزرنا پڑا تھا، شروع سے لے کر آخر تک بیان کیے۔ حضورؐ نے مابہ کو مشرف بہ اسلام کر کے ان کا اسلامی نام سلمان رکھا۔ اسی دن سے مابہ بن بوذخشان سلمان فارسیؓ کے عظیم القدر نام سے مشہور ہو گئے۔

❖

آپ کا پس منظر یہ تھا کہ سید الابرار رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مقدسہ سے سالہا سال پہلے اصفہان (فارس) کے ایک نواحی قریہ "جی" میں آتش پرستوں کا ایک متمول خاندان "آب الملک" آباد تھا۔ اس گاؤں کا سردار "بوذخشان بن مورسلان آب الملکی" دربارِ ایران میں بڑا رسوخ رکھتا تھا۔ وہ نہ صرف ایک بڑا زمیندار تھا بلکہ ایک بڑے آتش کدے کا مہتمم بھی تھا بوذخشان کا ایک کمسن فرزند "مابہ" تھا، جس پر وہ جان چھڑکتا تھا۔ اس نے مابہ کی پرورش بڑے ناز و نعمت سے کی۔ والدین کے لاڈ پیار اور چاؤ چوچلے کے باوجود یہ بچہ بہت سعادت مند نکلا۔ اس کی طبیعت میں شوخی اور شرارت نام کو بھی نہ تھی وہ ایک سادہ اور خاموش طبع لڑکا تھا۔ اپنے ہم عمر لڑکوں میں کھیلنے کے بجائے ہر وقت آتشکدہ میں آگ جلانے میں مصروف رہتا اور اس کی کوشش یہی ہوتی کہ آتشکدہ ہر وقت روشن رہے اور کبھی بجھنے نہ پائے۔

ایک دن بوذخشان نے مابہ سے کہا کہ بیٹے آج میں ایک ضروری کام کی وجہ سے اپنے کھیتوں میں نہ جا سکوں گا۔ اس لیے کھیتوں کی دیکھ بھال تمہارے سپرد ہے۔ مابہ والد کے حکم کی تعمیل میں فوراً

کھیتوں کی طرف چل پڑا۔ راستے میں عیسائیوں کا ایک گرجا تھا۔ اس وقت وہ عبادت میں مصروف تھے اور بآوازِ بلند مناجات پڑھ رہے تھے۔ ماہہ ان کی آواز سُن کر گرجے میں چلا گیا۔ عیسائیوں کی عبادت کا طریقہ دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور اپنے مذہب آتش پرستی سے بیزار ہو گیا۔ جب عیسائی عبادت سے فارغ ہوئے تو ماہہ نے ان کے سردار سے کہا مجھے تمہارا دین بہت پسند آیا ہے۔ آج سے میں آتش پرستی ترک کرتا ہوں اور تمہارے دین میں داخل ہوتا ہوں۔ عیسائی بہت خوش ہوا اور انھوں نے اسی وقت اس نوخیز جوان کو بپتسمہ دے کر دینِ مسیحی میں داخل کر لیا۔

ماہہ کے دل میں جستجوئے حق کی تڑپ تھی' عیسائیوں سے پوچھا دینِ عیسوی کا مرکز کہاں ہے انھوں نے کہا' ملک شام میں۔ ماہہ نے یہ بات دل میں رکھ لی اور شام تک گرجے میں رہا۔ جب آفتاب غروب ہونے کا وقت آیا تو گھر لوٹا۔ والد نے پوچھا کھیتوں کو دیکھ آئے ہو' ماہہ نے جواب دیا: نہیں راستے میں ایک گرجا تھا۔ کچھ لوگ وہاں مصروفِ عبادت تھے مجھے ان لوگوں کا طریقِ عبادت بہت پسند آیا اور میں سارا دن انہی لوگوں کے پاس رہا۔"

بوذخشان بیٹے کی 'گمراہی' پر سخت غضب ناک ہوا۔ کہا۔ 'آج سے تمہیں گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت ہے۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے لختِ جگر کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ ماہہ نہایت حوصلہ سے قیدِ تنہائی کے دن کاٹنے لگا۔ ایک دن موقع پا کر اس نے عیسائیوں کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر شام کو جانے والا کوئی قافلہ ہو تو مجھے مطلع کرنا۔ اتفاق سے تھوڑے دنوں کے بعد شام سے کچھ لوگ بغرضِ تجارت وہاں آئے ــــ جب وہ شام واپس جانے کے لیے تیار ہوئے تو عیسائیوں نے ماہہ کو اطلاع دی۔ ماہہ نے کسی طریقہ سے بیڑیوں سے نجات حاصل کی اور شام جانے والے قافلے میں شامل ہو گیا۔

ارضِ شام میں پہنچ کر ماہہ نے لوگوں سے وہاں کے سب سے بڑے مذہبی رہنما کا پتہ دریافت کیا۔ اور پھر اس کی خدمت میں پہنچ کر درخواست کی کہ مجھے دینِ مسیحی کی تعلیم سے سرفراز فرمائیں۔ اسقف نے ماہہ کی درخواست قبول کر لی۔ یہ اسقف ایک ریاکار شخص تھا۔ اس کی ظاہری زندگی تو نہایت زاہدانہ تھی' لیکن اندرونِ خانہ اسے عیش و عشرت اور مال و دولت جمع کرنے کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ اس نے سونے چاندی کے سات مٹکے جمع کر رکھے تھے۔ ماہہ اس کی حرص و آز اور بدکاریاں کو دیکھ کر جی ہی جی میں کڑھتا تھا، لیکن کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ لوگ اسقف کو نہایت عزت و احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد اسقف کو پیغامِ اجل آگیا۔ اس کی تجہیز و تکفین کے

لیے لوگ جمع ہوئے تو مابہ نے اسس کا کچا چٹھا کھول کر لوگوں کے سامنے رکھ دیا اور انھیں اسس کی جمع کی ہوئی دولت کے سرپر لاکھڑا کیا۔ لوگ سخت مشتعل ہوئے اور انھوں نے اسقف کی لاش کو دار پر لٹکا کر خوب پتھر برسائے اور پھر ایک اور عابد و زاہد پادری کو اس کا جانشین مقرر کیا۔ یہ شخص واقعی نیک فطرت اور لذائذِ دنیوی سے متنفر تھا۔ مابہ کو اس سے بےحد عقیدت پیدا ہوگئی۔ اور وہ دل وجان سے اس کی خدمت میں مصروف رہتا۔ پادری نے بھی جہاں تک ہوسکا۔ مابہ کو فیض پہنچانے کی کوشش کی۔ آخر اس کا پیمانۂ حیات بھی لبریز ہوگیا۔ دمِ نزع اس نے مابہ سے کہا کہ میرے مرنے کے بعد تم موصل فلاں شخص کے پاس چلے جانا جو دینِ مسیحی کا سچا عاشق ہے۔ اس کے سوا تمہیں مشکل سے ہی کوئی حق پرست ملے گا۔

مابہ مرحوم پادری کی وصیّت کے مطابق موصل پہنچا اور جس شخص کا پتہ اسے دیا گیا تھا اس کی خدمت میں پہنچ کر حصولِ علم میں مصروف ہوگیا۔ خدا کی قدرت تھوڑے دنوں کے بعد اس نے بھی سفرِ آخرت کی تیاری کی۔ مرتے وقت اس نے مابہ کو وصیّت کی۔

"اے بیٹے مجھے حوالۂ خاک کرکے فلاں شخص کے پاس نصیبین چلے جانا۔ میرے علم میں وہی شخص ہے جو تمہیں دینِ حق پر چلائے گا۔ دوسرے لوگوں نے دین کو بدل ڈالا ہے اور گمراہ ہوگئے ہیں۔"

مابہ جستجوئے حق میں نصیبین پہنچا۔ وہاں کے پادری نے اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ مابہ نے ابھی تھوڑے ہی دن اسس کی صحبت میں گزارے تھے کہ اجل نے اس کا دروازہ بھی — آکھٹکھٹایا۔ جب وہ جان جانِ آفرین کے سپرد کر رہا تھا تو مابہ نے پوچھا "میرے مقدس سرپرست میرے لیے کیا ارشاد ہے۔" پادری نے کہا "بیٹے جس نورِ حق کے تم متلاشی ہو وہ تمہیں عموریہ میں فلاں شخص کے پاس ملے گا۔ میرے مرنے کے بعد —— سیدھے اس کے پاس چلے جانا۔"

مابہ نصیبین کے مرحوم پادری کے کفن دفن سے فارغ ہوکر سیدھا عموریہ پہنچا اور وہاں کے اسقف کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیا۔ یہ ایک نہایت پاکباز اور پرہیزگار شخص تھا۔ اللہ نے اسے علم کے ساتھ عمل بھی عطا فرمایا تھا۔ مابہ نے اس کی صحبت سے خوب خوب فیض اٹھایا اور دینِ مسیحی کا سچا پیرو بن گیا۔ اپنے استاد کی طرح وہ بھی دن رات عبادت میں مشغول رہتا۔ کچھ بکریاں خرید لیں۔ ان کے دودھ سے جسمانی غذا حاصل کرتا۔ کچھ عرصہ کے بعد عموریہ کے اسقف کو بھی پیغامِ اجل آگیا۔ جب وہ دم توڑ رہا تھا تو مابہ نے عرض کی۔

"میں سینکڑوں میل کا پُرصعوبت سفر طے کرنے اور کئی دروازوں کی خاک چھاننے کے بعد آپ

کی خدمت میں پہنچا تھا، لیکن اب آپ بھی میرا ساتھ چھوڑ چلے ہیں۔ آپ کے بعد میں کہاں جاؤنگا۔ تو اس نے نبیؐ آخر صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانی بتائی تھی۔

اب ماہ کی صحیح رہنمائی ہوئی تھی اور وہ درست رُخ پر چل پڑا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سعی کو قبول فرمایا اور بالآخر وہ غلامانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہو گیا۔

سلمانؓ اب اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ چکے تھے۔ اُن کی زندگی میں انقلاب بپا ہو گیا تھا۔ چاہتے تھے کہ دن رات آقائے دوجہاں کی خدمت میں حاضر رہا کریں لیکن یہودی کا طوقِ غلامی گردن میں ایسا پڑا تھا کہ کسی ڈھب اس سے چھٹکارہ نہ ہوتا تھا۔ بدر اور اُحد کے غزوات یونہی گزر گئے۔ اس غلامی نے انھیں ان غزوات میں شرکت سے محروم رکھا۔ حضورؐ کو سلمانؓ کی مجبوری کا علم تھا۔ ایک دن ان سے فرمایا۔ "سلمان تم اپنے آقا کو معاوضہ ادا کر کے اپنی گلو خلاصی کرالو۔" سلمانؓ تو دل سے یہی چاہتے تھے۔ یہودی آقا سے اپنی قیمت طے کی۔ اس نے چالیس اوقیہ سونا اور تین سو پودے لگانے کا مطالبہ کیا۔ حضورؐ نے اس مکاتبت کا حال سُنا تو صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔

"تم لوگ سلمانؓ کو ایک دشمنِ اسلام کی غلامی سے آزاد ہونے میں مدد دو۔"

صحابہؓ نے بصد مسرت سلمانؓ کی مدد کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ ہر ایک نے بقدرِ استطاعت زیادہ سے زیادہ پودے جمع کیے تا آنکہ پورے تین سو ہو گئے۔ پھر سب نے مل کر گڑھے کھودے۔ حضورؐ خود تشریف لائے اور صحابہؓ سے مل کر تمام پودے یہودی کی زمین پر لگا دیئے۔ اب صرف ایک شرط باقی رہ گئی۔ اللہ نے اس کے پورا کرنے کی صورت بھی جلد ہی پیدا کر دی۔ چند دنوں کے بعد حضورؐ کو ایک غزوہ میں چالیس اوقیہ سونا مل گیا۔ حضورؐ نے یہ سونا سلمانؓ کو دے دیا اور فرمایا کہ جاؤ اپنے آقا کو دے کر آزاد ہو جاؤ۔ سلمانؓ دوڑے دوڑے گئے، یہ سونا یہودی کو دے دیا اور اس کا طوقِ غلامی گردن سے اتار کر اپنے حقیقی آقا کے قدموں میں آگرے۔ اس دن کے بعد سلمان فارسیؓ سفر و حضر جلوت و خلوت ہر حال میں سرورِ کائنات کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے۔

غزوۂ احزاب کے وقت مشرکین کا ایک لشکرِ گراں مدینہ پر چڑھ آیا۔ حضورؐ نے جنگ کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمانؓ فارسی ایران کے جنگی طریقوں سے خوب واقف تھے، عرض کی۔

"یا رسولؐ اللہ دشمن کے ٹڈی دل کے مقابلے میں ہماری تعداد بہت تھوڑی ہے اس لیے کھلے میدان میں لڑنا مناسب نہ ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود کر شہر کو محفوظ کر دیا جائے۔"

حضورؐ نے ان کی تجویز کو بہت پسند کیا اور خندق کھودنے کا حکم جاری کر دیا۔ رسولِ کریمؐ کے ہمراہ تین ہزار صحابہؓ اس کام میں شریک ہوئے اور تقریباً پندرہ دن کی محنتِ شاقہ کے بعد پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق تیار ہو گئی۔ تقسیمِ کار کے وقت انصار اور مہاجرین میں حضرت سلمانؓ کے متعلق ایک دلچسپ بحث چھڑ گئی۔ انصار کہتے تھے: "سلمانؓ ہمارے ساتھ ہیں" اور مہاجرین کہتے تھے "ہمارے ساتھ ہیں۔" حضورؐ نے اس بحث کا حال سُنا تو فرمایا۔

سلمانؓ میرے اہلِ بیت سے ہیں۔"

غزوۂ احزاب کے بعد حضرت سلمانؓ ہر غزوہ میں شریک رہے۔ ان کا عشقِ رسولؐ اور شوقِ جہاد دیکھ کر ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا۔

"جنت تین آدمیوں کا اشتیاق رکھتی ہے۔ علیؓ۔ عمارؓ اور سلمانؓ کا۔

ایک اور موقعہ پر حضورؐ نے انھیں "سلمان الخیر" کا لقب عطا فرمایا۔

❖

سرورِ کائنات کی رحلت کے بعد سلمان فارسیؓ نے عرصہ تک مدینہ میں قیام کیا۔ فاروقِ اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں انھوں نے عراق میں سکونت اختیار کر لی۔ ایران پر لشکر کشی کے وقت وہ بھی مجاہدینِ اسلام میں شریک ہو گئے اور کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ فاروقِ اعظمؓ ان کے مرتبہ شناس تھے۔ انھوں نے سلمانؓ کو مدائن کی گورنری پر مقرر فرمایا اور تقریباً چار یا پانچ ہزار درہم ان کی تنخواہ مقرر کی۔ لیکن ان کو جو تنخواہ ملتی اسے مساکین میں تقسیم کر دیتے اور خود چٹائی بُن کر روزی کماتے۔ چٹائی کی آمدنی کا ایک تہائی خیرات کر دیتے۔ خطبہ دیتے تو ایک معمولی عبا پہن کر۔ بغیر زین کے ایک معمولی گدھے پر سوار ہو کر کہیں جاتے تو بعض لوگ ان کو دیکھ کر ہنستے۔ لیکن وہ صاف کہہ دیتے۔

خیر و شر کا اندازہ تو اس زندگی کے بعد ہو گا۔ آج جتنا جی چاہے ہنس لو۔

ان کے پاس اونٹ کے بالوں کا ایک بوسیدہ کمبل تھا۔ دن کے وقت اسے اپنے بدن پر ڈال لیتے اور رات کو سوتے وقت اوڑھ لیتے۔ جب وہ اپنے درویشانہ لباس میں ملبوس باہر نکلتے تو لوگ کہتے "گرگ آمد۔ گرگ آمد۔"

ایک دن مدائن کے بازار میں جا رہے تھے کہ ایک ناواقف شخص نے انھیں مزدور سمجھ کر اپنا سامان اٹھانے کے لیے کہا۔ حضرت سلمانؓ سامان اٹھا کر اس کے پیچھے چل پڑے۔ راستے میں لوگوں نے دیکھا تو کہا۔ "اے صاحبِ رسولؐ۔ اے امیرؓ آپ نے یہ بوجھ کیوں اُٹھا رکھا ہے۔ لایئے ہم اسے پہنچا دیں۔"

سامان کا مالک ہکا بکا رہ گیا۔ نہایت شرمندہ ہو کر حضرت سلمانؓ سے معافی مانگی اور ان کے سر سے سامان اتروانا چاہا۔ حضرت سلمانؓ نے فرمایا۔

بھائی تو نے یہ سامان اٹھوا کر اپنے مکان تک لے جانے کا ارادہ کیا تھا۔ اب میں اسے منزلِ مقصود پر پہنچا کر ہی دم لوں گا۔"

ایک دفعہ ایک شخص حضرت سلمان فارسیؓ کے گھر گیا۔ دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے آٹا گوندھ رہے ہیں۔ پوچھا' خادم کہاں ہے؟ حضرت سلمانؓ نے جواب دیا کسی کام سے بھیجا ہے۔ میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ دو دو کاموں کا بوجھ اس پر ڈالوں۔"

ایک دن کسی شخص نے حضرت سلمان فارسیؓ کو گالیاں دیں۔ آپ نے فرمایا: بھائی اگر قیامت کے دن میرے گناہوں کا پلہ بھاری ہو گا تو جو کچھ تو نے کہا ہے میں اس سے بھی بدتر ہوں اور اگر میرے گناہوں کا پلہ ہلکا ہوا تو تیری بات سے مجھے کیا ڈر ہے۔"

" ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت سلمانؓ سے کہا آپ بے گھر اور بے در ہیں۔ میں آپ کے لیے ایک مکان بنانا چاہتا ہوں۔" حضرت سلمانؓ نے انکار کیا لیکن وہ شخص پیہم اصرار کرتا رہا۔ آخر حضرت سلمانؓ نے فرمایا: بھائی! اگر تمہیں میرے لیے مکان ضرور ہی بنانا ہے تو اس طرح بناؤ کہ اگر لیٹوں تو پیر دیواروں سے لگیں اور اگر کھڑا ہوں تو سر چھت سے مل جائے۔" اس شخص نے ان کی خواہش کے مطابق مختصر سی جھونپڑی بنا دی۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے ۳۵ھ میں بعہدِ خلافت امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ وفات پائی۔ مرض الموت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان کی عیادت کے لیے گئے تو حضرت سلمانؓ زار زار رونے لگے۔ حضرت سعدؓ نے پوچھا۔

" ابو عبداللہ (سلمانؓ فارسی کی کنیت) رونے کا کون سا محل ہے۔ رسولِ کریمؐ تم سے راضی رخصت ہوئے۔ اب تو خلدِ بریں میں اپنے آقا سے ملاقات ہو گی۔"

حضرت سلمانؓ نے جواب دیا' خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ مجھے دنیا کی خواہش ہے، بلکہ اس لیے روتا ہوں کہ سرورِ کائناتؐ نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ دنیا جمع نہ کرنا اور دنیا سے اس طرح جانا جس طرح میں جاتا ہوں۔ اب میرے پاس اسباب جمع ہو گیا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں اپنے آقا کے جمال سے محروم نہ ہو جاؤں۔"

یہ اسباب جس کی وجہ سے حضرت سلمانؓ گریہ وزاری کر رہے تھے محض ایک بڑے پیالے' ایک

لوٹے، ایک بوسیدہ کمبل اور ایک تسلہ پر مشتمل تھا۔ تکیہ کی جگہ سر کے نیچے دو اینٹیں رکھی ہوئی تھیں۔
آپ نے حضرت سعدؓ اور دوسرے لوگوں کو نصیحت کی کہ "ہر حال میں خدا کو یاد رکھو اور کوشش کرو کہ حج یا جہاد کرتے ہوئے یا قرآن پڑھتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کرو اور خیانت کی حالت میں نہ مرو۔"

حضرت سلمانؓ کو سرورِ کونینؐ سے والہانہ محبت تھی۔ وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ حضورؐ کی خدمت میں گزارتے تھے اور مقدور بھر فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہوتے۔

مستدرکِ حاکم میں خود حضرت سلمانؓ سے مروی ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپؐ ایک تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ آپؐ نے اس کو میرے سامنے ڈال دیا اور فرمایا "اے سلمان! اگر کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملنے جائے اور وہ ازراہِ تعظیم اس کے لیے اپنا تکیہ پیش کردے تو خدا اس کی مغفرت فرمادے گا۔"

حضرت سلمانؓ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس گئے تو انہوں نے بھی ازراہِ تکریم اپنی پشت کا تکیہ حضرت سلمانؓ کو پیش کردیا۔ حضرت سلمانؓ نے حضرت عمرؓ کو دعا دی اور وہ واقعہ بیان کیا جس میں حضورؐ نے انہیں اپنا تکیہ مرحمت فرمایا تھا۔

حضرت سلمانؓ کی شادی قبیلہ کندہ میں ہوئی۔ نکاح کے بعد بیوی کے یہاں گئے تو دیکھا کہ دیواروں پر جگہ جگہ پردے آویزاں ہیں۔ فرمایا "کیا اس گھر کو بخار ہے کہ اسے ہوا سے بچنے کے لیے کپڑے اڑھائے گئے ہیں یا کعبہ مکہ معظمہ سے قبیلہ کندہ میں آگیا ہے جہاں اس پر غلاف چڑھایا گیا ہے۔" اس کے بعد انھوں نے دروازے کے پردے کے سوا تمام پردے دیواروں سے الگ کرادیئے یہاں تک کہ دیواریں صاف نظر آنے لگیں۔

حضرت سلمانؓ سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں ان کے علاوہ تین میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں۔ حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور اوس بن مالکؓ ان کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ روایتِ حدیث میں بے حد احتیاط سے کام لیتے تھے اور دوسروں سے بھی ایسی ہی توقع کرتے تھے۔

خدا نے دینِ اسلام میں تنگی نہیں بلکہ آسانیاں پیدا کی ہیں

سیّارہ ڈائجسٹ کی ایک اور دینی پیشکش

فہمِ دین نمبر

شائع ہو گیا ہے

سماجی زندگی کو درپیش چھوٹے چھوٹے
مسائل سے لے کر عبادات کے
بنیادی مسائل تک ——

ہر مسئلے کا قرآن و حدیث کی روشنی میں انتہائی آسان الفاظ میں حل

اپنے قریبی بکسٹال یا ہاکر سے طلب فرمائیں

سیّارہ ڈائجسٹ

سیارہ ڈائجسٹ ۱۶۰۔ بی سانده روڈ۔ لاہور۔ فون ۷۳۵۷۱۵۲

ذخیرۂ کتب
حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فاروق سلطان قادری (1955-2016)
جھنگ - پنجاب

اَصحابی کالنّجوم
میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں (ارشادِ نبویؐ)

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اُمیّہ بن خلف کے کانوں میں حضرت بلالؓ کے قبولِ اسلام کی بھنک پڑی تو وہ آگ بگولا ہوگیا۔ اس نے حضرت بلالؓ کو بُلا کر پوچھا۔

"مَیں نے سُنا ہے کہ تم نے کوئی اور معبود ڈھونڈ لیا ہے۔ سچ بتاؤ تم کس معبود کی پرستش کرتے ہو؟"

حضرت بلالؓ نے بے دھڑک جواب دیا۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی۔"

اُمیّہ نے آنکھیں لال پیلی کرکے کہا،

"محمدؐ کے خدا کی پرستش کرنے کا یہ مطلب ہے کہ تو مقدس لات وعزّیٰ کا دُشمن ہوگیا ہے۔ سیدھی طرح راہِ راست پر آجاؤ ورنہ ذلّت کے ساتھ مارے جاؤ گے۔ میں یہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتا کہ تم لات وہبل کے ایک نام لیوا کے غلام ہوکر محمدؐ کے خدا کی پرستش کرو۔"

حضرت بلالؓ صہبائے توحید کے نشہ میں مست ہوچکے تھے نتائج وعواقب سے بے پروا ہوکر جواب دیا۔

"میرے جسم پر تمہارا زور چل سکتا ہے لیکن میں اپنا دل اور اپنی جان محمدؐ اور محمدؐ کے خدا کے پاس رہن رکھ چکا ہوں۔ اب ذاتِ واحد کی عبادت ہی میری زندگی کا منتہائے مقصود ہے، تمہارے خود ساختہ معبودوں کو پوجنا میرے بس کی بات نہیں۔"

امیہ بن خلف غیظ و غضب سے دیوانہ ہوگیا۔ ایک بے کس غلام اور یوں اسکے منہ آئے؟ اس نے کڑک کر کہا۔

"اچھا تو پھر اپنی بے دینی کا مزہ چکھ۔ دیکھوں گا کہ محمدؐ اور محمدؐ کا خدا تمہیں کیسے چھڑاتے ہیں۔"

یہ کہہ کر اس ظالم نے حضرت بلالؓ پر جور و ستم کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کردیا۔ مکہ میں حرہ کی زمین گرمی کے سبب دھوپ میں تانبے کی طرح گرم ہو جاتی ہے۔ امیہ دوپہر کے وقت حضرت بلالؓ کو گھر سے نکال کر لے جاتا اور حرہ کی جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر ایک بھاری پتھر ان کے سینے پر رکھ دیتا تاکہ جنبش نہ کرسکیں۔ پھر کہتا کہ محمدؐ کی پیروی سے باز آجا اور لات و عزیٰ کے معبود ہونے کا اقرار کرلے ورنہ اسی طرح پڑا رہے گا۔ اس کے جواب میں شیدائے حق حضرت بلالؓ کی زبان سے اَحَدْ اَحَدْ کی آواز نکلتی تھی۔ امیہ غضب ناک ہوکر ان کو زدوکوب کرنا شروع کر دیتا لیکن وہ اَحَدْ اَحَدْ ہی کہے چلے جاتے۔ ایک دن تو اس ظالم نے شقاوت کی انتہا کر دی اس نے پوری رات اور ایک دن حضرت بلالؓ کو بھوکا پیاسا رکھا اور تپتی ہوئی ریت پر ان کے رقصِ بسمل کا تماشا دیکھتا رہا۔

مشہور صحابی حضرت عمرؓو بن العاص سے روایت ہے کہ میں نے بلالؓ کو اس حالت میں دیکھا کہ امیہ نے ان کو ایسی سخت تپتی ہوئی زمین پر لٹا رکھا تھا کہ جس پر گوشت رکھ دیا جاتا تو وہ گل جاتا مگر وہ اس حالت میں بھی کہہ رہے تھے کہ میں لات و عزیٰ کا انکار کرتا ہوں۔ امیہ نے دیکھا کہ اتنی سختیوں کے باوجود اس عاشقِ ذوالجلال کی جبیں ہمت پر شکن تک نہیں پڑی تو اس کی آتشِ غضب اور بھڑک اٹھی۔ اس نے اپنے دوسرے غلاموں اور بنو جمح کے لونڈوں کو کہا کہ لات و ہبل کے اس باغی کو اتنی اذیتیں دو کہ وہ محمدؐ اور محمدؐ کے خدا کا نام لینا چھوڑ دے۔ یہ بدبخت امیہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے حضرت بلالؓ کو بری طرح مارتے پیٹتے، دن کے وقت ان کے کپڑے اتروا کر لوہے کی زرہ پہناتے اور دھوپ میں ڈال دیتے، شام کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک کوٹھڑی

میں پھینک دیتے اور رات کو انہیں تازیانے رسید کرتے تھے لیکن حضرت بلالؓ کی زبان سے اَحَدٌ اَحَدٌ کے سوا کچھ نہ نکلتا۔

طبقات میں ہے کہ اُمیہ حضرت بلالؓ کے گلے میں رسّی باندھ کر انہیں لونڈوں کے حوالے کر دیتا اور وہ انہیں مکّے کی گھاٹیوں میں گھسیٹتے پھرتے، پھر جلتی ہوئی ریت پر لاکر اوندھے منہ لٹا دیتے اور ان پر پتھروں کا ڈھیر لگا دیتے لیکن حضرت بلالؓ اَحَدٌ اَحَدٌ ہی کہے جاتے۔ شاعرِ دربارِ رسالت حضرت حسانؓ بن ثابت سے روایت ہے کہ میں زمانۂ جاہلیت میں حج (یا عمرے) کے لیے مکّے گیا تو دیکھا کہ لڑکوں نے بلالؓ کو ایک رسّی سے باندھ رکھا ہے اور اِدھر اُدھر گھسیٹ رہے ہیں لیکن وہ کہے جا رہے ہیں کہ میں لات وعزّیٰ اور ہبل اور دوسرے سب کا انکار کرتا ہوں۔

غرض حضرت بلالؓ مدّت مدید تک ایسے زہرہ گداز مظالم کی چکّی میں پستے رہے۔ ان کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو شدید زخمی نہ ہو۔ لیکن کوئی بھی سختی اور اذیت اُن کے ایمان کو متزلزل نہ کر سکی۔

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا گھر بنو جمح کے محلّے ہی میں تھا وہ آتے جاتے حضرت بلالؓ کو نت نئے مظالم و شدائد کا نشانہ بنتے دیکھتے تو بے تاب ہو جاتے اور سوچنے لگتے کہ اس مظلوم کو مشرکین کے پنجہ ستم سے کیسے چھڑایا جائے۔ ایک دن ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ اُمیہ کے گھر تشریف لے گئے اور کہا۔

"اے امیہ اس بے گناہ اور بے کس غلام پر اتنا ظلم نہ کرو۔ تمہارا اس میں کیا نقصان ہے کہ وہ خدائے واحد کی عبادت کرتا ہے اگر تو اس پر احسان کرے تو یہ احسان آخرت کے دن تیرے کام آئے گا۔"

اُمیہ نے نہایت حقارت سے جواب دیا۔

"میں تمہارے خیالی یومِ آخرت کا قائل نہیں۔ جو میرے جی میں آئے گا کروں گا۔"

صدیقِ اکبرؓ اس کے جواب سے دل برداشتہ نہ ہوئے بڑی نرمی سے سمجھایا کہ تم صاحبِ قوت ہو، اس بے کس غلام پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنا تمہارے شایانِ شان نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی گفتگو سے تنگ آکر اُمیہ نے کہا

"ابن ابی قحافہ تم اس غلام کے اتنے ہمدرد ہو تو اسے خرید کیوں نہیں لیتے؟"

صدیقِ اکبرؓ نے جھٹ فرمایا۔ "بولو کیا لوگے۔"
اُمیّہ نے کہا: "تم اپنا غلام فسطاس رومی مجھے دے دو اور اسے لے جاؤ۔"
فسطاس رومی بڑا کارگزار غلام تھا اور اہلِ مکّہ کے نزدیک اس کی بہت زیادہ قیمت تھی۔ اُمیّہ کا خیال تھا کہ ابوبکرؓ اس کو دینے پر کبھی رضامند نہ ہوں گے لیکن حضرت ابوبکرؓ فوراً بولے: "مجھے منظور ہے۔"
اُمیّہ حیران رہ گیا، ڈھٹائی سے بولا۔
"فسطاس کے ساتھ چالیس اوقیہ چاندی بھی لوں گا۔"
حضرت ابوبکر صدیقؓ اس پر بھی رضامند ہو گئے۔
امیّہ نے بزعمِ خود بڑے نفع کا سودا کیا۔ جب صدیقِ اکبرؓ بلالؓ کو ساتھ لے کر چلنے لگے تو ہنس کر کہنے لگا۔
"ابن ابی قحافہ تمہاری جگہ میں ہوتا تو اس غلام کو درم کے چھٹے حصّے کے عوض بھی نہ خریدتا۔"
حضرت صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا۔
"اُمیّہ تو اس غلام کی قدر و قیمت سے واقف نہیں مجھ سے پوچھو تو یمن کی بادشاہی بھی اس کی قیمت میں ہیچ ہے۔"
یہ کہہ کر حضرت بلالؓ کو آزاد کر دیا اور ساتھ لے کر بارگاہِ رسالتؐ میں پہنچے، سارا واقعہ حضورؐ کو سنایا تو آپؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔
"ابوبکرؓ اس کارِ خیر میں مجھے بھی شریک کرلو۔"
صدیقِ اکبرؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ میں نے اسے آزاد کر دیا ہے۔"
مشرکین کے پنجۂ ستم سے رہائی پانے کے بعد حضرت بلالؓ نے اپنے آپ کو ہمہ تن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ دُکھ ہو یا سُکھ، سفر ہو یا حضر، وعظ و تبلیغ کی مجالس ہوں یا جنگ کا میدان، وہ ہمیشہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔
حضرت بلالؓ عشقِ رسولؐ میں فنا تھے۔ وہ ہمیشہ رحمتِ عالمؐ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ حضورؐ کسی کام کا حکم دیتے تو اس کو انجام دینے میں اپنی جان لڑا دیتے۔ آپؐ نے اپنے بیشتر خانگی امور ان کے سپرد کر دیئے تھے۔ وہ حضورؐ کے مؤذن ہی نہ تھے بلکہ ایک عابد،

شب زندہ دار بھی تھے اور فکرِ آخرت سے ہر وقت لرزہ براندام رہتے تھے۔ ان کی بیوی ہند کا بیان ہے کہ حضرت بلالؓ اپنے بستر پر لیٹتے تو فرماتے۔

• الٰہی میرے گناہوں سے درگزر فرما اور میری بیماریوں میں مجھے معذور سمجھ۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن فجر کی نماز کے وقت حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو بلا کر پوچھا۔

• اے بلال مجھے تم اپنا کوئی ایسا عمل بتاؤ جس پر سب سے زیادہ اجر و ثواب کی امید ہو کیونکہ میں نے جنت میں تمہارے جوتوں کی چاپ سنی ہے۔

عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ میں نے ایسا عمل تو کوئی نہیں کیا۔ البتہ رات دن میں میرا کوئی وضو ایسا نہیں ہے جس کے بعد میں نے نماز نہ پڑھی ہو۔"

حضرت بلالؓ کو بارگاہِ رسالت میں جو قرب حاصل تھا اس کی بنا پر تمام صحابہ کرامؓ ان کو نہایت محبوب و محترم جانتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے۔

• ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں اور انھوں نے ہمارے سردار بلالؓ کو آزاد کرایا۔"

آپ کے والد رباح حبشی تھے وہ اپنی اہلیہ حمامہ کے ہمراہ مستقلاً مکّہ میں آبسے تھے اور قریش کے خاندان بنوجمح کی غلامی اختیار کی تھی۔ اسی غلامی کی حالت میں بعثتِ نبویؐ سے تقریباً اٹھائیس برس پہلے رباح اور حمامہ کے فرزند بلالؓ پیدا ہوئے۔ بلالؓ نے ہوش کی آنکھیں کھولیں تو چاروں طرف کفر و شرک کی ضلالت کو محیط پایا۔ ان کا آقا امیہ بن خلف جمحی بھی سخت مشرک تھا اسی کی غلامی میں انھوں نے زندگی کے اٹھائیس برس گزار دیئے، اسی اثنا میں ان کے کانوں میں دعوتِ توحید کی صدا پہنچی۔ یہ بعثت کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی رازداری کے ساتھ تبلیغِ حق کا آغاز فرمایا تھا۔ حضرت بلالؓ طبعاً نہایت نیک نفس اور پاکباز تھے اور بعثت سے پہلے بھی وہ حضورؐ کے اخلاقِ عالیہ سے متاثر ہو چکے تھے۔ چنانچہ صدائے توحید سنتے ہی انہوں نے بلا تامل اس پر لبیک کہا اور اپنا دل و جان رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کر بیٹھے۔ اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ وہ ان سات سعید الفطرت ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے سب سے پہلے ایمان قبول کیا۔ اس طرح ان کو السّابقون الاوّلون کی معزز

الٰہی جماعت میں بھی امتیازی درجہ حاصل ہو گیا۔
قبولِ اسلام کے بعد حضرت بلالؓ زہد و فقر میں ہمیشہ اپنے آقا و مولاؐ کے شریک رہے۔ اگر حضورؐ کو فاقہ ہوتا تو وہ بھی فاقہ سے ہوتے۔ اگر حضورؐ کو کوئی دکھ پہنچتا تو وہ بھی سخت دکھی ہو جاتے۔ ترمذی شریف میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو نہیں ستایا گیا۔ ایک دفعہ تیس رات دن مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلال کے لیے کھانے کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے سوائے اس کے جو بلال نے اپنی بغل کے نیچے چھپا رکھا تھا۔"
سنہ ۱۳ بعثت میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی تو حضرت بلالؓ بھی حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل میں ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور حضرت سعدؓ بن خیثمہ انصاری کے مہمان ہوئے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں حضرت بلالؓ کو حضرت ابو رویحہؓ عبداللہ بن عبدالرحمٰن خثعمی انصاری کا اسلامی بھائی بنایا۔ ان دونوں بھائیوں میں اس قدر محبت تھی کہ حضرت بلالؓ کو کہیں باہر جانا پڑتا تو اپنے تمام امور کی ذمہ داری حضرت ابو رویحہؓ کو سونپ جاتے۔
ہجرتِ نبویؐ کے کچھ عرصہ بعد حضرت بلالؓ نے اپنا گھر بسانا چاہا لیکن ان کی حالت یہ تھی کہ شادی کی مطلق استطاعت نہ تھی، علاوہ ازیں وہ حسنِ ظاہری سے بھی محروم تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک غریب الدیار تھے۔ مگر ان میں کوئی خوبی تھی تو وہ صرف یہ تھی کہ شمعِ رسالت کے پروانوں میں شامل تھے۔ ان کو توقع نہ تھی کہ ان جیسے، مفلس اور غریب الوطن حبشی زادہ کو شرفائے عرب میں سے کوئی اپنی لڑکی کا رشتہ دینے پر آمادہ ہو گا لیکن ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جونہی انھوں نے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تمام مہاجرین اور انصار نے جو شرفائے عرب کا خلاصہ تھے ان کے سامنے دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیئے، ہر ایک نے بصد خلوص آگے بڑھ کر کہا کہ آپ کو اپنا خویش بنانے سے بڑھ کر ہمارے لیے کون سی عزت ہو سکتی ہے۔ یہاں تک کہ ان صاحبِ رسولؐ کو رشتہ کا انتخاب مشکل ہو گیا۔

حضرت بلالؓ شام کے جہاد میں شریک ہونے کے لیے مدینہ سے چلنے لگے تو امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے پوچھا کہ بلالؓ تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟ انھوں نے جواب دیا۔

"ابورویحہ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ ان کا جو رشتہ اخوت قائم فرمایا ہے وہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔"

حضرت بلالؓ کو بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ غزوۂ بدر میں وہ اٹا گوندھ رہے تھے کہ اُن کی نظر امیہ بن خلف پر پڑی جسے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف گرفتار کر کے لے جا رہے تھے۔ حضرت بلالؓ کو اُمیہ کی اسلام دشمنی یاد آگئی اور وہ پکارنے لگے "اے انصار اللہ و انصار الرسولؐ یہ امیہ بن خلف مشرکوں کا سرغنہ ہے دیکھنا بچ کے نہ جانے پائے" ان کی آواز سنتے ہی چند صحابہ کرامؓ اُدھر دوڑے اور آناً فاناً اُمیہ کو جہنم واصل کر دیا۔

ہجرت کے بعد مسجدِ نبوی کی تعمیر ہوئی اور اذان کی ابتدا ہوئی تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دینے کی خدمت حضرت بلالؓ کے سپرد فرمائی اسطرح وہ اسلام کے سب سے پہلے مؤذن ہیں۔

حضرت بلالؓ کی آواز نہایت بلند اور دلکش تھی۔ حسنِ صوت کے ساتھ اس میں ایسی تاثیر تھی کہ جو سنتا سب کام چھوڑ چھاڑ کر والہانہ نماز کے لیے مسجد کی طرف لپکتا تھا۔ ۸ھ ہجری میں مکہ فتح ہوا تو حضرت بلالؓ حسبِ معمول سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ تطہیرِ کعبہ کے بعد آپؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا۔

"اے بلالؓ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر توحید کی صدائے تکبیر بلند کرو۔"

حضرت بلالؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ جب وہ اپنی دلکش آواز سے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پکار رہے تھے تو زمین و آسمان پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔

حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ اس وقت اور اس اذان کے بارے میں فرماتے ہیں:-

"یہ وقت بھی اپنے اندر نہایت نعمت و بزرگی رکھتا تھا جس کے دامنِ جلال تک دستِ ادراک کی رسائی ناممکن ہے' اس وقت کی عظمت کو حاملانِ

عرش سے پوچھنا چاہیئے کہ حضرت بلالؓ کی اذان کی آواز وہاں تک پہنچی تھی بلکہ اس سے بھی گزر گئی تھی۔ خداوندا اس وقت کے طفیل ہمیں دینِ اسلام پر ثابت قدم رکھ اور کلمۂ اسلام کو اور بلند فرما۔"

۱۱ھ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سفرِ آخرت اختیار فرمایا تو حضرت بلالؓ پر غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ طبرانی نے عبداللہؓ بن محمد، عمرؓ اور عمارؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ نے خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی؛

"اے خلیفۂ رسول میں نے اپنے آقاؐ کو یہ فرماتے سُنا کہ مومنین کے لیے سب سے افضل عمل جہادِ فی سبیل اللہ ہے، میرا ارادہ ہے کہ اب میں تادمِ مرگ جہادِ فی سبیل اللہ میں مشغول رہوں۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔

"اے بلال میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں اور اپنی حرمت اور اپنے حقوق کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری عمر زیادہ ہو چکی ہے، میرے قوار کمزور ہو گئے ہیں اور میری وفات قریب ہے اس وقت تم مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔"

حضرت بلالؓ نے صدیقِ اکبرؓ کی بات مان لی اور مدینہ منورہ میں ہی ٹھہر گئے۔

بیت المقدس کی تسخیر کے سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ کو بہ نفسِ نفیس شام جانا پڑا۔ ان کے بیت المقدس پہنچنے پر عیسائیوں نے شہر کے دروازے کھول دیے اور خلیفۃ المسلمین نے عیسائیوں سے معاہدۂ صلح مرتب کیا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد انھوں نے مسلمانوں کے سامنے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ سامعین میں حضرت بلالؓ بھی موجود تھے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"اے ہمارے سردار بلال آج اسلام کے قبلۂ اوّل پر پرچمِ توحید لہرایا ہے اس بابرکت موقع پر آپ اذان دیں تو ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔"

حضرت بلالؓ نے عرض کیا۔

"امیر المومنین میں عہد کر چکا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہ دوں گا لیکن آج آپ کے ارشاد کی تعمیل میں اذان دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اذان کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جب ان کے منہ سے اللہ اکبر اللہ اکبر کے

الفاظ نکلے تو صحابہ کرامؓ کے قلب و جگر کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ انہیں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک کا سماں یاد آگیا۔ جب وہ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ پر پہنچے تو صحابہ کرامؓ روتے روتے نڈھال ہوگئے۔ فاروقِ اعظمؓ کو فراقِ رسولؐ نے تڑپا دیا اور روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی۔ حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت معاذؓ بن جبل کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت بلالؓ اذان سے فارغ ہوئے تو بڑی مشکل سے ان عاشقانِ رسولؐ کو قرار آیا۔

شام کے معرکوں سے فارغ ہونے کے بعد حضرت بلالؓ نے وہیں کے ایک گاؤں "خولان" میں مستقل سکونت اختیار کرلی، ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں "اے بلالؓ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم ہماری زیارت کے لیے آؤ۔" اس خواب نے اس عاشقِ صادق کو تڑپا کر رکھ دیا۔ آتشِ فراق بھڑک اٹھی، بے تابانہ مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے تو صبر و قرار کا یارا نہ رہا اور فراقِ حبیبؐ میں اس درد سے روئے کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہوگیا۔ اس موقع پر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بھی موجود تھے۔ اپنے محبوبؐ کے جگر گوشوں کو سینے سے لگا کر بار بار ان کا منہ اور سر چومتے تھے۔ انھوں نے خواہش کی کہ "بابا بلالؓ کل فجر کی اذان روضۂ رسولؐ پر آپ دیں۔" بلالؓ اپنے آقا و مولاؐ کے جگر گوشوں کی خواہش کو کیسے ٹال سکتے تھے۔ فجر ہوئی تو روضۂ رسولؐ کے قریب اذان کے لیے کھڑے ہوگئے۔ جونہی انہوں نے اذان دینی شروع کی مدینہ منورہ کی پوری فضا حشر ساماں ہوگئی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہدِ مبارک لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔ جب حضرت بلالؓ نے روضۂ اقدس کی طرف انگلی کا اشارہ کرکے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ کہا تو پردہ نشین خواتین بھی بے تاب ہوکر گھروں سے باہر نکل آئیں، روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ہادئ برحق سیدِ کونینؐ نے آج ہی وصال فرمایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد مدینہ منورہ میں ایسا دلدوز اور پُراثر منظر آج تک کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔

اُسدُ الغابہ میں لکھا ہے کہ حضرت بلالؓ نے ۲۰ھ میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ اس وقت ان کی عمر ساٹھ برس کے لگ بھگ تھی۔ دمشق میں باب الصغیر کے قریب تدفین

ہوئی ان کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔ جب امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ کو بلالؓ کی وفات کی خبر پہنچی تو وہ روتے روتے نڈھال ہو گئے۔ بار بار فرماتے تھے۔

"آہ ہمارا سردار بلالؓ بھی ہمیں داغِ جدائی دے گیا۔"

عہدِ فاروقی میں ایک مرتبہ قریش کے چند رؤسا حضرت عمر فاروقؓ سے ملاقات کے لیے گئے۔ اسی اثنار میں حضرت بلالؓ بھی وہاں آ پہنچے، حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے حضرت بلالؓ کو اندر بلایا۔ اکابرِ قریش میں سے بعض پر یہ بات گراں گزری اور ان کے منہ سے نکل گیا کہ شرفاء قریش تو انتظار کر رہے ہیں اور بلالِ حبشیؓ کو ان پر ترجیح دے کر شرفِ باریابی بخشا جا رہا ہے۔ اس موقع پر حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل نے کہا۔

"داعئ حقؐ نے ہم سب کو بیک وقت حق کی طرف بُلایا لیکن ہم نے اس کے قبول کرنے میں تاخیر کی اور بلالؓ جیسے لوگ ہم پر سبقت لے گئے لہذا اب بھی وہی شرفِ اوّلیت رکھتے ہیں اور ہمیں شکایت کا کوئی حق حاصل نہیں۔"

حضرت بلالؓ کے جوشِ ایمان کی یہ کیفیت تھی کہ ایمان کو تمام اعمالِ حسنہ کی بنیاد سمجھتے تھے، ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کون سا ہے؟ فرمایا، اللہ اور اس کے رسولؐ پر صدقِ دل سے ایمان لاؤ، پھر جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ ادا کرو اور پھر حج بیت اللہ کا فرض ادا کرو۔

غریبوں کی مدد

ایک بار رسول اللہؐ اپنی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ مہاجرین کی ایک جماعت حضورؐ کے پاس آئی یہ سب مہاجر اتنے غریب تھے کہ نہ اُن کے بدن پر کپڑے تھے اور نہ اُن کے پاؤں میں جوتے۔ صرف ایک چادر ان کے بدن پر تھی اور گلے میں ایک تلوار لٹکی ہوئی تھی۔

حضورؐ نے انھیں اس حال میں دیکھا تو آپؐ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ نماز کا وقت ہو رہا تھا آپ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دو۔ صحابہؓ جمع ہو گئے۔ آپؐ نے نماز کے بعد صحابہؓ سے خطاب کیا اور فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی اس حال میں ہیں، ان کی مدد کرو۔

حضورؐ کی تقریر سُن کر فوراً ایک انصاری اُٹھے اور ایک توڑا جس کا اتنا وزن تھا کہ مشکل سے اُٹھ سکتا تھا لاکر حضورؐ کے سامنے ڈال دیا اور عرض کیا" یا رسول اللہ، یہ حاضر ہے۔ اس سے ان مہاجروں کی مدد فرمایئے۔"

انصاری کا یہ ایثار دیکھ کر صحابہؓ میں اور جوش پیدا ہو گیا اور وہ سب اُٹھ اُٹھ کر اپنے گھروں سے سامان لانے لگے۔ ذرا سی دیر میں ان بے سرو سامان مہاجرین کے آگے غلے اور کپڑوں کا ڈھیر لگ گیا۔

اصحابی کالنجوم
میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشاد نبوی)

ذخیرہ کتب
حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فاروق سلطان قادری (الازہری)
(1955-2016)
جھنگ - پنجاب

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہجرت فرمانے کے بعد جب ہادیٔ اکرمؐ یثرب کی جنوبی سمت سے شہر میں داخل ہوئے تو جس والہانہ جوش و خروش اور بے پناہ ذوق و شوق سے اہلِ یثرب نے رحمتِ عالمؐ کا استقبال کیا تاریخِ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس دن یثرب "مدینۃ النبیؐ" بن گیا اور اس کی زمین رشکِ آسمان بن گئی۔ انصار کے وفورِ مسرت کا یہ عالم تھا کہ قبا سے لے کر مدینہ تک تین میل کا راستہ جمالِ رسالت کے مشتاقانِ دید سے پٹا پڑا تھا۔ مدینہ کے حبشی غلام وفورِ مسرت میں اپنے فوجی کرتب دکھا رہے تھے اور بچے جاء رسول اللہ (رسول اللہ آئے) کے نعرے لگاتے ہوئے ہر طرف خوشی سے اُچھل کُود رہے تھے۔ جوشِ مسرت میں خواتین گھروں کی چھتوں پر نکل آئی تھیں، دوشیزہ لڑکیاں غرفوں سے جھانک رہی تھیں۔ بچیاں مسرت سے گا رہی تھیں:

ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے۔
کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔
جب تک دُعا مانگنے والے دُعا مانگیں
اے ہم میں مبعوث ہونے والے۔
آپ ایسے امر کے ساتھ آئے ہیں جس کی اطاعت فرض ہے۔

بنو نجار کے جوش و خروش اور مسرت و ابتہاج کی تو کوئی انتہا نہ تھی کیونکہ حضورؐ کے ننھیالی رشتہ دار ہونے کی بنا پر ان کو یقین تھا کہ سرورِ عالم انہی کو شرفِ میزبانی بخشیں گے اور اس طرح ان کو محبوبِ کبریا کا ہمسایہ بننے کی سعادت نصیب ہوگی۔

کوکبۂ نبوی جوں جوں آگے بڑھتا تھا انصار کے اشتیاق و تمنا کی بے تابیاں بڑھتی جاتی تھیں انصار کا ہر قبیلہ اور فرد سراپا اشتیاق بنا ہوا تھا۔ ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ رحمتِ دو عالمؐ کا شرفِ میزبانی اسے حاصل ہو۔ رؤسائے قبائل حضرت عتبانؓ بن مالک، سعدؓ بن عبادہ، عبداللہؓ بن رواحہ، عباسؓ بن عبادہ، خارجہؓ بن زید، زیادؓ بن لبید، فروہؓ بن عمرو، سعدؓ بن ربیع، سلیطؓ بن قیس، منذرؓ بن عمرو، ابو سلیط اسیرہؓ بن ابی خارجہ نے فرداً فرداً حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: "یارسول اللہ ہمارا غریب خانہ حاضر ہے اس میں قدم رنجہ فرمایئے۔"

سرورِ کونینؐ پر اس وقت نزولِ وحی کی کیفیت طاری تھی۔ آپؐ اپنے چاہنے والوں کے حق میں دعائے خیر کرتے اور پھر فرماتے:

"اس ناقہ کو چھوڑ دو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی جس کا نام قصوا تھا۔ حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو منزلہ مکان کے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا اصل نام خالد بن زید تھا لیکن ان کی کنیت "ابوایوب" اتنی مشہور ہوگئی تھی کہ اصل نام پس پردہ چلا گیا۔

حضرت ابوایوبؓ خزرج کے خاندان بنو نجار کے رئیس تھے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ننھیالی رشتہ دار تھا۔ مالک بن نجار کی اولاد سے ہونے کی بنا پر انھیں المالکی اور انصار کے ازدی ہونے کی وجہ سے الازدی بھی لکھا جاتا ہے۔

حضرت ابوایوب کی والدہ کا نام ہند بنتِ سعد خزرجی تھا جو حضرت ابوایوب کے والد زید بن کلیب کی ماموں زاد بہن تھیں۔

حضرت ابوایوبؓ ہجرتِ نبوی سے اکتیس برس قبل (۲۰ عام الفیل) میں یثرب میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار انصار کے سابقون الاولون میں ہوتا ہے وہ حضورؐ کے مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرمانے سے پہلے ہی حضرت مصعبؓ بن عمیر کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں دولتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو چکے تھے۔ اس کے بعد انھیں بیعتِ عقبۂ کبیرہ میں شامل ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا اس موقع پر انہوں نے اپنے ۷۲ رفقاء کے ساتھ ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ

مقدس پیمان وفا باندھا کہ :۔

"یارسول اللہ آپ یثرب میں قدم رنجہ فرمائیں تو خدائے برتر کی قسم ہم اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ آپ کی حفاظت اور مدد کریں گے"۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لاتے تو حضرت ابوایوبؓ انصاری کو میزبانئ رسولؐ کا وہ عظیم شرف حاصل ہوا کہ جس پر دوسرے صحابہ کرام ہمیشہ رشک کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوایوبؓ کے مکان کا ایک کمرہ نیچے اور ایک اُوپر تھا، انہوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی "یارسول اللہ آپ غریب خانہ کی بالائی منزل میں قیام فرمائیں"۔ حضورؐ نے فرمایا "مجھ سے ملنے لوگوں کی آمدورفت رہے گی، اس لئے نچلی منزل ہی میرے قیام کے لئے موزوں ہے"۔ چنانچہ حضورؐ کی خواہش کے مطابق حضرت ابوایوبؓ نے مکان کی زیریں منزل خالی کر دی اور خود بالاخانے میں فروکش ہو گئے لیکن انہیں اور ان کی اہلیہ کو ہر وقت یہ خیال مضطرب رکھتا کہ وہ بالائی منزل میں مقیم ہیں اور مہبطِ وحی ورسالتؐ نچلی منزل میں۔

ایک روز بالاخانے پر پانی سے بھرا ہُوا برتن پھوٹ گیا۔ حضرت ابوایوبؓ اس خیال سے مضطرب ہو گئے کہ پانی بہہ کر نیچے جائے گا اور سرورِ عالمؐ کو تکلیف ہو گی۔ گھر میں اوڑھنے کا ایک ہی لحاف تھا۔ حضرت ابوایوبؓ نے فی الفور یہ لحاف گھسیٹ کر پانی پر ڈال دیا تاکہ بہتا ہُوا پانی لحاف کی روئی میں جذب ہو جائے۔ جب پانی کے نیچے بہنے کا امکان نہ رہا تو دونوں میاں بیوی نے اطمینان کا سانس لیا۔

سرورِ کونینؐ اگرچہ اپنی خوشی سے زیریں منزل میں مقیم تھے لیکن حضرت ابوایوبؓ اور ان کی اہلیہ کو بالاخانہ کی سکونت سخت ناپسند تھی۔ اور روحانی اذیت کا باعث بھی یہ روحانی اذیت ایک رات اس قدر شدت اختیار کر گئی کہ دونوں میاں بیوی چھت کے ایک کونے میں سُکڑ کر بیٹھ گئے اور ساری رات اسی حالت میں جاگ کر گزار دی۔ صبح ہوئی تو حضرت ابوایوبؓ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ ہم ساری رات چھت کے ایک کونے میں بیٹھ کر جاگتے رہے۔ حضورؐ نے وجہ دریافت کی تو عرض کیا "ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہم کو ہر لحظہ آپ کی بے ادبی کا اندیشہ دامنگیر رہتا ہے۔ رات کو اس اندیشے نے شدت اختیار کر لی یارسول اللہ ہم غلاموں پر کرم فرمائیے اور بالاخانے پر تشریف لے چلئے۔ حضورؐ کے غلاموں کے لئے آپ کے قدموں کے نیچے رہنا ہی باعثِ سعادت ہے"۔

سرورِ عالمؐ نے حضرت ابوایوبؓ کی درخواست قبول فرمالی اور آپؐ اُوپر کی منزل میں منتقل ہو گئے۔

حضرت ابوایوبؓ اور ان کی اہلیہ نے بکمال مسرت نچلی منزل میں اقامت اختیار کر لی۔

سرورِ کائنات چھ یا سات مہینے ابوایوبؓ کے گھر مقیم رہے۔ اس عرصہ میں حضرت ابوایوبؓ نے جس والہانہ عقیدت سے رحمتِ دوعالمؐ کی خدمت کی وہ ان کے عشقِ رسولؐ پر دال ہے۔ حضرت ابوایوبؓ دونوں وقت ہادیٔ اکرمؐ کی خدمت میں ماحضر پیش کرتے۔ بعض اوقات دوسرے انصار کے ہاں سے بھی کھانا آجاتا۔ کھانے سے جو کچھ بچ جاتا حضورؐ اسے حضرت ابوایوبؓ کے پاس بھیج دیتے۔ ان کی عقیدت کیشی اور حُبِ رسولؐ کا یہ عالم تھا کہ کھانے میں جہاں سرورِ عالمؐ کی انگلیوں کے نشانات ہوتے تھے بہ خیال تبرک و اتباعِ رسولؐ انہی پر اپنی انگلیاں رکھ کر کھانا تناول کرتے تھے۔

ہجرت کے چھٹے مہینے حضورؐ نے مہاجرین اور انصار کے مابین رشتۂ مواخاۃ قائم فرمایا تو حضرت ابوایوبؓ کو مدینہ میں اسلام کے معلّمِ اوّل حضرت مصعبؓ بن عمیر کا بھائی بنایا۔ عقدِ مواخاۃ کے چند دن بعد مسجد اور اس کے ساتھ دو حجروں کی تعمیر مکمل ہو گئی تو سرورِ عالم حضرت ابوایوبؓ کے گھر سے ان حجروں میں منتقل ہو گئے۔

ہجرت کے معاً بعد مدینہ کے منافقوں اور یہودیوں نے فرزندانِ توحید کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ حضورؐ کو ان کی سازشوں کا علم ہوا تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ رات کو ہتھیار باندھ کر سویا کریں اور کچھ آدمی جاگ کر پہرہ دیا کریں تاکہ قریشِ مکہ اور دوسرے دشمنوں کے ناگہانی حملہ کا تدارک کیا جا سکے۔ ایک موقعہ پر حضرت ابوایوبؓ نے رات بھر کاشانۂ نبوی پر پہرہ دیا، صبح ہوئی تو سرورِ عالمؐ نے ان کے حق میں دُعا مانگی :۔

"اے ابوایوبؓ خدا تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے کہ تم نے اس کے نبیؐ کی نگہبانی کی"۔

یہ حضورؐ کی دُعا ہی کا اثر تھا کہ حضرت ابوایوبؓ زندگی بھر مصائب و آلام سے محفوظ رہے اور وفات کے بعد بھی صدیوں تک نصاریٰ ان کی قبر کی حفاظت اور نگرانی کرتے رہے حتیٰ کہ ان کا مدفن یعنی قسطنطنیہ ہی مسلمانوں کے زیرِ نگیں آگیا۔ آج بھی ترکی حکومت ان کی قبر کی نگران ہے اور وہاں عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے۔

۲ ہجری میں غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو بدر سے بیعتِ رضوان تک اور بیعتِ رضوان سے حنین تک کوئی معرکہ اور موقعہ ایسا نہ تھا جس میں حضرت ابوایوبؓ رحمتِ عالمؐ کے ہم رکاب نہ رہے ہوں اگر ایک طرف وہ تین سو تیرہ اصحابِ بدر کے مقدس گروہ میں شامل ہیں تو دوسری طرف ان چودہ سو جاں نثارانِ رسولؐ میں نظر آتے ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ نے اصحاب الشجرہ کہہ کر پکارا اور کھلے لفظوں میں جنت کی بشارت دی۔

۱۱ ہجری میں سرورِ کونینؐ کے وصال کے بعد حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے حالات زندگی نمایاں نظر نہیں آتے۔ عہدِ فاروقی کے بعض معرکوں میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا نام صراحت کے ساتھ ملتا ہے۔ لکھا ہے کہ بیسان کی لڑائیوں میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ فتح مصر کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے ایک لشکر شمالی افریقہ کی تسخیر کے لئے روانہ کیا تھا جو یلغار کرتا ہوا برقہ تک جا پہنچا اور اس پر علم اسلام لہرا کر واپس آیا۔ اس لشکر میں حضرت ابو ایوبؓ انصاری بھی شامل تھے۔ الغرض عہدِ فاروقی کے کئی معرکوں میں وہ ایک پُرجوش مجاہد کی حیثیت سے شریک ہوتے اور جہاد کی خاطر بڑے طویل سفر کرتے۔

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت ابو ایوبؓ کا قیام زیادہ تر مدینہ منورہ ہی میں رہا۔ انہوں نے کسی شورش میں مطلق کوئی حصہ نہیں لیا۔ جن ایام میں باغیوں نے امیر المومنینؓ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا حضرت ابو ایوبؓ مسجد نبویؐ میں مسلمانوں کی امامت کرتے رہے۔ حضرت عثمانؓ ذوالنورین کی شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو وہ حضرت ابو ایوبؓ کی بڑی عزت و تکریم کرتے تھے۔

۳۷ ہجری میں خوارج کے خلاف نہروان کی مشہور جنگ پیش آئی اس میں حضرت ابو ایوبؓ فوج مرتضوی کے مقدمۃ الجیش کے سالار تھے۔ اس جنگ میں انہوں نے کمال درجے کی شجاعت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کی شہادت کے بعد حضرت ابو ایوبؓ سیاسی ہنگاموں سے کنارہ کش ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ لیکن شوقِ جہاد ان کے دل میں ہر وقت چٹکیاں لیتا رہتا تھا۔

۵۲ ہجری میں حضرت امیر معاویہؓ نے ایک اسلامی لشکر قسطنطنیہ کی تسخیر کے لئے روانہ کیا تو حضرت ابو ایوبؓ اپنی کبر سنی کے باوجود اس لشکر میں ایک عام مجاہد کی حیثیت سے شریک ہو گئے۔

مہم قسطنطنیہ کے موقعہ پر حضرت ابو ایوبؓ کی عمر ۸۰ برس سے اوپر تھی لیکن ان کے شوقِ جہاد کا یہ عالم تھا کہ اس ضعیف العمری میں مدینہ منورہ سے شام تک محض شرکت جہاد کے لئے سفر کیا اور پھر ایک عام مجاہد کی حیثیت سے لشکرِ اسلام میں شامل ہوتے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اسلامی بیڑے کو ہر طرح کے ساز و سامان سے لیس کیا اور پھر ایک دن یہ بیڑا شوقِ شہادت سے سرشار ہزارہا مجاہدین کو لے کر ساحل شام سے عازم قسطنطنیہ ہو گیا۔ چند دن بعد اسلامی بیڑا بحیرۂ روم سے گزر کر آبنائے باسفورس میں داخل ہوا اور قسطنطنیہ کے سامنے ایک موزوں جگہ پر لنگر انداز ہو کر اس نے مجاہدین کو خشکی پر اتار دیا۔ رومی شہنشاہ قسطنطین چہارم بڑے ساز و سامان کے ساتھ مسلمانوں کے مقابل ہوا۔ مسلمان ابھی پوری طرح سستانے بھی نہ پاتے تھے کہ رومیوں نے ان پر ہلہ بول دیا۔ مسلمانوں نے بڑے استقلال اور

ہمت سے رومیوں کے حملہ کو روکا اور خونریز جنگ شروع ہوگئی۔ مسلمانوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ دشمن کی صفوں میں گھسے پڑتے تھے۔

جن دنوں اسلامی لشکر قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا، یورپ کی آب و ہوا مسلمانوں کی صحت پر بڑا بُرا اثر ڈال رہی تھی یہاں تک کہ مجاہدین کی ایک کثیر تعداد بیمار ہوگئی۔ حضرت ابو ایوبؓ بھی اس موقع پر سخت بیمار ہوگئے۔ جب ان کی جانبری کی کوئی اُمید نہ رہی تو امیر لشکر یزید ان کی خدمت میں عیادت کے لئے حاضر ہوا اور کہا: "آپ کی کوئی وصیت ہو تو فرمائیے"۔

"جب میں مر جاؤں تو مسلمانوں کو میرا سلام پہنچا دینا۔ اور ان کو بتا دینا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ جو شخص اس حالت میں انتقال کر جاتا ہے کہ ربِ واحد کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانتا تھا، اللہ تعالےٰ اس کو جنت نصیب کرے گا۔۔۔ اور میرا جنازہ سرزمینِ عدو میں جہاں تک تم لے جا سکو، لے جا کر دفن کر دینا" حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے فرمایا۔

یزید نے ان کی وصیت پوری کرنے کا عہد کیا اور حضرت ابو ایوب نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ امیر لشکر نے خود جنازہ کی نماز پڑھائی۔ پھر تمام فوج ہتھیار سجا کر ان کی میت کو قسطنطنیہ کی دیوار کے نیچے لے گئی اور اسلام کے اس بطلِ جلیل کو سپردِ خاک کر دیا۔ قیصر قسطنطین کو جب پتہ چلا تو اس نے کہلا بھیجا کہ تم لوگ یہاں سے جاؤ گے تو ہم قبر کھود کر ان کی ہڈیاں باہر پھینک دیں گے۔

قیصر کے گستاخانہ پیغام پر مسلمانوں کا خون کھول اُٹھا۔ یزید نے قیصر کو پیغام بھیجا کہ "اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو خدا کی قسم یاد رکھو کہ مسلمانوں کی وسیع الحدود حکومت میں جتنے گرجے ہیں سب کو منہدم کر دیا جائے گا اور عیسائیوں کی قبروں کو اکھاڑ پھینکا جائے گا"۔

یزید کے اس انتباہ کا خاطر خواہ اثر ہوا قیصر نے جواب میں کہلا بھیجا کہ :۔

"میں تمہاری دینی غیرت و حمیت کا امتحان لے رہا تھا۔ کنواری مریم کی قسم ہم تمہارے نبیؐ کے صحابی کی قبر کا اکرام اور اس کی حفاظت کریں گے"۔

مختلف روایات کے مطابق حضرت ابو ایوبؓ نے اپنی زندگی میں دو شادیاں کیں۔ ایک بیوی کا نام اُمِ حسن بنت زیدؓ بن ثابت تھا۔ ان کے بطن سے ایک بیٹے عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ جوانی میں ہی ان کا انتقال ہوگیا اور ان کی نسل نہیں چلی۔ دوسری زوجۂ محترمہ اپنی کنیت اُمِ ایوب سے مشہور ہیں۔ یہ خاتون مشہور صحابیہ ہیں اور ان سے کئی حدیثیں بھی مروی ہیں۔ اپنے شوہر محترم کے ساتھ سرورِ عالمؐ کی میزبانی کا شرف ان کو بھی حاصل ہوا۔ وہی حضورؐ کے لئے کھانا تیار کیا کرتی تھیں۔ ان کے بطن سے جو اولاد ہوئی ان میں سے ایوب، خالد اور محمد تین بیٹوں اور ایک بیٹی عمرہ کے نام معلوم ہیں۔

حضرت ابوایوبؓ نہ صرف ذاتِ رسالت مآبؐ کے عاشقِ صادق تھے بلکہ وہ خاندانِ نبوّت کے سبھی افراد سے بے حد محبت کرتے تھے۔

واقعۂ افک میں جب منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائی تو ابوایوبؓ کی اہلیہ اُمِّ ایوبؓ نے ان سے پوچھا "لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ آپ نے سُنا" بولے "ہاں لیکن یہ سب جھوٹ ہے، میں تم سے پوچھتا ہوں کہ لوگ جس بات سے اُمّ المؤمنین کو متہم کر رہے ہیں کیا تم ایسا کر سکتی ہو"

اُمِّ ایوبؓ نے کہا "خدا کی قسم ہرگز نہیں"

فرمایا: "اگر تم ایسا نہیں کر سکتیں تو عائشہ صدیقہؓ کا درجہ اور کردار تو تم سے بہت بلند ہے"

حضرت ابوایوبؓ کی حق گوئی کی شان یہ تھی کہ ایک دفعہ مصر کے گورنر حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی نے نمازِ مغرب میں کسی سبب سے دیر کر دی۔ حضرت ابوایوبؓ بھی اتفاق سے وہاں موجود تھے۔ انہوں نے برملا کہا "عقبہؓ یہ کیسی نماز ہے؟" حضرت عقبہؓ نے جواب دیا کہ ایک کام کی وجہ سے اتفاقاً دیر ہو گئی۔ حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا:

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ مت بھولو کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو اور تمہارا قول و فعل لوگوں کے لئے حجت بن سکتا ہے۔ حضورؐ نے نمازِ مغرب میں عجلت کی تاکید فرمائی ہے اگر تم نماز میں تاخیر کرو گے تو لوگ خیال کریں گے کہ حضورؐ بھی اسی وقت نماز ادا کرتے ہوں گے یاد رکھو کہ کسی صحابی کا کوئی فعل نبی اکرمؐ کی سُنت کے خلاف نہیں ہونا چاہیئے"

حضرت عقبہؓ نے آئندہ محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔

حضرت ابوایوبؓ حق گوئی کے ساتھ بے حد کریم النفس اور رقیق القلب بھی تھے۔ غزوۂ روم میں بہت سے رومی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ انھیں جہاز پر سوار کرا دیا گیا۔ اتفاقاً حضرت ابوایوبؓ ان قیدیوں کی طرف جا نکلے۔ دیکھا کہ ایک قیدی عورت پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے، اسے یوں روتا دیکھ کر بیقرار ہو گئے۔ اس گریہ بیکسی کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا اس کا بچہ اس سے چھین لیا گیا ہے اور جہاز میں کسی اور جگہ رکھا گیا ہے۔ حضرت ابوایوبؓ فوراً اس بچے کو ڈھونڈ کر لائے اور اس کو ماں کے حوالے کر دیا۔ قیدیوں کے افسر نگران کو حضرت ابوایوبؓ کا یہ کام ناگوار گذرا اور اس نے سپہ سالار سے شکایت کی سپہ سالار نے جب ان سے باز پرس کی تو فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظالمانہ برتاؤ سے منع فرمایا ہے۔ اب تم سمجھ لو کہ میں ایسا جور و ستم اپنی آنکھوں کے سامنے کیسے دیکھ سکتا ہوں"

حضرت ابوایوبؓ کوئی بات خلافِ سُنت دیکھتے تو بے قرار ہو جاتے تھے اور صدائے حق بلند

کرنے سے کبھی باز نہ رہتے تھے۔ ایک دفعہ شام اور مصر تشریف لے گئے تو وہاں مسلمانوں کے گھروں میں بیت الخلا قبلہ رُخ بنے دیکھے انھیں یہ صورت بہت بُری معلوم ہوئی۔ بار بار فرماتے "مسلمانو! پاخانوں کا قبلہ رُخ بنانا بہت بُرا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جب تم رفع حاجت کے لئے جاؤ تو قبلہ کی طرف مُنہ نہ کرو اور نہ اُدھر پُشت کرو۔

حضرت ابوایوبؓ سے مروی اس حدیث کی اس قدر اشاعت ہوئی کہ آج مسلمانوں کا بچہ بچہ قبلہ رُخ ہو کر پیشاب پاخانہ کرنے کو گناہ سمجھتا ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری کا شمار اُن جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ علم و فضل کے اعتبار سے ایک متبحر عالم تھے۔ اور تابعین ان کے کمالات علمی سے فیض یاب ہوتے، ان میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت ابوامامہ باہلیؓ، حضرت براءؓ بن عازب، حضرت عروہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت عطاء بن یسارؒ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ جیسے فقہائے اُمت کے نام نظر آتے ہیں۔

حضرت ابوایوبؓ سے ایک سو پچاس احادیث مروی ہیں۔ انھیں سماعتِ حدیث کا بھی بہت شوق تھا۔ امیر معاویہؓ کے دورِ حکومت میں مشہور صحابی حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی مصر میں مقیم تھے۔ حضرت ابوایوبؓ کو معلوم ہوا کہ وہ ایک خاص حدیث کے راوی ہیں۔ ان کو اس حدیث کی سماعت کا اتفاق نہیں ہوا تھا، اس کے شوقِ سماعت نے بے چین کر دیا اور پیرانہ سالی کے عالم میں صرف ایک حدیث کی سماعت کے لئے مدینہ منورہ سے مصر کا پُرصعوبت اور طویل سفر اختیار کیا۔ مصر پہنچ کر پہلے حضرت مسلمہؓ بن مخلد کے مکان پر تشریف لے گئے۔ وہ میزبانِ رسولؐ سے ملاقات کر کے نہایت مسرور ہوتے اور پوچھا کہ سفرِ مصر کی زحمت کیسے گوارا فرمائی۔ حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا کہ میں عقبہ سے ایک حدیث سُننے آیا ہوں کیونکہ عالمِ اسلام میں اس وقت اس حدیث کا جاننے والا اور کوئی نہیں۔ مجھے عقبہؓ کے مکان کا پتہ بتا دیجئے۔ غرض مسلمہؓ سے وداع ہو کر حضرت عقبہؓ کے مکان پر پہنچے اور ان سے وہ خاص حدیث دریافت فرمائی۔ وہ حدیث سُنا چکے تو ان کا شکریہ ادا کیا اور اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کے لئے چل دیتے۔

اصحابی کالنجوم
میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشادِ نبویؐ)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک شخص کئی دنوں سے مکہ کی گلی کوچوں میں گھوم پھر رہا تھا۔ نہ کسی سے کچھ پوچھتا تھا جب بھوک کا غلبہ ہوتا تو آبِ زمزم پی لیتا اور پھر اِدھر اُدھر کسی کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بھی اُسے کئی بار دیکھا تھا۔ ایک دن حضرت علی المرتضیٰؓ انہیں ایک طرف لے گئے اور پوچھا، "بھائی میں تمہیں کئی دن سے یہاں دیکھ رہا ہوں تم کس چیز کی تلاش میں ہو؟" اس نوجوان نے جواب دیا، "اگر تم وعدہ کرو کہ مجھے میری منزلِ مقصود تک پہنچا دو گے اور زبان بند رکھو گے تو بتائے دیتا ہوں۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا، "تم مطمئن رہو تمہارا راز افشا نہ ہوگا۔"

اس نوجوان نے جس کا نام ابوذرؓ تھا اپنا مقصد بتایا۔ حضرت علیؓ نے ان کی بات سن کر فرمایا، "تم نے ہدایت کا راستہ پا لیا جن کی تلاش میں تم آئے ہو بے شک وہ خدا کے سچے رسولؐ ہیں۔"

حضرت ابوذرؓ پر رقت طاری ہو گئی۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے درخواست کی "للہ مجھے اس ذاتِ اقدس تک پہنچا دیجئے۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ انہیں لے کر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ کا جلالِ نبوت سے منور چہرہ مبارک دیکھ کر ابوذرؓ کے دل نے گواہی دی کہ یہ واقعی خدا کے سچے رسولؐ ہیں اور لیے

لہجے میں سلام کیا جس میں بے پناہ عقیدت اور محبت پائی جاتی تھی۔ انہیں دیکھ کر سرورِ عالمؐ کے روئے انور پر بشاشت پھیل گئی اور لسانِ رسالت پر یہ الفاظ جاری ہو گئے۔

آسمان کسی ایسے شخص پر سایہ فگن نہیں ہوا اور زمین نے کسی ایسے شخص کو کندھوں پر نہیں اُٹھایا جو ابوذرؓ سے زیادہ سچی زبان رکھتا ہو۔

آپ نے بے تابانہ عرض کی، "اے اللہ کے رسولؐ مجھے اپنی دعوت کی تفصیل بتایئے۔"

حضورؐ نے ایسے بلیغ انداز سے ابوذرؓ کے سامنے اسلام پیش کیا کہ ان کا دل جوشِ ایمان سے لبریز ہوگیا۔ اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام کا پانچواں ستون بن گئے۔ ان سے پہلے صرف چار پاکباز ہستیاں اُمّ المؤمنین خدیجہؓ، صدیق اکبرؓ، علی المرتضیٰؓ اور زید بن حارثہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو چکی تھیں۔ اب حضورؐ نے ابوذرؓ سے پوچھا:۔

"غفاری اتنے دن تمہاری خورد و نوش کا کیا انتظام رہا۔"

عرض کی، "یا رسول اللہ کھانے کو تو کچھ ملا نہیں۔ چاہِ زمزم کا پانی پی کر پیٹ بھر لیتا تھا۔"

اس وقت حضرت صدیقِ اکبرؓ پاس ہی تھے۔ انہوں نے عرض کی، "یا رسول اللہ اگر اجازت ہو تو میں ابوذرؓ کو کچھ کھلاؤں۔" حضورؐ نے فرمایا، "ہاں ہاں ضرور۔"

صدیقِ اکبرؓ حضرت ابوذرؓ کو اپنے ہمراہ گھر لے گئے۔ رسول اکرمؐ بھی ساتھ گئے۔ وہاں صدیق اکبرؓ نے طائف کے خشک انگور جناب رسالت مآبؐ اور ابوذر غفاریؓ کی خدمت میں پیش کیے یہ پہلی غذا تھی جو مکہ میں پہنچ کر ابوذرؓ کو نصیب ہوئی پھر رسولِ کریمؐ نے ابوذرؓ سے فرمایا:۔

"ابوذرؓ اب تم اپنے قبیلے میں واپس جاؤ اور اسے دعوتِ توحید دو۔ جب دعوتِ حق کے آشکار ہونے کی خبر ملے اُس وقت پھر یہاں آجانا۔ فی الحال تم بھی مکہ میں اپنا اسلام پوشیدہ رکھو۔"

ابوذرؓ کا دل جوشِ توحید سے معمور تھا۔ عرض کی:۔

"یا رسول اللہ ـــــ خدا کی قسم آپ اجازت دیجئے میں مکہ میں اپنے اسلام کا اعلان کر کے جاؤں گا۔"

حضورؐ ان کا جوش اور ولولہ دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

اب ابوذرؓ سیدھے حرمِ کعبہ میں تشریف لے گئے وہاں مشرکین کا مجمع تھا۔ ابوذرؓ نے مشرکین سے مخاطب ہو کر بآوازِ بلند کہا:۔

"لوگو خدائے تعالیٰ احد کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اور محمدؐ خدا کے سچے رسول ہیں۔"

ابوذرؓ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ مشرکین چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے اور مار مار کر لہولہان کر دیا۔ اتنے میں عباسؓ بن عبدالمطلب آپہنچے۔ ایک غریب الوطن کو اس حال میں دیکھ کر دل بھر آیا۔ ابوذرؓ کے اُوپر گر پڑے اور مشرکین سے کہا: "اپنا ہاتھ روکو کیوں ناحق اس غریب کی جان لیتے ہو۔" عباسؓ ابھی ایمان نہیں لاتے تھے اس لئے مشرکین کو ان کی بات کا بڑا پاس تھا۔ ان کے کہنے پر انہوں نے ابوذرؓ کو چھوڑ دیا۔ لیکن توحید کے متوالے ابوذرؓ دوسرے دن پھر کعبہ جا پہنچے اور مشرکین کو دعوتِ توحید دینے لگے۔ مشرکین نے انہیں پھر پکڑ لیا اور زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت بھی عباسؓ ان کے آڑے آئے اور مشرکین کو سمجھایا کہ یہ شخص غفار کے جنگجو اور خون آشام قبیلے کا فرد ہے۔ اگر تم نے اسے ہلاک کر دیا تو تمہارا کوئی قافلۂ تجارت منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکے گا۔ غفاریوں سے خواہ مخواہ کی دشمنی کیوں مول لیتے ہو۔"

مشرکین کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور انہوں نے ابوذرؓ کو چھوڑ دیا۔ ابوذرؓ نے اب سوچا کہ ان لوگوں پر میری بات کا اثر نہیں ہوگا۔ انہیں خدا کے سچے رسولؐ ہی راہِ ہدایت پر لا سکیں گے اس لئے بہتر یہی ہے کہ میں اپنے حلقۂ اثر میں جاکر تبلیغ کروں۔ یہ سوچ کر انہوں نے اپنے وطن کی راہ لی۔ وہاں پہنچ کر سب سے پہلے اپنے دو بھائیوں اور والدہ کو دعوتِ توحید دی۔ ان تینوں نے فوراً اس پر لبیک کہا پھر انہوں نے اپنے قبیلے کو اسلام کی طرف بلایا۔ آدھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہوگیا اور آدھا ہجرتِ نبویؐ کے بعد دولتِ ایمان سے بہرہ یاب ہوا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ گہرے سانولے رنگ کے ایک کشیدہ قامت آدمی تھے۔ اُن کے سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے۔ آپ کا اصل نام باختلاف روایت بریر یا جندب تھا۔ قبیلہ بنو غفار سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ قبیلہ کنانہ بن خزیمہ کی نسل سے تھا جو پندرہویں پُشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ تھے۔ غفار بن ملیل، حضرت ابوذرؓ کی ساتویں پُشت میں ایک سربرآوردہ شخص تھا۔ اسی کے نام کی نسبت سے کنانی النسل عربوں کا یہ گروہ غفاری کہلانے لگا۔

آپ کی ماں کا نام رملہ بنت ربیعہ تھا وہ بھی قبیلہ غفار سے تھیں۔ بنو غفار کا ماویٰ اور مسکن مدینہ منورہ سے اسّی میل کے فاصلے پر بدر کے نواح میں تھا ان کے قریب ہی وہ کاروانی راستہ واقع تھا جو مکہ مکرمہ کو شام فلسطین سے ملاتا تھا۔ بنو غفار بڑے مفلس لوگ تھے اور بصد مشکل گزر اوقات کرتے تاہم انہوں نے مدتوں صبر و قناعت کو اپنا شعار بنائے رکھا لیکن پھر ایک ایسا وقت آیا کہ مفلسی اور بدحالی نے ان کو گمراہ کر دیا اور انہوں نے ڈاکہ زنی اور قزاقی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ وہ نہ صرف مکہ اور شام کے درمیان آنے جانے والے تجارتی قافلوں کو لوٹ لیتے تھے بلکہ نواحی قبائل کو بھی وقتاً فوقتاً

اپنی ترکتازیوں کا نشانہ بناتے رہتے تھے۔ حضرت ابوذرؓ نے اسی ماحول میں ہوش کی آنکھیں کھولیں۔ جب دیکھا کہ قبیلے کے نوجوان نت نئی مہموں پر جاتے ہیں اور انواع و اقسام کے مال و اسباب سے لدے پھندے واپس آتے ہیں تو وہ بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئے لیکن قدرت کو ان سے کوئی اور ہی کام لینا منظور تھا۔ لہٰذا یکایک ان کی زندگی میں انقلاب پیدا ہو گیا اور طبیعت لوٹ مار قتل و غارت اور رہزنی سے سخت متنفر ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ قبیلہ کے دیوتاؤں، دیویوں اور بتوں سے بھی بیزار ہو گئے۔ ربِ اکبر نے انہیں توحید کا راستہ سمجھا دیا وہ شب و روز خدائے واحد کی عبادت میں مشغول رہنے لگے۔ خود ہی نماز کی کوئی صورت معین کرلی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ابوذرؓ پر قبولِ اسلام سے پہلے ہی خشیتِ الٰہی مسلط ہو چکی تھی۔ خود ان سے روایت ہے کہ :-

"میں رات کی نماز کے لئے کھڑا ہوتا اور کھڑا رہتا یہاں تک کہ صبح کا ذب ہو جاتی۔ اس وقت میں اپنے آپ کو زمین پر ڈال دیتا اور اس طرح پڑا رہتا جیسے کوئی کپڑا پڑا ہوا ہے جب مجھ پر دھوپ پڑنے لگتی تو اٹھتا۔"

غفار کے لوگ ان کی زبان سے لاالٰہ الا اللہ کا ورد سنتے تھے اور حیران ہوتے تھے کہ یہ کس جنون میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اس وقت مکہ سے خورشیدِ اسلام کا طلوع ہو چکا تھا اور ہادیٔ برحقؐ نے دعوتِ توحید کا آغاز فرما دیا تھا۔ ایک دن قبیلہ غفار کا ایک شخص مکہ گیا۔ وہاں اس کے کانوں میں دعوتِ حق کی بھنک پڑ گئی۔ واپس آکر حضرت ابوذرؓ سے ملا اور کہنے لگا۔ "ابوذرؓ تمہاری طرح مکہ میں بھی ایک شخص لاالٰہ الا اللہ کہتا ہے اور لوگوں کو بت پرستی سے منع کرتا ہے۔" ابوذرؓ تو پہلے ہی کسی ہادی و رہنما کی تلاش میں تھے۔ یہ خبر سن کر بے تاب ہو گئے۔ اسی وقت اپنے بھائی اُنیسؓ کو یہ کہہ کر مکہ روانہ کیا کہ جا کر اس شخص کو ملو جو لوگوں کو خدائے واحد کی طرف بلاتا ہے اور پھر واپس آکر اس کے حالات بتاؤ۔ اُنیس ایک بلند پایہ شاعر اور نہایت زیرک آدمی تھے۔ مکہ پہنچ کر انہوں نے سرورِ عالمؐ کے ارشادات گرامی سنے تو بے حد متاثر ہوئے۔ واپس آئے تو ابوذرؓ نے پوچھا۔ "تم نے مکہ کے داعیٔ توحید کو کیسا پایا؟"

اُنیس نے جواب دیا۔ "لوگ اسے شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہیں لیکن خدا کی قسم میں نے اسے ایسا نہیں پایا۔ وہ نہ شاعر ہے نہ کاہن اور نہ جادوگر، وہ تو لوگوں کو محض بھلائی کی طرف بلاتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔"

اس مختصر جواب سے حضرت ابوذرؓ کی تسلی نہ ہوئی اور وہ خود تحقیقِ احوال کے لئے عازمِ مکہ ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے سرفراز ہوئے اور پھر اپنے قبیلے کی اصلاح کے لئے

واپس آگئے۔

حضرت ابوذرؓ عرصہ دراز تک اپنے قبیلہ کے لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیتے رہے۔ جب بدر، اُحد، خندق وغیرہ کے غزوات گزر چکے تو انہوں نے بھی اپنے وطن سے ہجرت کی۔ مدینۃ الرسول پہنچ کر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوتے اور اپنے آپ کو سرکارِ دوعالمؐ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا جب غزوہ تبوک پیش آیا تو ابو ذر غفاریؓ بھی اپنے آقا کی معیت میں تبوک کے سفر پر روانہ ہوتے۔ راستے میں ان کا اُونٹ سُست پڑگیا اور وہ لشکرِ اسلام سے بچھڑ گئے۔ دل میں شوقِ جہاد موجزن تھا اُونٹ کو وہیں چھوڑا اور سارا سامان پیٹھ پر لاد کر پیادہ پا منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوتے۔ آگے جاکر لشکرِ اسلام نے ایک جگہ قیام کیا۔ ایک شخص نے حضورؐ سے عرض کی "یارسول اللہ وہ دُور ایک شخص آ رہا ہے معلوم نہیں کون ہے" حضورؐ نے فرمایا، ابوذرؓ ہوں گے"

لوگوں نے دیکھا تو وہ واقعی ابوذرؓ تھے۔

حضورؐ نے فرمایا، "ابوذرؓ اکیلے ہی چلتے ہیں۔ اکیلے ہی مریں گے اور قیامت کے دن اکیلے ہی اُٹھیں گے"

حضرت ابوذر غفاریؓ کے زہد و تقویٰ اور خدا اور رسولؐ سے عشق کا یہ عالم تھا کہ سرورِ کائناتؐ نے انہیں مسیح الاسلام کا لقب عطا فرمایا۔

ایک دن حضرت ابوذرؓ نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں عرض کی۔ "یارسول اللہ ایک شخص بعض ہستیوں سے محبت رکھتا ہے لیکن ان کے اعمال کو اپنانے کی طاقت نہیں رکھتا اس کے متعلق کیا ارشاد ہے"

حضورؐ نے فرمایا، "وہ شخص جن کے ساتھ محبت رکھتا ہے انہی کے ساتھ ہے"

ابوذر غفاریؓ عرض پیرا ہوتے "یارسول اللہ میں صرف آپؐ سے اور اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہوں" حضورؐ نے فرمایا تم یقیناً اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے ساتھ ہو۔

سرورِ کائناتؐ ابوذر غفاریؓ پر اتنی شفقت فرماتے تھے کہ مرض الموت میں بھی انہیں بُلا بھیجا۔ ابوذرؓ بارگاہِ نبوی میں پہنچ کر والہانہ حضورؐ کے اُوپر جُھکے۔ حضورؐ نے ان کا دستِ مبارک اپنے جسمِ اطہر کے ساتھ چمٹا لیا۔ ابوذرؓ پر وارفتگی کا عالم طاری ہو گیا۔ جب حضورؐ نے وفات پائی تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دل کی دُنیا اُجڑ گئی۔ مدینہ منورہ چھوڑ کر ملک شام میں جا بسے۔

ایک دن امیر معاویہؓ اپنا محل الخضراء تعمیر کرا رہے تھے اتفاق سے حضرت ابوذرؓ ادھر سے گزرے۔ محل کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر امیر معاویہؓ سے مخاطب ہو کر بولے:۔

"اگر اس محل کی تعمیر اللہ کے مال سے ہو رہی ہے تو خیانت ہے اور اگر اس پر اپنا مال خرچ کر رہے ہو تو اسراف ہے۔"

امیر معاویہؓ نے کوئی جواب نہ دیا۔ چند دنوں کے بعد امیر معاویہؓ نے قبرص پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ لشکر روانہ ہونے لگا تو انہوں نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو بلا کر پوچھا "کیا آپ جہاد کے لئے جانا چاہتے ہیں"۔ ابوذرؓ نے تو اپنی جان خدا کی راہ میں وقف کر رکھی تھی جواب دیا۔

"خدا کی راہ میں ایک دن جہاد کرنا ان ہزار دنوں سے بہتر ہے جو گھروں میں گزار دیئے جائیں۔ میں دعوتِ جہاد پر لبیک کہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ لشکرِ اسلام میں جا شامل ہوئے۔ جب مجاہدینِ اسلام نے قبرص فتح کر لیا تو حضرت ابوذر غفاری نے شام واپس آکر لوگوں میں پھر اپنے مسلک کی تبلیغ شروع کر دی۔ حکومت پر وہ اس شدت سے نکتہ چینی کرتے تھے کہ امیر معاویہؓ سے نزاع کی صورت پیدا ہو گئی۔ ایک دن امیر معاویہؓ نے ایک معقول رقم ابوذرؓ کی خدمت میں بھیجی۔ انہوں نے وہ رقم چند گھنٹوں کے اندر ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی۔ دوسرے دن امیر معاویہؓ نے امتحان لینے کی غرض سے ایک قاصد ان کے پاس بھیجا کہ کل وہ رقم غلطی سے آپ کو تقسیم ہو گئی ہے اسے واپس دے دیجئے۔ مقصد یہ تھا کہ اگر یہ رقم ابوذرؓ کے پاس موجود ہوئی تو ان سے پوچھا جا سکے گا کہ آپ تو ایک رات کے لئے بھی دولت جمع رکھنا حرام سمجھتے ہیں پھر یہ رقم کیوں اپنے پاس رکھی۔ جب قاصد ابوذرؓ کی خدمت میں پہنچا اور ان سے رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا تو انہوں نے فرمایا "وہ رقم تو ہم نے نمودِ سحر سے پہلے ہی ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی"۔ قاصد امیر معاویہؓ کے پاس واپس گیا اور انہیں حضرت ابوذرؓ کا جواب سنایا تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا "ابوذرؓ واقعی سچا ہے جو کہتا ہے اس پر عمل بھی کرتا ہے"۔

ایک دن امیر معاویہؓ نے حضرت ابوذر غفاری کو بلا بھیجا۔ جب وہ تشریف لائے تو انہیں کھانے کی دعوت دی۔ دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ ابوذرؓ جیسے مرد درویش بھلا انہیں کب ہاتھ لگا سکتے تھے۔ دعوت قبول کرنے سے فوراً انکار کر دیا اور فرمایا:

"رسول اللہ کے زمانے سے میرا کھانا ہفتہ بھر کے لئے ایک صاع جو رہا ہے خدا کی قسم میں اس پر زیادتی نہیں کروں گا حتیٰ کہ اپنے خلیل رسولِ اکرمؐ کے پاس پہنچ جاؤں۔"

ان کی زندگی زہد و ورع اور فقر و قناعت کا عجیب نمونہ تھی۔ جو کچھ ہاتھ میں آتا اسے راہِ خدا میں لٹا دیتے۔ محض ایک چادر زیبِ بدن ہوتی تھی۔ شیخینؓ کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ لوگوں میں مال و دولت سے رغبت پیدا ہو گئی ہے۔ سادہ لباس کی جگہ پُر تکلف ملبوسات کا استعمال شروع ہو گیا ہے۔

فتوحات اور مالِ غنیمت کی کثرت نے خزانوں کی بنیاد رکھ دی ہے۔ سادہ مکانات کے بجائے محلات کی تعمیر شروع ہوگئی ہے۔ ابوذرؓ یہ حالات دیکھ کر بے چین ہو گئے۔ انہوں نے پوری قوت سے مسلمانوں کو پکارا کہ بجائے مال و دولت جمع کرنے اور عیش و تنعم کی زندگی گزارنے میں سراسر ہلاکت ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ جس انداز سے آیات کی تفسیر کرتے تھے، امیر معاویہؓ والی شام اور اکثر دوسرے صحابہؓ کو اس سے اختلاف تھا۔ ان کے پیغام کا خلاصہ یہ تھا:

"اے دولت مند مسلمانو! تم اگر اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو قیامت کے دن تمہاری جمع کی ہوئی دولت سے تمہارے چہروں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ یاد رکھو مال میں تین چیزیں شریک ہیں۔ (۱) وارث جو اس کا منتظر ہے کہ تو کب اس دنیا سے رخصت ہو اور وہ تیرے اندوختہ پر قبضہ کرے۔ (۲) تقدیر جو تجھ سے پوچھے بغیر اپنے فیصلے صادر کر دیتی ہے (۳) خود تو اگر تو ان دونوں سے بازی لے جانے پر قادر ہے تو ضرور ایسا کر۔ اللہ فرماتا ہے تم نیکی اور بھلائی کو کبھی نہیں پا سکتے جب تک تم اپنی مرغوب چیزوں کو سب کے لئے عام نہ کر دو۔"

غریب لوگ تو ابوذر غفاریؓ کا پیام سن کر ان پر پروانوں کی طرح گرے لیکن اغنیا ان سے کھٹکنے لگے۔

جب امیر معاویہؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ کے درمیان کشیدگی بہت بڑھ گئی تو امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو مدینہ بلا بھیجا۔ وہاں بھی انہوں نے اپنا مخصوص پیغام لوگوں کو سنانا شروع کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کو فتویٰ دینے سے منع کر دیا لیکن حضرت ابوذرؓ کو یہ پابندی گوارا نہ ہوئی۔ انہوں نے فرمایا: "خدا کی قسم اگر میری گردن پر تلوار بھی رکھ دی جائے اور مجھ کو یقین ہو جائے کہ گردن کٹنے سے قبل جو کچھ سرور کائناتؐ سے سنا ہے سنا سکوں گا تو یقیناً سنا دوں گا۔" حضرت عثمانؓ نے ابوذرؓ کو مشورہ دیا کہ آپ "ربذہ" چلے جائیں۔ ربذہ صحرائے عرب میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ ابوذرؓ غفاری خود بھی تنہائی پسند کرتے تھے۔ اپنے اہل و عیال کو ساتھ لیا اور بخوشی ربذہ جا بسے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ ہنگامہ ہائے دنیا سے الگ تھلگ اپنی زندگی کے دن صبر و قناعت سے کاٹنے لگے۔ ۳۱ھ یا ۳۲ھ کے ایام حج میں حضرت ابوذر غفاریؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ ربذہ کے تمام لوگ حج کے لئے روانہ ہو گئے تھے اور ابوذر غفاریؓ کے پاس صرف ان کی رفیقہ حیات

اور ایک لڑکی موجود تھی۔ ابوذر غفاریؓ پر نزع کی حالت طاری ہوئی تو ان کی اہلیہ رونے لگیں۔ ابوذرؓ نے نحیف آواز میں پوچھا۔ "روتی کیوں ہو"

اہلیہ نے جواب دیا۔ "آپ ایک ویرانہ میں دم توڑ رہے ہیں نہ میرے پاس اتنا کپڑا ہے کہ آپ کو کفن دے سکوں، نہ میرے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے کہ آپ کی ابدی خوابگاہ تیار کر سکوں"

حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا، "سنو ایک دن ہم چند لوگ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضورؐ نے فرمایا تم میں سے ایک شخص صحرا میں جاں بحق ہوگا اور اس کے جنازے میں مسلمانوں کی ایک جماعت باہر سے آکر شرکت کرے گی۔ اُس وقت جو لوگ موجود تھے وہ سب شہری آبادیوں میں وفات پا چکے ہیں اب صرف میں ہی باقی رہ گیا ہوں اور کوئی وجہ نہیں کہ رسول اکرمؐ کی پیشگوئی کا مصداق نہ ہوں۔ تم باہر جا کر دیکھو۔ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں کی کوئی جماعت ضرور آتی ہوگی۔" پاس ہی ایک ٹیلہ تھا۔ حضرت ابوذرؓ کی اہلیہ اس پر چڑھ کر انتظار کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد دُور گرد اُڑتی نظر آئی۔ پھر اس میں سے چند سوار نمودار ہوئے۔ جب قریب آئے تو ابوذرؓ کی زوجہ نے انہیں پاس بُلا کر کہا۔ "بھائیو! قریب ہی ایک مسلمان سفرِ آخرت کی تیاری کر رہا ہے۔ اس کے کفن دفن میں میرا ہاتھ بٹاؤ" قافلے والوں نے پوچھا "وہ کون شخص ہے۔" جواب دیا، "ابوذر غفاریؓ"۔ ابوذرؓ کا نام سنتے ہی قافلے والے بے تاب ہوگئے اور "ہمارے ماں باپ اُن پر قربان ہوں" پکارتے ہوئے ان کی طرف لپکے۔

ادھر ابوذرؓ نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا، "جانِ پدر ایک بکری ذبح کر اور گوشت کی ہنڈیا چولھے پر چڑھا دے۔ کچھ مہمان آنے والے ہیں جو میری تجہیز و تکفین کریں گے۔ جب وہ مجھے سپردِ خاک کر چکیں تو ان سے کہنا کہ ابوذرؓ نے آپ لوگوں کو خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک آپ یہ گوشت نہ کھالیں یہاں سے رخصت نہ ہوں"

جب قافلے والے حضرت ابوذرؓ کے خیمہ میں داخل ہوئے تو ان کا دم واپسیں تھا۔ اکھڑی ہوئی آواز میں فرمایا۔ "تم لوگوں کو مبارک ہو کہ تمہارے یہاں پہنچنے کی خبر سالہا سال پہلے ہادیٔ برحق نے دے دی تھی۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ" مجھے کوئی ایسا شخص نہ کفنائے جو حکومت کا عہدہ دار ہو یا رہ چکا ہو۔" اتفاق سے اس قافلہ میں ایک انصاری نوجوان کے سوا سب لوگ کسی نہ کسی صورت میں حکومت سے متعلق رہ چکے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا۔ "اے رسول اکرمؐ کے محبوب رفیق میں آج تک حکومت کی ملازمت سے بے تعلق ہوں میرے پاس دو کپڑے ہیں جو میری والدہ کے ہاتھ کے کتے بُنے ہوئے ہیں۔ اجازت ہو تو ان میں آپ کو کفنا دوں"

حضرت ابوذرؓ نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر "بسم اللہ وباللہ وعلیٰ ملت رسول اللہ" کہہ کر جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

اس قافلہ کے اکثر لوگ یمن کے رہنے والے تھے۔ اتفاق سے ان کے ساتھ فقیہ اُمت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔ انہوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور پھر سب نے مل کر اس آفتاب رشد و ہدایت کو سپردِ خاک کر دیا۔ جب چلنے لگے تو حضرت ابوذر غفاریؓ کی صاحبزادی نے قسم دے کر انہیں کھانا کھلایا۔ علامہ طبریؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے چلتے وقت حضرت ابوذرؓ کے اہل و عیال کو ساتھ لے لیا اور مکہ معظمہ پہنچ کر انہیں حضرت عثمانؓ کے حوالے کر دیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حج سے واپسی پر حضرت عثمانؓ انہیں خود ربذہ سے مدینہ منورہ لے گئے اور پھر ہمیشہ ان کے کفیل رہے۔ سیدنا ابوذر غفاریؓ کا شمار ان کبار صحابہ میں ہوتا ہے جن کے علو مرتبت پر ملتِ اسلامیہ کے ہر فرد بشر کا کامل اتفاق ہے۔

تقدم فی الاسلام، حُبِ رسولؐ، شغفِ قرآن و حدیث، فقر و زہد، ایثار و قناعت، تقویٰ و توکل، تبلیغ و ارشاد اور حق گوئی و بے باکی حضرت ابوذرؓ کی کتاب سیرت کے نمایاں ابواب ہیں۔ علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ سیدنا عمر فاروقؓ ان کو علم میں حبر الامۃ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے برابر سمجھتے تھے۔ شیرِ خدا علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ ابوذرؓ نے اتنا علم محفوظ کر لیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز رہتے اور اس تھیلی کو اس طرح بند کر دیا کہ اس میں سے کچھ بھی کم نہ ہُوا۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذرؓ پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ جب وہ مجلس نبوی میں موجود ہوتے تو حضورؐ سب سے پہلے انہیں کو مخاطب فرماتے، اگر موجود نہ ہوتے تو انہیں تلاش کر کے لایا جاتا اور حضورؐ ان سے مصافحہ فرماتے۔

بارگاہِ نبوی میں بہت کم صحابہ ایسے تھے جو حضورؐ سے بے تکلفانہ سوال پوچھ سکیں لیکن حضرت ابوذرؓ کے لئے رحمتِ عالمؐ کی شفقت ایسی بے پایاں تھی کہ وہ آزادی کے ساتھ معمولی سے معمولی چیزوں کے بارے میں بھی سوال پوچھا کرتے تھے۔ مسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ رسولِ اکرمؐ سے حضرت ابوذرؓ کی عقیدت اور محبت انتہا کو پہنچی ہوتی تھی۔ مدینہ آنے کے بعد ان کے وقت کا بیشتر حصہ رسولِ اکرمؐ کی خدمتِ اقدس میں گزرتا تھا اور حضورؐ کی والہانہ خدمت ہی ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ اسی خدمت کی بدولت انھیں بارگاہِ رسالت میں ایسا درجۂ تقرب اور اعتماد حاصل ہو گیا تھا کہ حضورؐ انھیں راز کی باتیں بھی بتا دیا کرتے تھے اور وہ بھی رازداری کا حق پوری طرح ادا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ مدینہ کی ایک مسجد میں لیٹے تھے کہ سرورِ عالم تشریف لائے اور فرمایا۔
"ابوذرؓ اگر ایسا وقت آیا کہ تم اس مسجد سے نکالے جاؤ تو کیا کرو گے؟"
عرض کیا، "یا رسول اللہ مسجد نبویؐ میں چلا جاؤں گا یا اپنے گھر بیٹھ رہوں گا۔"
فرمایا، "اگر وہاں سے بھی نکالے گئے تو پھر کیا کرو گے؟"
عرض کی۔ "تلوار نکال لوں گا۔"
حضورؐ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ فرمایا؛
"اللہ تمھیں بخشے۔ تلوار نہ نکالنا بلکہ صبر سے کام لینا اور جہاں تمھیں جانے کو کہا جائے چلے جانا۔"

حضرت ابوذرؓ نے حضورؐ کے اس ارشاد پر آخری دم تک عمل کیا۔ اپنی رائے کا اظہار تو بلاخوفِ لومۃ لائم ہر حال میں کرتے رہے لیکن حاکمِ وقت کے خلاف کبھی تلوار نہ اُٹھاتی۔ فی الحقیقت صرف یہی ارشاد نہیں بلکہ وہ جو کچھ بھی حضورؐ سے سُنتے تھے اسے حرزِ جاں بنا لیتے تھے اور نہ صرف خود اس پر عمل کرتے تھے بلکہ لوگوں کو بھی اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے تھے۔

حضرت ابوذرؓ اگرچہ سالہا سال تک فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہوتے لیکن ان سے مروی احادیث کی تعداد صرف ۲۸۱ ہے۔ اس کی وجہ اُن کی کم آمیزی اور عزلت گزینی تھی۔ انھوں نے حضورؐ کے جو ارشاداتِ مقدسہ اُمت تک پہنچاتے ان میں سے بیشتر کا تعلق توحید اور اخلاق سے ہے۔

ذخیرۂ کتب
حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فاروق سلطان قادریؒ (1955-2016) الازہری
جھنگ - پنجاب

SCANNED BY: ATA-UL-MUSTAFA

اصحابی کالنجوم

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشاد نبوی)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دنیا کا ہر واقعہ حضرت ابن عوفؓ کے لئے مرقع عبرت بن جاتا تھا اور اس کی ہیبت و جلال کو یاد کر کے رونے لگتے تھے، ایک مرتبہ دن بھر روزہ سے رہے، شام کے وقت کھانا سامنے آیا تو بے اختیار مسلمانوں کا گزشتہ فقر و فاقہ یاد آگیا، بولے "مصعبؓ بن عمیر مجھ سے بہتر تھے، وہ شہید ہوتے تو کفن میں صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے، اور پاؤں چھپاتے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ اسی طرح حمزہؓ شہید ہوئے، حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے، لیکن اب دُنیا ہمارے لئے کشادہ ہو گئی ہے، اور ہمیں اس قدر دنیاوی نعمتیں مرحمت کی گئی ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ شاید ہماری نیکیوں کا معاوضہ دنیا ہی میں ہو گیا" اس کے بعد اس قدر رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

نوفل بن ایاسؓ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے اکثر شرف صحبت رہتا تھا۔ درحقیقت وہ خوب ہم نشین تھے۔ ایک روز ہم کو اپنے دولت کدہ پر لے گئے، پھر خود اندر داخل ہوتے اور غسل کر کے باہر نکلے، اس کے بعد کھانا آیا تو روٹی اور گوشت دیکھ کر بے اختیار رونے لگے۔ میں نے پوچھا "ابو محمد! یہ گریہ وزاری کیسی؟" بولے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی لیکن تمام عمر آپ کو اور آپ کے اہل وعیال کو پیٹ بھر جَو کی روٹی بھی نہ ملی، ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اتنے دنوں تک دُنیا میں رہنا ہمارے لئے بہتر نہیں ہے۔"
عام روایت کے مطابق حضرت عبدالرحمٰنؓ واقعۂ فیل کے دسویں سال پیدا ہوئے تھے، اس لحاظ سے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ توحید کی صدا بلند کی، اس وقت ان کا سن تیس سال سے متجاوز ہو چکا تھا۔ فطری عفت وسلامت روی کے باعث شراب سے پہلے ہی تائب ہو چکے تھے۔ صدیق اکبرؓ کی راہنمائی سے صراطِ مستقیم کی شاہراہ بھی نظر آگئی اور بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر ہو کر رہروانِ حق کے قافلہ میں شامل ہو گئے۔ اس وقت تک صرف چند بزرگوں کو اس کی توفیق ہوئی تھی اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوتے تھے۔

آپ کا نام عبدالرحمٰنؓ، ابو محمد کنیت والد کا نام عوف اور والدہ کا نام شفا تھا۔ یہ دونوں زہری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلۂ نصب یہ ہے عبدالرحمٰنؓ بن عوف بن عبد جوف بن عبد بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ القرشی الزہری۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کا اصلی نام عبد عمرو تھا، ایمان لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبدالرحمٰنؓ رکھا۔

خلعتِ ایمان سے مشرف ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو بھی عام بلاکشانِ اسلام کی طرح جلاوطن ہونا پڑا۔ پہلے ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے، پھر وہاں سے واپس آئے تو سب کے ساتھ سرزمینِ یثرب کی طرف ہجرت کر گئے۔

مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن الربیع انصاریؓ سے بھائی چارہ کرا دیا، وہ انصار میں سے سب سے زیادہ مالدار اور فیاض طبع تھے، کہنے لگے "میں اپنا نصف مال و منال تمہیں بانٹ دیتا ہوں" اور میری دو بیویاں ہیں، ان کو دیکھو جو پسند آئے اس کا نام بتاؤ میں طلاق دے دوں گا، عدت گزارنے کے بعد تم نکاح کر لینا۔ لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ کی غیرت نے گوارا نہ کیا، جواب دیا "خدا تمہارے مال ومنال اور اہل وعیال میں برکت دے، مجھے صرف بازار دکھا دو" لوگوں نے بنی قینقاع کے بازار میں پہنچا دیا، وہاں سے واپس آئے تو کچھ گھی اور پنیر وغیرہ نفع میں بچا لائے، دوسرے روز باقاعدہ تجارت شروع کر دی، یہاں تک کہ چند دنوں کے بعد بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر ہوتے تو جسم پر مراسمِ شادی کی علامتیں موجود تھیں، استفسار ہوا "یہ کیا ہے" عرض کی "ایک انصاریہ سے شادی کر لی ہے" سوال ہوا مہر کس قدر ادا ہوا؟" عرض کی "ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا" حکم ہوا "تو پھر ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی سہی۔"

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؓ کو بے حد محبت تھی۔ آنکھ سے اوجھل ہوجاتے تو پریشان ہوجاتے تھے۔ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کبھی باہر تشریف لے جاتے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیتے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے، حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی پیچھے چلے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نخلستان میں پہنچ کر سربسجود ہو گئے اور اس قدر دیر تک سجدہ میں رہے کہ ان کو خوف ہوا کہ شاید روحِ اطہر خدا سے جا ملی، گھبرا کر قریب آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرِ مبارک اُٹھا کر فرمایا "کیا ہے عبدالرحمٰنؓ؟" انہوں نے اپنی گھبراہٹ کی وجہ عرض کی، ارشاد ہوا "جبرئیلؑ نے مجھ سے کہا کیا میں آپؐ کو یہ بشارت نہ دوں کہ خداوند جل وعلا نے فرمایا ہے کہ جو آپؐ پر درود بھیجے گا، میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو آپؐ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا۔" یہ طویل سجدہ سجدۂ تشکر تھا۔

۲ ہجری سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ اکثر معرکوں میں پامردی و شجاعت کے ساتھ شریک رہے۔ غزوۂ بدر میں دو نوجوان انصاری پہلو میں کھڑے تھے، انہوں نے آہستہ سے پوچھا "یا عم! ابوجہل کون ہے جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدزبانی کرتا ہے؟" اسی اثناء میں ابوجہل سامنے آ گیا، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا "وہ دیکھو! جس کو تم پوچھتے تھے سامنے موجود ہے۔" ان لوگوں نے جھپٹ کر ایک ساتھ وار کیا اور اس ناپاک ہستی سے دنیا کو نجات دلا دی۔

غزوۂ اُحد میں جس جانبازی و شجاعت سے لڑے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بدن پر بیس سے زیادہ آثارِ جراحت شمار کئے گئے تھے۔ خصوصاً پاؤں میں ایسے کاری زخم لگے تھے کہ صحت کے بعد بھی ہمیشہ لنگڑا کر چلتے تھے۔

شعبان ۶ ہجری میں دومۃ الجندل کی مہم پر مامور ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر اپنے دستِ اقدس سے عمامہ باندھا۔ پیچھے شملہ چھوڑا، اور ہاتھ میں علم دے کر فرمایا "بسم اللہ! راہِ خدا میں روانہ ہوجا، جو لوگ خدا کی نافرمانی و عصیان میں مبتلا ہیں ان سے جا کر جہاد کر، لیکن کسی کو دھوکا نہ دینا، فریب نہ کرنا، بچوں کو نہ مارنا، یہاں تک کہ دومۃ الجندل پہنچ کر قبیلۂ کلب کو اسلام کی دعوت دے، اگر وہ قبول کریں تو ان کے بادشاہ کی لڑکی سے نکاح کر لے۔"

حضرت عبدالرحمٰنؓ اس اعزاز کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر دومۃ الجندل پہنچے اور تین دن تک دعوت و تبلیغ اسلام کا فرض اس خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے کہ قبیلۂ کلب کے سردار اصبغ بن عمرو الکلبی جو مذہباً عیسائی تھے، اور اس کی قوم کے بہت سے لوگ بطیبِ خاطر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ بعض نے جن کو اس کی توفیق نہ ہوئی جزیہ منظور کر لیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حسبِ فرمان اصبغ کی لڑکی تماضر

سے شادی کرلی اور رخصت کرا کے مدینہ ساتھ لاتے، چنانچہ ابوسلمہ بن عبدالرحمنؓ ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔

مکہ کی فوج کشی میں بھی شریک تھے۔ اس کے زیر نگین ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ بن ولید کو قبیلۂ بنوجذیمہ کے پاس جو اطراف مکہ میں مسکن گزین تھا دعوت اسلام کے لئے بھیجا۔ انہوں نے غلطی سے قتل وخون ریزی کا بازار گرم کردیا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو نہایت متاسف ہوتے اور ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ رب العالمین میں تین مرتبہ اپنی برأت ظاہر کی خدایا! خالدؓ نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں۔"

حضرت عبدالرحمنؓ کے خاندان اور قبیلۂ بنوجذیمہ میں گو قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی، یہاں تک کہ ان کے والد عوف کو اسی قبیلہ کے ایک آدمی نے قتل کیا تھا۔ تاہم اخوتِ اسلامی نے اس دیرینہ عداوت کو بھی محو کردیا، چنانچہ اس خونریزی سے بیزار ہو کر حضرت خالدؓ بن ولید سے کہا "افسوس تم نے اسلام میں جاہلیت کا بدلہ لیا" انہوں نے جواب دیا "میں نے تمہارے باپ کے قاتل کو مارا" حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا "بیشک تم نے میرے باپ کے قاتل کو مارا، لیکن درحقیقت یہ فاکہ بن مغیرہ کا انتقام تھا، جو تمہارا چچا تھا" اس کے بعد دونوں میں نہایت گرم گفتگو ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو حضرت خالدؓ سے ارشاد ہوا "بس خالد! میرے اصحاب کو چھوڑ، اگر تو راہ خدا میں کوہ اُحد کے برابر بھی سونا صرف کرے گا تب بھی ان کے برابر نہ ہوگا۔"

فتح مکہ کے بعد حجۃ الوداع تک جس قدر مہمات اور جنگیں پیش آئیں، حضرت عبدالرحمنؓ سب میں شریک رہے۔ آخری سفر حج سے واپس آنے کے بعد ۱۰ ہجری میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور سقیفۂ بنی ساعدہ میں خلافت کا قصہ پیش آیا۔ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف اس گتھی کے سلجھانے میں شریک تھے اور صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں ان کا تیسرا نمبر تھا۔

خلیفۂ اوّل کے عہد میں حضرت عبدالرحمنؓ ایک مخلص مشیر اور صائب الرائے رکن کی حیثیت سے ہر قسم کے مشوروں میں شریک رہے۔ ۱۳ ہجری میں جب صدیق اکبرؓ کا آفتابِ حیات لبِ بام آیا اور ایک جانشین نامزد کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی تو انہوں نے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمنؓ کو بلا کر اس کے متعلق مشورہ کیا اور اس منصب جلیل کے لئے فاروق اعظمؓ کا نام لیا۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے نہایت آزادی اور خلوص کے ساتھ کہا "عمرؓ کی اہلیت میں کیا شک ہے لیکن مزاج میں سختی ہے" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "ان کی سختی اس لئے تھی کہ میں نرم تھا، لیکن جب یہ بارگراں ان ہی پر آپڑے گا تو خود بخود نرم ہوجائیں گے" غرض چند روزہ علالت کے بعد خلیفۂ اوّل نے داعی اجل کو لبیک کہا اور

حضرت فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوتے۔

فاروقِ اعظمؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ نظامِ خلافت کو پہلے سے زیادہ منتظم و مرتب کر دیا۔ مہمات مسائل پر بحث مباحثہ کے لئے ایک مستقل مجلسِ شوریٰ قائم کی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ اس مجلس کے نہایت صائب الرائے، پُرجوش اور سرگرم رُکن ثابت ہوتے۔ بہت سے معاملات میں ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا۔ عراق پر مستقل اور باقاعدہ فوج کشی کے لئے جب دارالخلافہ کے گرد ایک عظیم الشان لشکر مجتمع ہوا اور عوام نے زور ڈالا کہ خود امیر المؤمنین اس فوج کی باگ اپنے ہاتھ میں لیں، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ خود بھی اس کے لئے تیار ہو گئے تو اس وقت صرف حضرت عبدالرحمٰنؓ ہی تھے جنہوں نے سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں، خدانخواستہ اگر شکست ہوئی اور امیر المؤمنین کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی اس مآل اندیشی نے تمام اکابر صحابہؓ کی آنکھیں کھول دیں، اور سب نے پرزور الفاظ میں اس کی تائید کی، لیکن مشکل یہ تھی کہ اس مہتم بالشان عہدہ کے لائق کوئی شخص نہ تھا، حضرت علیؓ سے کہا گیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ غرض اسی حیص بیص میں تھے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی نگاہِ انتخاب نے یہ مشکل بھی حل کر دی۔ اور کھڑے ہو کر کہا "میں نے پالیا" حضرت عمرؓ نے پوچھا "کون؟" بولے "سعدؓ بن ابی وقاصؓ"، اس حُسنِ انتخاب پر ہر طرف سے صدائے تحسین و آفرین بلند ہوئی، اور واقعات نے بہت جلد ثابت کر دیا کہ یہ انتخاب کس قدر موزوں تھا۔

اسی طرح معرکہ نہاوند میں بھی حضرت عمرؓ کو موقعِ جنگ پر جانے سے روکا، لیکن کبھی کبھی جوش مآل اندیشی پر غالب آجاتا تھا، چنانچہ جب ہم شام میں اسلامی فوجیں رومیوں کی عظیم الشان تیاریوں کے باعث مقاماتِ مفتوحہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئیں، اور حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالارِ اعظم نے رومیوں کے جوش و خروش اور ٹڈی دل اجتماع کی اطلاع دارالخلافہ میں بھیجی تو حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اس قدر جوش آیا کہ بے تاب ہو کر بولے "امیر المؤمنین آپ خود سپہ سالار بنیں اور مجھ کو ساتھ لے کر چلیں خدانخواستہ اگر ہمارے بھائیوں کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے" لیکن اس موقع پر دوسرے مآل اندیش صحابہؓ نے مخالفت کی اور اسی پر فیصلہ ہوا۔

۲۳ ہجری میں ایک روز حسبِ معمول حضرت عمرؓ صبح کی نماز پڑھانے کھڑے ہوئے کہ دفعتہً فیروز نام کے ایک عجمی غلام نے حملہ کیا اور متعدد زخم پہنچائے۔ آپؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں امامت کے مصلے پر کھڑا کیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جلدی جلدی نماز تمام کی اور حضرت عمرؓ کو اٹھا کر ان کے گھر لائے۔

خلیفہ دوم کی حالت غیر ہوئی تو لوگوں نے منصب خلافت کے لئے کسی کو نامزد کرنے کی درخواست کی حضرت عمرؓ نے چھ آدمیوں کے نام پیش کر کے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے آخر وقت تک خوش رہے تھے، یہ باہم کسی ایک کو منتخب کر لیں، لیکن تین دن کے اندر یہ مسئلہ طے پا جائے۔

خلیفہ دوم کی تجہیز و تکفین کے بعد حسب وصیت انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا، لیکن دو دن تک کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔ تیسرے روز حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا کہ یہ مسئلہ چھ آدمیوں میں دائرہ ہے، اس کو تین شخصوں میں محدود کرنا چاہیئے، اور جو اپنے خیال میں جس کو زیادہ مستحق سمجھتا ہے اس کا نام لے۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی نسبت رائے، حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کو پیش کیا، اور حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا نام لیا، لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ اپنے حق سے باز آ گئے اور حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اب تم دونوں میں جو احکام الٰہی، سُنتِ نبویؐ اور طریقہ شیخینؓ کی پابندی کا عہد کرے گا، اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔ بہرحال حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ہر ایک کو علیحدہ لے جا کر ان کے فضائل و مناقب یاد دلائے اور کہا "مجھے توقع ہے کہ اگر میں تمہیں یہ منصب دوں تو عدل و انصاف کرو گے، اور اگر تمہارے مقابل کو یہ شرف نصیب ہو تو اطاعت سے کام لو گے" غرض اس عہد و پیمان کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ نے مجمع عام میں ایک مؤثر تقریر کی اور حضرت عثمانؓ سے کہا ہاتھ پھیلاؤ اور خود بڑھ کر بیعت کر لی۔ ان کا بیعت کرنا تھا کہ تمام خلقت ٹوٹ پڑی۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی نگاہِ انتخاب نے حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر کیوں ترجیح دی؛ اس کی وجہ یہ بھی کہ گو اسلام نے قبائل کو باہم متحد کر دیا تھا تاہم ایک حد تک منافست و مسابقت کا خیال باقی تھا، اور لوگ اس کو پسند نہ کرتے تھے کہ نبوت و خلافت ایک ہی قبیلہ یعنی بنو ہاشم میں مجتمع ہو جائے، چنانچہ خلافتِ مرتضوی میں جو خانہ جنگیاں برپا ہوئیں؛ وہ اسی منافست کا نتیجہ تھیں، حضرت عبدالرحمٰنؓ کی نگاہِ عاقبت بین نے اس کا پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو جناب امیرؓ پر ترجیح دی، ورنہ اسلام کا شیرازہ اسی وقت بکھر جاتا، جیسا کہ بعد کو واقعات نے ثابت کر دیا تھا۔

اس ترجیح کی ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے شیخینؓ کی روش پر کاربند ہونے میں پس و پیش کیا تھا، جیسا کہ متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے حضرت عثمانؓ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ حامی بھری تھی۔ بہرحال حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اس عقدہ کو جس ایثار

دور اندیشی اور دانائی کے ساتھ حل کیا وہ یقیناً ان کی زندگی کا مایۂ ناز کارنامہ ہے۔

عہدِ عثمانی میں ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ کی عدالت میں حضرت زبیرؓ نے مقدمہ دائر کیا کہ "میں نے آلِ عمرؓ سے ایک قطعہ زمین خریدا ہے جو عمرؓ کو دربارِ نبوتﷺ سے بطورِ جاگیر مرحمت ہوا تھا لیکن عبدالرحمٰنؓ کا دعویٰ ہے کہ ان کو اور عمرؓ کو ایک ساتھ جاگیر ملی تھی اور فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک ان کا حصّہ ہے" حضرت عثمانؓ نے فرمایا "عبدالرحمٰنؓ اپنے موافق یا مخالف شہادت دے سکتے ہیں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے بعد جو شخص میری ازواج (مطہراتؓ) کی نگرانی و محافظت کرے گا وہ نہایت صادق اور نیکوکار ہوگا۔ چنانچہ یہ فرض مخصوص طور پر حضرت عبدالرحمٰنؓ سے متعلق تھا۔ وہ سفرِ حج کے موقعوں پر ساتھ جاتے تھے، سواری اور پردہ کا انتظام کرتے تھے۔ جہاں پڑاؤ ہوتا تھا وہاں انتظام و اہتمام کے ساتھ اُتارتے تھے۔ غرض انہیں صرف اپنی عصمت وعفت کے باعث امہات المومنینؓ کی خدمت وحفاظت کا فخر نصیب ہوا تھا جو ان کا مخصوص طغرائے امتیاز ہے۔

عہدِ عثمانیؓ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ نے نہایت خاموش زندگی بسر کی۔ مہمات ملکی میں انہوں نے کوئی دلچسپی نہیں لی۔ یہاں تک کہ روح اطہر نے پچھتر برس تک اس سرائے فانی کی سیر کرکے ۳۱ھ میں داعیٔ حق کو لبیک کہا۔

حضرت علیؓ نے جنازہ پر کھڑے ہو کر کہا:

"ابن عوف! جا تُو نے دُنیا کا صاف پانی پایا اور گدلا چھوڑ دیا"۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جنازہ اُٹھانے والوں میں شریک تھے اور کہتے جاتے تھے "یہ پہاڑ بھی چل بسا" حضرت عثمانؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کے کیسۂ فضل وکمال کو علمی زر وجواہر سے پُر کر دیا تھا، گو انہوں نے دوسرے کبار صحابہؓ کی طرح حدیثیں بہت کم روایت کیں، تاہم خلفائے راشدینؓ کو بہت اہم اور ضروری موقعوں پر اپنی معلومات سے فائدہ پہنچایا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا جھگڑا چھڑا تو انہوں نے بلند آہنگی کے ساتھ اس حدیثؓ کی تصدیق کی کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکہ میں وراثت نہیں ہے"۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کے عہد میں جب ایران فتح ہوا اور انہیں فکر دامنگیر ہوئی کہ آتش پرستوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیئے تو اس وقت عبدالرحمٰنؓ ہی نے اس عقدہ کو حل کیا اور بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے ساتھ اہل کتاب کی روش اختیار کی تھی اور انہیں ذمی قرار دیا۔

۱۸ ہجری میں عمواس میں طاعون پھیلا اور حضرت عمرؓ نے صحابۂ کرامؓ سے دریافت کیا کہ طاعون زدہ

مقام سے ہٹنا جائز ہے یا نہیں؟ تو کوئی اس کا قطعی جواب نہ دے سکا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ اس وقت موجود نہ تھے لیکن جب انہیں خبر ملی تو انہوں نے حاضر ہو کر کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ۔ اگر تم پہلے سے طاعون زدہ مقام میں ہو تو وہاں سے نہ ہٹو۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کو بے نیازی اور استغنا نے تجارت کی طرف مائل کر دیا تھا، چنانچہ اس میں انہوں نے اس قدر ترقی کی کہ ایک عظیم الشان دولت کے مالک ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک ان کا تجارتی قافلہ مدینہ آیا تو اس میں سات سو اونٹوں پر صرف گیہوں آٹا اور دوسری اشیائے خوردنی بار تھیں، اس عظیم الشان قافلہ کا تمام مدینہ میں غل پڑ گیا۔ حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ عبدالرحمٰنؓ جنت میں رینگتے ہوئے جائیں گے" حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اطلاع ہوئی تو ام المومنینؓ کے پاس حاضر ہو کر عرض کی "میں آپؓ کو گواہ کرتا ہوں کہ یہ پورا قافلہ مع اسباب سامان بلکہ اونٹ اور کجاوہ تک راہِ خدا میں وقف ہے۔"

صحابہؓ کی دولت ذاتی راحت و آسائش کے لئے نہ تھی بلکہ جو جس قدر زیادہ دولت مند تھا اسی قدر اس کا دستِ کرم زیادہ کشادہ تھا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی سے شروع ہو چکا تھا، اور وقتاً فوقتاً قومی و مذہبی ضروریات کے لئے گراں قدر رقمیں پیش کیں۔ سورۃ برأت نازل ہوئی اور صحابہؓ کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی گئی تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنا نصف مال یعنی چار ہزار دینار پیش کئے، پھر دو دفعہ چالیس چالیس ہزار دینار وقف کئے، اسی طرح جہاد کے لئے پانچ سو گھوڑے اور پانچ سو اونٹ حاضر کئے۔

عام خیرات و صدقات کا یہ حال تھا کہ ایک ہی دن میں تیس تیس غلام آزاد کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کی اور سب راہِ خدا میں لٹا دیا، لیکن اس فیاضی کے باوجود ہر وقت یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ کہیں اس قدر تمول آخرت کے لئے موجب نقصان نہ ہو۔ ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی "اماں! مجھے خوف ہے کہ کثرتِ مال مجھے ہلاک کر دے گی" ارشاد ہوا بیٹا! راہ خدا میں صرف کرو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "میرے اصحابؓ میں بعض ایسے ہیں کہ مفارقت کے بعد انہیں میرا دیدار نصیب ہوگا۔"

غرض فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آخری لمحۂ حیات تک قائم رہا۔ وفات کے وقت بھی پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے راہِ خدا میں وقف کئے، نیز بدر میں جو صحابہؓ شریک ہوتے تھے اور اس وقت تک زندہ موجود تھے ان میں سے ہر ایک کے لئے چار چار سو دینار کی وصیت کی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت ایک سو اصحاب بدر بقید حیات تھے اور سب نے نہایت خوشی کے ساتھ اس وصیت سے فائدہ اُٹھایا یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے بھی حصہ لیا۔

امہات المومنینؓ کے لئے بھی ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ درہم میں فروخت ہوا، نیز اس سے پہلے مختلف موقعوں پر بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ ایک دفعہ ایک جائیداد پیش کی جو چالیس ہزار دینار میں فروخت ہوئی تھی، چنانچہ حضرت عائشہؓ ان کے صاحبزادہ ابو سلمہ سے اکثر بطریق تشکر و دعا فرمایا کرتی تھیں، خدا تمہارے باپ کو سلسبیل جنت سے سیراب کرے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے تھے خصوصاً ظہر کے وقت فرض سے پہلے دیر تک نوافل سے شغل رکھتے تھے۔

اکثر روزے رکھتے تھے۔ حج کے لئے بھی بارہا تشریف لے گئے۔ جس سال حضرت عمرؓ مسند نشین خلافت ہوتے اس سال امارت حج کی خدمت بھی ان ہی کے سپرد ہوتی تھی۔

تجارت اصلی ذریعہ معاش تھا، آخر میں زراعت کا کاروبار بھی نہایت وسیع پیمانہ پر قائم ہو گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں ایک وسیع جاگیر مرحمت فرمائی تھی، پھر انہوں نے خود بہت سی قابل زراعت اراضی خرید کر کاشتکاری شروع کی تھی، چنانچہ صرف مقام "جرف" کے کھیتوں میں بیس اونٹ آبپاشی کا کام کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کے کاروبار میں خدائے پاک نے غیر معمولی برکت دی تھی، وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں پتھر بھی اُٹھاتا تو اس کے نیچے سونا نکل آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قدر فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کے باوجود وہ اپنے وارثوں کے لئے نہایت وافر دولت چھوڑ گئے۔ یہاں تک کہ چاروں بیویوں نے جائیداد متروکہ کے صرف آٹھویں حصہ سے اسی اسی ہزار دینار پائے۔ سونے کی اینٹیں اتنی بڑی بڑی تھیں کہ کلہاڑی سے کاٹ کاٹ کر تقسیم کی گئیں اور کاٹنے والوں کے ہاتھ میں آبلے پڑ گئے۔ جائیداد غیر منقولہ اور نقدی کے علاوہ ایک ہزار اونٹ اور سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں۔

دستر خوان وسیع تھا لیکن پُر تکلف نہ تھا۔ کبھی قیمتی اور خوش ذائقہ کھانا سامنے آجاتا تو گزشتہ فقر و فاقہ یاد کر کے آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔ لباس میں زیادہ تر ریشم کا استعمال تھا کیونکہ فقر و فاقہ میں بیماری کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر اجازت دی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے صاحبزادے ابو سلمہ ریشمی کرتہ زیب تن کئے ہوتے تھے، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو گریبان میں ہاتھ ڈال کر اس کے چیتھڑے اُڑا دیے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا کیا آپؓ کو معلوم نہیں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دی ہے۔" فرمایا ہاں! معلوم ہے لیکن صرف تمہارے لئے اجازت ہے دوسروں کے لئے نہیں۔

آپؓ کا قد طویل، رنگ سرخ و سپید، چہرہ خوبصورت، ریش دراز، سر پر کان سے نیچے تک گھونگھروار کاکلیں، کلائی گھٹی ہوئی، انگلیاں موٹی اور مضبوط، سامنے کے دو دانت گر گئے تھے، اور غزوۂ اُحد میں زخمی ہونے کے باعث پاؤں میں لنگ تھا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے ساتھ عموماً لطف و محبت سے پیش آتے تھے۔ ایک انصاریہ سے شادی کی تو تیس ہزار دینار مہر میں دیئے۔ بیویوں کے نام یہ ہیں:

کلثومؓ بنت عتبہ بن ربیعہ، تماضرؓ بنت الاصبغ، کلثومؓ بنت عقبہ بن ابی معیط، سہلہؓ بنت عاصم، بحریہؓ بنت ہانی، سہلہؓ بنت سہیل، ام حکیمؓ بنت قارظ، بنتؓ ابی الخشخاش، اسماءؓ بنت سلامہ، اُم حریثؓ، یہ بہراء سے قید ہو کر آئی تھیں، مجدؓ بنت یزید، غزالؓ بنت کسریٰ، یہ مدائن سے گرفتار ہو کر آئی تھیں، بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ خاندان کسریٰ کی شہزادی تھیں، زینبؓ بنت الصباح بادیہ بنت غیلان۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کی اولاد نہایت کثیر تھی، جن لڑکوں کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں:

سالمؓ، اسلام سے پہلے پیدا ہوتے اور پہلے ہی مر گئے۔ محمدؓ، ابو سلمہؓ فقیہ، ابراہیمؓ، اسمٰعیلؓ، حمیدؓ، زیدؓ، معنؓ، عمرؓ، عدیؓ، عروہؓ، اکبرؓ، سالم اصغرؓ، ابوبکرؓ، عبداللہؓ، عبدالرحمٰنؓ، مصعبؓ، سہیلؓ (ابوالابیض)، عثمانؓ، یحییٰؓ، بلالؓ۔

صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں:

"ام القاسمؓ، یہ زمانۂ جاہلیت ہی میں پیدا ہوئی تھیں۔ حمیدہؓ، اُمۃ الرحمٰنؓ صغریٰ، اُم یحییٰؓ، جویریہؓ، اُمیۃؓ، مریمؓ۔

اصحابی کالنجوم

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشاد نبوی)

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سنہ بعد بعثت میں ایک روز رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دارِ ارقم سے نکل کر صفا کے پاس سے گزر رہے تھے کہ ابوجہل کا گزر اس طرف ہوا۔ اس کے ساتھ عدی بن حمرا اور ابن الاصداء بھی تھے۔ ابوجہل نے حضورؐ کو دیکھا تو آپؐ کی شان میں گستاخی کرنے لگا اور ساتھ ہی دینِ حق کے بارے میں بھی نہایت رکیک الفاظ استعمال کیے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت صبر و تحمل سے کام لیا۔ اور ابوجہل کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ وہ تھک ہار کر بکتا جھکتا چلا گیا اور حضورؐ بھی تشریف لے گئے۔ اتفاق سے بنو تیم کے رئیس عبداللہ بن جُدعان کی لونڈی کوہِ صفا پر اپنے گھر میں بیٹھی یہ سارا واقعہ دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہؓ شکار سے واپس آتے ہوتے اس کے گھر کی طرف سے گزرے تو اس نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

"ابوعمارہ! کاش تھوڑی دیر پہلے تم یہاں موجود ہوتے تو دیکھتے کہ ابوجہل نے تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیسا ناروا سلوک کیا، سخت گالیاں دیں اور بُری طرح ستایا۔"

یہ سُننا تھا کہ حضرت حمزہؓ کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی۔ غصہ سے بے قابو ہو کر سیدھا خانہ کعبہ کا رُخ کیا، جہاں ابوجہل مشرکین قریش کی مجلس میں بیٹھ کر لاف زنی کر رہا تھا۔ حضرت حمزہؓ نے وہاں پہنچ کر اپنی کمان اس زور سے اسکے سر پر ماری کہ خون نکل آیا۔ پھر کڑک کر کہا "تو محمدؐ کو گالیاں دیتا ہے، میں بھی انہی کے دین پر ہوں، جو کچھ وہ کہتے ہیں میں بھی وہی کہتا ہوں، اگر تجھ میں ہمت ہے تو ذرا مجھے بھی

گالیاں دے کر دیکھ:

ابوجہل کو لہولہان دیکھ کر اس کے قبیلہ بنو مخزوم کے کچھ لوگ اس کی حمایت میں کھڑے ہو گئے اور حضرت حمزہؓ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن ابوجہل نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ ابوعمارہ کو چھوڑ دو۔ میں نے اس کے بھتیجے کو گالیاں دی تھیں جن کی وجہ سے اس کو غصہ آگیا ہے پھر ایک مخزومی نے کہا

"حمزہ شاید تم بھی صابی (بے دین) ہو گئے ہو"۔

حضرت حمزہؓ نے بے باکانہ جواب دیا "میرا دین بھی وہی ہے جو محمدؐ کا ہے، جب حق واضح ہو چکا ہے تو مجھے قبولِ اسلام سے کون باز رکھ سکتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسُول ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ سراسر حق ہے۔ خدا کی قسم میں اب اس بات سے ہرگز نہیں پھر سکتا تم سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھ لو"۔

حضرت حمزہؓ کا جواب سُن کر مخزومیوں نے ان سے لڑنا چاہا تو ابوجہل کو خدشہ پیدا ہُوا کہ اس طرح بنو مخزوم اور بنو ہاشم کے درمیان جنگ کی ایسی آگ بھڑک اُٹھے گی جو کسی کے بجھانے سے نہ بجھے گی۔ چنانچہ اس نے مخزومیوں سے کہہ دیا کہ وہ حضرت حمزہؓ سے کچھ تعرض نہ کریں۔

دہاں سے وہ سیدھے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس گئے اور کہنے لگے "برادر زادے! تمہیں خوش ہونا چاہیئے کہ میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے"۔

حضورؐ نے فرمایا "چچا جان! میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوتا' میری خوشی تو اس میں ہے کہ آپ غیر اللہ سے منقطع ہو کر دینِ حق کی پیروی کریں"۔

حضورؐ کی اس دعوتِ حق کے بعد وہ سخت ذہنی اُلجھن میں مبتلا ہو گئے۔ ساری رات کشمکش و پیچ میں گزر گئی' صبح ہوئی تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنی ذہنی اُلجھن کا حال بیان کیا۔ حضورؐ نے ان کو نہایت بلیغ پیرائے میں اسلام کی حقانیت سمجھائی' اللہ کا خوف دلایا اور قبولِ حق کے صلے میں جنّت کی بشارت دی۔ حضورؐ کے ارشادات سُن کر حضرت حمزہؓ کا دل یقین اور ایمان کے نور سے معمور ہو گیا اور پکار اٹھے۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ صادق ہیں۔ آپؐ اپنے دین کا خُوب پرچار کریں۔ مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں کہ میرے اوپر آسمان سایہ فگن ہو اور میں اپنے دین پر قائم ہوں اور پھر حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے"۔

سیدنا حضرت حمزہؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچا تھے۔ اس کے علاوہ ان کو حضورؐ سے دو نسبتیں اور بھی تھیں۔ ایک یہ کہ حضورؐ کی والدہ حضرت آمنہؓ بنت وہب زہری' حضرت حمزہؓ کی والدہ

ہالہ بنت وہیب زہری کی چچازاد بہن تھیں، اس نسبت سے حضرت حمزہؓ حضورؐ کے خالہ زاد بھائی بھی ہوتے تھے۔ دوسری یہ کہ ابولہب کی لونڈی ثویبہؓ نے حضرت حمزہؓ اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ اس لحاظ سے حضرت حمزہؓ حضورؐ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔

حضرت حمزہؓ کی کنیت ابوعمارہ بھی تھی اور ابویعلیٰ بھی۔ سید الشہداءؓ، اسد اللہ اور اسد الرسول آپ کے القاب ہیں۔

حضرت حمزہؓ کو بچپن ہی سے شمشیر زنی، تیراندازی اور پہلوانی سے گہرا لگاؤ تھا۔ سیر و شکار کا بھی بے انتہا شوق تھا۔ جوان ہوئے تو قریش کے نامور بہادروں کی صف میں جگہ پائی لیکن وہ قبائل کے باہمی جھگڑوں میں شاذ ہی حصہ لیتے تھے اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ سیر و شکار میں گزارتے تھے۔ لیکن قبولِ اسلام کے بعد زیادہ تر وقت حضورؐ کی خدمت میں گزارتے تھے۔

ایک دن آپؓ دوسرے صحابہ کرامؓ کے ساتھ ــــ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر تھے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے دارِ ارقم کا دروازہ آکھٹکھٹایا۔ ایک صاحب نے دروازے کی درز سے جھانکا تو حضرت عمرؓ کو شمشیر بکف کھڑے پایا۔ اس وقت حضرت حمزہؓ نے بڑے جوش سے کہا "اسے آنے دو اگر نیک ارادے سے آیا ہے تو خیر ورنہ اسی کی تلوار ہوگی اور اسی کا سر"۔

حضرت عمرؓ اندر آئے تو حضورؐ نے ان کی چادر کو مٹھی میں دبا کر زور سے کھینچا اور فرمایا: عمر! کہو کس ارادہ سے آئے ہو؟" نبوت کی پُرجلال آواز نے حضرت عمرؓ کے جسم پر کپکپی طاری کر دی اور انہوں نے بڑے عجز کے ساتھ کہا۔ "یا رسول اللہ میں اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لانے کی غرض سے حاضر ہُوا ہوں"۔

جب سُنا تو حضورؐ نے زور سے اللہ اکبر فرمایا، ساتھ ہی صحابہ کرامؓ نے اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ دشت و جبل گونج اٹھے۔ اب حضرت حمزہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی صورت میں اسلام کو دو قوی دست و بازو مل گئے۔ ۷ھ بعدِ بعثت میں مشرکین مکہ نے بنو ہاشم اور بنی المطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کیا تو حضرت حمزہؓ بھی تین سال تک محصوری کے زہرہ گداز مصائب و آلام جھیلتے رہے۔

۱۳ھ بعدِ بعثت میں حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ کی ہجرت کرنے کی اجازت دی تو حضرت حمزہؓ بھی اکثر دُوسرے صحابہ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

مدینہ پہنچ کر حضرت حمزہؓ نے حضرت سعدؓ بن خیثمہ کے مکان میں قیام فرمایا۔ اسلام میں سب سے پہلا عَلم حضرت حمزہؓ کو عطا ہُوا۔ رمضان ۱ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس سوار

حضرت حمزہؓ کی امارت میں ساحلی علاقہ کی طرف اس غرض سے روانہ کیے کہ وہ قریش کے اس قافلے کی مزاحمت کریں جو اس زمانے میں شام سے مکّہ آرہا تھا۔ اس قافلے میں تین سو آدمی تھے۔ جن میں ابوجہل بھی تھا۔ فریقین آمنے سامنے ہوتے تو مجدی بن عمرو الجہنی نے بیچ بچاؤ کرکے لڑائی تک نوبت نہ پہنچنے دی اور حضرت حمزہؓ کسی کشت وخون کے بغیر مدینہ منورہ واپس آگئے۔

اس مہم کا نام "سریہ سیف البحر" ہے۔ دو ہجری میں سرورِعالم صلی اللہ علیہ وسلّم ستّر صحابہ کے ہمراہ غزوہ ودّان یا غزوۂ ابوا کے لیے تشریف لے گئے۔ اس غزوہ میں بھی حضورؐ نے حضرت حمزہؓ کو فوج کا علمبردار بنایا۔ اسلامی فوج کے ابوا پہنچنے سے پہلے ہی قریش کا قافلہ وہاں سے آگے بڑھ چکا تھا۔ اس لیے جنگ وجدال کا موقعہ پیش نہ آیا تاہم بنوضمرہ سے ایک دوستانہ معاہدہ طے پاگیا جس کی رُو سے وہ اس بات کے پابند ہوگئے کہ نہ قریش کی مدد کریں گے اور نہ مسلمانوں کی بلکہ ہر حال میں غیر جانبدار رہیں گے۔

اسی سال جمادی الاخریٰ میں غزوۂ ذوالعشیرہ پیش آیا جس میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم ایک سو پچاس صحابہ کرامؓ کی معیت میں قریش مکّہ کی گوشمالی کے لیے مقام ذوالعشیرہ تشریف لے گئے۔ اس غزوہ میں بھی حضورؐ نے مجاہدین کی علمبرداری کا شرف حضرت حمزہؓ کو بخشا لیکن اس بار بھی کشت وخون تک نوبت نہ پہنچی کیونکہ قریش کا قافلہ چند دن پہلے ہی ذوالعشیرہ سے کوچ کرچکا تھا البتہ بنومدلج سے باہمی امداد کا ایک عہدنامہ طے پاگیا۔

رمضان ۲ھ ہجری میں حق وباطل کا پہلا معرکہ "غزوۂ بدر الکبریٰ" پیش آیا تو حضرت حمزہؓ اس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ عام لڑائی شروع ہونے سے پہلے مشرکین کی صفوں سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ تلواریں ہلاتے ہوئے نکلے اور مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ مقابلہ کے لیے "عوفؓ، معاذؓ اور معوذؓ پسرانِ عفرا" ان کے مقابل ہوئے۔ قریشی جنگجوؤں کو جب معلوم ہوا کہ ان کے مقابل ہونے والے تینوں جانباز مدینہ کے باشندے ہیں تو عتبہ نے پکار کر کہا "محمدؐ یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں ہیں، ہماری قوم اور کفو کے لوگوں کو ہمارے مقابلے پر بھیجو۔"

اس پر حضورؐ نے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ بن حارث المطّلبی کو حکم دیا کہ جاؤ ان لوگوں کا مقابلہ کرو۔" یہ تینوں بہادر حضورؐ کا حکم سنتے ہی نیزے ہلاتے ہوئے اپنے حریفوں کے سامنے جا کھڑے ہوئے حضرت حمزہؓ کا مقابلہ شیبہ سے، حضرت علیؓ کا ولید سے اور حضرت عبیدہؓ کا مقابلہ عتبہ سے ہوا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے تو پہلے ہی وار میں اپنے اپنے حریف کو جہنم رسید کردیا۔ لیکن عتبہ اور عبیدہؓ دونوں دیر تک لڑتے رہے یہاں تک کہ دونوں زخمی ہوگئے۔ حضرت عبیدہؓ کا زخم

نہایت شدید تھا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو دونوں نے ایک ساتھ حملہ کر کے عتبہ کو بھی ڈھیر کر دیا۔

عتبہ، شیبہ اور ولید کو ہلاک ہوتے دیکھ کر قریش کے ایک نامور جنگجو طعیمہ بن عدی کو سخت جوش آیا اور وہ ہنکارتا ہوا میدانِ جنگ میں اُترا۔ حضرت حمزہؓ فوراً اس کی طرف بڑھے اور ایک ہی وار میں اس کو جہنم واصل کر دیا۔ اب مشرکین نے مشتعل ہو کر عام ہلّہ بول دیا۔ مسلمانوں کی تعداد کفّار کی تعداد کی ایک تہائی سے بھی کم تھی لیکن انہوں نے اس پامردی اور شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا کہ کفّار کا منہ پھر گیا۔ حضرت حمزہؓ اس شان سے لڑ رہے تھے کہ دستار پر شترمرغ کی کلغی تھی اور دونوں ہاتھوں سے تلوار چلا رہے تھے۔ جدھر جُھک پڑتے تھے کفّار کی صفیں اُلٹ جاتی تھیں۔ اس دن ان کے ہاتھ سے بہت سے مشرکین ہلاک و زخمی ہوتے ان میں سے بنو مخزوم کا ایک جنگجو اسود بن عبدالاسد بن ہلال بھی تھا۔ یہ شخص نہایت کریہہ المنظر تھا۔ وہ میدانِ جنگ میں آیا تو باآوازِ بلند قسم کھا کر کہا کہ آج میں مُسلمانوں کے حوض کا پانی ضرور پیوں گا اور اسے خراب کر ڈالوں گا۔ حضرت حمزہؓ اس کی ڈینگ سُن کر غصے سے بے تاب ہو گئے اور شیر کی طرح اس پر جھپٹے۔ ان کے پہلے ہی وار سے اسود کی ایک ٹانگ کٹ گئی اور وہ زمین پر گر پڑا لیکن ہمّت کر کے پھر اُٹھا اور گھسٹتا ہوا مُسلمانوں کے حوض تک جا پہنچا۔ حضرت حمزہؓ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ اسود نے حوض میں چھلانگ لگا دی لیکن حضرت حمزہؓ نے اس کو حوض میں ہی قتل کر دیا۔

مسلمانوں نے چند ساعت کی لڑائی کے بعد کفّار کو شکستِ فاش دی، ستر مشرکین میدانِ جنگ میں کام آئے۔ تقریباً اتنے ہی مشرکین کو مسلمانوں نے قیدی بنا لیا۔ حضرت حمزہؓ نے اسود بن عامر کو قیدی بنایا اسے بعد میں طلحہ بن ابی طلحہ نے دو ہزار دینار بطور فدیہ ادا کر کے رہا کرایا۔

شوال ۲ ہجری میں غزوہ بنو قینقاع پیش آیا۔ یہودیانِ بنی قینقاع بڑے متموّل، طاقتور اور جنگجو لوگ تھے۔ ہجرت کے بعد اہلِ حق اور بنو قینقاع کے درمیان دوستانہ معاہدہ طے پا گیا کہ وہ مُسلمانوں کے خلاف دُشمن کو مدد نہ دیں گے اور اگر باہر سے کسی نے مدینہ پر حملہ کیا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر دُشمن کا مقابلہ کریں گے۔ لیکن یہ لوگ جلد ہی اپنے معاہدہ سے پھر گئے۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی ان کو ایک آنکھ نہ بھاتی اور وہ مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی باتیں کر کے اپنے دل کو خوش کرتے تھے۔ اور کہتے پھرتے تھے "مسلمانوں کا مقابلہ ہمارے ساتھ ہوتا تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ جوانمرد کیسے لڑتے ہیں"۔ شوال ۲ ہجری کا واقعہ ہے۔ ایک مسلمان خاتون بنو قینقاع کے محلّے میں کسی کام سے گئی۔ ایک یہودی نے اس کو چھیڑ کر بے حرمت کیا، یہ دیکھ کر ایک مسلمان غصّہ سے بے قابو ہو گیا

وراس نے یہودی کو قتل کر ڈالا۔ یہودیوں نے اس غیرت مند مسلمان کو شہید کر ڈالا اور علانیہ سرکشی اور عہد شکنی پر آمادہ ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان کو بہت سمجھایا لیکن ان کو اپنے ہتھیاروں اور قلعوں پر اتنا ناز تھا کہ کسی طرح اپنے مفسدانہ ارادوں سے باز نہ آتے۔ بالآخر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف لڑائی کا اعلان کر دیا اور ان کے محلے کا محاصرہ کر لیا۔ بنی قینقاع نے پندرہ دن تک قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا۔ اس کے بعد ان کی ہمت جواب دے گئی اور انہوں نے اس بات پر رضامندی ظاہر کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ کریں گے وہ اس کی پابندی کریں گے۔ حضورؐ نے خزرج کے بعض اکابر سے مشورہ کر کے حکم دیا کہ بنو قینقاع مدینہ کی سکونت ترک کر کے باہر چلے جائیں۔ چنانچہ یہ لوگ مدینہ سے نکل کر ملک شام کے ایک ضلع اَذرعات میں چلے گئے۔ اس غزوہ میں بھی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کو اسلامی فوج کا عَلم مرحمت فرمایا۔ چنانچہ وہ شروع سے اخیر تک نہایت شجاعت اور استقلال کے ساتھ علمبرداری کے فرائض انجام دیتے رہے۔

۳ھ ہجری میں غزوہ احد برپا ہُوا۔ اس وقت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کل سات سو جانباز تھے۔ ادھر مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی۔ مسلمانوں نے اُحد کا پہاڑ پیٹھ کے پیچھے رکھ کر اپنی صفیں درست کیں، حضورؐ نے پچاس تیر اندازوں کا دستہ اس دَرّہ پر بٹھا دیا جدھر سے اندیشہ تھا کہ دشمن اس سے گزر کر عقب سے حملہ نہ کر دے۔ اس موقع پر حضرت حمزہؓ فوج کے ایک دستے کے افسر مقرر ہوتے۔ طبل جنگ بجا تو قریش کی عورتیں دَف پر رجزیہ اشعار پڑھ کر اپنے مردوں کو لڑائی پر اُبھارنے لگیں۔

سب سے پہلے قریش کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ صف سے نکلا اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر للکارا: "تم میں کوئی ہے جو میرے سامنے آئے"۔ حضرت علی المرتضیٰؓ اس کے مقابلے کے لیے بڑھے اور ایک ہی وار میں اس کو واصلِ جہنم کر دیا۔ اس کے بعد عثمان بن ابی طلحہ رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھا۔ حضرت حمزہؓ اس پر جھپٹے اور شانہ پر اس زور سے تلوار ماری کہ کمر تک اُتر آئی۔

قریش کا عَلم اٹھا کر نکلنے والے جب کچھ اور آدمی بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے یکے بعد دیگرے مارے گئے تو مشرکین نے عام ہلّہ بول دیا۔ حضرت حمزہؓ اس شان سے لڑ رہے تھے کہ دو دستی تلوار چلاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے 'میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا شیر ہوں۔ اسی حالت میں مکّہ کا ایک سربرآوردہ مشرک سباع بن عبدالعزیٰ ان کے سامنے آگیا۔ حضرت حمزہؓ نے اس سے مخاطب ہو کر غضب آلود لہجے میں فرمایا "عورتوں کا ختنہ کرنے والی اُمّ انمار کے بچّے کیا تو خدا اور خدا کے رسولؐ سے لڑنے آیا ہے؟" یہ کہہ کر اس پر تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ کٹ کر وہیں گر پڑا۔ اِدھر حضرت حمزہؓ لاشوں پر لاشیں گرانے جا رہے تھے اُدھر جُبیر بن مطعم کا حبشی غلام وحشی ایک چٹان کے

پیچھے گھات لگائے انتظار کر رہا تھا کہ کب حضرت حمزہؓ اس کی زد میں آئیں اور وہ اپنا ہتھیار ان پر پھینکے۔ وحشی کو جبیرؓ بن مطعم نے اپنے چچا طعیمہ بن عدی کا انتقام لینے کے لیے حضرت حمزہؓ کے قتل پر مامور کیا تھا اور اس کام کے عوض اس کو آزاد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اتفاق سے وحشی کو جلد ہی وار کرنے کا موقع مل گیا۔ حضرت حمزہؓ آگے بڑھ رہے تھے کہ یکا یک ان کا پاؤں پھسل گیا اور وہ پیٹھ کے بل زمین پر گر پڑے۔ اسی وقت وحشی نے تاک کر اپنا چھوٹا سا بھالا ان پر پھینکا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ نے اس قدر شدید زخمی ہونے کے باوجود اٹھ کر اس پر حملہ کرنا چاہا مگر لڑکھڑا کر گر پڑے اور ان کی رُوح مطہر عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت پر مشرکین کو کمال درجے کی مسرت ہوئی اور ان کی عورتوں نے خوشی کے ترانے گائے۔ ہندہ بنتِ عتبہ زوجۂ ابوسفیان نے اپنے دِل کی بھڑاس یوں نکالی کہ حضرت حمزہؓ کی نعش مبارک سے کان ناک ہونٹ کاٹ لیے۔ اس کے بعد شکم چاک کر کے جگر نکالا اور اسے چبا چبا کر نگلنے کی کوشش کی مگر نگل نہ سکی اور تھوک دیا۔ پھر ایک بلندی پر چڑھ کر بلند آواز سے چند فخریہ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ آج ہم نے بدر کی لڑائی کا بدلہ لے لیا اور وحشی نے میرا سینہ ٹھنڈا کر دیا۔ جب تک میں زندہ رہوں گی اس کا شکریہ ادا کرتی رہوں گی۔

حضورؐ کو ہندہ کی مذموم حرکت کا علم ہوا تو آپؐ نے پوچھا کیا اس نے حمزہؓ کے جگر میں سے کچھ کھایا بھی ہے۔ لوگوں نے عرض کیا، نہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

"الٰہی حمزہؓ کے کسی حصّۂ جسم کو جہنم میں داخل نہ ہونے دیجیو۔"

معرکۂ اُحد ختم ہوا تو میدانِ جنگ ایک دلدوز منظر پیش کر رہا تھا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر جاں نثاروں کی لاشیں دُور دُور تک بکھری پڑی تھیں۔ مشرکین نے اپنے خبثِ باطن اور جوشِ انتقام کا مظاہرہ یوں کیا تھا کہ تقریباً سبھی شہیدانِ حق کی لاشوں کا مُثلہ کر ڈالا تھا۔ ان کے کان، ناک اور ہونٹ کاٹ کر پھینک دیتے تھے یا ہار بنا کر گلے میں ڈال لیے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی لڑائی میں سخت زخمی ہو گئے تھے لیکن آپؐ کو اپنے زخموں کا کوئی خیال نہیں تھا۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کی لاش کو دیکھا تو آپؐ کا دل بھر آیا اور لسانِ رسالت پر یہ الفاظ جاری ہو گئے:

"تم پر خدا کی رحمت ہو کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے تم قرابت داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے اور نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔"

اسی اثنا میں حضرت حمزہؓ کی حقیقی بہن حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب لڑائی کا حال معلوم کرنے

مدینہ سے نکلیں۔ حضورؐ نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ کو بلا کر فرمایا کہ صفیہؓ حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت زبیرؓ نے ان کو لاش پر آنے سے منع کیا تو بولیں، "میں نے اپنے بھائی کا ماجرا سن لیا ہے لیکن اللہ کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں۔" حضورؐ نے اجازت دی تو لاش پر گئیں، عزیز بھائی کو ٹکڑے ٹکڑے دیکھ کر آنکھوں سے سیل اشک بہہ نکلا لیکن انا للہ و انا الیہ راجعون کے سوا زبان سے اور کچھ نہ نکلا۔ واپس جاتے وقت حضرت زبیرؓ کو دو چادریں دے دی گئیں کہ ان میں ماموں کو کفنا دینا لیکن قریب ہی ایک انصاری کی لاش پڑی تھی۔ حضرت زبیرؓ نے دونوں شہیدوں میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی۔ اس ایک چادر سے حضرت حمزہؓ کا سر چھپایا جاتا تو پیر کھل جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا۔ آخر حضورؐ نے فرمایا کہ چہرہ اور سر کو چادر سے ڈھانپ دو اور پاؤں پر گھاس ڈال دو۔ اس طرح عم رسولؐ کا جنازہ تیار ہوا تو صحابہ کرامؓ رونے لگے۔ حضورؐ نے پوچھا کہ تم کیوں رو رہے ہو۔ عرض کیا "یا رسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان آج ہم کو یہ توفیق بھی نہیں کہ آپ کے چچا کا سارا بدن کپڑے سے ڈھانک سکیں۔" حضورؐ نے فرمایا، وہ زمانہ آنے والا ہے کہ مسلمان ایسے مقامات پر متصرف ہوں گے جہاں کھانے پینے پہننے اوڑھنے کی چیزوں اور سواریوں کی بہتات ہو گی اور وہاں سے وہ اپنے اہل و عیال کو مدینہ سے اپنے پاس آنے کو لکھیں گے۔

اس کے بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت حمزہؓ کی نماز جنازہ پڑھی پھر ایک ایک کر کے شہداء احد کے جنازے حضرت حمزہؓ کے پہلو میں رکھے گئے اور حضورؐ نے ہر ایک پر الگ الگ نماز پڑھائی۔ اس طرح اس دن حضرت حمزہؓ پر ستر مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اس فضیلت میں کوئی اور حضرت حمزہؓ کا شریک نہیں ہے۔ نماز جنازہ کے بعد حضرت حمزہؓ کو ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ساتھ ایک ہی قبر میں احد کے گنج شہیداں میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ ۴۰ھ ہجری میں حضرت امیر معاویہؓ کے حکم سے احد کی طرف سے نہر نکالی گئی تو کھدائی کے دوران میں شہداء کی لاشیں بالکل تر و تازہ حالت میں ملیں۔ اسی سلسلہ میں اتفاق سے حضرت حمزہؓ کے پاؤں میں بیلچہ لگ گیا تو ان کے پاؤں سے خون کی چھینٹیں اس طرح اڑیں جیسے زندہ آدمی کو زخم لگنے سے خون نکلتا ہے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محبوب چچا کی جدائی سے شدید صدمہ پہنچا تھا، جب آپؐ میدان احد سے واپس مدینہ منورہ تشریف لاتے تو بنو عبدالاشہل اور بنو ظفر کے گھروں سے

عورتوں کے رونے کی آواز آئی جو اپنے اپنے شہیدوں پر گریہ کناں تھیں، حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرمایا: "افسوس آج حمزہؓ پر رونے والا کوئی نہیں"۔ جب حضرت سعدؓ بن معاذؓ اور اُسیدؓ بن حضیر نے یہ بات سُنی تو انہوں نے اپنی عورتوں کو ہدایت کی کہ ہر انصاری عورت اپنے متوفی پر رونے سے پہلے رسول اللہ کے ہاں جا کر حضرت حمزہؓ پر روتے۔ چنانچہ سب انصاری خواتین نے آستانہ نبوی پر پہنچ کر بڑے درد کے ساتھ حضرت حمزہؓ پر رونا شروع کر دیا۔ اسی حالت میں حضورؐ کی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر بعد بیدار ہوتے تو دیکھا کہ انصاری خواتین بدستور گریہ وزاری میں مشغول ہیں۔ آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ اب واپس جاؤ اور آج کے بعد کسی مرنے والے پر نہ رونا۔

حضرت حمزہؓ نے اپنی زندگی میں کئی شادیاں کیں۔ بیویوں کے نام یہ ہیں، بنت ملتہ بن مالک' ان سے یعلٰی اور رعامر دو لڑکے پیدا ہوتے، خولہ بنت قیس' ان سے عمارہ پیدا ہوتے۔ سلمٰی بنت عمیس۔ ان سے ایک لڑکی اُمامہؓ پیدا ہوئیں۔ عمارہ اور رعامر دونوں لاولد فوت ہو گئے۔ یعلٰی سے چند اولادیں ہوئیں لیکن وہ سب بچپن ہی میں فوت ہو گئیں۔ اُمامہؓ حضورؐ کے ربیب حضرت عمرؓ بن ابی سلمہ مخزومیؓ سے بیاہی گئیں لیکن ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس طرح حضرت حمزہؓ کا سلسلۂ نسل نہ بیٹوں سے اور نہ بیٹی سے چلا۔

ذیقعدہ ۷ھ ہجری میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ صلح نامہ حدیبیہ کی شرط کے مطابق تین دن کے قیام کے بعد آپ مکہ سے چلنے لگے تو حضرت حمزہؓ کی کمسن یتیم بچی اُمامہؓ یا عمّ یا عمّ کہتی ہوئی حضورؐ کی طرف دوڑیں۔ حضرت علیؓ نے ان کو گود میں اُٹھا لیا اور اپنے ساتھ لے جا کر حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کے سپرد کر دیا کہ یہ تمہاری بنت عم ہے۔ میں اس کو اُٹھا لایا ہوں۔ حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت زیدؓ بن حارثہ نے حضرت اُمامہؓ کو اپنی آغوش تربیت میں لینے کے لیے حضورؐ کی خدمت میں الگ الگ دعوے پیش کیے۔ حضرت علیؓ کہتے تھے کہ اُمامہؓ میرے چچا کی لڑکی ہے اس لیے میں حق دار ہوں۔ حضرت جعفرؓ یہ کہہ کر اپنا استحقاق ظاہر کرتے تھے کہ وہ میری بنت عم ہے اور میری زوجہ (اسماءؓ بنت عمیس) کی بھانجی ہے۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ کہتے تھے کہ وہ میرے (دینی) بھائی کی لڑکی ہے۔ یہ ناز اور محبت کی لڑائی ایک کمسن بچی کو پالنے کے حق پر ہو رہی تھی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ حضرت جعفرؓ کے حق میں صادر فرمایا کیونکہ

ان کی زوجہ اسماءؓ بنت عمیس حضرت امامہؓ کی حقیقی خالہ تھیں اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے۔
سیدنا حضرت حمزہؓ کی زندگی اخلاق، غیرت مندی، شجاعت، جانبازی، بے خوفی، صلہ رحمی، حُبِ رسول اور شوقِ جہاد سب سے عبارت تھی۔
مولانا رومؒ نے مثنوی میں لکھا ہے کہ حضرت حمزہؓ جوانی میں ہمیشہ زرہ پہن کر لڑا کرتے تھے لیکن بعدِ شباب سعادت اندوزِ اسلام ہوتے تو زرہ پہننا بالکل ترک کر دیا اور لڑائیوں میں اس طرح شریک ہونے لگے کہ سینہ سامنے سے کھلا ہوتا اور دونوں ہاتھوں سے تلوار چلا رہے ہوتے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے عمِ رسول، کیا آپ نے اللہ کا حکم نہیں سُنا کہ جان بُوجھ کر ہلاکت میں نہ پڑو۔ پھر آپ احتیاط سے کیوں کام نہیں لیتے۔ جب آپ جوان تھے اور مضبوط و طاقتور، اس زمانے میں آپ کبھی زرہ کے بغیر لڑائی میں شامل نہیں ہوتے تھے۔
حضرت حمزہؓ نے ان کی باتیں سُن کر فرمایا کہ جب میں جوان تھا تو سمجھتا تھا کہ موت انسان کو اس دُنیا کے عیش و آرام سے محروم کر دیتی ہے اس لیے کیوں خواہ مخواہ موت کی جانب رغبت کروں۔ لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے میرے خیالات بدل گئے۔ اب مجھ کو اس دُنیائے فانی سے مطلق کوئی لگاؤ نہیں رہا اور موت مجھ کو جنت کی کنجی معلوم ہوتی ہے۔ زرہ تو وہ پہنے جس کے لیے موت کوئی دہشت ناک چیز ہو، جس کو تم موت کہتے ہو وہ میرے لیے ابدی زندگی ہے۔
طبقات ابنِ سعد میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حمزہؓ نے حضورؐ سے درخواست کی کہ آپؐ مجھے جبرئیل امینؑ کو ان کی اصلی صورت میں دکھا دیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا "چچا آپ میں اتنی طاقت نہیں کہ جبرئیلؑ کو اصلی صورت میں دیکھ سکیں۔" لیکن حضرت حمزہؓ نے انہیں دیکھنے پر اصرار کیا۔ ایک دن جبرئیلؑ نازل ہوتے تو حضورؐ نے فرمایا اپنی نگاہ اوپر اٹھائیے اور دیکھیے حضرت جبرئیلؑ اپنی اصلی صورت میں نازل ہوتے ہیں۔ حضرت حمزہؓ نے نگاہ اٹھائی تو حضرت جبرئیلؑ کے پاؤں دیکھ کر ہی غش آگیا۔
امام حاکمؒ نے مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گزشتہ رات جنت میں داخل ہوا تو دیکھا کہ جعفرؓ ملائکہ کے ساتھ اُڑ رہے ہیں اور حمزہؓ ایک تخت کے اُوپر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔

اصحابی کالنجوم
میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشاد نبوی)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

غزوہ خندق ختم ہوچکا تھا۔ اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن منہ کی کھا کر راہ فرار اختیار کر چکے تھے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی فتح و نصرت نے حضرت عمرو بن العاص کو بے حد متاثر کیا تھا۔ دُنیا کی چند روزہ زندگی اور اسلام کی تعلیمات پر جس قدر غور و خوض کرتے حق اتنا ہی روشن ہوتا جا رہا تھا۔ بعثت کے وقت آپ کے باپ عاص نے جس شدومد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تھی بیٹا اس کا صحیح جانشین ثابت ہُوا تھا۔ اسلام کے خلاف ہر سازش میں دیگر زعماء قریش کی طرح پیش پیش رہتے تھے۔ مسلمانوں کا جو پہلا قافلہ مُلک حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گیا تھا تو قریش نے جو وفد مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوانے کے لئے نجاشی کے پاس بھیجا تھا تو آپ اس کے سرگرم رکن تھے۔ وہاں پہنچ کر درباریوں اور دوسرے لوگوں کو تحائف دے کر اپنا ہمنوا بنا لیا تھا اور پھر بادشاہ سے گزارش کی کہ وہ مسلمانوں کو اپنے مُلک سے نکال دے لیکن اس نے انکار کر دیا لیکن اب آپ مسلمانوں کی مخالفت سے رفتہ رفتہ کنارہ کش ہوتے جا رہے تھے۔ وہ جوش و خروش اور عزم و ولولہ سرد ہوتا جا رہا تھا جس کا وہ اظہار کیا کرتے تھے۔

آپ کے رویے نے اہلِ قریش کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اب عمرو بن العاص وہ عمرو بن العاص نہیں رہا ہے جو کبھی ہوا کرتا تھا۔ لیکن پھر بھی حقیقتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے ایک شخص کو آپ کے پاس بھیجا اور طرح طرح کے سوالات کرنے لگا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ حق پر ہم ہیں یا فارس و روم والے"

آپ نے اس شخص سے دریافت کیا؛

"ہم" اس نے بڑے وثوق سے جواب دیا۔

"اگر ایسا ہے تو عیش و عشرت کسے حاصل ہے ہمیں یا اُن کو"

"اہلِ فارس و روم کو" اس نے کہا۔

"اگر اس عالم کے بعد دوسرا عالم نہیں تو پھر ہماری حق پرستی کس کام آئے گی۔ اگر ہم اس دُنیا میں باطل پرستوں کے مقابل تنگدست مفلوک الحال اور مصائب و آلام کا شکار رہیں اور دوسرے عالم میں بھی جزا کی امید نہ ہو تو پھر بات کیا بنی"

آپ نے پوچھا تو اس شخص کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا خاموش کھڑا مُنہ تکتا رہا۔

آپ پھر گویا ہوئے۔

"محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ تعلیم کہ مرنے کے بعد دوسرا عالم ہے جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔ کس قدر درست اور قابلِ فہم ہے:

قریش کا فرستادہ شخص واپس لوٹ گیا۔

وقت گزرتا رہا۔ ایک دن آپ ان آدمیوں سے ملے جو آپ کی باتیں بڑے دھیان سے سُنا کرتے اور انہیں تسلیم کیا کرتے تھے۔ آپ نے ان سے کہا۔

"حالات کی نبض کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور بضرور کامیاب و کامران ہوں گے اور اس کو کوئی شخص جھٹلا نہیں سکتا"

آپ نے تھوڑی دیر سکوت فرمایا اور پھر بولے۔

"میری ایک تجویز ہے"

"کیا؟"

بہت سی آوازیں فضا میں اُبھریں۔

"کیوں نہ ہم لوگ نجاشی کے پاس چل کر قیام کریں۔ اگر محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری قوم پر غالب آگئے تو ہم وہیں مقیم رہیں گے اور اگر ہماری قوم ان پر غالب آگئی تو ہم ممتاز

لوگ ہیں ہمارے ساتھ ان کا طرزِ عمل بہتر ہوگا۔"
راستے کو تمام حاضرین نے بہت پسند کیا اور شاہ حبشہ کے لیے تحفے اور چمڑا جو بہترین تحفہ تصور کیا جاتا تھا لیا اور سوئے حبشہ چل پڑے۔
جب آپ اور آپ کے ساتھی شاہ حبشہ نجاشی سے ملنے جا رہے تھے تو انہوں نے عمر بن امیہ ضمری کو بادشاہ کے محل میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ انہیں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی کسی ضروریات کے سلسلہ میں بھیجا تھا۔ تھوڑی دیر بادشاہ کے پاس رہنے کے بعد حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس لوٹ گئے۔ یہ واقعہ دیکھنے کے بعد (حضرت) عمرو بن العاص نے اپنے رفیقوں سے کہا۔
"میں نجاشی سے کہوں گا کہ وہ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میرے حوالے کر دے اور اگر اس نے انہیں مجھے دے دیا تو ان کی گردن مار دینگے تاکہ قریش کو علم ہو جائے کہ ہم نے سفیر رسول کو قتل کر کے ان کا انتقام لے لیا ہے۔"
یہ سوچ کر آپ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے آپ کو دیکھ کر پوچھا: "ہمارے لئے آپ ملک سے کیا تحفہ لائے ہو۔"
(حضرت) عمرو بن العاص نے چمڑہ پیش کیا جسے بادشاہ نے بڑا پسند کیا۔ جب واپس جانے لگے تو عرض کی۔
"اے بادشاہ سلامت! ابھی میں نے ایک شخص کو آپ کے پاس سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ ہمارے دشمن کا بھیجا ہوا تھا۔ آپ اسے ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم اسے قتل کر دیں اس نے ہمارے معززین و اکابرین کو بہت تکالیف دی ہیں۔"
جب نجاشی نے سنا تو اس کے غضب و غصے کی انتہا نہ رہی۔ اسی حالت میں اس نے بے اختیار ہو کر اپنا ہاتھ زور سے اپنے منہ پر مارا۔ حاضرین کو یوں لگا جیسے بادشاہ کی ناک ٹوٹ گئی ہو۔
یہ منظر دیکھ (حضرت) عمرو بن العاص بے حد نادم و شرمندہ ہوئے۔ دل چاہتا تھا کہ ابھی زمین پھٹ جائے تاکہ اس کے اندر سما جائیں۔ بڑی شرمندگی و لجاجت سے عرض کی۔
"عالی جاہ! میں اپنے الفاظ پر بے حد شرمسار و مجل ہوں۔ اگر پتہ ہوتا کہ میری بات آپ کو اس قدر ناگوار محسوس ہوگی تو کبھی نہ کرتا۔"

"تم کہتے ہو کہ میں اس عظیم ہستی کے ایلچی کو قتل کے لئے تمہارے حوالے کر دوں جن کے پاس ناموسِ اکبر آتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ اسلام کے پاس آیا کرتا تھا۔"

بادشاہ نے شاہانہ رعب و دبدبہ سے کہا۔

"اے شاہا! کیا واقعی"

(حضرت) عمرو بن العاص نے ازراہ حیرت پوچھا

"اے عمرو! تمہاری حالت پر صد افسوس۔ اللہ کی قسم وہ حق پر ہیں۔ اپنے دشمنوں اور مخالفوں پر غالب آئیں گے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ اسلام فرعون بدانجام اور اس کے لشکر پر غالب آتے تھے۔ میرا کہا مانو اور فوراً ان کی پیروی کر لو اسی میں بھلا ہے۔"

(حضرت) عمرو بن العاص نے سُنا تو عرض کی۔

"پھر ان کی طرف سے آپ مجھ سے اسلام کی بیعت لے لیں۔"

بادشاہ یہ سُن کر بڑا خوش ہُوا اور اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام کی بیعت کر لی۔

جب آپ بادشاہ کے دربار سے لوٹ کر واپس گئے تو دل و دماغ میں انقلاب عظیم برپا ہو چکا تھا۔ لیکن اس کا ذکر اپنے ساتھیوں سے نہیں کیا۔ اب حبشہ میں قیام کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا جسم سے پہلے ذہن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں پہنچ چکا تھا۔ مکہ پہنچے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس و حق پرست پر اسلام کے دامن سے وابستہ ہونے کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ فتح مکہ سے قبل کا واقعہ ہے۔

راستے میں (حضرت) خالد بن ولید ملے۔ وہ بھی ابھی تک حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوتے تھے۔

"ابا سلیمان! کہاں کا ارادہ ہے؟"

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا۔

"بخدا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم لاریب نبی برحق ہیں۔ اب جلد اسلام قبول کر لینا چاہیئے۔"

(حضرت) خالد بن ولید نے جواب دیا۔

"واللہ میں بھی اسی غرض سے چلا ہوں۔"

آپ دونوں حضرات بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوتے۔ اولاً حضرت خالد بن ولید نے غلامی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا طوق گلے میں ڈالا اور پھر حضرت عمرو بن العاص

حاضر خدمت ہوتے اور عرض کی۔
"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بیعت کرونگا۔ اسی لئے حاضر خدمت ہوا ہوں لیکن آپ اگلے اور پچھلے سارے گناہوں کو معاف فرما دیں"۔
"عمرو! بیعت کر لو۔ اسلام اپنے ماقبل کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے"۔
چنانچہ آپ نے اپنا ہاتھ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں دے دیا اور پھر مکہ لوٹ گئے اور پھر چند دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔
آپ کی پیدائش سے چند سال قبل کا واقعہ ہے کہ قحطانی قبیلہ قضاعہ کی شاخ بنو عذرہ پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا اور ایک خاتون جس کا نام نابغہ بنت حرملہ تھا کو اٹھا کر لے گئے اور عکاظ کے بازار میں لے جا کر فاکہ بن مغیرہ کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ بعد ازاں اسے عبداللہ بن عدنان کے ہاتھوں فروخت کر دیا گیا۔ اس نے نابغہ کو ہدیتاً عاص بن وائل کو دے دیا جس نے اس سے نکاح کر لیا۔
آپ کے والد عاص بن وائل کا تعلق بنو سہم کے خاندان سے تھا جو دور جاہلیت میں بڑا معزز و ممتاز تھا اور قریش کے سیاسی نظام میں مقدمات کے فیصلے کیا کرتا تھا۔ آپ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی اس کی بدولت آپ کے اندر سیاسی سوجھ بوجھ پیدا ہو گئی۔ اصابت رائے۔ جوہر حکمرانی اور تدبر و دانش نکھرنے لگی۔ اسی لئے مورخین نے آپ کو قریش کے حکام میں شمار کیا ہے۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور ابو محمد تھی۔ جب ہادی برحق نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو اس وقت آپ کی عمر چوتیس سال تھی اور شعور و خیالات میں پختگی آ چکی تھی۔
آپ میں امارت و قیادت کی تمام صفات موجود تھیں۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم بینا سے کوئی چیز اوجھل نہ تھی۔ فتح مکہ کے بعد جمادی الآخر ۸ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا سریہ ذات السلاسل کی طرف روانہ فرمایا جو وادی القریٰ کی طرف ہے۔ بر اویت ابن سعد اطلاع ملی کہ قضاعہ کے ایک گروہ کا ارادہ ہے کہ اکٹھے ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا۔ ان کے لئے سفید جھنڈا باندھا اور ایک سیاہ جھنڈا بھی ساتھ کر دیا۔ تین سو مہاجرین و انصار پر آپ کو امیر مقرر فرمایا جن میں تیس گھوڑ سوار بھی تھے۔ روانگی سے قبل حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔
"عمرو! بلی و عذرہ و بلقین میں سے جس پر گزر ہو اس سے مدد حاصل کرنا"۔
آپ نے ارشاد نبوی سنا تو سر تسلیم خم کر دیا اور پھر منزل کی طرف چل پڑے۔ منزل مقصود دس دن کی مسافت پر تھی۔ آپ دن کے وقت چھپے رہتے اور رات کو سفر کرتے تاکہ اچانک ان لوگوں

پر حملہ آور ہوں۔ جب آپ ان لوگوں کے قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ آپ نے حضرت رافع بن مکیث الجہنی کو دربار محمدیؐ میں بھیجا اور مزید امداد کی درخواست کی۔ نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں دو سو منتخب انصار و مہاجرین بھیجے۔ جن میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔

کمک پہنچنے کے بعد آپ روانہ ہوئے۔ بلی کی آبادی میں داخل ہو کر تمام راستوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور پھر عذرہ و بلقین کی آبادی تک آ گئے۔ آخر کار انہیں ایک مجمع ملا۔ مسلمانوں نے جاتے ہی ان پر حملہ کر دیا۔ وہ اس اچانک حملے کے لئے تیار نہ تھے لہذا بھاگے اور منتشر ہو گئے۔

رمضان المبارک ۸ ہجری میں آپ کا دوسرا سریہ سواع کی جانب تھا۔ یہ ہذیل کا بُت تھا جسے منہدم کرنا تھا۔ اس بُت کی شکل عورت جیسی تھی جو حضرت شیث علیہ اسلام کے بیٹے کے نام پر بنایا گیا تھا۔ فتح مکہ سے قبل یہاں ہر سال میلہ لگتا تھا۔ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچے تو وہاں اس کا مجاور ملا۔ اس نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"مجھے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ سواع کو توڑ دوں۔" آپ نے جواب دیا۔

"مگر تم اس پر قادر نہ ہو سکو گے۔" مجاور پھر بولا۔

"کیوں؟" آپ نے دریافت فرمایا۔

"وہ محفوظ ہے" اس نے جواب دیا۔

"اب تک تو باطل ہی میں ہے تیری خرابی ہو۔ کیا وہ سُنتا ہے یا وہ دیکھتا ہے؟"

یہ کہہ کر آپ بُت کے پاس گئے اور ایک ہی ضرب میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

"تم نے کیا دیکھا؟"

بُت توڑنے کے بعد آپ نے مجاور سے پوچھا تو وہ گویا ہوا۔

"میں اللہ کے لئے اسلام قبول کرتا ہوں۔"

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مختلف ذمہ داریاں سونپتے رہتے تھے جنہیں آپ بڑی محنت، لگن، شوق اور خوش اسلوبی سے سر انجام دیتے تھے۔ دعوت اسلام کا اعادہ کر کے آپ

کو عمان کی طرف بھیجا گیا تو وہاں کے حاکم اور اس کے بھائی عبید وجیفر نے اسلام قبول کر لیا۔ اپنے امراء کی پیروی میں اور بھی بہت سے لوگ دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ملی تو بے حد مسرور ہوئے اور لوگوں کو اسلامی تعلیم اور درس قرآن کے لئے وہاں کے عامل مقرر کر دیئے گئے۔ آپ دو سال تک وہاں فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہے کہ خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گرامی نامہ ملا لکھا تھا:

"سید الانبیاء ہمیں داغ مفارقت دے کر اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام آپ کے سپرد کیا تھا اسے بجا لاتے رہیں۔"

عہد صدیقی میں جب فتنہ ارتداد اُٹھا تو ان دنوں آپ عمان میں ہی تھے چنانچہ ان فتنوں کو دبانے کے لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو مناسب ہدایات بھیجیں تو آپ بحرین کے راستے آگے بڑھے۔ راستے میں قبیلہ بنی عامر میں قرہ بن ہبیرہ کے ہاں قیام فرمایا۔ اس نے آپ کی بڑی خاطر و مدارات کی۔ جب آپ وہاں سے روانہ ہونے لگے تو قرہ بن ہبیرہ آپ کو علیحدگی میں لے گیا اور کہا۔

"اگر عربوں سے زکوٰۃ لی گئی تو کسی کی امارت قبول نہ کرے گا اگر زکوٰۃ کا طریقہ بند کر دیا گیا تو مطیع و فرمانبردار رہوں گا۔"

آپ نے سُنا تو بڑے جوش سے بولے۔

"قرہ! کیا تم کافر ہو گئے ہو۔ مجھ کو عربوں سے ڈراتے ہو۔ اللہ کی قسم میں ایسے لوگوں کو گھوڑے کے ٹاپ سے مسل ڈالوں گا۔"

آپ مدینہ منورہ پہنچے تو خلیفۃ الرسول نے آپ کو بنو قضاعہ کے مرتدین کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ وہاں پہنچے تو خوب گھمسان کا رن پڑا۔ بالآخر بنو قضاعہ کو شکست فاش ہوئی اور ان سے زکوٰۃ وصول کی۔ انہیں دوبارہ اسلام پر قائم کیا اور پھر عمان لوٹ گئے۔

جب مُلک شام کی طرف اسلامی افواج روانہ کی گئیں تو آپ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط مبارک ملا مرقوم تھا۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو عمان کا والی مقرر کیا تھا اس لئے میں نے تم کو واپس بھیج دیا تھا لیکن اب میں تم کو ایسے کام پر لگانا چاہتا ہوں جو تمہاری دنیا و آخرت دونوں کے لئے مفید ہے۔"

خط مبارک پڑھ کر آپ نے جواباً لکھا۔

"یاخلیفۃ الرسول! میں اللہ کا ایک تیر ہوں اور اب اللہ کے بعد آپ اس کے تیر انداز ہیں۔ اختیار ہے جدھر چاہیں پھینکیں۔"

خط کا جواب پڑھ کر خلیفہ اول، ثانی اثنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت خوش ہوتے اور پھر آپ کو فلسطین کی مہم پر روانہ فرما دیا۔

اجنادین، دمشق، فحل، یرموک، بیت المقدس اور دوسرے کئی محاذوں پر خوب داد شجاعت دی اور اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ فرمایا۔ جب حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ طاعون عمواس میں داعی حق کو لبیک کہہ گئے تو انہوں نے آپ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور آپ نے پیش قدمی روک کر طاعون زدہ مقامات سے فوجیں ہٹا لیں۔

عہد فاروقی میں فتوحات کا سلسلہ عروج پر تھا۔ حضرت عمرو بن العاص کے حوصلے بلند تھے چاہتے تھے کہ کسی جگہ تنہا اپنی تلوار کے جوہر دکھائیں۔ لہٰذا خلیفہ دوئم امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصر پر حملہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ لیکن آپ کو دو وجہوں سے اجازت مرحمت فرمانے میں پس و پیش تھی۔ اولاً شام کی مہم سر کرنے کے بعد اسلامی فوجوں نے ابھی دم نہ لیا تھا اور ثانیاً شاہ مصر مقوقس کا تھوڑی فوج سے مقابلہ کرنا دشوار تھا۔ لیکن حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذبہ و حوصلہ مندی اور اصرار کے بعد اجازت دے دی گئی اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک جمعیت کے ساتھ امداد کے لئے بھی روانہ فرما دیا۔ معرکہ ہوا اور خوب ہوا لیکن باطل کو ہر محاذ پر شکست سے دوچار ہونا پڑا اور آپ فاتح مصر کی حیثیت سے وہاں داخل ہوتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا۔ کچھ دنوں بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سریر آرائے مسند خلافت ہوتے۔ انہوں نے آپ کو ۲۷ ہجری میں گورنری سے معزول کر دیا۔ لیکن اطاعت خلیفہ فرض تھی لہٰذا فلسطین میں رہائش اختیار کر لی۔ جب کبھی آپ کے سپرد کوئی کام کیا جاتا تو آپ بسر و چشم بجا لاتے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی آپ پر بڑا اعتماد و بھروسہ تھا۔ کبھی کبھی مدینہ منورہ بھی تشریف لاتے اور حاضر خدمت ہوتے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جب جنگ جمل ہوئی تو آپ نے گوشہ تنہائی سے قدم باہر نہ رکھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑی بے دردی سے جب شہید کر دیا گیا تو قصاص کے سلسلہ میں آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دیا۔

نہروان میں خارجیوں کی شکست اور قتل عام کے بعد ان کے بقیہ افراد نے فیصلہ کیا کہ سارا

فساد حضرت علی و حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی وجہ سے ہے لہٰذا ان کا کام تمام کر دینا چاہیئے۔ ۱۷ ہجری رمضان المبارک ۴۰ ہجری کی شب ابن ملجم نے حضرت علی پر، برک بن عبداللہ نے حضرت امیر معاویہ پر اور عمرو بن بکر تمیمی نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر قاتلانہ حملہ کا پروگرام بنایا۔ اس حملے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کرنے کی قاتل کو ہمت و جرأت نہ ہوئی اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ قاضی مصر شہید ہو گیا جو آپ کی جگہ نماز پڑھا رہا تھا کیونکہ اس دن آپ کی طبیعت ناساز تھی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں آپ کو مصر کا گورنر بنا دیا گیا۔ عمر کافی ہو چکی تھی۔ ۲ رمضان ۴۳ ہجری میں بیمار پڑے اور عید الفطر کے دن نوے سال کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ اس شخص پر تعجب ہے جو موت کے قریب ہو کر ہوش بجا رکھتا ہو مگر موت کی حقیقت بیان نہ کرے۔ چنانچہ جب آپ پر موت کی حالت طاری ہوئی تو آپ کے بیٹے عبداللہ نے باپ کو وہ بات یاد دلائی اور عرض کی۔

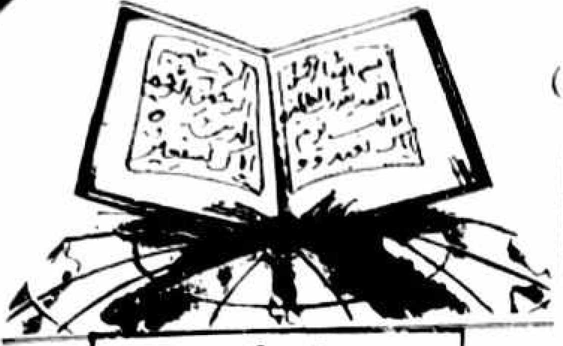
"آپ کی عقل آپ کے ساتھ ہے موت کا حال بیان کریں۔"

"بیٹا! موت اس سے برتر ہے کہ اسے بیان کیا جائے۔ کچھ تم سے بیان کروں گا۔ میں اپنے آپ کو اس حالت میں پا رہا ہوں کہ گویا میری گردن پر کوہ رضوی ہے۔ میرے پیٹ میں کھجور کے کانٹے ہیں اور میری سانس سوئی کے ناکے سے نکلتی ہے۔"

نماز جنازہ آپ کے بیٹے نے پڑھائی اور پھر مقطم میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ آپ نے اپنے پیچھے دو لڑکے عبداللہ اور محمد چھوڑے جو خولہ بنت حمزہ کے بطن سے تھے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قد درمیانہ، اعضاء مضبوط و قوی، پیشانی کشادہ، آنکھیں سیاہ اور بڑی تھیں، داڑھی پر سیاہ خضاب لگاتے تھے۔ عقل پر جذبات کو حاوی نہیں ہونے دیتے تھے۔ قرآن سے خاص ذوق تھا۔ اتالیس احادیث مبارکہ آپ سے مروی ہیں جن میں تین متفق علیہ ہیں۔ تعلیم و تلقین بھی نو مسلموں کو فرمایا کرتے تھے۔ تمام مسائل میں قرآن و حدیث سے کام لیتے تھے۔ اگر ان سے حل نہ ملتا تو اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ حق پرست تھے۔ عقل و دانش اور تدبیر سیاست کے لحاظ سے آپ کا شمار عرب کے مخصوص اشخاص میں ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا:

"تم اسلام میں صائب الرائے ہو۔"



"دعا تقدیر بدل دیتی ہے" (حدیثِ رسولؐ)

سیارہ ڈائجسٹ کی ایک اور ایمان افروز پیشکش



دعا نمبر

شائع ہو گیا ہے

- قرآنی دعائیں۔
- عظیم پیغمبرانِ خدا کی وہ دعائیں جو نسلِ انسانی کے لیے نجات اور ہدایت کا باعث بنیں۔
- خالقِ کائنات کے آخری نبی محمد رسول اللہؐ کی تمام مسنونہ دعائیں جو رحمت اللعالمینؐ کی ذاتِ برکات کا مقدس پرتو ہیں۔
- صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی دعائیں۔
- آئمہ اکرام اور اسلام کے عظیم اور باکمال صوفیائے عظیم کی بابرکات دعائیں۔

جدید دنیا کے گھمبیر اور اعصاب شکن مسائل میں گھرے
پریشان حال انسان کے تمام مسائل کا تشفی آمیز
روحانی اور ایمانی علاج

سیّارہ ڈائجسٹ ۱۶۔ بی سانده روڈ۔ لاہور فون: ۷۲۴۵۴۱۲

اصحابی کالنجوم
میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشاد نبویؐ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

سیدنا حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص کا شمار شمعِ رسالتؐ کے اُن پروانوں میں ہوتا ہے جو آسمانِ علم وفضل کے آفتاب وماہتاب تھے۔

ان کی کنیت ابو محمد بھی تھی اور ابو عبدالرحمٰن بھی۔ قریش کے خاندان بنو سہم سے تعلق تھا۔ آپ بلند قامت، سرخ وسفید اور فربہ اندام تھے۔ والدہ کا نام ریطہ بنتِ منبہ تھا۔

والد حضرت عمروؓ بن العاص فاتح مصر اپنی شجاعت وبہادری، تدبیر وحکمت، عسکری مہارت اور بصیرت وذکاوت کی بنا پر تاریخ اسلام کی نہایت قد آور شخصیت ہیں جبکہ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ اپنے علم وفضل اور ذوقِ عبادت کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ وارفع مقام رکھتے ہیں۔ وہ قریش کے اُن گنے چنے لوگوں میں سے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے تو فتح مکہ سے چھ مہینے پہلے اسلام قبول کیا لیکن سعادت مند فرزند حضرت عبداللہؓ ان سے پہلے ہی شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔

قبولِ اسلام کے جلد ہی بعد وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی۔ اکثر بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر رہتے تھے اور آپؐ کے ارشادات بڑے ذوق وشوق سے سُنا کرتے تھے۔ بسا اوقات لکھ بھی لیتے تھے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ رئیس ابن رئیس تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد عبادت کی کثرت کا یہ حال تھا کہ صحیح معنوں میں دائم الصوم اور قائم اللیل ہو گئے تھے۔ اہل و عیال اور دوسرے دنیاوی معاملات سے یکسر بے نیازی اختیار کر لی تھی۔ حضرت عمروؓ بن العاص ہجرت کر کے مدینہ آتے اور بیٹے کا یہ رنگ دیکھا تو ان کو سمجھایا کہ عبادت میں اتنی شدت مناسب نہیں لیکن حضرت عبداللہؓ اپنی روش پر قائم رہے اس پر حضرت عمروؓ بن العاص نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنے فرزند کی راہبانہ زندگی کا ماجرا عرض کیا۔ حضورؐ نے حضرت عبداللہؓ کو طلب کیا اور فرمایا:

"مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے یہ معمول بنا رکھا ہے کہ دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نوافل پڑھتے ہو کیا یہ درست ہے؟"

"جی یا رسول اللہؐ" انہوں نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ طریقہ چھوڑ دو، روزے بھی رکھا کرو اور ناغہ بھی کیا کرو، اسی طرح رات کو نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ اسی طرح تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔ اسی طرح تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمانوں ملاقاتیوں کا بھی تم پر حق ہے جو ہمیشہ بلا ناغہ روزہ رکھے اس نے گویا روزہ رکھا ہی نہیں۔ رمضان کے روزوں کے علاوہ ہر مہینے میں تین دن کے نفلی روزے رکھ لینا ہمیشہ روزہ رکھنے کے حکم میں ہے اور مہینے میں ایک قرآن پاک ختم کر لیا کرو۔"

حضرت عبداللہؓ بن عمرو نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔"
حضورؐ نے فرمایا: "تو پھر تم داؤد علیہ السلام کی طرح روزے رکھا کرو یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار اور تہجد میں سات دنوں میں ایک قرآن ختم کر لیا کرو اس سے زیادہ نہ کرو۔"

انہوں نے ارشادِ نبویؐ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور آئندہ اسی کے مطابق عمل کرنے کا وعدہ کیا۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو کو جہاد فی سبیل اللہ کا بے انتہا شوق تھا اور وہ غزوات میں اکثر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ حضورؐ ان کو کسی اہم خدمت پر مامور فرماتے تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فوج کے لئے اونٹ مہیا کرنے کا حکم دیا، چنانچہ میری تحویل میں جس قدر اونٹ تھے ان سب پر لوگوں کو سوار کرا دیا لیکن پھر بھی کچھ لوگ باقی رہ گئے جن کو سوار کرنے کے لئے کوئی اونٹ نہ تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ! میں نے سارے اونٹ لوگوں میں تقسیم کر دیئے لیکن کچھ لوگوں کو کوئی اونٹ

نہیں مل سکا۔"

حضورؐ نے فرمایا:

"ایک ایک اونٹ کے بدلے میں صدقہ کے دو دو تین تین اونٹوں کا وعدہ کر کے کچھ اونٹ حاصل کر لو تاکہ باقی لوگ بھی ان پر سوار ہو سکیں۔"

میں نے ارشادِ نبویؐ کی تعمیل کی اور جتنے اونٹوں کی ضرورت تھی مہیا کر لئے۔

۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں منیٰ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، ناواقفیت کی وجہ سے میں نے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈوا لیا۔ آپؐ نے فرمایا، ذبح کر اور پھر سر منڈوانے کوئی حرج نہیں۔ دوسرا شخص آیا اور اس نے عرض کیا، ناواقفیت کے سبب میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کر لی ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اب کنکریاں مار لے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ تقدیم و تاخیر کے جو مسائل آپؐ سے دریافت کئے گئے آپؐ نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ اب کر لے کوئی حرج نہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ کا سب سے نمایاں کام احادیثِ نبویؐ کی کتابت ہے۔

ان کو اکثر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوتی تھی۔ وہ جو کچھ لسانِ رسالت سے سنا کرتے تھے اس کو لکھ لیا کرتے تھے۔ بعض اصحاب نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا۔ اس پر حضرت عبداللہؓ نے حضورؐ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"لکھو اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔"

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت ملنے پر حضرت عبداللہؓ نے پھر حدیثیں لکھنی شروع کر دیں اور ان کا ایک مجموعہ مرتب کیا جس کا نام "الصادقہ" رکھا۔ اس مجموعے کو وہ نہایت عزیز رکھتے تھے اور کسی حالت میں بھی اس کی مفارقت گوارا نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے:

مجھ کو زندگی کا خواہش مند یہی کتاب "صادقہ" بنا رہی ہے۔ یہ نہ ہو تو مجھے جینے کی خواہش نہیں ہے۔ پھر خود ہی "صادقہ" کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ الصادقہ وہ صحیفہ ہے جس کو میں نے حضورؐ سے سن سن کر لکھا ہے۔

حضرت عبداللہؓ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر عقیدت تھی کہ آپؐ سے کوئی خاص دعا سنتے تو یہ دعا اپنی اولاد کو بھی تلقین فرماتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے

سُنا کہ جب تم میں سے کوئی سوتے میں ڈر جاتے تو یوں دعا کرے :

"میں اللہ کے بے عیب کلمات کے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں خود اس کے غضب اور عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیطانی وساوس واثرات سے اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں اور مجھے ستائیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر شیاطین اس بندے کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

حضرت عبداللہؓ کے صاحبزادے حضرت شعیبؒ کا بیان ہے کہ ہمارے والد کا یہ معمول تھا کہ اُن کی اولاد میں جو بڑے اور بالغ ہوجاتے وہ یہ دُعا ان کو تلقین فرماتے تاکہ وہ بھی اس دُعا کو اپنا معمول بنا لیں اور جو چھوٹے نابالغ بچے ہوتے تو یہی دُعا ایک کاغذ پر لکھ کر ان کے گلے میں ڈال دیتے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوتے تو سارے عرب میں فتنہ ارتداد کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اس فتنہ کا بڑی استقامت سے مقابلہ کیا اور جب تک اس کا پوری طرح قلع قمع نہ ہوگیا وہ چین سے نہ بیٹھے۔ اس فتنے کے استیصال میں جن صحابہ کرامؓ نے بھرپور حصہ لیا حضرت عبداللہؓ کے والد حضرت عمروؓ بن العاص کا نام ان میں بہت نمایاں ہے ان کے صاحبزادے نے جہادِ شام میں بھرپور حصہ لیا جو فوجیں شام روانہ ہوئیں ان میں سے ایک کے سپہ سالار حضرت عمروؓ بن العاص تھے انہیں فلسطین کی تسخیر پر مامور کیا گیا تھا حضرت عبداللہؓ اپنے والدِ گرامی کے ساتھ ہی ایک مجاہد کی حیثیت سے شام گئے اور رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔

شام کی سب سے بڑی جنگ "جنگِ یرموک" میں حضرت عبداللہؓ نہایت پامردی سے لڑے اور نازک سے نازک موقع پر بھی اپنے پاتے استقلال میں جُنبش نہ آنے دی۔ حضرت عمروؓ بن العاص اپنے فرزند کی دلاوری اور استقامت دیکھ کر اتنے خوش ہوتے کہ اپنا علمِ قیادت ان کے ہاتھ دے دیا۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مصر کے والی مقرر ہوتے تو انہوں نے امیر المومنینؓ سے شمالی افریقہ پر فوج کشی کی اجازت مانگی۔

حضرت عثمانؓ نے اس معاملہ میں صاحب الرائے صحابہ سے مشورہ کیا تو انہیں اس مُہم کے حق میں پایا۔ چنانچہ امیر المومنینؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو نہایت خوشدلی سے افریقہ پر لشکر کشی کی اجازت دے دی۔ ساتھ ہی انہوں نے اس مُہم میں شریک ہونے کے لئے مدینہ منورہ میں ایک لشکر مرتب کیا اس لشکر میں بعض دوسرے صحابہ کے علاوہ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن جعفرؓ، حضرت حسنؓ بن علیؓ المرتضیٰ اور حضرت حسینؓ بن علی المرتضیٰؓ بھی شریک تھے۔ اس لشکر نے افریقہ پہنچ کر عبداللہ بن ابی سرح کی قیادت میں

طرابلس الغرب کو مسخر کیا اور بہت سے دوسرے شہروں اور علاقوں کو بھی مطیع و منقاد کیا۔ شمالی افریقہ کے ان تمام معرکوں میں حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ دوسرے جوانانِ قریش کے ساتھ برابر شریک رہے اور ہر معرکے میں اپنی شجاعت اور جانبازی کی دھاک بٹھا دی۔

۳۰ ہجری میں مجاہدینِ اسلام نے امیرالمومنینؓ کے اِذن سے خراسان طبرستان اور جرجان پر لشکر کشی کی۔ اس مہم کی قیادت حضرت سعیدؓ بن العاص اُموی والیٔ کوفہ کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے کوفہ میں جو لشکر مرتب کیا اس میں بھی بہت سے اکابر اصحاب شریک ہوتے۔ ان میں حضرت حذیفہؓ بن الیمان، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت حسنؓ بن علی المرتضیٰؓ حضرت حسینؓ بن علیؓ المرتضیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے علاوہ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص بھی شامل تھے۔ اس لشکر نے طبرستان پر حملہ کر کے کئی اہم شہر فتح کر لئے۔ جرجان کے حکمران نے مقابلہ کیا لیکن بالآخر اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور دو لاکھ پر صلح کر لی۔ اسی طرح اس لشکر نے بہت سے دوسرے شہروں کو مطیع کیا اور کثیر مالِ غنیمت حاصل کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہدِ خلافت (۳۷ ہجری) میں جب امیر معاویہؓ والیٔ شام سے اُن کے اختلافات نے جنگ صفین کی صورت اختیار کر لی تو حضرت عبداللہؓ کے والد حضرت عمروؓ بن العاص امیر معاویہؓ کی طرف سے لڑائی میں شریک ہوتے لیکن وہ اس خانہ جنگی کے سخت خلاف تھے اور اس میں حصہ نہیں لینا چاہتے تھے لیکن والدِ گرامیؓ کے حکم سے مجبور ہو گئے۔

جنگ صفین کا نتیجہ تحکیم کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس سلسلے میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس پر جانبین کے معتبر نمائندہ اصحاب نے دستخط کئے۔ امیر معاویہؓ کی جانب سے اس پر دستخط کرنے والے اصحاب میں حضرت عبداللہؓ بن عمرو بھی شامل تھے۔

اسد الغابہ میں ہے کہ جنگ صفین کے بعد حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ جب تک جیتے اس جنگ میں اپنی شرکت پر ہمیشہ متاسف رہے۔ فرمایا کرتے تھے کاش اللہ نے مجھے اس سے بیس سال پہلے اٹھا لیا ہوتا۔

جنگ صفین کے کچھ عرصہ بعد ایک دن حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ حضرت ابو سعید خُدریؓ اور کچھ دوسرے اصحاب مسجد نبویؐ میں بیٹھے ہوتے تھے کہ سیدنا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا اُدھر سے گزر ہوا۔ حضرت عبداللہؓ نے انہیں دیکھ کر حاضرینِ مجلس سے کہا:

"کیا میں تمہیں وہ انسان دکھاؤں جو آسمان والوں کے نزدیک دُنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔"

سب نے کہا: "ضرور ضرور"
حضرت عبداللہؓ نے سیدنا حسینؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:
"یہ ہے وہ انسان جو تمہارے سامنے سے گزر رہا ہے۔ جنگِ صفین کے بعد آج تک میرے اور اس کے درمیان کوئی بات چیت نہیں ہوئی لیکن اس کی رضا سے بڑھ کر میں دنیا میں کسی شے کو عزیز نہیں جانتا"
حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا: "کیا آپ اُن سے مل کر ان کو راضی نہیں کریں گے؟"
حضرت عبداللہؓ بولے "کیوں نہیں"

دوسرے دن وہ حضرت ابو سعید خدریؓ کو ساتھ لے کر سیدنا حضرت حسینؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ سیدنا حسینؓ نے اجازت دینے میں تامل کیا لیکن حضرت عبداللہؓ نے اصرار کیا تو انہوں نے اندر بلا لیا۔ حضرت عبداللہؓ نے ان کو وہ حالات بتائے جن کی وجہ سے انہیں جنگِ صفین میں شریک ہونا پڑا تھا۔ ان میں بنیادی بات یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے والد کی فرمانبرداری کا حکم دیا تھا اسی لئے میں والد کے حکم کی تعمیل میں شامی لشکر میں شامل ہو گیا لیکن خدا کی قسم میں نے لڑائی میں نہ تو تلوار اُٹھائی نہ کوئی تیر چلایا اور نہ ہی کسی کو زخمی کیا۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ مدینہ منورہ، طائف اور مصر میں گزارا تھا۔ مصر اُن کے والد حضرت عمروؓ بن العاص نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں فتح کیا تھا۔ حضرت عبداللہؓ نے بھی اپنے والدِ گرامی کے ساتھ جہادِ مصر میں حصہ لیا اور مصر کی تسخیر کے بعد وہاں کئی سال مقیم رہے۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت عمروؓ بن العاص کو امارتِ مصر کے عہدے سے سبکدوش کر دیا گیا اور وہ مدینہ واپس آ گئے۔

حضرت عبداللہؓ نے بھی اُسی زمانے میں مصر سے مراجعت کی۔ چند سال بعد حضرت امیر معاویہؓ عالمِ اسلام کے بلاشرکت غیرے فرمانروا بنے تو انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کو دوبارہ مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ حضرت عبداللہؓ بھی والدِ گرامی کے پاس مصر چلے گئے۔ ۴۳ھ یا ۴۴ھ میں حضرت عمروؓ بن العاص مرض الموت میں مبتلا ہوتے تو حضرت عبداللہؓ ان کے پاس ہی تھے۔ وفات سے کچھ دیر پہلے حضرت عمروؓ پر گریہ طاری ہو گیا۔ حضرت عبداللہؓ نے ان سے کہا:
"ابا جان آپ روتے کیوں ہیں، کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں بشارتیں نہیں دی تھیں؟"

حضرت عمروؓ بن العاص نے فرمایا:

"بیٹا ایک وقت تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عناد رکھتا تھا، پھر وہ وقت آیا کہ آپؐ میرے لئے دُنیا کی ہر شے سے بڑھ کر عزیز ہوگئے اور آپؐ سے بڑھ کر میری نگاہ میں کوئی محبوب نہ رہا اگر اس حالت میں مرجاتا تو جنت کی اُمید تھی پھر زندگی کا تیسرا دور آیا جس میں مَیں نے مختلف قسم کے اعمال کئے اب میں نہیں جانتا کہ میرا کیا حشر ہوگا۔ ہاں میرے پاس سب سے قیمتی متاع لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت ہے جب مَیں مرجاؤں تو نوحہ کرنے والی عورتیں میرے جنازے کے ساتھ نہ جائیں نہ جنازے کے پیچھے آگ جائے۔ دفن کرتے وقت مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا۔ تدفین کے بعد اتنی دیر تک قبر کے پاس رہنا جب تک جانور ذبح ہوکر اس کا گوشت تقسیم ہوجائے ...."

نزع کے وقت ہوش وحواس پوری طرح قائم تھے، اُس وقت حضرت عبداللہؓ نے ان سے کہا:

"اباجان! آپ ذرا اپنی کیفیت تو بیان کریں کہ اس وقت آپ کیا محسوس کر رہے ہیں"

انہوں نے فرمایا:

"بیٹا یوں محسوس ہوتا ہے کہ جبلِ رضوی میری گردن پر ٹوٹا پڑتا ہے۔ میری آنتوں کو کھجور کے کانٹوں پر گھسیٹا جارہا ہے اور میری جان سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہے ـــ جب مَیں مرجاؤں تو پہلے معمولی پانی سے غسل دینا اور جسم کو کپڑے سے خشک کرنا، پھر تازہ اور صاف پانی سے نہلانا اور تیسری مرتبہ ایسے پانی سے جس میں کافور کی آمیزش ہو، پھر کپڑے سے خشک کرنا۔ کفناتے وقت ازار کس کے باندھنا۔ جنازہ کو نہ تیز تیز اور نہ آہستہ آہستہ لے جانا۔ لوگوں کو جنازہ کے پیچھے رکھنا، اس کے آگے فرشتے چلتے ہیں اور پیچھے انسان۔ قبر کے رکھنے کے بعد مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا۔"

حضرت عبداللہؓ نے والدِ گرامی کی وصیت پر پورا پورا عمل کیا پھر خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور جبلِ مقطم کے دامن میں سپردِ خاک کردیا۔

حضرت عبداللہؓ کو والد کے ترکے میں سے کافی دولت اور جائداد ملی۔ اس میں طائف کے قریب وہط نام کی ایک جاگیر بھی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی قیمت کا اندازہ دس لاکھ درہم کے قریب تھا حضرت عبداللہؓ اس میں کھیتی باڑی کرایا کرتے تھے۔ ان کی زندگی اگرچہ زاہدانہ اور عابدانہ تھی لیکن اپنے مال یا جائداد پر کسی کو ناجائز قبضہ کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دیتے تھے۔ ایک مرتبہ وہط کے ایک قطعہ زمین کے بارے میں کسی شخص سے نزاع کی صورت پیدا ہوگئی۔ یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ فریقین لڑنے پر

ٹل گئے۔ بالآخر معاملہ باہمی افہام وتفہیم سے طے ہوگیا اور لڑائی تک نوبت نہ پہنچی۔
۶۵ ہجری میں حضرت عبداللہؓ مصر کے شہر فسطاط میں مقیم تھے کہ اُن کا وقت آخر آپہنچا اور انہوں نے پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ اس وقت مروان بن الحکم اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی فوجوں میں مصر پر قبضہ کے لئے شدید لڑائی ہو رہی تھی اور جنازہ کو قبرستان تک پہنچانا بہت مشکل تھا اس لئے لوگوں نے انہیں گھر کے اندر ہی قبر کھود کر دفن کر دیا۔
حضرت عبداللہؓ بڑے لطف وانبساط سے حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ لوگ دُور دُور سے سماعِ حدیث کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے وہ خندہ پیشانی سے ان کی پذیرائی کرتے اور نہایت شیریں لہجے میں ان کو ارشاداتِ نبویؐ سناتے۔ ایک دفعہ لوگوں کے ایک بہت بڑے مجمع نے ان کو گھیر رکھا تھا کہ ایک شخص نے بھیڑ کو چیر کر ان کے قریب پہنچنے کی کوشش کی۔ لوگوں نے اسے روکا تو فرمایا کہ اسے آنے دو۔ لوگوں نے اس کو راستہ دے دیا وہ آکر حضرت عبداللہؓ کے سامنے بیٹھ گیا اور بولا: "اے صاحبِ رسولؐ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد مجھے سنایئے۔"
حضرت عبداللہؓ نے متبسم ہو کر فرمایا:
"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جس نے اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دیا۔"
حضرت عبداللہؓ جہاں بھی تشریف لے جاتے تھے شائقینِ علم ان کی والہانہ پذیرائی کرتے تھے۔ ہر وقت سینکڑوں کی تعداد میں ان کے گرد جمع رہتے تھے۔ اہلِ بصرہ کو تو ان سے اس قدر عقیدت تھی کہ اُن کے حلقۂ درس میں غالب تعداد بصریوں ہی کی ہوتی تھی۔
حضرت عبداللہؓ اپنے دور کے ذی علم صحابہ کی بے حد عزت کرتے تھے اور برملا ان کے علم و فضل کا اعتراف کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کی مجلس میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا ذکر آیا تو فرمایا:
"تم لوگوں نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا ہے جس کو میں اس دن سے دوست رکھتا ہوں جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو۔ آپؐ نے سب سے پہلے عبداللہؓ بن مسعود کا نام لیا۔"
فیضانِ نبویؐ سے خوب بہرہ یاب ہونے کے علاوہ حضرت عبداللہؓ نے عبرانی زبان بھی بڑی محنت سے سیکھی اور توریت وانجیل کا گہری نظر سے مطالعہ کیا چنانچہ وہ ایک ایسے عالم بن گئے جن کو قرآن حکیم کے ساتھ توریت وانجیل پر بھی عبور حاصل تھا۔

اصحابی کالنجوم

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشادِ نبوی)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نہاوند کی فتح کے بعد حضرت حذیفہؓ نے آذربائیجان پر لشکر کشی کی اور ایک سخت لڑائی کے بعد آذربائیجان کو اسلامی سلطنت کا باجگزار بنا لیا۔ اس کے بعد انہوں نے موقان اور جیلان کو مسخر کیا اور مزید آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے انہیں فوجی خدمات سے سبکدوش کر کے مدائن کا گورنر مقرر کر دیا۔ آپ ایک ٹٹو کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے اور معمولی سا لباس زیب تن تھا۔ معززین شہر اپنے نئے والی کے استقبال کے لیے شہر سے باہر جمع تھے لیکن حضرت حذیفہؓ ان کے سامنے سے گزر گئے اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔ جب انتظار کرتے کافی وقت گزر گیا تو انہوں نے مسلمانوں سے پوچھا کہ نئے والیٔ شہر آنے والے تھے ابھی تک کیوں نہیں پہنچے۔ مسلمانوں نے بتایا کہ وہ تو ابھی تمہارے سامنے سے گزر کر شہر کے اندر پہنچ گئے ہیں۔ یہ سن کر اکابرِ شہر حیران رہ گئے۔

کچھ دیر بعد حضرت حذیفہؓ نے تمام مسلمانوں اور اہلِ مدائن کو جمع کیا اور ان کے سامنے امیر المومنین کا فرمان پڑھا۔ لکھا تھا:۔

"حذیفہؓ بن یمان تمہارے امیر مقرر کیے جاتے ہیں۔ ان کا حکم سنو اور ان کی اطاعت کرو۔ اور وہ جو کچھ تم سے طلب کریں ان کو دو۔"

جب وہ فرمان پڑھ چکے تو چاروں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں: "آپ اپنی ضروریات ہمیں بتلائیں

کریں ہم انہیں پورا کریں گے۔"

حضرت حذیفہؓ "مقام فقر کی معراج پر تھے، فرمایا:۔

"مجھے صرف اپنے پیٹ کے لیے کھانا اور گدھے کے لیے چارا چاہیے۔ جب تک میں یہاں رہوں گا اس سے زیادہ تم سے کچھ نہیں مانگوں گا۔"

اور واقعی حضرت حذیفہؓ نے اپنا قول پورا کر دکھایا۔ جب تک مدائن میں رہے۔ امارت میں فقیری کی شان رہی۔ خدم وحشم تو بڑی بات ہے وہ قوتِ لایموت کے سوا ایک چھڑی تک اپنے پاس رکھنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ ایک معمولی چھپر میں رہتے تھے اور سواری کے لیے ہمیشہ گدھا استعمال کرتے تھے۔ لوگوں کو ہمیشہ تلقین کرتے تھے کہ فتنہ کی جگہوں سے دُور رہو۔ ایک دفعہ لوگوں نے پوچھا: "حضرت فتنہ کی جگہیں کون سی ہیں۔" فرمایا "امیروں اور حاکموں کے دروازے۔ لوگ امیروں کے پاس جاتے ہیں ان کی غلط باتوں کی تائید کرتے ہیں اور ان کی بے جا تعریف کرتے ہیں۔ یہی تو فتنہ ہے۔"

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے کچھ رقم بھیجی تو سب حاجت مندوں میں تقسیم کر دی۔ اسی طرح جب تنخواہ ملتی تو اشیائے خورد ونوش کی خرید کے لیے چند درم اپنے پاس رکھ لیتے اور باقی سب راہِ خدا میں لٹا دیتے۔ فقر واستغناء اور احکامِ شرع کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ پینے کے لیے پانی مانگا۔ ایک رئیس نے چاندی کے برتن میں پانی لا کر دیا۔ انہوں نے جھنجلا کر پیالہ پھینک دیا اور فرمایا:۔

"کیا میں نے تم لوگوں کو بار بار تنبیہہ نہیں کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا منع فرمایا ہے۔"

کچھ عرصہ بعد دربارِ خلافت سے طلبی ہوئی تو اپنی فقیرانہ شان سے مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کھجوروں کے ایک جھنڈ میں تشریف فرما تھے۔ اور بار بار شاہراہ کی طرف دیکھتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں کسی کا انتظار ہے۔ بڑی دیر کے بعد انہیں دُور سے گرد اڑتی نظر آئی۔ ایک سوار مدینہ کی طرف لپکا چلا آرہا تھا۔ یہ یمنی خدوخال اور میانہ قد کا ایک دُبلا پتلا شخص تھا جو بغیر زین کے خچر پر سوار تھا۔ اس کے جسم پر موٹا سا لباس تھا جس میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے، جب وہ جھنڈ کے قریب پہنچا تو حضرت عمرؓ کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔ بے تابانہ جھنڈ سے باہر نکل کر اس کے سامنے آگئے اور اس سے لپٹ گئے۔

زور زور سے بھینچتے تھے اور کہتے جاتے تھے "واللہ تم نے اسلام کی لاج رکھ لی۔ تم میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں۔" یہ صاحب جن کی پذیرائی خلیفۂ عرب و عجم حضرت عمر فاروقؓ اس طریقے سے کر رہے تھے ایران کے سابقہ پایۂ تخت مدائن کے گورنر ابو عبداللہ حذیفہؓ بن الیمان تھے۔

حضرت حذیفہؓ بن الیمان کا شمار اُن بلند مرتبہ صحابہ میں ہوتا ہے جنہیں خود سالارِ انبیاء فخرِ رسلؐ نے قیامت میں اپنی معیت کی بشارت سنائی۔ ان کی کنیت ابو عبداللہ اور لقب "صاحب السر رسول اللہ" تھا۔ اس لقب کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منافقین کے نام بتا دیئے تھے جن کو وہ رازداری کے ساتھ محفوظ رکھتے تھے۔

لوگ انہیں صاحب سر رسول اللہ کہتے تھے۔ آپ کسی منافق کا نام تو نہیں بتاتے تھے البتہ یہ کہہ دیتے تھے کہ اب اتنے منافقین زندہ موجود ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے معیار مقرر کر لیا تھا کہ جس شخص کے جنازے میں حذیفہؓ شریک ہوتے وہ بھی شریک ہوتے تھے اور اگر وہ کسی عذر کے بغیر شریک نہ ہوتے تو حضرت عمرؓ بھی جنازے میں نہیں جاتے تھے اور سمجھ لیتے کہ متوفی منافقین میں سے تھا۔

حضرت حذیفہؓ کا تعلق بنو غطفان کے خاندان عبس سے تھا۔ ان کے والد عام طور پر الیمان کے نام سے مشہور ہیں۔ لیکن ان کا اصل نام باختلافِ روایت حُسل یا حُسیل تھا۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں اپنے قبیلے کے ایک آدمی کو قتل کر بیٹھے تھے اور قصاص کے خوف سے ترکِ وطن کر کے مدینہ (یثرب) میں آبسے تھے۔ یہاں انہوں نے اوس کے خاندان بنو عبدالاشہل سے حلیفانہ تعلقات قائم کر لیے اور ایک اشہلی خاتون رُباب بنتِ کعب سے شادی کر لی، انہیں کے بطن سے حضرت حذیفہؓ پیدا ہوئے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی مدینہ میں نزولِ اجلال نہیں فرمایا تھا کہ حسیلؓ اور حذیفہؓ نے حضورؐ کی دعوت کا حال سُنا۔ دونوں باپ بیٹے سعید الفطرت تھے، ان کے دل نے گواہی دی کہ داعئ اسلام خدا کے سچے رسول ہیں اور ان کی دعوت قبول کرنے میں تاخیر خسران کا موجب ہے۔ چنانچہ ہر قسم کے خطرات کو بالائے طاق رکھ کر سیدھے مکہ پہنچے اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر بادۂ ایمان سے مخمور ہو گئے۔ بعد میں حضرت حذیفہؓ کی والدہ ربابؓ اور ایک بھائی صفوانؓ بھی نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو گئے۔

غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت حسیلؓ اور حذیفہؓ مکہ میں تھے۔ غزوہ کا حال سُنا تو اس میں شرکت

کے لیے مکّہ سے روانہ ہوئے۔ راستے میں مشرکین نے روکا کہ محمدؐ کے پاس جاتے ہو؟ انہوں نے کہا: "ہم تو اپنے گھر (مدینہ) جارہے ہیں"۔ مشرکین نے کہا: "تمہارے مدینہ جانے پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ تم محمدؐ کی حمایت میں ہمارے خلاف ہتھیار نہیں اٹھاؤ گے"۔ دونوں نے طوعاً و کرہاً مشرکین کی شرط مان لی اور ان کے پنجہ سے چھوٹ کر مدینہ پہنچے۔ حضورؐ ابھی غزوہ کے لیے روانہ نہیں ہوتے تھے۔ دونوں نے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا تو سرورِ عالمؐ نے فرمایا: "تم اپنا عہد پورا کرو اور واپس جاؤ ہم کو اللہ تعالیٰ کی مدد درکار ہے"۔

غزوۂ اُحد میں دونوں باپ بیٹے نہایت ذوق و شوق سے شریک ہوتے۔ حسیلؓ چونکہ بہت ضعیف العمر تھے۔ اس لیے لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضورؐ نے انہیں اور ایک دُوسرے کبیر السن بزرگ حضرت رفاعہؓ بن وقش انصاری کو عورتوں اور بچّوں کے پاس ایک بلند ٹیلے پر بھیج دیا۔ ہنگامہ کارزار گرم ہوا تو دونوں بزرگوں کو جوش آگیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا "آخر ہم یہاں کیوں بیٹھے ہیں جبکہ ہمارے بھائی اور فرزند راہِ حق میں جانیں قربان کر رہے ہیں، ہم تو چراغِ سحری ہیں آج مرے کہ کل مرے۔ چلو اللہ کی راہ میں لڑکر شہادت کی سعادت کیوں نہ حاصل کریں"۔ دوسرے نے کہا: "واللہ تم نے سچ کہا"۔ چنانچہ دونوں تلواریں سونت کر میدانِ جنگ میں جا پہنچے۔ اس وقت ایک اتفاقی لغزش کی وجہ سے مسلمانوں میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ رفاعہؓ تو کسی مشرک کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ لیکن حسیل الیمانؓ کو کچھ مسلمانوں نے غلطی سے مشرک سمجھ کر شہید کر ڈالا۔ حذیفہؓ ہر چند پکارتے رہے کہ اللہ کے بندو، یہ میرے باپ ہیں لیکن افراتفری میں کسی نے ان کی ایک نہ سنی۔ باپ کی شہادت پر حذیفہؓ کو دکھ تو بہت ہوا لیکن انہوں نے عفو و درگزر سے کام لیا کیونکہ یہ فعل مسلمانوں سے نادانستگی میں سرزد ہوا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ واقعہ سُنا تو آپؐ نے حضرت حذیفہؓ سے اظہارِ ہمدردی فرمایا اور ان کے جذبۂ عفو کی تحسین فرمائی۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنی جیب خاص سے حضرت حذیفہؓ کو دیت عطا فرمائی۔ ایک روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے دیت کو مسلمانوں پر صدقہ کر دیا اور ایک درم تک اپنے صرف میں نہ لائے۔

غزوۂ احزاب میں حضرت حذیفہؓ کو ایک عظیم سعادت نصیب ہوئی۔ کفّار کے ٹڈی دل نے تقریباً ایک ماہ سے مدینہ منوّرہ کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ ایک رات یکا یک سخت آندھی آئی۔ آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے۔ بجلی کی چمک اور بادلوں کی گرج نے خوفناک سماں باندھ دیا تھا۔ اندھیرے کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اس ہولناک طوفان سے مشرکین کا سخت

نقصان ہُوا۔ ان کے خیمے اکھڑ گئے اور ہانڈیاں چولہوں سے اُلٹ گئیں۔ اس ناگہانی آفت سے حواس باختہ ہو کر مشرکین نے مدینہ سے کوچ کرنے کی ٹھانی۔ اُدھر مدینہ منورہ میں سرورِ عالمؐ نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"کون ہے جو مشرکین کے لشکر میں جاتے اور ان کی نقل و حرکت اور ارادوں کا جائزہ لے کر مجھے آگاہ کرے۔ جو شخص یہ کام کرے گا میں اسے جنّت میں اپنی معیت کی بشارت دیتا ہوں"۔ اور پھر حضورؐ نے حضرت حذیفہؓ کا نام لے کر پکارا کہ "حذیفہؓ جاؤ یہ کام تم کرو لیکن خبردار کسی مشرک پر حملہ نہ کر بیٹھنا"۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل میں حضرت حذیفہؓ نہایت تیز رفتاری سے مشرکین کے لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے۔ اس لشکر کے سرگروہ ابوسفیان کی پیٹھ میں شدید چوٹ لگ گئی تھی اور وہ اسے سینک رہا تھا۔ اتفاق سے حضرت حذیفہؓ نے اسے تاک لیا۔ جی چاہا کہ اس کو اپنے تیر کا ہدف بنائیں لیکن سرورِ کونینؐ کی ہدایت یاد آگئی اور اپنا ہاتھ روک لیا۔ مشرکین کی شکستہ حالی اور بدحالی کا جائزہ لے کر حضورؐ کی خدمت میں واپس آئے اور تمام حالات من وعن عرض کیے۔ حضورؐ ان کی کارگزاری سے بہت خوش ہوئے اور انہیں اپنا کمبل اُڑھایا۔ سفر کی تکان اور سردی سے بے حال ہو رہے تھے۔ کمبل اوڑھ کر اسی جگہ بے خبر سو گئے۔ صبح ہوئی تو سرورِ کائناتؐ نے بڑی شفقت سے یہ فرما کر خود جگایا۔

"اے سونے والے اب اُٹھ"۔

احزاب کے بعد حضرت حذیفہؓ نے خیبر، بیعتِ رضوان، فتحِ مکّہ اور دُوسرے غزوات میں بھی مجاہدانہ حصّہ لیا۔ وہ رفتار گفتار اور عادات ہر چیز میں سرورِ کائناتؐ کی متابعت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضورؐ طہارت فرماتے تو وہ پانی دیتے تھے۔ حضورؐ کے ساتھ کھانے کا اتفاق ہوتا تو جب تک حضورؐ شروع نہ کرتے وہ کھانے کو ہاتھ نہ لگاتے۔ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ظہر سے عشاء تک آپؐ کی صحبت سے مستفیض ہوتے۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عشاء کے بعد اپنے حجرہ مبارک میں روک لیا اور پھر اپنے ساتھ کھڑا کر کے نفلوں کی نیّت باندھ لی۔ ساری رات دو رکعتوں میں گزر گئی۔ یہاں تک کہ حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان دی اور حضورؐ انہیں ساتھ لے کر فجر کی نماز کے لیے تشریف لے گئے۔

سرورِ عالمؐ کو حضرت حذیفہؓ سے بڑی محبت تھی۔ بعض اوقات آپؐ ان سے تخلیہ میں گفتگو فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے انہیں ازار کی حد بتائی تو اپنے دستِ مبارک سے ان کی پنڈلی

کو چھوا۔ ایک اور موقع پر حضورؐ لوگوں کے سامنے اس طرح تشریف فرما ہوتے کہ حضرت حذیفہؓ کے سینے سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ ام حذیفہؓ حضرت ربابؓ بھی بڑی نیک بخت بی بی تھیں۔ ان کو سرورِ عالمؐ سے والہانہ عقیدت تھی اور چاہتی تھیں کہ حذیفہؓ باقاعدگی سے بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوا کریں۔ ایک مرتبہ کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت حذیفہؓ چند دن حضورؐ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ حضرت ربابؓ کو معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئیں اور انہیں حکم دیا کہ ابھی حضورؐ کی خدمت میں جاؤ۔ اس وقت شام ہو رہی تھی وہ بھاگے بھاگے گئے اور مغرب کی نماز حضورؐ کے پیچھے پڑھی۔ نماز پڑھ کر حضورؐ مسجد سے نکلے تو حذیفہؓ بھی سر جھکائے حضورؐ کے پیچھے ہو لیے۔ چند قدم چل کر حضورؐ نے معاً پیچھے مڑ کر دیکھا اور پوچھا کون؟ عرض کیا "آپ کا غلام حذیفہ" فرمایا "اللہ تیری اور تیری ماں کی مغفرت فرمائے"۔ اس کے بعد انہوں نے بارگاہِ نبوتؐ میں بلاناغہ حاضری کو اپنا شعار بنا لیا۔ حضورؐ ان پر اس قدر شفقت اور اعتماد فرماتے تھے کہ دوسروں کو رشک آتا تھا اور وہ انہیں "صاحب السر رسول اللہؐ" کہتے تھے۔

سرورِ عالمؐ کے وصال کے بعد حضرت حذیفہؓ دل شکستگی کے عالم میں مدینہ منورہ سے عراق چلے گئے اور وہیں توطن اختیار کر لیا۔ انہوں نے اسی زمانے میں الجزیرہ کے شہر نصیبین کی ایک خاتون سے شادی کر لی اور پھر مدائن چلے گئے۔

حضرت عمر فاروقؓ ان کو بہت مانتے تھے۔ صدیقِ اکبرؓ کی رحلت کے بعد جب وہ مسند خلافت پر بیٹھے اور مفتوحہ علاقوں پر عمال مقرر کیے تو حضرت حذیفہؓ کو نواحِ دجلہ کا مہتمم بندوبست مقرر کیا۔ حذیفہؓ فقیر منش آدمی تھے اور امارت کی خو بو نے ان کو چھوا تک نہ تھا۔ نہایت سادگی سے زندگی گزارتے تھے۔ نواحِ دجلہ کے لوگ بڑے شریر النفس اور بددیانت تھے۔ انہوں نے حذیفہؓ کے فقر و استغناء کا تمسخر اڑایا اور تعاون کرنے کی بجائے ان کے کام میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالیں۔ ان لوگوں کے اس معاندانہ رویے اور رکیک حرکات کے باوجود حضرت حذیفہؓ اپنے فرائض مفوضہ کو نہایت تندہی سے انجام دیتے رہے۔ مبداءِ فیاض نے انہیں کمال درجے کی انتظامی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ انہوں نے زمین اور پیداوار کی تشخیص ایسی عمدگی سے کی کہ حکومت کی آمدنی میں معقول اضافہ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کو ان کی کارگزاری کا علم ہوا تو بہت خوش ہوتے اور حضرت حذیفہؓ کی قدر و منزلت ان کی نگاہوں میں دوچند ہو گئی۔

۲۱ھ میں مسلمانوں نے نہاوند پر لشکر کشی کی تیاری شروع کی۔ اس زمانے میں حضرت حذیفہؓ کوفہ میں اقامت پذیر تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا کہ کوفہ سے مجاہدین کا لشکر لے کر نکلو

اور نعمانؓ بن مقرن کی مدد کو پہنچو۔ فاتح خوزستان حضرت نعمانؓ بڑے صاحب تدبیر جانباز صحابی تھے اور حضرت خالدؓ بن ولید اور سعدؓ بن ابی وقاص کے پہلو بہ پہلو عراق عرب کے کئی معرکوں میں اپنی شجاعت اور سرفروشی کی دھاک بٹھا چکے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بڑے سوچ بچار کے بعد انہیں نہاوند کی مہم کا سپہ سالار مقرر کیا تھا اور صحابہؓ کے مجمع عام میں ان کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ "بخدا اس شخص کا سینہ سب سے پہلے نیزوں کے لیے سپر بنے گا"۔ قادسیہ کے بعد نہاوند کا معرکہ ایران کی تمام جنگوں میں سب سے سخت تھا۔ اس معرکے میں ایران نے اپنے ڈیڑھ لاکھ جنگجو عربوں کے مقابلے میں لاڈالے تھے اور زبردست جنگی تیاریاں کی تھیں۔ ایران کے زبردست اجتماع اور جنگی تیاریوں کے پیشِ نظر حضرت عمرؓ نے خود ان کے مقابلے میں جانا چاہا تھا لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انہیں روک لیا۔

حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق حذیفہؓ کوفہ سے ایک منتخب لشکر لے کر نکلے اور نعمانؓ بن مقرن سے جا ملے۔ کچھ دوسرے مقامات سے بھی امدادی فوجیں آگئیں۔ اس طرح مل ملا کر بھی اسلامی لشکر کی تعداد ڈیڑھ دو لاکھ ایرانیوں کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ تیس ہزار تک پہنچ سکی۔

حضرت عمرؓ نے نعمانؓ کو یہ بھی لکھ بھیجا کہ اس لڑائی میں اگر خدانخواستہ تمہیں کوئی حادثہ پیش آجائے تو پھر حذیفہؓ بن الیمان اسلامی لشکر کے سپہ سالار ہوں گے۔ ادھر ایرانیوں نے نہاوند میں اپنے آپ کو قلعہ بند کر لیا تھا۔ مسلمانوں نے نہاوند کا رُخ کیا تو راستے میں کسی نے بھی ان کی مزاحمت نہ کی اور وہ شہر سے دو تین میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہو گئے۔ اب انہیں انتظار تھا کہ ایرانی کب باہر نکل کر ان کے مقابلے پر آتے ہیں لیکن ایرانیوں کو قادسیہ اور دوسری لڑائیوں میں جو تجربہ حاصل ہوا تھا اس کے پیشِ نظر ان کو کھلم کھلا مسلمانوں کا سامنا کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی البتہ کبھی کبھار ان کا کوئی دستہ چوری چھپے باہر نکلتا تھا اور مسلمانوں کے کسی گشتی دستے سے ایک آدھ جھڑپ کے بعد واپس چلا جاتا تھا۔ اسی طرح دو مہینے گزر گئے۔ ادھر مسلمان ایرانیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے بے تاب ہو رہے تھے۔ تنگ آکر انہوں نے ایرانیوں کو قلعہ سے باہر لانے کے لیے ایک تجویز سوچی، اس کے مطابق ایک دستے کے سوا باقی سارا لشکر ایک دن اپنے خیمے اکھاڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس دستے کی قیادت حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی کر رہے تھے وہ اسے لے کر شہر کی طرف بڑھے اور قریب پہنچ کر قلعے کی برجیوں اور فصیل پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ ایرانیوں کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے ذرا ذرا کی خبریں مل رہی تھیں، وہ سمجھے کہ مسلمان پسپا ہو گئے ہیں اور صرف چند سر پھرے پیچھے رہ گئے ہیں۔ چنانچہ وہ شہر کے دروازے کھول کر باہر نکل آئے اور قعقاعؓ کے دستے پر حملہ کر دیا۔ قعقاعؓ نے طے شدہ

منصوبے کے مطابق تھوڑی دیر جم کر لڑتے رہے اور پھر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ ایرانی ان کے تعاقب میں چلے جب وہ شہر سے کافی دُور نکل آئے تو یکایک بڑا اسلامی لشکر ان کے سامنے نمودار ہوُا۔ کثیر التعداد ایرانی لشکر کے لیے اب واپس جانا ممکن نہیں تھا کیونکہ سارا راستہ ان کے اپنے بچھائے ہوئے آہنی کانٹوں سے پٹا پڑا تھا۔ عین معرکۂ کارزار میں حضرت نعمانؓ بن مقرن کا گھوڑا پھسل کر گرا اور اس کے ساتھ ہی تیروں کی بوچھاڑ نے انہیں خُلدِ بریں میں پہنچا دیا۔

حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق اب حضرت حذیفہؓ امیرِ لشکر بنے۔ حضرت نعیمؓ بن مقرن سویدؓ بن مقرن، قعقاعؓ بن عمرو تمیمی، جریرؓ بن عبداللہ البجلی، طلیحہؓ بن خویلد، عمروؓ بن معدی کرب اور کئی دوسرے شجاعانِ عرب اپنے اپنے دستوں کے ساتھ ان کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے تھے۔

ان سب نے مل کر ایرانیوں پر تابڑتوڑ ایسے شدید حملے کیے کہ آفتاب غروب ہونے تک ان کے پرخچے اُڑ گئے۔ تیس ہزار ایرانی میدانِ جنگ میں کھیت رہے اور اسّی ہزار کے قریب رات کے اندھیرے میں بھاگتے ہوئے خندق میں گر کر ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت حذیفہؓ اپنے لشکر کے ساتھ شہر کی طرف بڑھے اور بلا روک ٹوک اس میں داخل ہو گئے۔ اہلِ شہر دہشت زدگی کے عالم میں امان امان پکار رہے تھے۔ حضرت حذیفہؓ نے ان سے فرمایا کہ ڈرو نہیں ہم مسلمان کسی نہتے پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ اس کے بعد انہوں نے بالغ اشخاص پر معمولی جزیہ عائد کر کے سب کو امان دے دی اور یہ وعدہ بھی کیا کہ ان کی جائداد اور مذہب سے مطلق کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اہلِ شہر اس فیاضانہ برتاؤ سے اتنے خوش ہوئے کہ فرطِ عقیدت سے اُن کے رُو برو بچھے جاتے تھے۔ حضرت حذیفہؓ کے قیامِ نہاوند کے دوران میں ایک دن کسی آتش کدے کا مُوبدان کی خدمت میں حاضر ہوُا اور نہایت بیش قیمت جواہرات سے لبالب بھرے ہوئے دو صندوقچے ان کی نذر کیے۔ حضرت حذیفہؓ نے ان جواہرات کو ہاتھ تک نہ لگایا اور یہ سب کے سب مالِ غنیمت کے پانچویں حصے کے ساتھ حضرت عمرؓ فاروق کی خدمت میں مدینہ منوّرہ روانہ کر دیئے۔ فاروقِ اعظمؓ نے ان جواہرات کو بیت المال میں داخل کرنا پسند نہ کیا اور یہ سب اس ہدایت کے ساتھ حضرت حذیفہؓ کو واپس بھیج دیئے کہ انہیں فروخت کر کے جو رقم ملے اسے مجاہدین میں تقسیم کر دو۔ حذیفہؓ نے یہ جواہرات چار کروڑ درہم پر فروخت کیے اور یہ ساری رقم مجاہدین میں تقسیم کر دی۔

فاروقِ اعظمؓ کے بعد حضرت عثمانؓ غنی نے بھی حضرت حذیفہؓ کو مدائن کی گورنری پر برقرار رکھا لیکن اُن کے دل میں مدتوں سے جہاد پر جانے کی آرزو مچل رہی تھی چنانچہ وہ ۳۰ھ میں فرائضِ امارت سے دست کش ہو کر اس لشکر میں شامل ہو گئے جو خراسان کی تسخیر کے لیے جا رہا تھا۔

خراسان کی فتح کے بعد انہوں نے رے اور آرمینیہ کے معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ پھر ۳۱ھ میں خاقان خزر کے خلاف جو مہم بھیجی گئی اس میں شریک ہوتے۔ اسی طرح اس دور میں پیش آنے والی کئی دوسری لڑائیوں میں بھی سربکف ہو کر لڑے۔ حضرت عثمانؓ نے باب کی تسخیر کے لیے تین مرتبہ فوج روانہ کی۔ اس کی قیادت ہر بار حضرت حذیفہؓ نے کی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کے اخیر میں وہ دوبارہ مدائن کی ولایت پر واپس آگئے اور یہیں ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے چالیس دن بعد عالم جاودانی کو سدھارے زندگی کے آخری دنوں میں اکثر استغفار اور گریہ وبکا میں مصروف رہتے تھے۔ لوگوں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا:

"مجھے دُنیا سے جدائی کا غم نہیں ہے میں تو موت کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ میرا رونا آخرت کے خوف کے سبب سے ہے۔ معلوم نہیں وہاں میرے ساتھ کیا پیش آتے۔ دم نزع زبان پر یہ الفاظ تھے "الٰہی اپنی ملاقات میرے لیے مبارک کرنا کہ میں دُنیا و مافیہا کی ہر شے سے تجھے محبوب رکھتا ہوں"۔

حضرت حذیفہؓ نے اپنے پیچھے چار بیٹے چھوڑے۔

حضرت حذیفہؓ سے سو سے کچھ اوپر احادیث مروی ہیں۔ ان کو سلطنت کے کاموں میں بہت کم فرصت ملتی تھی لیکن جب بھی موقع ملتا لوگوں کو حدیث کا درس دیتے تھے۔ لوگ ان کا غایت درجہ احترام کرتے تھے۔ حلقہ درس میں کسی کی مجال نہ تھی کہ اونچی آواز سے بات کرے یا سرگوشی کرے۔

ایک دفعہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے ایک مجمع میں قیامت تک کے تمام فتنے بیان فرماتے۔ حضرت حذیفہؓ بھی اس مجمع میں موجود تھے۔ انہوں نے حضورؐ کا یہ خطبہ ہمیشہ یاد رکھا اور ایک وقت ایسا آیا کہ لوگوں کو اس موضوع پر حضورؐ کے ارشادات کا علم صرف حضرت حذیفہؓ کے ذریعے ہوتا تھا کیونکہ اس مجلس میں موجود دُوسرے صحابہؓ ایک ایک کر کے وفات پا گئے تھے۔

حضرت حذیفہؓ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں خاص اہتمام تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص کو جلد جلد نماز پڑھتے دیکھا۔ اس نے سلام پھیرا تو فرمایا یہ طریقہ نماز پڑھنے کا نہیں ہے اگر اس طرح مر گئے تو اسلام پر نہ مرو گے۔ پھر اس کو نماز کا طریقہ بتایا اور فرمایا کہ رکوع و سجود میں اعتدال کا خیال رکھو اور چھوٹی رکعت پڑھو۔

ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو فضول باتیں کرتے دیکھا' فرمایا "ایسی باتوں سے بچو کیونکہ حضورؐ کے

زمانے میں ایسی گفتگو نفاق میں شمار ہوتی تھی۔"

حضرت حذیفہؓ نماز اور روزہ سے خاص شغف رکھتے تھے۔ فقر و فاقہ بہت محبوب تھا اور لوگوں کو امیروں کے پاس جانے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ دُنیا کے جھمیلوں سے بہت نفرت تھی اور بعض اوقات فرمایا کرتے تھے کہ جی چاہتا ہے دروازہ بند کر کے بیٹھ جاؤں اور کسی سے نہ ملوں یہاں تک کہ اپنے خالق کے حضور پہنچ جاؤں۔

خوب صورت چادر

ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور ایک چادر حضورؐ کو پیش کی جس کا کنارا بہت خوبصورت بنا ہوا تھا۔

عورت نے عرض کیا:

"یارسول اللہؐ! میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھ سے بُنا ہے اور اسے خود لے کر آئی ہوں کہ آپؐ کو پہناؤں۔"

حضورؐ معمولی چیز بھی جو آپؐ کو ہدیے کے طور پر پیش کی جاتی تھی، قبول فرما لیتے تھے۔ آپؐ کو اس وقت چادر کی ضرورت بھی تھی۔ آپؐ نے وہ چادر لے لی اور اس کو پہن کر باہر تشریف لائے۔

ایک صاحب نے چادر کو دیکھ کر بہت تعریف کی اور عرض کیا:

"یارسول اللہؐ! یہ چادر مجھے عطا فرمایئے۔"

حضورؐ نے وہ چادر اسی وقت اتار کر ان صاحب کو دے دی۔

صحابہؓ نے جو یہ دیکھا تو اُن صاحب سے کہا: "تم نے یہ اچھا نہ کیا۔ حضورؐ کو اس چادر کی ضرورت تھی۔ آپؐ نے اُسے پسند فرمایا تھا اور پہن لیا تھا۔ اب تم نے اسے مانگ لیا حالانکہ تمہیں معلوم تھا کہ حضورؐ کبھی انکار نہیں فرماتے۔"

ان صاحب نے جواب دیا۔

"واللہ، میں نے یہ چادر حضورؐ سے اس لیے نہیں مانگی کہ میں اس کو اوڑھوں گا۔ میں نے تو یہ چادر حضورؐ سے اس لیے لی ہے کہ یہ میرا کفن ہو۔"

اُن صاحب کی یہ خواہش پوری ہوئی۔ جب وہ مرے تو اُن کو اُسی چادر میں جو حضورؐ نے ایک بار پہن لی تھی دفن کیا گیا۔

ذخیرۂ کتب
محقق العصر مولانا
مفتی محمد فاروق سلطان قادری الازہری
(1955-2016)
جھنگ ۔ پنجاب

اصحابی کالنجوم
میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشادِ نبوی)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہجرت سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے سعید الفطرت یثربیوں کی درخواست پر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اسلام کی تعلیم واشاعت کے لئے مدینہ بھیجا تھا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالےٰ عنہ مدینہ کے قبیلہ اوس کی شاخ بنو عبد الاشہل کے سردار تھے۔ ایک دن انہوں نے سُنا کہ مسلمانوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اشاعتِ اسلام کے لئے بھیجا ہے اور وہ ان کے خالہ زاد بھائی اسعدؓ بن زرارہ خزرجی کے ہاں فروکش ہے اور قبائل مدینہ کو اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ کرکے صاحبِ قریش کا دین قبول کرنے کی دعوت دینے میں مشغول ہے۔ یہ سُن کر سعدؓ کا خون کھول اُٹھا لیکن اسعدؓ بن زرارہ کا لحاظ کرکے خاموش ہو رہے۔

اس وقت تک سعدؓ بن معاذ دامنِ اسلام سے وابستہ نہیں ہوئے تھے۔ ایک دن کسی نے سعدؓ بن معاذ کو اطلاع دی کہ مصعبؓ اور اسعدؓ خود ان کے قبیلہ بنو عبد الاشہل کے ایک باغ میں بیٹھ کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں تو ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ اپنے ابن عم اُسیدؓ بن حضیر کو بُلا کر کہا۔

"اُسیدؓ تم کس غفلت میں پڑے ہو۔ دیکھو یہ دونوں ہمارے گھروں میں آکر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں تم جاؤ اور انھیں سختی سے منع کردو کہ وہ آئندہ اوس کے محلوں میں نہ آئیں۔"

اُسیدؓ بڑے شجاع آدمی تھے۔ جوشِ غضب میں اپنا برچھا اُٹھایا اور تن تنہا بیر مرق کی طرف

لیکے جہاں مصعبؓ اور اسعدؓ بیٹھے تھے۔ اسعدؓ نے اُسیدؓ کو اس طرف آتے دیکھا تو مصعبؓ کے کان میں کہا: "یہ عبدالاشہل کے دو بڑے سرداروں میں سے ایک ہیں۔ اگر یہ دینِ حق قبول کر لیں تو ہمیں بڑی تقویت پہنچے گی۔ پوری کوشش کرو کہ یہ کفر کی دلدل سے نکل آئیں"۔

اُسیدؓ قریب آتے ہی داعیانِ حق پر برس پڑے، حضرت مصعبؓ سے مخاطب ہو کر کہا:

"تم ہمارے آدمیوں کو بیوقوف بنا رہے ہو اپنی خیریت چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے واپس چلے جاؤ اور پھر کبھی ہمارے محلوں کا رُخ نہ کرنا"۔

حضرت مصعبؓ نے ان کی غضب آلود گفتگو بڑے تحمّل سے سُنی اور نہایت نرمی سے فرمایا:

"عزیز بھائی! آپ تھوڑی دیر بیٹھ کر آرام سے میری باتیں سُنیں اگر پسند آئیں تو قبول کر لیں ورنہ رَد کر دیں"۔

حضرت مصعبؓ کی نرم گفتگو نے اُسیدؓ کے غیظ و غضب پر پانی کے چھینٹوں کا کام کیا اور وہ اپنا برچھا زمین پر گاڑ کر یہ کہتے ہوئے بیٹھ گئے۔ "اچھا کہو کیا کہتے ہو"۔ حضرت مصعبؓ نے دل نشیں انداز میں اسلام کے اصول بیان کئے اور پھر قرآن کریم کی چند آیات پڑھیں۔ اُسیدؓ بے اختیار پکار اُٹھے:

"واہ کیسا اچھا دین ہے اور کیسا اعلیٰ کلام ہے۔ بھائی مجھے بھی اپنے دین میں داخل کر لو"۔

حضرت مصعبؓ نے انھیں غسل کرنے اور پاک کپڑے پہننے کی تلقین کی اور پھر ان سے کلمہ شہادت پڑھوایا جو اُن کے قبولِ اسلام کا واضح اعلان تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد اُسیدؓ بولے:

"ایک شخص اور ہے اگر وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا تو سارا قبیلہ اس کی پیروی کرے گا۔ میں اسے تمہارے پاس بھیجتا ہوں"۔

اُسیدؓ سیدھے سعدؓ بن معاذ کے پاس پہنچے اور سعدؓ کو مخاطب کر کے کہا۔ "وہاں تو کوئی اور ہی بات درپیش ہے آپ کا بذاتِ خود وہاں جانا ضروری ہے"۔

سعدؓ، اُسیدؓ کا چہرہ دیکھ کر اور ان کی بات سُن کر بول اُٹھے:

"خدا کی قسم یہ وہ چہرہ نہیں ہے جو یہاں سے جاتے وقت تھا"۔

انھیں سخت غصہ آیا اور اپنا نیزہ اُٹھا کر تیزی کے ساتھ روانہ ہوئے، باغ میں پہنچے تو مصعبؓ اور اسعدؓ کو اطمینان کے ساتھ بیٹھا ہوا پایا، بے تحاشا ان پر برس پڑے ___ "اُسیدؓ سے تو کچھ نہ ہوسکا، مگر میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ تم علانیہ ہمارے محلوں میں ایسے عقائد پھیلاؤ جن کو ہم سخت

ناپسند کرتے ہیں۔ اسعدؓ کی رشتہ داری کا پاس نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتا۔ آخر تمھیں یہ جرأت کیونکر ہوئی؟

اسعدؓ بن زُرارہ سعدؓ کے خالہ زاد بھائی اور قبیلہ خزرج کے خاندان نجّار کے رئیس تھے اور کنیت ابوامامہ تھی۔ سعدؓ سے دبنے والے نہیں تھے لیکن اس موقع پر انھوں نے بڑے صبر و ضبط سے کام لیا اور بڑے سکون و نرمی کے ساتھ کہا۔ "بھائی ذرا بیٹھ کر سنو تو۔ یہ صاحب کیا کہتے ہیں۔ ان کی باتیں تم کو پسند آئیں تو بہتر ورنہ تمھیں اختیار ہے۔"

سعدؓ ان کے کہنے پر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے اُن کے سامنے بھی محاسن اسلام پیش کیے اور پھر قرآن کریم سنایا۔ مبداء فیاض نے اُسیدؓ کی طرح انہیں بھی فطرت سعید عطا کی تھی۔ ان کا قلب صافی قرآن کریم سنتے ہی نورِ ایمان سے جگمگا اُٹھا اور اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے۔ واپس اپنے قبیلہ میں پہنچے تو سارے بنو عبدالاشہل کو جمع کر کے کہنے لگے:۔

"تمہارے نزدیک میں کیسا ہوں؟"

"آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم سب سے عاقل اور معاملہ فہم ہیں۔" سب نے بیک زبان کہا

سعدؓ بولے۔ "تو پھر سُن لو کہ میں نے دینِ حق قبول کر لیا ہے اور جب تک تم بھی خدائے واحد اور اس کے برگزیدہ رسولؐ پر ایمان نہ لے آؤ مجھے تم سے گفتگو کرنا حرام ہے۔"

حضرت سعدؓ کا اپنے خاندان میں بے پناہ اثر و رسوخ تھا۔ ان کا اعلان سُن کر بنو عبدالاشہل کے بیشتر افراد اسی وقت نعمتِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے جو باقی رہ گئے وہ شام تک مسلمان ہو گئے اور مدینہ کے بام و در تکبیر کے نعروں سے گونج اُٹھے ۔۔۔ قبول اسلام کے بعد حضرت سعدؓ بن معاذ نے حضرت مصعبؓ کو اپنا مہمان بنا لیا۔ پورے قبیلہ کو ایک ہی دن میں دائرہ اسلام میں داخل کر لینا حضرت سعدؓ بن معاذ کا ایک ایسا کارنامہ اور شرف ہے جس میں کوئی دوسرا ان کا حریف نہیں۔ اس طرح حضرت سعدؓ کا قبولِ اسلام تاریخ اسلام کا ایک غیر معمولی واقعہ اور درخشاں باب بن گیا۔ حضرت سعدؓ کی اسی امتیازی خصوصیت کی بنا پر رسولِ اکرمؐ ان کے خاندان بنو عبدالاشہل کو انصار کے دو بہترین گھرانوں میں سے ایک گھرانہ قرار دیتے تھے۔

ہجرتِ نبویؐ کے بعد حضرت سعدؓ بن معاذ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین صحابہؓ کی خدمت اور اعانت کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ اکثر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فیضانِ نبوی سے مقدور بھر بہرہ یاب ہوتے۔ حضورؐ نے امین الامت حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح سے ان کا رشتہ مواخاۃ قائم کرا دیا تھا۔ ایک دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر تھے کہ مشہور دشمن اسلام امیہ بن خلف رئیس مکہ کا ذکر چھڑ گیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ شخص ایک دن انہیں مظلوم مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا جائے گا، جنھیں ستانے میں اس نے رات دن ایک کر رکھے تھے۔ امیہ سے حضرت سعدؓ کے دیرینہ تعلقات تھے وہ جب کبھی مدینہ آتا انھیں کے ہاں قیام کیا کرتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس کے بارے میں حضورؐ کے ارشاد کو اپنے دماغ میں محفوظ کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ عمرہ کے لئے مکہ گئے تو دیرینہ شناسائی کی بنا پر اُمیہ ہی کے مکان پر ٹھہرے۔ انہوں نے اُمیہ سے کہا کہ جب حرم طواف کرنے والوں کے ہجوم سے خالی ہو تو مجھے اطلاع دینا۔ چنانچہ ایک دن دوپہر کے وقت جب خانہ کعبہ بُت پرستوں سے خالی نظر آیا امیہ نے انھیں اطلاع دی۔ اور وہ اسے ساتھ لے کر طواف کرنے چلے۔ راستے میں ابوجہل سے آمنا سامنا ہو گیا۔ اس نے نیا چہرہ دیکھ کر امیہ سے پوچھا "یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟" اس نے جواب دیا "یہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ ہیں"۔

ابوجہل کی رگِ جہالت پھڑک اُٹھی۔ اس نے حضرت سعدؓ سے مخاطب ہو کر کہا "تعجب ہے کہ تم یہاں مکہ میں بے خوف پھر رہے ہو۔ اگر امیہ تمہارے ساتھ نہ ہوتا تو میں دیکھتا کہ تم یہاں سے بچ کر کیسے واپس جاتے"۔

حضرت سعدؓ بن معاذ کی غیرت دینی جوش میں آ گئی۔ کڑک کر بولے :۔

مذرا مجھے روک کر دیکھو تو سہی، میں نے تمہارا مدینہ کا راستہ نہ بند کر دیا تو سعد نام نہیں"۔ بات بڑھتی دیکھ کر امیہ بیچ میں بول اُٹھا۔ "سعدؓ کیا کر رہے ہو، یہ ابوالحکم مکہ کے سردار ہیں ان سے نرم لہجے میں بات کرو"۔

حضرت سعدؓ کب دبنے والے تھے بولے۔ "کان کھول کر سُن لو میں نے اپنے آقا و مولا رسولِ صادق و امینؐ سے سُنا ہے کہ ایک دن مسلمان تم کو قتل کریں گے"۔ اُمیہ یہ سُن کر کپکپا اُٹھا اور بولا۔ "کیا مکہ میں آ کر ماریں گے" فرمایا۔ "مجھے اس کا علم نہیں"۔

اس گفتگو کے بعد کسی نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا اور وہ عمرہ کر کے بخیریت مدینہ آ گئے۔

رمضان المبارک ۲ھ میں غزوہ بدر پیش آیا۔ لڑائی پر روانہ ہونے سے پہلے حضورؐ نے مشورہ کے لئے تمام مہاجرینؓ و انصارؓ کو جمع کیا اور ساری صورتِ حال ان کے سامنے رکھی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت مقدادؓ بن عمرو نے اس موقعہ پر نہایت پُرجوش تقریریں کیں اور حضورؐ کو یقین دلایا کہ ہم راہِ حق میں اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ یہ تینوں جانباز مہاجر تھے۔

رسول کریمؐ انصارؓ کا منشا بھی معلوم کرنا چاہتے تھے کیونکہ بیعت کے وقت انہوں نے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ ہم مدینہ سے باہر جا کر بھی دشمن سے لڑیں گے۔ مہاجرین کی تقریروں کے بعد رئیس اوس حضرت سعدؓ بن معاذ حضورؐ کا اشارہ سمجھ گئے۔ معاً اُٹھ کھڑے ہوئے اور پُرجوش لہجہ میں عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی رسالت کی تصدیق کی، آپ کی فرمانبرداری کا عہد کیا، پس جو بھی مرضی مبارک میں ہو کیجئے۔ ربِ اکبر کی قسم جس نے آپ کو رسولؐ بنا کر بھیجا آپ ہمیں سمندر میں کُودنے کا حکم دیں گے تو ہم کُود جائیں گے، ہمارا ایک متنفس بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ انشاء اللہ آپ ہمیں میدان جنگ میں ثابت قدم پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائے۔"

حضرت سعدؓ کا جوشِ جہاد اور جذبۂ فدویت دیکھ کر حضورؐ کا چہرۂ اقدس فرطِ انبساط سے چمک اُٹھا۔ لشکر کی ترتیب کا وقت آیا تو حضورؐ نے قبیلہ اوس کا علم حضرت سعدؓ بن معاذ کو اپنے دستِ مبارک سے عطا فرمایا۔

غزوۂ بدر میں حضرت سعدؓ بن معاذ نے اُمیہ بن خلف کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ لیا۔ ہزیمت کے بعد مشرکین میں بھگدڑ مچی تو اُمیہ اور اس کا بیٹا علی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے ہاتھ گرفتار ہو گئے وہ انہیں لے کر جا رہے تھے کہ حضرت بلالؓ بن رباح نے دیکھ لیا۔ انہوں نے زور سے آواز دی "مسلمانو! مشرکین کا سرغنہ اُمیہ بن خلف ہے دیکھنا بچ کے نہ جانے پائے۔" ان کی آواز سُن کر مسلمان اُمیہ اور علی بن اُمیہ پر ٹوٹ پڑے اور آناً فاناً دونوں کو جہنم واصل کر دیا۔

غزوۂ اُحد کے وقت حضورؐ کی رائے یہ تھی کہ حدودِ مدینہ میں رہ کر دفاع کیا جائے لیکن نوجوانانِ اسلام کے سینوں میں شوقِ شہادت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ ان میں سے اکثر نے اصرار کیا کہ مدینے سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ حضورؐ اُن کی بات مان گئے اور اسلحہ پہننے کے لئے کاشانۂ اقدس کے اندر تشریف لے گئے۔ حضرت سعدؓ بن معاذ اور اسیدؓ بن حضیر نے لوگوں کو نادم کیا کہ تم نے ناحق حضورؐ کی رائے سے اختلاف کیا اور آپؐ کو باہر چلنے پر مجبور کیا، ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کی رائے وحی کی بناء پر ہو تمہیں چاہیئے کہ حضورؐ تشریف لائیں تو اپنے الفاظ واپس لے لو۔

جب حضورؐ زرہ پہن کر، تلوار اور ڈھال لگا کے کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لائے تو سب نے ندامت کا اظہار کیا اور عرض کی:۔

"ہمیں حضورؐ کی مخالفت کسی صورت میں منظور نہیں۔ آپ مدینہ سے باہر تشریف نہ لے جائیں ہم یہاں آپؐ کی رفاقت کا حق ادا کریں گے۔

"حضورؐ نے فرمایا، "نبی جب کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو اُسے پورا کر کے چھوڑتا ہے۔"

اسی غزوہ میں حضرت سعدؓ بن معاذ کو آستانۂ نبوت کی پاسبانی کا شرف حاصل ہُوا۔ اس سے بھی بڑھ کر جو سعادت انہیں نصیب ہوئی وہ یہ تھی کہ ہزیمت اور انتشار کے وقت وہ ان چند صحابہ کرامؓ میں سے ایک تھے جو میدانِ جنگ میں اخیر تک ثابت قدم رہ کر دادِ شجاعت دیتے رہے۔ اسی معرکہ میں ان کے بھائی عمروؓ بن معاذ نے جامِ شہادت نوش کیا۔

حضرت سعدؓ بن معاذ کی پیروی میں ان کا سارا قبیلہ ایک ہی دن میں مشرف بہ اسلام ہو گیا تھا لیکن اس خاندان کے ایک شخص عمرو (الملقب بہ الاصیرمؓ) بن ثابت اشہلی نے حضرت سعدؓ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے آبائی مذہب پر سختی سے قائم رہا۔ خاندان کے دوسرے افراد نے انہیں بہتیری ترغیب دی کہ وہ اسلام قبول کر لیں لیکن انہوں نے نہ مانا۔ غزوۂ اُحد میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ہمراہ مدینے سے باہر تشریف لے گئے اس وقت اصیرمؓ کہیں باہر تھے۔ گھر واپس آئے تو محلہ سنسان پڑا تھا، پوچھا لوگ کہاں گئے؟ جواب ملا، رسول اللہؐ کے ہمراہ اُحد گئے ہیں۔ یہ سُن کر طبیعت میں جوش پیدا ہُوا۔ زرہ پہنی، خود سر پر رکھا، ہتھیار جسم پر سجائے اور گھوڑے پر سوار ہو کر اُحد کی طرف روانہ ہو گئے۔ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر پوچھا، "معرکہ کارزار گرم ہُوا چاہتا ہے یہ فرمائیے کہ پہلے اسلام قبول کروں یا آپ کی حمایت میں لڑوں؟"

حضورؐ نے فرمایا، "دونوں کام کرو، پہلے اسلام قبول کرو اور پھر راہِ خدا میں لڑو۔" عرض کی۔ "یا رسول اللہ میں نے ایک رکعت نماز بھی نہیں پڑھی۔ اگر لڑائی میں کام آگیا تو کیا میری مغفرت ہو جائے گی؟"

حضورؐ نے فرمایا، "ہاں اسلام لانے سے پہلے کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اللہ تعالےٰ بڑا غفور الرحیم ہے۔" یہ سُن کر اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ معرکہ کارزار گرم ہُوا تو وہ شمشیر بکف میدانِ جنگ میں پہنچے۔ بنو عبدالاشہل ان کی سخت دلی سے واقف تھے ان کو اپنی صفوں میں دیکھ کر برافروختہ ہوتے اور کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ، ہمیں کسی کافر کی اعانت کی ضرورت نہیں ہے۔ اصیرمؓ آبدیدہ ہو گئے اور کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں، اس کے بعد وہ کفار کی صفوں میں گھس گئے اور ایسی جرأت وجلالت کے ساتھ لڑے کہ کفار کا منہ پھیر دیا۔ آخر بہت سے مشرکوں نے نرغہ کر کے سخت زخمی کر دیا اور وہ زمین پر گر پڑے۔ لڑائی کے خاتمہ پر بنو عبدالاشہل کے لوگ

پنے شہدا اور زخمیوں کو اُٹھانے لگے تو ان پر بھی نظر پڑی۔ ابھی کچھ سانس باقی تھا، پوچھا "کیا تمہیں قومی حمیت یہاں کھینچ لائی"۔ بولے "نہیں میں مسلمان ہو کر اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے لئے لڑا" اسی حالت میں اٹھا کر گھر لائے۔ تمام بنو عبدالاشہل میں یہ خبر مشہور ہو گئی۔ حضرت سعدؓ بن معاذ کو ایسے موقع پر اصیرمؓ کی سعادت اندوزی ایمان پر مسرت خیز حیرت ہوئی، فوراً ان کے گھر تشریف لے گئے اور اصیرمؓ کی ہمشیرہ سے سارا واقعہ سُنا۔ اسی اثناء میں اصیرمؓ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ حضورؐ نے سنا تو فرمایا:۔

"اس نے عمل تھوڑا کیا لیکن اجر بہت پایا"۔ صحابہ کرامؓ کو جب کبھی یہ واقعہ یاد آتا تو ایک دوسرے سے پوچھتے، بھلا وہ کون شخص تھا جس نے ایک وقت کی نماز بھی نہ پڑھی اور سیدھا جنت میں گیا تو جواب ملتا۔ "اصیرمؓ عبدالاشہل"۔

غزوۂ احزاب کے وقت حضورؐ نے اس نازک موقع پر بنو غطفان کے لٹیروں کو دوسرے مشرکین سے توڑنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ ان کے سرداروں کو بلا کر صلح کی گفتگو شروع کر دی۔ انہوں نے واپس جانے کے لئے یہ شرط رکھی کہ اہل مدینہ اپنے پھلوں کی پیداوار کا ایک تہائی ہمیں دے دیں۔ حضورؐ کا خیال تھا کہ اگر اس شرط پر فیصلہ ہو جائے تو اہلِ مدینہ اپنے غطفانی پڑوسیوں کی لُوٹ مار سے محفوظ ہو جائیں گے تاہم حتمی بات کرنے سے پہلے آپؐ نے اس شرط کے بارے میں انصار سے مشورہ کرنا مناسب سمجھا۔ حضرت سعدؓ بن معاذ رئیس اوس اور حضرت سعدؓ بن عبادہ رئیس خزرج دونوں نے عرض کیا: "یارسول اللہؐ آپ جو فرما رہے ہیں یہ اللہ کا حکم ہے جس کو ماننے کے ہم پابند ہیں یا حضورؐ ہمیں بچانے کے لئے یہ تجویز فرما رہے ہیں"۔

حضورؐ نے فرمایا: "یہ اللہ کا حکم نہیں بلکہ تم لوگوں پر مشرکین کا دباؤ کم کرنے کے لئے ایسا کر رہا ہوں کیونکہ سارے عرب نے متحد ہو کر تم پر یلغار کر دی ہے"۔

اس پر دونوں سرداروں نے یک زبان ہو کر عرض کیا۔ "یارسول اللہؐ اگر آپ صرف ہمیں بچانے کی خاطر یہ معاہدہ کر رہے ہیں تو ہماری استدعا ہے کہ یہ شرط کسی صورت میں نہ مانیں۔ بنو غطفان تو ہم سے اس وقت بھی کھجور کی ایک گٹھلی تک خراج کے طور پر نہ لے سکے جب ہم مشرک تھے اور اب جبکہ ہمیں اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہے یہ ہم سے کیا خراج لیں گے۔ ہمارے اور ان کے درمیان اب صرف تلوار فیصلہ کرے گی"۔

حضورؐ ان کے جذبۂ ایمانی سے اتنے متاثر ہوئے کہ بنو غطفان کے سرداروں کو صاف جواب دے دیا۔

اثنائے جنگ میں ایک دن حضرت سعدؓ بن معاذ زرہ پہنے ہاتھ میں حربہ لئے میدان جنگ کو روانہ ہوئے۔ راستے میں بنو حارثہ کی گڑھی میں ان کی والدہ کبشہؓ بنت رافع اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پاس پاس بیٹھی تھیں جب یہ رجز پڑھتے ہوئے ان کے سامنے سے گزرے۔

"ذرا تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر میدانِ وغا میں میری سواری کو پہنچ لینے دے۔ جب موت کی ساعت آجائے تو موت کتنی اچھی معلوم ہوتی ہے۔"

توماں نے بلند آواز سے کہا: "بیٹے دوڑ کر جا، تُو نے بڑی دیر کردی۔"

اتفاق سے جس ہاتھ میں حربہ تھا وہ زرہ سے باہر نکلا ہوا تھا۔ اُمّ المومنینؓ نے فرمایا: "سعدؓ کی ماں کاش سعدؓ کی زرہ لمبی ہوتی، ان کا ہاتھ باہر نکلا ہوا ہے۔ اُمّ المومنینؓ کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا میدان میں پہنچے تو ایک مشرک حبان بن عبد مناف نے جو ابن العرقہ کے نام سے مشہور تھا تاک کر ان کے ننگے ہاتھ پر تیر مارا اور ساتھ ہی نعرہ بلند کیا "لو میں ہوں ابن عرقہ" اس کے تیر سے حضرت سعدؓ کی رگِ اکحل کٹ گئی اور شدت سے خون جاری ہو گیا۔

حضورؐ تک ابن عرقہ کے الفاظ پہنچے اور آپؐ نے حضرت سعدؓ کے زخمی ہونے کا حال سُنا تو فرمایا "ابن عرقہ کا چہرہ آگ میں جھلسے۔"

جنگ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کے لئے مسجد نبوی کے صحن میں ایک طرف خیمہ نصب کروا دیا اور حضرت رفیدہ اسلمیہؓ کو جو طبیبہ تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں، ان کی خدمت اور علاج کے لئے مامور فرمایا۔ حضورؐ خود بھی ہر روز ان کی عیادت کے لئے تشریف لاتے اور ان کی دلجوئی فرماتے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کے زخم کو داغ دیا جس سے خون بہنا رک گیا۔ تاہم وہ پورے طور پر صحت یاب نہ ہوئے۔

اسی علالت کے دوران ایک دن انہوں نے بارگاہِ ایزدی میں دعا کی :۔

"بارالٰہا اگر قریش سے لڑائیوں کا سلسلہ باقی ہو تو مجھے اور مہلت دے۔ میں ان لوگوں سے نبرد آزما ہونے کا متمنی ہوں جنہوں نے تیرے رسول برحق کو ستایا، جھٹلایا اور وطن سے نکال دیا۔ اور اگر لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا ہے تو اس زخم سے مجھے شہادت نصیب کر البتہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ کہ جب تک بنو قریظہ کے معاملے میں میرا دل مطمئن نہ ہو جائے۔"

اللہ تعالٰے نے ان کی دُعا قبول فرمائی۔ یہود بنو قریظہ اثنائے جنگ میں بدترین غداری کے مرتکب ہوئے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں سے اپنے حلیفانہ معاہدے کو یہ کہہ کر توڑ ڈالا تھا۔ ہمارے

اور محمدؐ کے مابین کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔" ان لوگوں نے مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپنے کے لئے دو ہزار نیزے، ڈیڑھ ہزار تلواریں، ڈیڑھ ہزار ڈھالیں اور تین سو زرہیں جمع کر رکھی تھیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کے شر کا انسداد نہ کر دیتا تو وہ مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتے تھے۔ جنگ خندق کے بعد حضورؐ نے حکم الٰہی کے مطابق بنی قریظہ کے محلّے کا محاصرہ کر لیا۔ اور اس میں اتنی سختی برتی کہ چند ہی دنوں کے بعد انہوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ ان کے معاملے میں رئیس الاوس سعدؓ بن معاذ جو فیصلہ کریں گے اسے فریقین مان لیں گے۔ ان غداروں نے حضرت سعدؓ کو اس امید پر حَکَم بنایا تھا کہ وہ ان کا لحاظ کریں گے کیونکہ قبیلہ اوس اور بنو قریظہ میں مدتوں سے حلیفانہ تعلقات قائم تھے۔ حضورؐ نے حضرت سعدؓ کو بلا بھیجا۔ وہ بیماری کی حالت میں موقع پر پہنچے۔ حضورؐ نے انہیں دیکھ کر انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا "اپنے سردار کی تعظیم کے لئے اٹھو"۔ پھر حضورؐ نے یہود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے فیصلہ کے منتظر ہیں۔ انہوں نے عرض کی، تو میں یہ فیصلہ دیتا ہوں کہ ان کے لڑنے والے تمام مرد قتل کئے جائیں۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جاتے اور ان کے املاک مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں:

حضورؐ نے فرمایا: "سعدؓ تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا۔"

اس فیصلے کے چند دن بعد حضرت سعدؓ کی علالت خطرناک صورت اختیار کر گئی۔ داغے جانے کے بعد ان کے ہاتھ کے زخم سے خون بہنا تو رک گیا تھا لیکن ہاتھ پھول گیا تھا۔

ایک دن ان کا زخم کھل گیا اور خون کا پرنالہ جاری ہو گیا۔ ان پر نزع کا عالم طاری ہو گیا۔ حضورؐ کو اطلاع پہنچی تو آپؐ ان کی طرف چل پڑے۔ جب رحمتِ عالم حضرت سعدؓ کے خیمے میں پہنچے تو ابھی ان کا کچھ سانس باقی تھا۔ حضورؐ نے ان کا سر اپنے زانوئے اقدس پر رکھ لیا اور فرمایا:

"الٰہی تیری راہ میں سعدؓ نے بڑی زحمت اٹھائی، اس نے تیرے رسولؐ کی تصدیق کی اور حقوقِ اسلام کو ادا کیا۔ بارالٰہا اس کی روح کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کر جیسا کہ اپنے دوستوں کی روح کے ساتھ کرتا ہے۔"

حضرت سعدؓ نے حضورؐ کی آواز سن کر آنکھیں کھولیں اور اَلسَّلامُ عَلَیکَ یارسول اللہ کہہ کر اپنا سر زانوئے مبارک سے علیحدہ کر لیا تاکہ ادب میں ذرہ برابر فرق نہ آئے۔ اب حضورؐ نے انہیں مسجد سے ان کے گھر منتقل کرا دیا جہاں انہوں نے چند لمحوں کے بعد وفات پائی۔ حضرت سعدؓ کی وفات پر مدینہ منورہ میں کہرام مچ گیا۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کو اپنے آپ پر قابو نہ رہا اور بے اختیار رونے لگے۔ حضرت سعدؓ کی والدہ حضرت کبشہؓ اس موقع پر رو رو کر اشعار پڑھ رہی تھیں

جن میں اپنے فرزند کی بے انتہا تعریف کی گئی تھی، حضورؐ نے فرمایا :
"جتنی رونے والی عورتیں ہیں وہ جھوٹ بولتی ہیں، لیکن اُمِ سعدؓ سچ کہتی ہیں۔"
حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ اُٹھتا ہے تو ایک طرف سے آواز آتی ہے "نعش تو بے حد ہلکی ہے۔" حضورؐ نے سُنا تو ارشاد فرمایا "جنازہ فرشتوں نے اُٹھا رکھا ہے۔" جنت البقیع میں ابو سعید خدریؓ نے آپ کی قبر کھودی تو فرمایا :
"واللہ مجھے اس میں سے مشک کی خوشبو آ رہی ہے۔"
حضرت سعدؓ نے اپنے پیچھے دو بیٹے چھوڑے۔ عمروؓ اور عبد اللہؓ دونوں صحابی تھے اور دونوں کو بیعتِ رضوان میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہُوا۔
حضرت سعدؓ کے والد معاذ ایامِ جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے۔ والدہ کبشہؓ بنتِ رافع نے ہجرتِ نبویؐ سے کچھ عرصہ پیشتر دولتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو کر صحابیہ ہونے کا شرف حاصل کیا۔ وہ فقیہ انصار حضرت ابو سعید خدریؓ کی چچازاد بہن تھیں۔ حضرت سعدؓ بن معاذ کی وفات کے بعد بہت عرصہ تک زندہ رہیں۔
حضرت سعدؓ بن معاذ کو صرف پانچ سال رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ بابرکت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا لیکن اس قلیل مدت میں انہوں نے اپنی دینی خدمات، ایثار، حُبِ رسولؐ کی بدولت اتنا بلند درجہ حاصل کر لیا کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ ان پر رشک کرتے تھے۔ تمام اربابِ سِیَر اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح سرورِ عالمؐ سے ان کی عقیدت اور محبت عشق کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ وہ حضورؐ سے جو حدیث سُنتے اس کے منجانب اللہ ہونے پر یقین رکھتے تھے۔ حضورؐ بھی حضرت سعدؓ کو بے حد محبوب رکھتے تھے۔
اُمُ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرمؐ کے بعد بنو عبد الاشہل میں سعدؓ بن معاذ، اسیدؓ بن حضیر اور عبادؓ بن بشر کو جو درجہ حاصل ہُوا کوئی دوسرا اس تک نہ پہنچ سکا۔
حضرت سعدؓ کی وفات کے بعد ایک دفعہ حضورؐ کے پاس کہیں سے حریر کا ایک جُبہ آیا۔ لوگ اس کی نرمی کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا "تم اس کی نرمی سے متحیر ہو رہے ہو حالانکہ جنت میں سعدؓ بن معاذ کے رومال اس سے کہیں زیادہ نرم اور ملائم ہیں۔"
ایک اور موقع پر حضورؐ نے فرمایا کہ اگر قبر کی تنگی سے کوئی نجات پا سکتا تو وہ سعدؓ بن معاذ ہوتے۔
خود حضرت سعدؓ نے ایک دفعہ تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا کہ ویسے تو میں ایک معمولی آدمی ہوں لیکن تین باتوں میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے خاص فضل سے نوازا ہے۔ پہلی بات یہ کہ حضورؐ کی ہر حدیث

کو منجانب اللہ خیال کرتا ہوں. دوسری بات یہ کہ نماز میں کوئی وسوسہ پیدا نہیں ہوتا. تیسری بات یہ کہ جنازہ کے ساتھ جاتا ہوں تو منکر نکیر کے سوال کی طرف دھیان رہتا ہے۔

قابو پالو تو درگزر کرو

رسول اللہؐ کے کچھ اونٹ ذی قردہ کی چراگاہ میں چرتے تھے۔ ان اونٹوں کو قبیلہ بنو غطفان کے آدمی ہنکا کر لے گئے۔

ابھی صبح نہیں ہوئی تھی کہ حضورؐ کے ایک صحابی سلمہ بن اکوعؓ اپنے گھر سے نکلے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے غلام نے انھیں دیکھا تو کہنے لگے:

"حضورؐ کے اونٹ چوری ہو گئے ہیں."

سلمہ بن اکوعؓ نے حیران ہو کر پوچھا:

"کس نے چرائے ہیں؟"

غلام نے جواب دیا:

"قبیلہ بنی غطفان کے لوگوں نے."

سلمہ بن اکوعؓ نے یہ سنتے ہی اس زور کا نعرہ لگایا کہ مدینے کے اس سرے سے اُس سرے تک ان کی آواز گونج گئی۔ پھر وہ اکیلے اُن ڈاکوؤں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ بنی غطفان کے یہ لوگ پانی کی تلاش میں ادھر اُدھر پھر رہے تھے کہ حضرت سلمہ بن اکوعؓ پہنچ گئے۔ وہ بڑے اچھے تیرانداز تھے۔ انھوں نے کمان سنبھالی اور تاک تاک کر ڈاکوؤں پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ وہ تیر برساتے جاتے تھے اور ایک شعر پڑھتے جاتے تھے جس کا مطلب تھا:

میں اکوع کا بیٹا ہوں
آج سخت جنگ کا دن ہے

انھوں نے قبیلہ غطفان کے لوگوں پر اس قدر تیر برسائے کہ وہ گھبرا گئے اور حضورؐ کے اونٹ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ گھبراہٹ میں وہ اپنی چادریں تک چھوڑ گئے۔

اسی دوران حضورؐ کو خبر ہو چکی تھی۔ آپؐ بھی لوگوں کو لے کر وہاں پہنچ گئے۔

سلمہؓ نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں نے ان لوگوں کو پانی نہیں پینے دیا ہے۔ اگر ان کا تعاقب کیا جائے تو یہ مل جائیں گے، ان کو سزا دی جائے."

حضورؐ تو رحمتِ عالم تھے، آپؐ نے فرمایا

"قابو پانے کے بعد درگزر کرو."

أصحابي كالنجوم

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشادِ نبوی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت معاذؓ بن جبل جب دوسرے افراد کے ساتھ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوکر یثرب واپس آئے، تو ان کے جوشِ ایمان کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ ان کی بھرپور جوانی کا زمانہ تھا، لیکن ان کے دل میں اگر کوئی اُمنگ تھی، تو یہی کہ مشرکین کے بُتوں کو پاش پاش کر ڈالیں اور یثرب کے بچے بچے کا سر آستانِ اسلام پر جھکا دیں، چنانچہ جب ان کے پڑوسی اور یک جَدی خاندان بنو سلمہ کے مسلمان نوجوان اپنے قبیلہ کے بُتوں کو توڑنے کے لئے نکلے تو حضرت معاذؓ بن جبل ان میں پیش پیش تھے۔ خاندان بنو سلمہ کے رئیس عمرو بن جموح کو بُت پرستی سے بے انتہا شغف تھا۔ انہوں نے لکڑی کا ایک بُت بنا کر اپنے گھر میں رکھا ہوا تھا۔ وہ صبح و شام اس کی پرستش کیا کرتے تھے۔ حضرت معاذؓ بن جبل اور خاندانِ بنو سلمہ کے دوسرے مسلم نوجوانوں نے عمرو بن جموح کو اپنے بُت سے متنفر کرنے کے لئے ایک پُر لطف ترکیب سوچی، وہ رات کو عمرو کا بُت باہر لے جاتے اور گندگی سے بھرے ہوئے کسی گڑھے میں پھینک دیتے، عمرو صبح بیدار ہوتے اور بُت کو اپنی جگہ نہ پاتے تو سخت پریشان ہوتے اور اس کی تلاش کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوتے، جب مل جاتا تو اس سے نجاست دُور کرتے، نہلاتے اور خوشبو لگا کر پھر اپنی جگہ پر لا کر رکھ دیتے۔ جب آئے دن یہی قصّہ ہونے لگا تو وہ تنگ آ گئے۔ ایک رات سونے سے پہلے بُت کے گلے میں تلوار لٹکائی اور کہنے لگے:

SCANNED BY ATA-UL-MUSTAFA

"واللہ میں نہیں جانتا کون تیرے ساتھ یہ گستاخی کرتا ہے۔ اب تلوار تیرے پاس ہے اپنی حفاظت آپ کرنا۔"

نوجوانوں نے بُت کی گردن میں تلوار لٹکی دیکھی، تو بہت لُطف اندوز ہوئے۔ تلوار کو اُتار کر اپنے قبضے میں کر لیا اور بُت کو ایک مُردہ کُتے کے ساتھ باندھ کر نجاست سے بھرے ہوئے ایک کنوئیں میں لٹکا دیا۔ صبح کو عمرو نے بُت کو تلوار سمیت غائب پایا تو سٹپٹا کر اس کی تلاش میں نکلے۔ جب بُت کو مرے ہوئے کُتے کے ساتھ گندگی کے کنوئیں میں لٹکا دیکھا تو معاً ان کی چشمِ بصیرت وا ہو گئی اور بُت پرستی سے سخت نفرت ہو گئی۔ گھر کی طرف واپس آ رہے تھے کہ ایک مسلمان سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ملامت کی کہ آپ نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو نشانہ تمسخر بنا رکھا ہے۔ بھلا یہ بُت جو اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے کسی کو کیا نفع یا ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ عمرو بن جموح کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اُسی وقت قبولِ اسلام کا اعلان کر دیا۔

آپ کو قرآن و حدیث سے بڑا شغف تھا۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی قرآن حفظ کر لیا اور حضورؐ کے دہنِ مبارک سے جو بات سُنتے اس کو حرزِ جاں بنا لیتے تھے۔ تحصیلِ علم کے شوق کی یہ فراوانی تھی کہ سفر و حضر اور خلوت و جلوت ہر حالت میں فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہونے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی ایسی تڑپ تھی کہ نہ صرف عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں سرفروشانہ شریک ہوتے، بلکہ حضورؐ کے وصال کے بعد بھی قریب قریب ساری بقایا زندگی میدانِ جہاد میں گزاری۔ زہد و اتقا کا یہ حال تھا کہ رات کا بیشتر حصہ خصوصاً پچھلی رات عبادت اور ذکرِ الٰہی میں گزارتے۔ یمن کی امارت سے واپس آتے، تو تمام مال و اسباب، حتیٰ کہ اپنا کوڑا تک خلیفۃ الرسول کی خدمت میں پیش کر دیا، حالانکہ حضورؐ نے ان کو ہدایا قبول کرنے کی اجازت دے دی تھی۔

سیدنا ابوعبدالرحمٰن معاذؓ بن جبل کا شمار خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت عظیم المرتبت جاں نثاروں میں ہوتا ہے وہ ایک طرف تو راہِ حق کے ایک پُرجوش مجاہد اور گوناگوں محاسنِ اخلاق کا پیکرِ جمیل تھے، تو دوسری طرف علم و فضل کا ایسا مجمع البحرین تھے کہ ایک دنیا ان کے فیوضِ علمی سے بہرہ یاب ہوتی تھی اور ان کو عالمِ ربانی، کنز العلماء اور امام الفقہاء کے القاب سے یاد کرتی تھی۔

حضرت معاذؓ بن جبل کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج سے تھا اور وہ اس کی ایک شاخ اُدی بن سعد کے چشم و چراغ تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عائذ بن عدی بن کعب بن عمرو بن اُدی بن سعد بن علی

بن اسد بن ساردہ بن یزید بن جشم بن خزرج اکبر۔

حضرت معاذؓ کا عنفوان شباب تھا کہ بعض یثربیوں سے کچھ عجیب باتیں سنیں۔ انہوں نے معاذؓ کو بتایا کہ مکہ میں ایک نبی مبعوث ہوئے ہیں جو شرک اور بت پرستی کی مذمت کرتے ہیں اور لوگوں کو خدائے واحد کی پرستش کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ نوجوان معاذؓ کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سلیم عطا کی تھی، وہ ان باتوں سے بڑے متاثر ہوئے۔ نبوت کے بارھویں سال جب حضرت مصعبؓ بن عمیر اسلام کے داعی اول کی حیثیت سے یثرب تشریف لائے اور لوگوں کو دعوت توحید دینی شروع کی، تو حضرت معاذؓ فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام کی سعادت عظمیٰ سے بہرہ یاب ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر صرف اٹھارہ برس کی تھی۔

اگلے سال (۱۳ نبوت میں) پانچ سو یثربیوں کا ایک قافلہ حج کے لئے عازم مکہ ہوا۔ اس قافلے میں پچھتر ایسے اصحاب بھی تھے جو اسلام لا چکے تھے۔ ان میں ایک حضرت معاذؓ بن جبل تھے۔ مکہ پہنچ کر یہ پچھتر نفوس قدسی ایک رات پوشیدہ طور پر عقبہ کی گھاٹی میں جمع ہوئے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ کے ہمراہ ان لوگوں کے پاس تشریف لائے۔ کچھ دیر سوال وجواب ہوتے رہے۔ اس کے بعد یہ سب کے سب حضورؐ کی بیعت سے مشرف ہوئے اور اس عہد کے ساتھ حضورؐ کو یثرب تشریف لانے کی دعوت دی کہ وہ اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کے ساتھ آپؐ کی حفاظت اور اعانت کریں گے۔ یہ ایک ایسا عہد تھا کہ جس کو نباہنا سارے عرب سے دشمنی مول لینے کے مترادف تھا لیکن ان جانبازوں نے مکہ کے دریتیم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو پیمان وفا باندھا، مرتے دم تک اس کو اس شان سے نباہا کہ آج تک تاریخ اسلام کے اوراق اس کی آب وتاب سے جگمگا رہے ہیں۔

ہجرت فرمانے کے بعد جب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو آپ کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ عشق نبی فراواں تھا۔ ہر وقت آستانہ اقدس پر سر نیاز جھکائے رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی کا تصور بھی ان کے لئے سوہان روح تھا۔ دن رات فیضان نبویؐ سے خوب خوب بہرہ یاب ہوتے رہتے تھے، یہاں تک کہ ان کا سینہ کلام الٰہی (قرآن حکیم) اور ارشادات نبویؐ کا مخزن بن گیا اور ایک دنیا ان کے تبحر علمی کی معترف اور مداح ہو گئی۔

ہجرت کے چند ماہ بعد حضورؐ نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخاۃ قائم کی، تو حضرت معاذؓ بن جبل کو حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا دینی بھائی بنایا۔ حضرت عبداللہؓ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے تو انہیں حضرت معاذؓ ہی نے اپنے ہاں ٹھہرایا تھا۔ خدا کی قدرت ان دونوں بھائیوں کو تفقہ فی الدین میں ایسا کمال حاصل ہوا کہ ایک امام الفقہاء کے لقب سے مشہور ہوئے اور دوسرے فقیہ الامت کے

لقب ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضورؐ نے نوجوان معاذؓ بن جبل کو بنوسلمہ کی مسجد کا امام مقرر فرما دیا تھا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے انتخاب کے لئے یہ اصول مقرر فرماتے تھے :

"جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کتاب اللہ پڑھا ہو، اگر اس میں سب برابر ہوں، تو جو سُنّت میں سب سے زیادہ واقف ہو، اگر اس میں بھی مساوات ہو، تو جس نے پہلے ہجرت کی تھی اور اس میں بھی سب برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو۔"

بنوسلمہ سے تعلق رکھنے والے صحابہ کی فہرست میں بہت سے معمر صحابہ کے نام بھی ملتے ہیں لیکن اس کے برعکس حضرت معاذؓ بالکل نوجوان تھے اور مہاجر بھی نہیں تھے۔ انہیں عہدۂ امامت کے لئے اس بناء پر منتخب کیا گیا تھا کہ وہ قرآن کریم سب سے زیادہ پڑھے ہوئے تھے، سُنّت سے سب سے زیادہ واقف تھے اور وہ قرآن و سُنّت کے متبحر عالم تھے اور یہ نتیجہ تھا فیضانِ نبویؐ سے ان کے مسلسل فیض یاب ہونے کا۔

بہت سی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذؓ کو لطف خاص کا مستحق جانتے تھے۔ حضورؐ خود بھی انہیں تعلیم دیتے رہتے تھے اور وہ بھی حضورؐ سے اکتسابِ فیض کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دن گدھے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار تھا اور آپؐ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، میرے اور آپؐ کے درمیان صرف زین کی لکڑی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: "معاذؓ! تُو جانتا ہے کہ بندوں پر خدا کا اور خدا کا بندوں پر کیا حق ہے؟" میں نے عرض کیا: "اللہ اور اس کا رسولؐ ہی اس سے واقف ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "بندوں پر خدا کا یہ حق ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور خدا پر بندوں کا یہ حق ہے کہ جو شخص اس کی ذات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، وہ اس کو عذاب نہ دے۔" میں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! کیا میں لوگوں کو یہ بشارت سُنا دوں کہ وہ سُن کر خوش ہو جائیں؟" آپؐ نے فرمایا: "نہیں، ایسا کرنے سے وہ سُست ہو جائیں گے اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔" امام بخاری اور امام مسلمؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاذؓ نے وفات سے کچھ دیر پہلے اس حدیث کو بیان کیا۔

ایک دن حضرت معاذؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یارسول اللہ! سب سے افضل ایمان کونسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "اللہ کے لئے محبت رکھنا اور اللہ ہی کے لئے بُغض رکھنا اور اپنی زبان کو ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھنا۔" انہوں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! سب سے بہتر عمل

کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "جو اپنے لئے پسند کرنا، وہی سب کے لئے پسند کرنا اور جو اپنے لئے بُرا سمجھنا، وہی سب کے لئے بُرا سمجھنا۔"

ایک مرتبہ حضرت معاذؓ سفر میں حضورؐ کے ساتھ تھے۔ اثنائے راہ میں حضورؐ نے حضرت معاذؓ کو جہاں اور بہت سی نصیحتیں کیں، یہ بھی فرمایا کہ اے معاذؓ! صدقہ گناہوں کی آگ پر پانی کے چھینٹے کا کام دیتا ہے۔ اسی طرح پچھلی رات کی نماز (تہجد) گناہوں کو زائل کر دیتی ہے۔ پھر حضورؐ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا: اس کو روکو۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! جو کچھ ہماری زبان سے نکلتا ہے، اس کا حساب ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا: اے معاذؓ! بہت سے لوگ اپنی زبان کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔ ایک موقع پر حضورؐ نے حضرت معاذؓ کو تبلیغ اسلام کی اہمیت اس طرح سمجھائی کہ اے معاذؓ! اگر تم ایک مشرک کو بھی مسلمان کر لو، تو گویا دنیا کی سب سے بڑی نعمت حاصل کر لی۔

حضرت معاذؓ بن جبل رضی اللہ تعالےٰ عنہ طویل القامت روشن چہرے بڑی سُرمگیں آنکھوں والے گورے چٹے نوجوان تھے۔ ایک دن بڑی توجہ اور انہماک کے ساتھ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن رہے تھے۔ یکایک حضورؐ نے ان کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں پکڑ لیا اور فرمایا:

"میں تم سے بہت محبت رکھتا ہوں۔"

حضرت معاذؓ نے فرطِ مسرت سے بیخود ہو کر عرض کیا:

"یارسول اللہؐ، میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے بھی آپ سے غایت درجہ محبت ہے اور آپؐ مجھے دُنیا کی ہر شے سے بڑھ کر محبوب ہیں۔"

سیدالمرسلینؐ نے متبسم ہو کر فرمایا:

"اچھا تو تمام نمازوں کے بعد یہ دُعا پڑھنا کبھی نہ بھولنا۔

اے اللہ اپنا ذکر و شکر اور اپنی عبادت اچھی طرح کرنے کے لئے میری مدد فرما۔

انہوں نے عرض کیا:

یارسول اللہؐ، میں آپ کے ارشاد پر ہمیشہ عمل کروں گا اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی وصیت کروں گا۔"

حضرت معاذؓ عہدِ رسالت میں ایک مرتبہ کچھ دن کے لئے شام یا یمن تشریف لے گئے۔ وہاں دیکھا کہ نصاریٰ اپنے بزرگوں کو سجدے کرتے ہیں۔ ان سے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: "ہم سے پہلے نبیوں کے سلام کرنے کا یہی طریقہ تھا۔" واپس آکر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

یہ واقعہ بیان کرکے پوچھا: "یارسول اللہ! کیا ہم بھی آپ کو سجدہ نہ کریں؟"

حضورؐ نے فرمایا: "نہیں، ان لوگوں نے جس طرح اپنی کتابوں میں تحریف کی ہے، اسی طرح اپنے نبیوں پر تہمت لگائی ہے۔ اگر کسی انسان کو سجدہ کرنا روا ہوتا، تو میں عورت سے کہتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے بہتر سلام کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے۔ یہ ایک دوسرے کو اَلسلامُ علیکم کہنا ہے جو اہلِ جنّت کا طریقہ ہے۔"

حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذؓ اپنے محلّے کی مسجد میں بنوسلمہ کے لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے عشاء کی نماز میں سورۃ بقرہ پڑھی۔ ایک صاحب نے جو دن بھر کام کرنے کی وجہ سے سخت تھکے ہوتے تھے، ان کی لمبی قرأت کی وجہ سے علیحدہ ہو کر ہلکی سی نماز پڑھ لی۔ حضرت معاذؓ کو اطلاع ملی تو انہوں نے اس کی مذمت کی۔ ان صاحب کو حضرت معاذؓ کی بات ناگوار گزری۔ فوراً حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی:

"یارسول اللہ! ہم محنت کش ہیں، اپنے ہاتھوں سے مزدوری کرتے ہیں اور اونٹوں کے ذریعے پانی بھرتے ہیں۔ آج معاذؓ نے ہمیں نماز پڑھائی اور اس میں سُورۃ بقرہ شروع کر دی، اس لئے میں نے اپنی نماز علیحدہ پڑھ لی۔ اس پر معاذؓ خیال کرتے ہیں کہ میں منافق ہو گیا ہوں۔"

حضرت معاذؓ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر تھے۔ حضورؐ نے ان سے مخاطب ہو کر تین بار فرمایا: اے معاذؓ! کیا فتنہ برپا کرو گے؟ اس کے بعد فرمایا: صرف چھوٹی سورتیں پڑھایا کرو کیونکہ مقتدیوں میں بوڑھے، ضعیف اور اربابِ حاجت سبھی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضورؐ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ حضرت معاذؓ اس وقت پہنچے جب لوگ قعدہ میں تھے۔ حضرت معاذؓ قعدہ میں جماعت کے ساتھ شریک ہو گئے۔ حضورؐ نے سلام پھیرا، تو حضرت معاذؓ نے اُٹھ کر چھُوٹی ہوئی رکعتیں پوری کیں۔ اس سے پہلے دستور تھا کہ لوگ اشارہ سے نمازیوں سے پوچھا کرتے تھے کہ کتنی رکعتیں ہو گئیں اور پھر وہ پوری کرکے جماعت میں شریک ہُوا کرتے تھے۔ اُس دن حضورؐ کو حضرت معاذؓ کا طریقہ بہت پسند آیا اور آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ آئندہ تم بھی ایسا ہی کیا کرو، چنانچہ یہی طریقہ حضورؐ کی سُنّت قرار پایا۔

غزوات کا سلسلہ شروع ہُوا تو بدر سے لے کر تبوک تک کوئی غزوہ ایسا نہیں تھا جس میں حضرت معاذؓ بن جبل کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل نہ ہُوا ہو، وہ ایک جیّد عالم ہی نہیں راہِ حق کے ایک سرفروش مجاہد بھی تھے۔ ہر معرکے میں کمال درجے کی جرأت و شجاعت کا مظاہرہ کیا۔

فتح مکہ ۸ ہجری کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حُنین کے لئے روانہ ہوئے تو آپؐ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو مکہ کا عامل بنایا۔ وہ اہلِ مکہ کو دینی مسائل سکھاتے اور قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ حُنین اور طائف سے فارغ ہو کر حضورؐ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپؐ نے حضرت معاذؓ کو اپنے پاس بلا لیا اور ان کی جگہ حضرت عتابؓ بن اسید کو مکہ کی امارت پر مامور فرمایا۔

غزوہ تبوک عہدِ رسالت کا آخری غزوہ تھا جس میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار جاں نثاروں کی معیت میں تین سو میل کا پُرصعوبت سفر طے کر کے تبوک تشریف لے گئے۔ بنو سلمہ کے ایک اہم رُکن حضرت کعبؓ بن مالک انصاری (جو حضرت معاذؓ بن جبل کے یک جدی تھے) بعض تساہل کی بنا پر حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل نہیں کر سکے تھے۔ تبوک پہنچ کر حضورؐ نے ان کے متعلق دریافت کیا تو بنو سلمہ کے ایک صاحب نے عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ ان کو اپنے مال و جمال کی اکڑ نے روکا۔"

حضرت معاذؓ بن جبل بھی قریب ہی موجود تھے، انہوں نے یہ بات سُنی تو عرض کی:

"یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان، جہاں تک ہم جانتے ہیں کعبؓ بھلا آدمی ہے۔ ہم نے کبھی کوئی بُری بات اس میں نہیں پائی۔"

حضرت معاذؓ کی بات سُن کر حضورؐ خاموش ہو گئے اور کعبؓ کے بارے میں اور کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سب کے بارے میں نیک گمان رکھتے تھے۔

آپ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو غزوۂ تبوک کے لئے لے کر نکلے تو آپؐ نے فجر کی نماز پڑھائی، اور پھر چل پڑے۔ جب سورج طلوع ہوا تو سب لوگ رات کو جاگنے کی وجہ سے اونگھ رہے تھے، البتہ میں نے اپنی سواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے پیچھے لگائے رکھی۔ اسی دوران میں میری اونٹنی نے جو حضورؐ کی سواری کے پیچھے کبھی چرتی اور کبھی چلتی جا رہی تھی، یکایک ٹھوکر کھائی۔ میں نے اس کو سنبھالنا چاہا تو وہ اور تیز ہو گئی، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے آپ کی اونٹنی بھی تیز ہو گئی۔ آپؐ نے اپنے چہرۂ اقدس سے کپڑا اُٹھایا تو دیکھا کہ سارے لشکر میں مجھ سے زیادہ کوئی اور شخص آپ کے قریب نہ تھا۔ آپؐ نے آواز دی: "اے معاذؓ!"

میں نے عرض کیا: "یا نبی اللہ! میں حاضر ہوں۔"

آپؐ نے فرمایا، "اور قریب آجاؤ۔"

میں آپ کے اور قریب ہو گیا یہاں تک کہ میری سواری آپ کی سواری سے مل گئی۔ آپؐ نے فرمایا میرا یہ خیال نہیں تھا کہ لوگ مجھ سے اس قدر دُور ہوں گے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ لوگ

کچھ اونگھ رہے تھے (اس لئے) ان کی سواریاں چرتی رہیں اور چلتی رہیں اور انہیں لے کر ادھر اُدھر منتشر ہو گئیں۔ آپؐ نے فرمایا، میں بھی اونگھ رہا تھا۔ میں نے جب دیکھا کہ آپؐ مجھ سے خوش ہیں اور موقع بھی ہے تو عرض کیا یارسول اللہؐ اگر اجازت ہو تو ایک بات پوچھوں جس نے مجھے غم میں مبتلا کر رکھا ہے۔

آپؐ نے فرمایا "جو چاہتے ہو پوچھو"

میں نے عرض کیا "یارسول اللہؐ کوئی ایسا کام بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے"

آپؐ نے فرمایا "تم نے بڑی اچھی بات پوچھی" اس فقرہ کو آپؐ نے تین بار دوہرایا اور پھر فرمایا، ہاں جس کے لئے اللہ بھلائی کا ارادہ کرے اس کے لئے کچھ اتنی مشکل بھی نہیں۔ کوئی بات آپؐ نے مجھ سے نہیں فرمائی جو تین بار نہ دہرائی ہو، اس خیال سے کہ آپؐ کے ارشاد کو اچھی طرح یاد کر لوں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھو، نماز پڑھا کرو، اللہ کی عبادت کیا کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، یہاں تک کہ اسی حال میں تمہاری موت آجائے"

میں نے عرض کیا، یارسول اللہؐ پھر ارشاد فرمایئے، آپؐ نے میری خاطر تین بار فرمایا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا، اگر چاہو تو دین کا سب سے بڑا عمل تمہیں بتاؤں اور وہ عمل بھی جو اس کی جڑ ہے۔ میں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، بتایئے۔ آپؐ نے فرمایا، دین کی جڑ یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ وَاحِدَہٗ لَاشَرِیک ہے اور محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں اور جس عمل سے دین کی بندش مضبوط رہتی ہے وہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا ہے اور اعمالِ دین میں سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک کہ لوگ نماز نہ پڑھیں، زکوٰۃ نہ دیں اور اس بات کی شہادت نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں جب انہوں نے ان باتوں پر عمل کر لیا، تو خود بھی بچ گئے اور اپنی جان و مال کو بھی بچا لیا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے کوئی چہرہ (عمل کرتے کرتے) متغیر نہیں ہوا اور کوئی قدم (سفر کرتے کرتے) غبار آلود نہیں ہوا کسی ایسے عمل میں جس کا مقصد درجات جنت ہوں، فرض نماز کے بعد جہاد فی سبیل اللہ کے برابر بندہ کے میزانِ عمل میں کوئی اور نیکی اتنی وزنی ثابت نہ ہوتی کہ اس کا جانور جہاد فی سبیل اللہ میں مر گیا یا یہ کہ اس نے کسی کو راہِ خدا میں دے ڈالا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس مدینہ منورہ تشریف لاتے تو بعض نومسلم رؤسائے یمن کی طرف سے (جن کا تعلق حمیر کے شاہی خاندان سے تھا) ایک سفارت حضورؐ کی خدمت

یں حاضر ہوئی اور استدعا کی کہ اپنا کوئی نمائندہ یمن کی امارت پر مامور فرما دیتے جو عام تبلیغ کے علاوہ لوگوں کو دینی مسائل بھی سکھاتے اور ملک کا نظم و نسق بھی چلاتے۔

اس اہم خدمت کے لئے حضورؐ کی نظرِ انتخاب حضرت معاذؓ بن جبل پر پڑی۔ آپؐ نے انہیں بلا بھیجا اور فرمایا کہ میرا ارادہ ہے تمہیں اہلِ یمن پر حاکم بنا کر بھیجوں، وہاں تمہیں گوناگوں مسائل سے سابقہ پڑے گا، یہ بتاؤ جب تمہارے پاس کوئی جھگڑا آئے گا تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟

حضرت معاذؓ نے عرض کیا، کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

حضورؐ نے پوچھا، اگر تمہیں کتاب اللہ میں کوئی نصِ صریح فیصلے کے لئے نہ ملے، تو پھر کیا کرو گے؟

عرض کیا، سُنتِ رسول اللہ کے مطابق کروں گا۔

حضورؐ نے فرمایا، اگر سُنتِ نبوی میں بھی تمہیں کوئی چیز نہ ملے؟

عرض کیا: "پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور ذرا بھی کوتاہی نہ کروں گا۔"

حضرت معاذؓ کے جوابات سُن کر حضورؐ بہت خوش ہوئے اور ان کے سینے پر اپنا دستِ مبارک مار کر فرمایا:

"اللہ کا شکر ہے اس نے اللہ کے رسولؐ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسولؐ راضی ہے۔"

اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ یمن کے نام ایک پیغام لکھوایا جس میں تحریر تھا کہ میں اپنے لوگوں میں سے بہترین شخص کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ معاذؓ بن جبل اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، صدقات اور جزیہ کی رقمیں ان کے پاس جمع کرانا اور ان کو راضی رکھنا، دیکھنا وہ کہیں تم سے ناخوش نہ ہو جائیں۔

پھر آپؐ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو یہ نصیحت فرمائی:

"ملک والوں سے نرم سلوک کرنا، سختی نہ کرنا، لوگوں کو خوش رکھنا، متنفر نہ کر دینا، باہم مل کر کام کرنا، تم وہاں ایسے لوگ بھی پاؤ گے جو پہلے سے کسی مذہب کے پیرو ہیں، جب ان کے پاس پہنچو تو پہلے ان کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا جب وہ اس کو قبول کر لیں، تو کہنا اللہ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں بھی فرض کی ہیں۔ جب وہ ان کو تسلیم کر لیں، تو انہیں بتانا کہ تم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ یہ تمہارے امیروں سے لے کر تمہارے غریبوں کو دی جائے گی۔ جب وہ زکوٰۃ دینا بھی منظور کر لیں، تو چُن چُن کر اچھی چیزیں نہ لے لینا، مظلوموں کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔"

حضرت معاذؓ جب حضورؐ سے رخصت ہونے لگے، تو آپؐ نے فرمایا:
"شاید اس کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو اور جب مدینہ واپس آؤ تو میری قبر دیکھو۔"

حضرت معاذؓ عاشقِ صادق تھے، حضورؐ کا ارشاد سن کر بے تاب ہو گئے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ حضورؐ نے فرمایا: "روؤ نہیں۔ اس طرح رونا اچھی بات نہیں۔"

سید الانام کا ارشاد سن کر حضرت معاذؓ خاموش ہو گئے اور بڑے ادب سے حضورؐ کو وداعی سلام کیا۔ آپؐ نے فرمایا: "جاؤ اللہ تمہیں اپنے حفظ و امن میں رکھے، ہر قسم کی مصیبتوں سے بچائے اور جن و انس کے شر سے محفوظ رکھے۔"

اس موقع پر حضرت معاذؓ نے بڑی حسرت سے مدینہ منورہ پر ایک نظر ڈالی اور کہا: "الٰہی میں اہلِ تقویٰ کو دوست رکھتا ہوں۔"

غرض حضورؐ سے رخصت ہو کر حضرت معاذؓ نہایت سادگی کے ساتھ یمن پہنچے اور پورے دو برس وہاں مقیم رہ کر اپنے فرائض نہایت عمدگی سے انجام دیتے رہے۔ دوسرے تمام عمال بھی ان کے ساتھ خوشدلانہ تعاون کرتے رہے اور اپنے اپنے علاقوں سے صدقات اور جزیہ وصول کر کے باقاعدگی سے ان کے پاس بھیجتے رہے۔

حضرت معاذؓ ابھی یمن میں ہی تھے کہ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا۔ حضرت معاذؓ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی جدائی کی خبر سنی، تو اُن پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا۔ یمن سے دل اچاٹ ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد امارت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ اس وقت ان کے ساتھ کچھ سامان اور جانور تھے جو انہیں اہلِ یمن نے ہدیۃً دیتے تھے حضرت معاذؓ نے ساری چیزیں خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ چونکہ ان کو خود ذاتِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ لینے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی، اسلئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ چیزیں لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا، میں نے یہ سب چیزیں تم کو ہبہ کر دیں۔

حضرت معاذؓ نے مدینہ منورہ میں بھی زیادہ عرصہ قیام نہ کیا۔ انہوں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حرزِ جان بنا رکھا تھا کہ سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے، حضورؐ کی ہمرکابی میں تقریباً سارے غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کر چکے تھے، اب سوچا کہ حضورؐ کے وصال کے بعد گھر میں بیٹھ رہنا جوانمردی نہیں ہے۔ باقی زندگی میدانِ جہاد میں ہی گزرنی چاہیئے۔ اس وقت شام سے معرکہ آرائی کا آغاز ہو چکا تھا۔ سب سے پہلے حضرت معاذؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کی قیادت میں فلسطین کے بعض معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ فلسطین اس زمانے میں شام ہی کا ایک حصہ تھا اور اس پر ہرقل کا

قبضہ تھا۔ جب رومی فوجوں کو کئی لڑائیوں میں پے بہ پے شکستیں ہوئیں، تو ہرقل نے ایک جرار لشکر بزعم خود مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اس لشکر نے اجنادین کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ مسلمان فوجیں اس وقت مختلف مقامات پر منتشر تھیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور خالدؓ بن ولید دمشق میں، حضرت عمروؓ بن العاص فلسطین میں، حضرت یزیدؓ بن ابوسفیانؓ بلقا میں اور حضرت شرجیلؓ بن حسنہ بصریٰ میں تھے۔ وہ سب اپنی اپنی فوجیں لے کر اجنادین پہنچ گئے اور متحد ہو کر عیسائیوں کے مقابل ہوئے۔ اس لڑائی میں حضرت معاذؓ بن جبل میمنہ کے افسر تھے۔ انہوں نے لڑائی کے آغاز سے پہلے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"مسلمانو! آج اپنی جانوں کو اللہ کے ہاتھ بیچ ڈالو، اگر تم نے رومیوں کو مغلوب کر لیا، تو اس ملک کو دارالاسلام بنانے کی داغ بیل پڑ جائے گی اور تم اللہ کی خوشنودی اور اجرِ عظیم کے مستحق ٹھہرو گے۔"

میدانِ رزم گرم ہوا، تو حضرت معاذؓ نے شروع سے اخیر تک نہایت پامردی اور شجاعت کا مظاہرہ کیا، یہاں تک کہ دشمن کو عبرتناک شکست ہوئی اور کثیر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

جنگِ اجنادین کے بعد مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ اثنائے محاصرہ میں ایک دن مسلمانوں کو خبر ملی کہ ہرقل شاہِ روم نے اپنے ایک فوجی افسر درنجار کو ایک بڑی فوج دے کر دمشق والوں کی مدد کے لئے روانہ کیا ہے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے کچھ فوج دمشق کے باہر چھوڑی اور باقی کو ساتھ لے کر درنجار کے مقابلے کے لئے بڑھے۔ حضرت معاذؓ بن جبل بھی اسی فوج میں تھے۔ حضرت خالدؓ نے اس موقع پر بھی انہیں میمنہ کا افسر بنایا، لڑائی شروع ہوئی تو حضرت معاذؓ نے رومیوں کے میمنے پر اس زور کا حملہ کیا کہ اس کو اُلٹ کر رکھ دیا۔ دوسری طرف حضرت خالدؓ بن ولید، ہاشمؓ بن عتبہ، سعیدؓ بن زید اور حضرت ابوعبیدہؓ نے رومی لشکر میں تہلکہ ڈال دیا اور بہت جلد دشمن کے قدم اکھاڑ دیئے۔ یہ لڑائی "یوم مرج الصفر" کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے فارغ ہو کر مسلمان پھر دمشق واپس آ گئے اور اس کے محاصرے کو اور سخت کر دیا۔

یہ محاصرہ ابھی جاری تھا کہ ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سفرِ آخرت اختیار کیا اور حضرت عمرِ فاروقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ انہوں نے ایک خط لکھ کر حضرت ابوعبیدہؓ کو صدیقِ اکبرؓ کی رحلت کی اطلاع دی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے خط لانے والے قاصد کے سامنے حضرت معاذؓ کو بلا بھیجا۔ انہوں نے صدیقِ اکبرؓ کی وفات کی خبر سن کر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور پھر قاصد سے پوچھا:

"ابو بکرؓ پر اللہ کی رحمت ہو، ان کے بعد مسلمانوں نے کیا فیصلہ کیا؟"
قاصد نے کہا: "ابو بکرؓ نے عمر (فاروقؓ) کو اپنا جانشین نامزد کیا اور سب مسلمانوں نے ان کی بیعت کر لی۔"
حضرت معاذؓ کے چہرے پر بشاشت پھیل گئی اور انہوں نے فرمایا:
"الحمدللہ مسلمانوں نے بہت اچھا کیا کہ عمر فاروقؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔"
اس کے بعد قاصد نے حضرت عمر فاروقؓ کی طرف سے چند اکابر صحابہؓ کا حال دریافت کیا۔ ان میں حضرت خالدؓ بن ولید، یزیدؓ بن ابوسفیانؓ اور سعیدؓ بن زید کے علاوہ حضرت معاذؓ بن جبل بھی تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے معاذؓ کے بارے فرمایا، یہ ویسے ہی ہیں جیسے تم انہیں دیکھ رہے ہو، بلکہ جیسے جیسے ان کی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے، دُنیا سے ان کی بے رغبتی بڑھتی جارہی ہے اور آخرت کا اشتیاق زیادہ ہو رہا ہے۔
یہ گفتگو ہو چکی، تو حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنی اور حضرت معاذؓ بن جبل کی جانب سے حضرت عمرؓ کو ایک خط لکھا جس میں اُمید ظاہر کی کہ حضرت عمرؓ دوست، دُشمن، معزز، حقیر، کمزور اور قوی سب کے ساتھ یکساں سلوک اور انصاف کریں گے اور ہمیشہ خوفِ خدا سے کام لیں گے۔ قاصد کے جانے کے بعد مسلمانوں نے دمشق کے محاصرے کو اور شدید کر دیا اور بالآخر ایک خونریز معرکے کے بعد اس پر پرچم اسلام بلند کر دیا۔
دمشق کی شکست نے رومیوں کو سخت برہم کر دیا۔ انہوں نے اُردن کے شہر بیسان میں جمع ہو کر زور شور سے مقابلے کی تیاری شروع کر دی۔ رومی لشکر کی تعداد چالیس ہزار تھی اور وہ پوری طرح کیل کانٹے سے لیس تھا۔ مسلمانوں نے بھی دمشق پر اپنا قبضہ مستحکم کر کے بیسان کا رُخ کیا اور اس کے سامنے فحل کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اس اثنا میں رومیوں نے اس علاقے کے تمام ندی نالوں اور نہروں کے بند توڑ دیئے اور فحل اور بیسان کے درمیانی علاقے میں پانی ہی پانی ہو گیا۔ اس طرح بیسان میں جمع ہونے والی رومی فوجیں اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے لگیں۔ ایک دن رومیوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم لوگ خود ہی ہمارے مُلک سے چلے جاؤ، ورنہ ہم اتنی کثیر فوجوں کے ساتھ تم پر حملہ آور ہوں گے کہ تم میں سے کوئی بچ کر نہ جانے پائے گا۔
اس کے جواب میں حضرت ابوعبیدہؓ نے کہلا بھیجا کہ مُلک خدا کا ہے اور عزت ذلت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم ہم سے لڑو گے، تو ہم بھی انشاءاللہ آخری دم تک مقابلہ کریں گے۔
مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر رومی صلح پر آمادہ ہو گئے اور حضرت ابوعبیدہؓ کو کہلا بھیجا کہ اپنا

کوئی سفیر ہمارے پاس بھیجو۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو اس کام کے لئے منتخب کیا۔ ادھر رومیوں نے اسلامی سفیر کو مرعوب کرنے کے لئے ایک زرّیں خیمے میں بڑی شان وشوکت سے دربار آراستہ کیا۔ اس میں ایسے مکلّف اور زرق برق فرش بچھائے کہ ان کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ حضرت معاذؓ سپاہیانہ شان سے گھوڑے پر سوار وہاں پہنچے۔ دربار کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اُترے اور لب فرش پہنچ کر اس کی باگ تھام کر رُک گئے۔ ایک رومی نے آگے بڑھ کر کہا، گھوڑا میں تھام لیتا ہوں آپ ہمارے سرداروں کے پاس دربار کے اندر تشریف رکھیں۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا:

"میں ان قیمتی قالینوں اور مکلّف فرشوں پر بیٹھنا گناہ سمجھتا ہوں جو غریبوں پر ظلم کر کے حاصل کئے گئے ہیں۔ یہ چیزیں دُنیا کی زیب وزینت ہیں، خدا نے ہمیں دُنیا سے بے رغبت رہنے کا حکم دیا ہے اور اسراف اور تکبّر سے منع کیا ہے، اس لئے میں زمین پر ہی بیٹھوں گا۔"

یہ کہہ کر گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے زمین پر بیٹھ گئے۔ رومیوں نے کہا:

"اگر آپ دربار میں بیٹھتے تو یہ آپ کے لئے عزت وشرف کا باعث ہوتا، لیکن افسوس آپ کو خود اپنی عزت کا خیال نہیں ہے اور آپ غلاموں کی طرح زمین پر بیٹھ گئے۔"

یہ سُن کر حضرت معاذؓ کو جلال آگیا، وہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہوگئے اور بڑے پُرجوش لہجے میں فرمایا:

"تم جس اعزاز اور شرف کی طرف مجھے بلا رہے ہو، وہ تم نے اپنی قوم پر ظلم کر کے حاصل کیا ہے۔ یہ عزت اور شرف تمہیں ہی مُبارک ہو، مجھے اس کی پروا نہیں۔ تم کہتے ہو میں غلاموں کی طرح زمین پر بیٹھ گیا تو فی الواقع میں اللہ تعالےٰ کا ایک ناچیز بندہ اور غلام ہوں۔ میرا رب ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی رضا کے لئے تواضع اور انکسار اختیار کرتے ہیں۔"

رومی ان کی باتیں سُن کر حیران رہ گئے اور پوچھا: "کیا مسلمانوں میں سب سے افضل آپ ہی ہیں؟" حضرت معاذؓ نے جواب دیا: "معاذ اللہ میرے لئے یہی کافی ہے کہ سب سے بُروں میں نہ شمار کیا جاؤں۔"

رومیوں نے اب ان سے سوال کیا: "تم ہمارے مُلک میں کیوں آئے ہو اور ہم سے کیا چاہتے ہو۔ حبش کا ملک تم سے قریب ہے۔ تم نے اس پر حملہ نہیں کیا، ایران پر ایک عورت حکمران ہے تم نے اُدھر کا رُخ بھی نہیں کیا، لیکن ہمارے مُلک پر چڑھ دوڑے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے شہنشاہ کے پاس لاتعداد فوجیں اور وسائل ہیں اور وہ تمہیں پیس کر رکھ سکتا ہے۔ ہمارے کسی شہر یا قلعہ پر قبضہ

کرکے تم یہ سمجھتے ہو کہ شہنشاہ کو مغلوب کر لو گے، تو یہ تمہاری خام خیالی ہے پھر جب تم ہمارے نبی اور کتاب پر ایمان رکھتے ہو، تو تمہارا ہم سے لڑنا کیونکر روا ہے؟"

حضرت معاذؓ نے ان کے جواب میں فرمایا: "سب سے پہلے میں تمہیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں تم اس کو قبول کر لو۔ ہماری طرح قبلہ رُو ہو کر نماز پڑھو، شراب پینا چھوڑ دو، خنزیر کے گوشت سے پرہیز کرو اور ہمارے رسولؐ کے طریقوں پر چلو، پھر ہم تم دینی بھائی بن جائیں گے۔ اگر تم کو یہ دعوت قبول کرنے سے انکار ہے، تو جزیہ دینا قبول کرو۔ اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ تم نے جو یہ کہا ہے کہ تمہارے شہنشاہ کی فوجوں کی تعداد زمین کے ذرّوں کے برابر ہے تو ہم کو قلت اور کثرت کی پروا نہیں۔ ہم اپنی تعداد اور طاقت پر بھروسہ نہیں رکھتے بلکہ ہمارا بھروسہ صرف اللہ عزّوجل پر ہے۔ اس کے حکم سے کتنی ہی چھوٹی جماعتوں نے اپنے سے کئی گنا بڑی فوجوں پر فتح حاصل کی۔

"تم کہتے ہو تمہارا شہنشاہ تمہاری جان اور مال کا مالک ہے، لیکن ہم نے جس کو امیر بنایا ہے وہ ہمارے جیسا ہی ایک آدمی ہے، وہ جب تک ہماری دینی کتاب پر عمل کرتا ہے اور ہمارے نبیؐ کے طریقوں پر چلتا ہے، ہم اسے اپنا حاکم مانتے ہیں، لیکن اگر وہ اپنا طریقہ بدل دے تو ہم اس کو معزول کر دیں۔ اگر چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالیں، زنا کرے تو اس کو دُرّے لگائیں۔ اگر وہ کسی کو ناحق چوٹ لگائے تو اس کو بھی ویسی ہی چوٹ لگائی جائے گی۔ نہ وہ ہم سے چُھپ کر رہتا ہے نہ اپنے آپ کو ہم سے بڑھ کر سمجھتا ہے اور نہ وہ مالِ غنیمت میں ہم سے زیادہ حصہ پاتا ہے۔ بے شک ہم تمہارے نبی کو برحق مانتے ہیں، لیکن تمہاری طرح ان کو خدا کا بیٹا نہیں کہتے۔ تم خدا کے بارے میں جو ناگفتنی کہتے ہو، وہ اس سے پاک ہے۔ نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ اس نے کسی کو جنا۔"

رومیوں نے حضرت معاذؓ کی باتیں سُن کر کہا:

"بلقاء کا علاقہ اور اُردن کا وہ حصہ جو تمہارے مُلک سے متصل ہے، وہ لے لو اور ہمارے مُلک سے نکل کر ایران کا رُخ کرو۔"

حضرت معاذؓ نے ان کی پیشکش رَدّ کر دی اور اُٹھ کر چلے آئے۔ اس کے بعد رومیوں نے حضرت ابو عبیدہؓ سے براہِ راست رابطہ قائم کیا اور پہلی پیشکش پر یہ اضافہ کیا کہ اسلامی فوج کے ہر فرد کو دو دو اشرفیاں دی جائیں گی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ پیشکش بھی ٹھکرا دی۔ اب فریقین نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ذوقعدہ ۱۳ھ میں دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا جس میں عیسائیوں کو سخت ہزیمت ہوئی۔ یہ لڑائی معرکۂ فحل کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت معاذؓ بن جبل اس موقع پر بھی میمنہ کے

افسر تھے۔ معمول کے مطابق وہ خود بھی کمال بہادری سے لڑے اور اپنی ماتحت فوج کو بھی بڑی چابکدستی سے لڑایا۔ اس معرکہ کے بعد اردن کے تمام اہم شہر اور مقامات بآسانی فتح ہو گئے۔

اردن کی تسخیر کے بعد مسلمانوں نے حمص، حماۃ، شیزر، معرۃ النعمان، لاذقیہ اور کئی دوسرے شہر یکے بعد دیگرے فتح کر لئے۔ اُن کی مسلسل پیشقدمی نے ہرقل کو سخت غضب ناک کر دیا اور اس نے تہیہ کر لیا کہ اپنے سارے وسائل بروئے کار لاکر مسلمانوں کو شام سے باہر دھکیل دے گا۔ چنانچہ اس نے کثیر التعداد فوجیں جمع کیں اور ان کو ہر قسم کا سامانِ حرب و ضرب دے کر مسلمانوں پر کاری ضرب لگانے کے لئے روانہ کیا۔ رومی لشکر نے دریائے یرموک کے کنارے واقوصہ کے میدان میں پڑاؤ ڈالا اور مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے پَر تولنے لگا۔ باختلافِ روایت رومی لشکر کی تعداد دو لاکھ سے دس لاکھ کے درمیان تھی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے بھی مقابلے کی تیاری کی اور شام میں مختلف مقامات پر بکھری ہوئی تمام فوجوں کو جمع کر کے وادیٔ یرموک میں پہنچ گئے۔ ساتھ ہی حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر دارالخلافہ سے بھی کمک طلب کر لی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ رومیوں کے اجتماع کی خبر سُن کر حضرت ابو عبیدہؓ نے اہل الرائے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو کچھ نے خیال ظاہر کیا کہ تمام اسلامی فوجیں شام خالی کر کے عرب کی سرحد پر چلی جائیں اور جب دارالخلافہ سے کمک پہنچ جائے، اس وقت دُشمن کے مقابل ہوں۔ حضرت معاذؓ بن جبل نے اس رائے کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ جن علاقوں کو اللہ نے ہمارے لئے فتح کر دیا ہے ان کو خالی کرنا تباہی کے مترادف ہوگا اور ان کو دوبارہ فتح کرنے میں سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور صرف تیس چالیس ہزار مجاہدین کے ساتھ دُشمن کے ٹڈی دل سے پنجہ آزمائی کے لئے تیار ہو گئے۔ رجب ۱۵ھ میں یرموک کے میدان میں رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایسی خونریز جنگ ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی پیش نہ آئی تھی۔ اس جنگ نے بڑی حد تک شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ حضرت معاذؓ بن جبل نے جو پورے میمنہ کے سالار تھے اس لڑائی میں شروع سے اخیر تک نہایت استقلال اور ہمت کے ساتھ دادِ شجاعت دی۔ ان کے نوجوان فرزند عبدالرحمٰنؓ بھی باپ کے پہلو بہ پہلو جانبازی کا حق ادا کرتے رہے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے "الفاروق" میں لکھا ہے کہ ایک موقع پر عیسائیوں نے اس زور شور سے حملہ کیا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہو گیا اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھا ہٹا۔ شکست یافتہ افراد ہٹتے ہٹتے عورتوں کی خیمہ گاہ تک آ گئے۔ عورتوں کو یہ حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا، خیمہ کی چوبیں اکھاڑ لیں اور پکاریں کہ مردو ادھر آئے تو چوبوں سے تمہارا سر توڑ دیں گے۔

حضرت معاذؓ بن جبل نے یہ کیفیت دیکھی، تو گھوڑے سے کود پڑے اور کہا میں تو پیدل لڑتا

ہوں، لیکن کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے، تو گھوڑا حاضر ہے۔ ان کے بیٹے نے کہا، یہ حق میں ادا کروں گا، کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں۔ غرض دونوں باپ بیٹے فوج میں گھسے اور اس دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اُکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے۔

حضرت معاذؓ بن جبل اور دوسرے مجاہدین کی سرفروشی کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائیوں کو کمر توڑ شکست ہوئی اور وہ تقریباً ایک لاکھ آدمی میدانِ جنگ میں کٹوا کر بھاگ نکلے۔

جنگِ یرموک کے بعد مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب قنسرین، حلب، انطاکیہ وغیرہ میں سے گزرتا ہوا بیت المقدس کے سامنے جا کر رُکا۔ اہلِ شہر محصور ہو کر بیٹھ گئے۔ کچھ مدت بعد انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کو پیغام بھیجا کہ ہم صلح کرنا چاہتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ خود یہاں آکر ہم سے شرائطِ صلح طے کرے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے مشورہ کے لیے حضرت معاذؓ کو اُردن سے بلا بھیجا۔ انہوں نے رائے دی کہ پہلے اہلِ شہر سے صلح کا پختہ عہد لیں، ورنہ امیر المؤمنین یہاں تشریف لاتے اور یہ لوگ مُکر گئے، تو یہ بہت بُری بات ہوگی۔ اس مشورے کے مطابق حضرت ابو عبیدہؓ نے اہلِ شہر سے صلح کا پختہ عہد لیا اور پھر حضرت عمر فاروقؓ کو خط لکھ کر بیت المقدس تشریف لانے کی درخواست کی۔ امیر المؤمنین نے یہ درخواست قبول کر لی اور چند مہاجرین اور انصار کی معیت میں نہایت سادگی کے ساتھ بیت المقدس تشریف لاتے۔ شہر کے اکابر بلا تامل ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور فریقین کے مابین معاہدۂ صلح طے پا گیا۔

بیت المقدس کے اثنائے قیام میں ایک دن نماز کے وقت حضرت عمر فاروقؓ نے سیدنا بلالؓ سے اذان دینے کی خواہش ظاہر کی۔ انہوں نے کہا:

"میں نے عہد کر لیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اذان نہیں دوں گا، لیکن آج صرف اس وقت کی نماز کے لئے آپ کا ارشاد بجا لاتا ہوں۔"

حضرت بلالؓ نے اذان دینی شروع کی، تو صحابہؓ کو حضورؐ کا عہدِ مبارک یاد آگیا اور وہ زار زار رونے لگے۔ حضرت معاذؓ کو بھی اپنے آقا و مولاؐ کی یاد نے بے تاب کر دیا اور روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی۔

۱۸ھ میں مصر، عراق اور شام میں طاعون (پلیگ) کی خوفناک وبا پھوٹ پڑی جو "طاعون عمواس" کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت معاذؓ بن جبل اس زمانے میں سپہ سالارِ شام حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کے ساتھ شام میں مقیم تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو وبا زدہ علاقے سے ہٹ آنے کی ترغیب دی، لیکن انہوں نے اس بنا پر معذرت کر دی کہ یہ تقدیرِ الٰہی سے بھاگنے کے

مترادف ہوگا۔ ہزاروں مجاہدین اس وبا میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے۔ یہاں تک کہ خود حضرت ابو عبیدہؓ بھی اس میں مبتلا ہو گئے۔ جب مرض نے شدت اختیار کی تو انہوں نے حضرت معاذؓ بن جبل کو بلا کر اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اس موقع پر حضرت ابو عبیدہؓ نے مسلمانوں کو بلا کر فرمایا کہ لوگو! یہ وبا تمہارے پروردگار کی رحمت، تمہارے نبیؐ کی دعوت اور تم سے قبل کے نیکوں کی موت ہے اور اب ابو عبیدہؓ بھی اپنے رب سے اس سعادت میں حصہ پانے کا متمنی ہے....

ابھی ان کا خطبہ جاری تھا کہ نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت معاذؓ کو حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں۔ ادھر نماز ختم ہوئی، اُدھر حضرت ابو عبیدہؓ کی روح ملاءِ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ حضرت معاذؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ میں بہت محبت تھی، اس لئے حضرت معاذؓ اپنے مشفق اور محبوب دوست کی وفات پر غم سے نڈھال ہو گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو جمع کر کے یہ خطبہ دیا :

"لوگو! گناہوں سے توبہ کرو۔ جو بندہ سچے دل سے توبہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے، جو شخص مقروض ہو وہ قرض کا بار اپنے سر سے اتار دے، کیونکہ قرض آخرت میں مصیبت کا باعث بنے گا، جو مسلمان اپنے کسی بھائی سے خفا ہے، وہ اس سے صلح کر لے کیونکہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ سلام و کلام بند رکھے۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ مسلمانو! ایک ایسا شخص تم سے جُدا ہو گیا ہے جو اخلاق و محاسن کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ تھا، وہ سب سے زیادہ درگزر کرنے والا تھا، مسلمانوں کا سب سے زیادہ خیر خواہ تھا، سب سے بڑھ کر غل و غش سے پاک تھا، اس کے لئے رحمت کی دعائیں کرو، اب اس جیسا کوئی سردار تمہیں نہیں ملے گا۔"

اس کے بعد حضرت معاذؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عمروؓ بن العاص اور ضحاکؓ بن قیس کے ساتھ مل کر امین الامت کو سپردِ خاک کر دیا۔ اب حضرت معاذؓ سپہ سالار تھے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے انہیں مشورہ دیا کہ یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل ہونا بہتر ہوگا۔ حضرت معاذؓ اس پر برہم ہو گئے اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا جس میں وہی الفاظ دہرائے جو حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنی وفات سے پہلے کہے تھے۔ البتہ انہوں نے ان الفاظ پر یہ اضافہ بھی کیا کہ لوگو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ مسلمان شام کو فتح کر لیں گے، پھر ایک بیماری پیدا ہوگی جو پھوڑے کی طرح جسم کو زخمی کرے گی جو اس میں مرے گا وہ شہید ہوگا اور اس کا نامۂ اعمال پاک ہو جائے گا۔ خداوندا، اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سُنی ہے تو یہ رحمت میرے گھر میں بھیج

اور مجھ کو اس میں کافی حصہ دے۔

خطبہ کے بعد خیمہ میں آئے، تو اکلوتے فرزند (عبدالرحمٰنؓ) کو بیمار پایا۔ بڑے ضبط اور حوصلے سے انہیں نصیحت کی:

"اے بیٹے یہ خدا کی طرف سے ہے، دیکھنا اس میں کوئی شک تمہارے دل میں نہ آنے۔"

بیٹے نے جواب دیا: "اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔" یہ کہہ کر پیک اجل کو لبیک کہا۔ اس سے پہلے حضرت معاذؓ کی دو بیویاں بھی اسی بیماری میں فوت ہو چکیں تھیں، اب اکلوتے فرزند کی وفات کے بعد بالکل تنہا رہ گئے، لیکن انہیں بھی بہت جلد خالق حقیقی کی طرف سے بلاوا آ پہنچا، داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت میں پھوڑا نکلا۔ شدت کی تکلیف تھی، لیکن وہ خوش تھے اور فرماتے تھے کہ تمام دنیا کی دولت اس تکلیف کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ جب درد حد سے بڑھ جاتا تو بے ہوش ہو جاتے۔ ہوش آتا، تو فرماتے، الٰہی تو جانتا ہے کہ میں تجھ سے نہایت محبت رکھتا ہوں، اس لئے مجھ کو اپنے غم میں غمگین کر، پھر غش آجاتا۔ جب افاقہ ہوتا تو ایسے ہی کلمات زبان سے نکلتے۔ وفات کی رات کو بہت بے چین تھے اور بار بار پوچھتے تھے، دیکھو کیا صبح ہو گئی، لوگ کہتے تھے ابھی نہیں ہوئی۔ جب رات گزر گئی اور انہیں بتایا گیا کہ اب صبح ہو گئی ہے تو فرمایا، میں اس رات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جس کی صبح جہنم کی طرف لے جائے۔ مرحبا ہو موت کے لئے، مرحبا ہو اس زیارت کرنے والے کے لئے جو کچھ مدت کے لئے اپنے حبیب سے جدا تھا اور اب فاقہ کی حالت میں اس کے پاس آرہا ہے۔ الٰہی بے شک میں تجھ سے ڈرا کرتا تھا، آج میں تجھ سے مغفرت اور رحمت کی امید رکھتا ہوں۔ الٰہی تو خوب جانتا ہے کہ میں نہ تو دنیا کو دوست رکھتا تھا اور نہ اس لئے دنیا میں زیادہ ٹھہرنے کو کہ درخت بوؤں اور نہریں کھودوں، لیکن دوپہر کی پیاس کو دوست رکھتا تھا اور اس بات کو کہ ذکر کے حلقوں میں علماء کے پاس بیٹھوں۔

حضرت معاذؓ کے دو شاگرد عمرو بن میمونؒ اور یزید بن عمیرہؒ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت معاذؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ہم رونے لگے۔ حضرت معاذؓ نے پوچھا، تم کیوں رو رہے ہو، ہم نے عرض کیا اس علم پر روتے ہیں جو آپ کے ساتھ چلا جائے گا۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا، روؤ نہیں، علم اور ایمان قیامت تک موجود رہیں گے۔ جو ان کی جستجو کرے گا، پالے گا۔ میرے بعد ان چار آدمیوں کے پاس علم تلاش کرنا، عبداللہؓ بن مسعود، ابوالدرداؓ، سلمانؓ فارسی اور عبداللہؓ بن سلام۔

وفات کا وقت بالکل قریب پہنچا تو حضرت معاذؓ پر سخت گریہ طاری تھا، لوگوں نے عرض کیا، آپ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی ہیں، مجاہد فی سبیل اللہ ہیں۔ آپ کا سینہ قرآنِ حکیم کا مخزن ہے، آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا، میں نہ موت کے ڈر سے روتا ہوں اور نہ دُنیا چھوڑنے کا مجھے کوئی غم ہے۔ اس خیال سے روتا ہوں کہ معلوم نہیں آخرت میں میرا کیا حال ہوگا۔ اسی حالت میں روحِ مطہر عالمِ بالا کو پرواز کر گئی۔ اس وقت صرف چھتیس برس کی عمر تھی۔ ان کے ایک ہی فرزند تھے جو ان کے سامنے وفات پا گئے تھے، اس لئے اُن کے اُٹھ جانے سے خاندانِ اُدی کا خاتمہ ہو گیا۔ ان کی تدفین دریائے اُردن کے کنارے مشہور شہر بیسان میں ہوئی۔ کہتے ہیں اسی شہر کے قریب وہ مقام ہے جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اُٹھائے گئے تھے۔ حضرت معاذؓ کے علاوہ اس شہر کو اور بھی بہت سے جلیل القدر صحابہ کا مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

سیدنا حضرت معاذؓ بن جبل کا شمار عظیم المرتبت صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے صحابہؓ میں حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم معاذؓ بن جبل ہیں، وہ حضورؐ کے سامنے ہی مسندِ ارشاد پر متمکن ہو چکے تھے اور خود دانائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تفقہ فی الدین اور معرفت الٰہی پر اظہارِ خوشنودی فرمایا تھا۔ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت معاذؓ بن جبل رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے دریافت کیا، اے معاذؓ، صبح کیسی گزری؟ عرض کیا، یا رسول اللہؐ میری صبح ایمان کے ساتھ ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا، ہر قول کا ایک مصداق ہوتا ہے، تمہارے اس قول کا کیا مصداق ہے؟ حضرت معاذؓ نے کہا، اے اللہ کے رسولؐ میری کوئی صبح ایسی نہیں گزری جس میں مجھے یہ خیال نہ ہُوا ہو کہ میں صبح نہ کر سکوں گا۔ اور کوئی قدم میں نے ایسا نہیں رکھا جس میں مجھے یہ خیال نہ ہوا ہو کہ دوسرا قدم نہ رکھ سکوں گا اور گویا کہ میں ان تمام اُمتوں کی طرف دیکھ رہا ہوں جو گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی ہیں اور جنہیں ان کے اعمال نامے کی طرف بلایا جا رہا ہے اور ان کے ساتھ ان کے نبی ہیں اور ان اُمتوں کے ساتھ ان کے وہ بُت ہیں جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے۔ گویا میں اہلِ جنت کے ثواب کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "تو معرفت کو پہنچ گیا، بس اسی پر جا رہ"۔

حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو۔ عبداللہؓ بن مسعود، سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ، اُبیؓ بن کعب اور معاذؓ بن جبل سے۔ ایک اور حدیث میں وارد ہُوا ہے کہ قیامت کے دن معاذؓ بن جبل علماء کے امام ہوں گے، چنانچہ اسی بنا پر انہیں امام العلماء کہا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ فاروق فرمایا کرتے تھے معاذؓ جیسا شخص پیدا کرنے سے عورتیں عاجز ہیں۔ سفرِ شام میں جابیہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، "جسے فقہ سیکھنا ہو وہ معاذؓ کے پاس جائے"۔ ایک اور موقع پر

فرمایا "اگر معاذؓ نہ ہوں تو عمر ہلاک ہو جاتے" ایک روایت میں ہے کہ وفات سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ اگر اس وقت معاذؓ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا۔ فقیہہ الامت حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرمایا کرتے تھے کہ معاذؓ بن جبل ان معنوں میں ایک اُمت تھے کہ وہ لوگوں کو بھلائی سکھاتے تھے اور ان معنوں میں قانت کہ ہمیشہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرتے تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کے نزدیک آپ عقلائے اُمت میں سے تھے۔

حضرت سعیدؓ بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں ایک مرتبہ حضرت معاذؓ کو بنی کلاب میں صدقات کی تحصیل کے لئے بھیجا ___ انہوں نے صدقات وصول کر کے شریعت کے مطابق انہیں تقسیم کر دیا اور کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ جب واپس آئے، تو خالی ہاتھ جو ٹاٹ بیٹھنے کے لئے لے گئے تھے، وہی گردن پر رکھے ہوئے تھے۔ ان کی اہلیہ نے پوچھا: "وہ مال کہاں ہے جو تم نے وہاں سے حاصل کیا؟ آخر دوسرے عامل بھی تو گھر والوں کے لئے کوئی نہ کوئی سوغات لاتے ہیں"

حضرت معاذؓ نے فرمایا: "مجھ پر ایک نگران تھا" اہلیہ نے کہا: "تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ تو امین سمجھتے تھے، اب کیا ہوا جو حضرت عمرؓ نے تم پر ایک نگران دباؤ ڈالنے کے لئے بھیج دیا۔"

ان کی اہلیہ نے اپنی رشتہ دار عورتوں کے ذریعے حضرت عمرؓ سے گلہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذؓ کو بُلا بھیجا اور فرمایا: "اے معاذؓ! یہ تمہاری اہلیہ کیا کہتی ہے: میں نے تو تم پر کوئی نگران مقرر نہیں کیا تھا۔"

حضرت معاذؓ نے عرض کیا: "اے امیر المومنین! فی الواقع اللہ تعالےٰ میرا نگران تھا۔ میں اپنی بیوی سے اور کیا معذرت کرتا۔" حضرت عمرؓ ان کا جواب سُن کر بہت ہنسے اور ان کو کچھ رقم مرحمت فرمایا کہ اسے دے کر اپنی بیوی کو راضی کرو۔

اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ حضرت معاذؓ بڑے کشادہ دست اور فیاض تھے۔ کسی سوالی کو کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں جانے دیتے تھے۔ اس سخاوت کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بہت سی جائداد بِک گئی اور مقروض ہو گئے۔ جب قرض خواہوں نے تنگ کیا، تو انہوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔ ان لوگوں نے حضورؐ کے پاس شکایت کی تو حضورؐ نے حضرت معاذؓ کو بُلا بھیجا۔ انہوں نے اپنا حال بلا کم و کاست حضورؐ کی خدمت میں عرض کر دیا۔ رحمتِ عالمؐ نے فرمایا: جو شخص اپنا قرض معاف کر دے گا، اللہ تعالےٰ اس پر رحم کرے گا۔ چند لوگوں نے اپنا مطالبہ چھوڑ دیا، لیکن کچھ لوگ ذاتی وجوہ کی بناء پر اپنے مطالبے پر قائم

رہے۔ حضورؐ نے حضرت معاذؓ کی باقی جائداد ان لوگوں میں تقسیم کر دی، لیکن کچھ قرض پھر بھی رہ گیا۔ حضورؐ نے اُن لوگوں سے فرمایا کہ جو کچھ تم کو مل چکا ہے، اسی پر اکتفا کرو اور حضرت معاذؓ کو تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں، اللہ تعالےٰ جلد تمہارے لئے کوئی بہتر صورت پیدا کر دے گا۔ کچھ عرصے بعد حضورؐ نے حضرت معاذؓ کو امارت یمن پر بھیجا، تو اُن کو بطورِ خاص اجازت دے دی کہ اگر کوئی شخص برضا و رغبت ہدیہ پیش کرے، تو قبول کر لیں۔ قیاس یہ ہے کہ یہ اجازت حضورؐ نے حضرت معاذؓ کے مقروض ہونے کی بناء پر مرحمت فرمائی، کیونکہ وہ راہِ خدا میں اپنا مال لٹانے کی بنا پر مقروض ہوتے تھے۔

اس علم و فضل کے باوجود حضرت معاذؓ بن جبل سے صرف ۱۵۷ احادیث مروی ہیں کیونکہ وہ روایت حدیث میں بے حد احتیاط سے کام لیتے تھے۔ ان کے رواۃ میں حضرت عمر فاروقؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت جابرؓ بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت ابوامامہ باہلیؓ اور حضرت ابو قتادہؓ جیسے اکابر صحابہ شامل ہیں۔ مشہور تلامذہ میں ابو ثعلبہ خشنیؓ، ابو مسلم خولانیؓ، اسود بن ہلالؓ، ابن ابی اوفیٰؓ، ابو عبداللہ صنابحیؓ، مسروقؓ، ابو ادریس خولانیؓ، جنادہ بن ابی امیہؓ، اسلم مولیٰ حضرت عمرؓ شامل ہیں۔

فرماں برداری

حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ حضورؐ کے صحابی تھے۔ ان کے ذمے یہ خدمت تھی کہ سفر میں حضورؐ جس اونٹ پر سوار ہوتے وہ اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلتے۔

ایک مرتبہ سفر میں اپنی یہی خدمت انجام دے رہے تھے کہ حضورؐ نے وہ اونٹ جس پر آپ سوار تھے بٹھا دیا اور خود اُتر کر فرمایا:

"عقبہ! اب تم سوار ہو لو۔"

انھوں نے عرض کیا "سبحان اللہ یا رسول اللہؐ! میں اور آپ کی سواری پر سوار ہوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

حضورؐ نے پھر حکم دیا:

"عقبہ! اب تم سوار ہو جاؤ۔"

عقبہؓ نے پھر وہی عرض کیا:

"حضورؐ! میں آپ کی سواری پر نہیں بیٹھ سکتا۔"

آپ نے جب زیادہ اصرار کیا تو فرماں برداری کے لیے عقبہ اونٹ پر بیٹھ گئے اور حضورؐ ان کی اونٹ کی نکیل تھام کر آگے آگے چلنے لگے۔

اصحابی کالنجوم

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشاد نبوی)

حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حکمؓ بن عمرو بڑے خدا ترس اور پرہیز گار آدمی تھے۔ اگر کبھی حکومت کی طرف سے کوئی ایسا حکم موصول ہوتا جس کو وہ شریعتِ اسلامیہ کی روح کے منافی سمجھتے تو اس کی تعمیل کرنے سے صاف انکار کر دیتے۔ ایک دفعہ انہیں کسی جنگ میں کثیر مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ زیاد کو معلوم ہوا تو اس نے انہیں لکھا کہ امیر المومنین کا فرمان آیا ہے کہ مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والا سونا چاندی تقسیم نہ کیا جائے بلکہ اسے دارالخلافہ بھیج دیا جائے۔

حضرت حکمؓ بن عمرو نے اس خط کے جواب میں لکھا:

تم لکھتے ہو کہ امیر المومنین نے ایسا لکھا ہے اور میں امیر المومنین کے تحریری حکمنامہ سے پہلے خدا کی کتاب پا چکا ہوں۔ خدا کی قسم اگر ساتوں آسمان اور زمین کسی بندہ کے اوپر بند ہو جائیں اور وہ بندہ اللہ سے ڈرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی رہائی کا ضرور کوئی نہ کوئی سامان کر دے گا (یعنی اس عدولِ حکمی پر جو خدا کے حکم کے مطابق ہے تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔"

یہ جواب بھیج کر انہوں نے تمام لشکر میں منادی کرا دی کہ سب مجاہدین آ کر مالِ غنیمت میں سے اپنا اپنا حصہ لے لیں۔ مالِ غنیمت اہلِ لشکر میں تقسیم کر لینے کے بعد آپ نے دعا کی:

"الٰہی اگر تیرے پاس میرے لئے بھلائی ہو تو مجھے اپنی طرف اُٹھا لے۔"

آپ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات سے ہمیشہ نالاں رہتے اور دُعا کرتے رہتے کہ الٰہی اگر تیرے یہاں میرے لئے بھلائی ہے تو مجھ کو اپنے پاس بُلا لے۔ ایک مرتبہ دُعا کر رہے تھے کہ اے طاعون مجھ کو اٹھا لے۔ کسی نے کہا، "آپ ایسی دُعا کیوں کرتے ہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم لوگوں کو کسی مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیئے۔"

حضرت حکمؓ نے فرمایا :۔

"جو کچھ تم نے سُنا ہے وہ میں نے بھی سُنا ہے لیکن میری تمنا ہے کہ چھ چیزوں کے دیکھنے سے پہلے ہی دُنیا سے اُٹھ جاؤں۔ وہ یہ ہیں:"

۱۔ حکم (فیصلہ) کی تجارت۔

۲۔ پولیس کی کثرت۔

۳۔ نوعمر لڑکوں کی حکومت۔

۴۔ خونریزی (قتل و غارت)

۵۔ قطع رحمی اور

۶۔ ایسی نسل جو قرآن کو مزامیر بنائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول کی اور وہ ایسا وقت آنے سے پہلے ہی ۵۰ ہجری میں وفات پا گئے۔ وفات سے پہلے انہوں نے انس بن اناس کو اپنا قائم مقام بنایا اور پھر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

ایک دن بارگاہِ نبوی میں حضرت حکم بن عمروؓ اور حضرت بریدہؓ بن الحصیبؓ حاضر تھے کہ سیدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا :

"تم دونوں اہلِ مشرق کے لئے دو آنکھیں ہو۔"

سیدنا حضرت حکم بن عمرو ثعلبی غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار اسلام کے ان سرفروش فرزندوں میں ہوتا ہے جنہوں نے ایک طرف تو اپنی نوکِ شمشیر سے تاریخِ اسلام کا ایک زریں باب رقم کیا اور دوسری طرف اپنی صالحیت اور حق گوئی کے ایسے نقوش صفحۂ تاریخ پر ثبت کئے جو اُمتِ مسلمہ کے لئے ابدالآباد تک مشعلِ راہ بنے رہیں گے۔

حضرت حکمؓ بن عمرو شرفِ اسلام سے کب بہرہ ور ہوئے، کُتبِ سِیَر اس سلسلہ میں خاموش ہیں، البتہ طبقات میں لکھا ہے کہ جب آپ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ اقدس سے وابستہ ہوئے تو ہمیشہ آپؐ کی خدمت میں رہے، یہاں تک کہ آفتابِ رسالت اللہ تعالیٰ کی شفقِ رحمت میں غروب

ہوگیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں جب بصرہ آباد ہُوا تو حضرت حکمؓ بن عمرو مدینہ سے بصرہ چلے گئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ ۲۳ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت حکمؓ بن عمرو کو مکران کی تسخیر پر مامور فرمایا۔ آپ فوج لے کر مکران کی جانب روانہ ہُوئے جب مکران میں داخل ہوئے تو امیر المومنین کے حکم سے حضرت شہابؓ بن مخارق مازنی، حضرت سہلؓ بن عدی انصاری اور عبد اللہؓ بن عتبان بھی اپنی اپنی فوجیں لے کر ان کے ساتھ آن ملے۔ مکران اس زمانے میں سندھ کے راجہ راسل کی حکومت میں شامل تھا۔ راجہ راسل ایک لشکرِ جرار لے کر سندھ سے مکران آن پہنچا۔ حضرت حکمؓ بن عمرو نے دریائے سندھ کے اُس پار تھوڑے سے فاصلے پر پڑاؤ ڈالا۔ فریقین نے لڑائی کے لئے پوری تیاری کر رکھی تھی۔ چنانچہ دونوں میں گھمسان کا رَن پڑا۔ سندھیوں اور مکرانیوں نے جم کر مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں کے بے پناہ جوش اور جذبۂ ایمان کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ چلی۔ دُشمن نے جنگی ہاتھیوں کو آگے بڑھایا۔ اس کا خیال تھا کہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتے اس لئے مسلمانوں کے عربی گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر بدک جائیں گے لیکن مجاہدینِ اسلام کو ایران کی لڑائیوں میں ہاتھیوں سے مقابلہ کرنے کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے راجہ راسل کی یہ ترکیب بھی کامیاب نہ ہوئی اور مسلمانوں نے اس کو شکستِ فاش دی۔ اس کے لشکر کی بہت بڑی تعداد میدانِ جنگ میں کام آئی اور بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا جس میں بہت سے ہاتھی بھی تھے۔ اس فتح کی بدولت سارے مکران پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

حضرت حکمؓ بن عمرو نے فتح کی خوش خبری کے ساتھ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ حضرت صحارؓ بن عباس عبدی کے ہاتھ مدینہ منورہ روانہ کیا اور امیر المومنین حضرت عمرؓ سے یہ بھی پوچھ بھیجا کہ مالِ غنیمت میں جو ہاتھی ہاتھ آئے ہیں ان کا کیا کیا جائے؟ حضرت صحارؓ امیر المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو فتح کی خوش خبری سنائی تو وہ بہت خوش ہوئے اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر حضرت صحارؓ سے مکران کے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے جواب دیا:

> "اے امیر المؤمنین! مکران ایسی سرزمین ہے کہ اس کی مٹی پتھریلی ہے۔ پانی ٹردی ہے۔ پھل خراب ہے۔ دشمن بے باک اور دلیر ہے۔ بُرائی زیادہ ہے اور اچھائی کم۔ زیادہ فوج وہاں بھیجی جاتے تو وہ بھوکوں مرے اور کم بھیجی جائے تو وہ ضائع ہو جائے اور اس کے پیچھے کا علاقہ اور بھی بُرا ہے۔"

حضرت صحارؓ نے یہ حالات ایسے انداز میں بیان کئے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: "صحارؓ! تم شاعری کر رہے ہو یا مکران کے حالات بیان کر رہے ہو۔"

حضرت صحارؓ نے عرض کیا: "امیر المومنین! میں شاعری نہیں کر رہا بلکہ وہاں کے حالات بیان کر رہا ہوں"۔

اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت حکمؓ بن عمرو اور دوسرے سپہ سالاروں کو حکم بھیجا کہ وہ مکران کے آگے ہندوستان کی طرف نہ بڑھیں۔ غنیمت کے ہاتھیوں کے بارے میں کہا کہ ان کو مسلمانوں کے علاقے میں فروخت کر کے ان کی قیمت مجاہدین میں بقدرِ حصہ تقسیم کر دی جائے۔

حضرت حکمؓ بن عمرو شعر و شاعری کر لیتے تھے اور مناسب موقعوں پر نہایت عمدہ شعر کہہ لیتے تھے۔ فتح مکران کے موقع پر انہوں نے اپنے دلی جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا:۔

"یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے کہ مکران سے آتے ہوئے مالِ غنیمت اور فے سے بیوائیں شکم سیر ہوئیں۔

یہ مالِ غنیمت ایسے حال میں آیا کہ سخت بھوک اور تکلیف تھی اور گھروں میں آگ نہ جلنے کی وجہ سے موسم سرما دھوئیں سے خالی تھا۔

اس لئے میرے اس کارنامے کو یہ میرا لشکر برا مانتا ہے اور نہ میری تلوار اور میرا نیزہ اس کی برائی کرتا ہے۔

وہ صبح یاد رہے گی جب میں فوجی دستوں کو سندھ کے دور اور نزدیک علاقوں میں آگے لئے جا رہا تھا۔

اور دریائے سندھ ہمارے مقصد کی کامیابی کے لئے پوری مستعدی کے ساتھ ہمارا مطیع، فرمانبردار رہا۔

اگر امیر المومنین نے آگے بڑھنے سے روکا نہ ہوتا تو ہم اپنی فوج کو بدکار عورتوں کے بت خانہ تک پہنچا دیتے۔

آخری شعر میں جس بت خانے کا ذکر ہے اس سے مراد بھیرو کا بت خانہ تھا جس پر زانی عورتوں کی آمدنی وقف تھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہدِ خلافت میں امیر المومنینؓ اور امیر معاویہؓ والئ شام کے درمیان اختلافات کا آغاز ہوا تو حضرت حکمؓ بن عمرو گوشہ نشین ہو گئے اور کسی فریق کا ساتھ نہ دیا۔ جس زمانے میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جنگ صفین ہو رہی تھی، حضرت علیؓ نے ان کے پاس ایک قاصد بھیجا جس نے انہیں حضرت علیؓ کا یہ پیغام دیا کہ اس لڑائی میں آپ پر ہماری اعانت کا زیادہ حق ہے۔ حضرت حکمؓ بن عمرو نے اس پیغام کے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں نے اپنے خلیل اور آپ کے ابنِ عم رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جب اس قسم کا کوئی معاملہ پیش آئے تو لکڑی کی تلوار بنا لینا، چنانچہ میں نے لکڑی کی تلوار بنالی ہے۔

امیر معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں مشرقی ممالک کے گورنر زیاد بن ابوسفیانؓ کو لکھا کہ تمہارے یہاں حکم بن عمرو نام کے ایک صحابی رسول ہیں۔ تم ان کو خراسان کا حاکم بناؤ۔ چنانچہ زیاد نے ان کو خراسان کا امیر بنادیا۔

"علامہ بلاذریؒ نے اس طرح لکھا ہے کہ زیاد بن ابی سفیانؓ نے اپنے دربان خیل کو حکم دیا کہ حکم کو بلالاؤ۔ وہ حکمؓ بن ابوالعاص ثقفی کو بلانا چاہتا تھا لیکن خیل دربان حکمؓ بن عمرو غفاری کو بلالایا۔ زیاد ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور کہا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت نیک صحابی ہیں اور ان سے خیر و برکت کی اُمید ہے۔ پھر اس نے ان کو خراسان کی گورنری پیش کی جو انہوں نے قبول کرلی۔

حضرت حکمؓ بن عمرو کو خراسان کا گورنر مقرر کرنے سے پہلے زیاد یہ عہدہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کرچکا تھا لیکن انہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ جب انہوں نے سُنا کہ حضرت حکمؓ نے یہ عہدہ قبول کرلیا ہے تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور کہا کہ مسلمانوں کی بہت بڑی ذمہ داری آپ کے سپرد کردی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی بندہ کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے۔

"مجھے یہ حدیث یاد ہے۔" آپ نے جواب دیا۔

حضرت عمرانؓ بن حصین نے کہا کہ میرا یہی مقصود تھا کہ میں تم کو یہ حدیث یاد دلا دوں تاکہ تم اپنی حکومت کے زمانے میں اس کا لحاظ رکھو۔

حضرت حکمؓ بن عمرو خراسان کی گورنری پر ۴۴ ہجری میں مامور ہوتے تھے۔ یہ عہدہ سنبھالتے ہی انہوں نے جہاد کی تیاری شروع کردی اور اپنے دورِ امارت میں ہرات، جوزجان اور خراسان کے اور بہت سے مقامات اور علاقے فتح کئے اور وہاں سے بہت زیادہ مالِ غنیمت حاصل کیا۔ ماوراالنہر اور مرو وغیرہ کے علاقے بھی ان کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے ماوراالنہر میں سب سے پہلے نماز ادا کی تھی۔ ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ ۴۷ ہجری میں غور کے باشندوں نے مرتد ہوکر بغاوت برپا کردی۔ حضرت حکمؓ بن عمرو نے باغیوں کو کچل دیا اور بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا اور جب حالات نے پلٹا کھایا اور دیکھا کہ کونسی قباحتیں جنم لینے والی ہیں تو بارگاہِ رب العزت میں ہاتھ اٹھ گئے اور دُعا کو جامہ قبولیت بخشا گیا۔

اصحابی کالنجوم
میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں (ارشاد نبوی)

حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مکہ کی گلیوں میں ایک منادی مالدار قریشیہ سلافہ بنت سعد کا اعلان باآواز بلند سنا رہا تھا کہ جو شخص یثرب کے عاصمؓ بن ثابت کو زندہ پکڑ کر یا اس کا سر کاٹ کر اس کے پاس پہنچائے گا وہ اس کو اعلیٰ نسل کے سو اونٹ انعام دے گی۔

اس اعلان کا پس منظر یہ تھا کہ سلافہ کے دو بیٹے مسافع بن طلحہ اور حارث بن طلحہ جنگِ احد میں حضرت عاصمؓ بن ثابت انصاری کے ہاتھ سے مارے گئے تھے، چنانچہ اس نے عہد کیا تھا کہ جب تک اپنے شوہر اور بیٹوں کے قتل کے عوض عاصمؓ کے کاسۂ سر میں شراب نہ پی لے گی چین سے نہ بیٹھے گی۔ سفیان بن خالد لحیانی نے تو اس انعام کے لالچ میں اور کچھ مسلمانوں کو دکھ پہنچانے کے خیال سے قبیلہ عضل اور قارہ کے چند آدمیوں کو گانٹھا کہ وہ مسلمانوں کے بھیس میں مدینہ جائیں اور کہیں کہ ان کے تمام اہلِ قبیلہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہیں بشرطیکہ کچھ مسلمان ان کے پاس جا کر انہیں اسلام کی تعلیم اچھی طرح دے سکیں۔ اگر معلم مان جائیں تو معلمین میں عاصمؓ بن ثابت کو بھی شامل کرانے کی کوشش کریں۔ عضل اور قارہ کے سات بدبخت آدمیوں نے سفیان بن خالد کے کہنے پر عمل کیا اور مدینہ پہنچ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کچھ معلمین ہمارے ساتھ کر دیجئے تاکہ وہ ہمارے قبائل میں تبلیغ کر سکیں اور انہیں احکامِ اسلام سکھا سکیں۔ از راہِ مکر انہوں نے حضرت عاصمؓ بن ثابت سے اپنے قبائل

کے اکثر لوگوں کی محبت کا بہت کچھ اظہار کیا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور چھ صحابہ کو حضرت عاصمؓ بن ثابت کی قیادت میں ان کے ساتھ روانہ فرما دیا۔ داعیانِ حق کی اس مقدس جماعت میں حضرت خبیبؓ بن عدی بھی شامل تھے۔

یہ مقدس جماعت جب رجیع کے مقام پر پہنچی تو عضل اور قارہ کے وفد نے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غداری کی اور بنو لحیان کو اطلاع بھیجی کہ تمہارا شکار آ پہنچا۔ چنانچہ دو سو لحیانی جنگجو اہل حق کی اس مختصر جماعت پر چڑھ دوڑے۔ مسلمانوں نے ان کے تیور دیکھے تو دوڑ کر ایک قریبی ٹیلے پر چڑھ گئے اور بنو لحیان سے مخاطب ہو کر پکارے۔

"اے بدعہدو! کیوں عرب کی روایات کو پامال کرتے ہو مہمانوں کو یوں دھوکے سے گھر بلا کر قتل کرنا جائز ہے۔ اگر تمہارا یہی ارادہ ہے تو سن لو کہ ہم آخری دم تک تمہارا مقابلہ کریں گے۔ جو بھی ہمارے نزدیک آیا اس کی جان کی خیر نہیں"۔

لحیانیوں نے کہا:۔

"ہم تمہیں ہلاک نہیں کرنا چاہتے۔ ہم تو صرف قریش مکہ سے تمہارے ذریعے کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ اگر تم نیچے اتر آؤ تو ہماری پناہ میں رہو گے"۔

حضرت عاصمؓ نے فرمایا:۔

"خدا کی قسم ہمیں مشرکوں کے عہد و پیمان پر کوئی اعتبار نہیں ہے ہم ہرگز تمہاری پناہ نہیں لینا چاہتے"۔

اب چاروں طرف سے کفار نے ان بیکس مسلمانوں پر تیروں اور برچھیوں سے حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے نہایت ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ حضرت عاصمؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:۔

"بھائیو ہم سے دھوکا کیا گیا ہے، مگر کوئی بات نہیں۔ منزلِ شہادت تمہارے سامنے ہے اور حورانِ بہشتی تمہیں اپنی آغوش میں لینے کے لیے بیقرار ہیں"۔

جنگ شروع ہو گئی۔ مسلمانوں نے کفار کے تیروں کا جواب تیروں سے دیا۔ جب تیر ختم ہو گئے تو نیزوں سے مقابلہ کیا۔ حضرت عاصمؓ نے دعا مانگی:۔

"الٰہی تیری راہ میں ہم مظلومانہ مارے جا رہے ہیں۔ میں نے اول دن سے تیرے دین کی حمایت کی اور اب تیری حمایت کا طالب ہوں میں نے تجھ سے عہد کیا تھا کہ نہ خود کبھی کسی مشرک کو مس کروں گا اور نہ ہی کسی مشرک کو اپنا جسم چھونے دوں گا مرنے کے بعد میرے جسم کی حفاظت اب تیرے ذمے ہے"۔

اس کے بعد رجز پڑھتے ہوئے دشمنوں میں گھس گئے۔ وہ کہہ رہے تھے ہم رتبہ شہادت پر فائز ہوتے۔ تین صحابہ حضرت خبیبؓ بن عدی، حضرت زیدؓ بن الدثنہ اور حضرت عبداللہؓ بن طارق کو مشرکین نے زندہ گرفتار کرلیا۔ حضرت عاصمؓ کی دعا بارگاہ خداوندی میں قبول ہوئی۔ جب مشرکین نے ان کا سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جسدِ مبارک کے گرد شہد کی مکھیوں کا غول بھیج دیا۔ کوئی مشرک ادھر بڑھتا تو اُسے بُری طرح کاٹ لیتیں۔ آخر انہوں نے لاش کو اسی جگہ چھوڑ دیا۔ جب مکھیوں کا یہ غول اُڑ جائے گا تو اس وقت سر کاٹ لیں گے۔ رات کو زبردست بارش ہوئی جس سے سیلاب کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ حضرت عاصمؓ کا جسدِ مبارک اسی سیلاب میں بہہ گیا اور ہزار کوششوں کے باوجود کفار کے ہاتھ نہ آیا۔

حضرت خبیبؓ، زیدؓ اور عبداللہؓ بن طارق کو کفار اپنی کمانوں کی تانت سے باندھنے لگے تو حضرت عبداللہؓ نے شدید مزاحمت کی تاہم مشرکین انہیں کسی نہ کسی طرح باندھ کر مکّہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مرالظہران پہنچے تو عبداللہؓ نے اپنا ہاتھ قید کی رسی سے نکال لیا اور ایک مشرک کی تلوار چھیننا چاہی۔ یہ دیکھ کر مشرکین غضب ناک ہوگئے اور پیچھے ہٹ کر ان پر پتھر برسانے شروع کر دئیے یہاں تک کہ وہ واصل بحق ہوگئے۔ مشرکین انہیں وہیں دفن کرکے آگے بڑھے۔ اب ان کے قبضے میں صرف دو عاشقانِ حق اور سرفروشانِ دین باقی رہ گئے تھے۔ حضرت خبیبؓ بن عدی اور حضرت زیدؓ بن الدثنہ بنولحیان انہیں مکّہ کے بازار میں لے آئے جہاں ان دنوں جانوروں کی طرح انسانوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ جب قریش کو علم ہوا کہ بنولحیان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ساتھیوں کو اسیر کرکے مکّہ لاتے ہیں تو انہیں بڑی خوشی ہوئی اور بازار کی طرف یہ دیکھنے کے لیے لپکے کہ ان قیدیوں میں کوئی ان کے کسی عزیز کا قاتل تو نہیں۔ حضرت خبیبؓ نے غزوۂ بدر میں حارث بن عامر بن نوفل کو قتل کیا تھا اس لیے جب حارث کے اعزّہ نے خبیبؓ کو دیکھا تو ان کی باچھیں کھل گئیں کہ انہیں اتنی آسانی سے حارث کا انتقام لینے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ حارث کے بیٹے نے حضرت خبیبؓ کو سو اُونٹوں کے عوض خرید لیا۔

اسی طرح حضرت زیدؓ بن الدثنہ کو صفوان بن امیّہ نے پچاس اُونٹوں کے عوض خرید لیا تاکہ انہیں اپنے باپ امیّہ بن خلف مقتولِ بدر کے بدلے میں قتل کرے۔ یوں اللہ کے یہ دو پاکباز بندے لحیانی غداروں کے پنجہ ستم سے چھوٹ کر مکّہ کے قسی القلب مشرکوں کے ہاتھ پڑ گئے۔

قریشِ مکّہ کفر کی حالت میں بھی حرمت والے چار مہینوں (رجب، ذیقعد، ذی الحجہ اور محرم)

ہیں خونریزی سے اجتناب کرتے تھے۔ حضرت خبیبؓ جس زمانے میں فروخت ہوتے وہ ذلیقعدہ کا مہینہ تھا۔ اس لیے بنو حارث نے ان کا قتل اشہرِ حرم گزرنے تک ملتوی کر دیا اور انہیں طوق و سلاسل میں جکڑ کر ایک کوٹھڑی میں محبوس کر دیا۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ خبیبؓ کو بنو حارث نے خرید کر حجیر بن ابی اہاب کی کنیز ماؔدیہ کے گھر قید رکھا اور زینب بنت حارث کو ان کی نگرانی پر مامور کیا۔ یہ ماویہ جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئیں بیان کرتی ہیں کہ:۔

"خدا کی قسم میں نے خبیبؓ بن عدی سے بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا وہ رات کے پچھلے پہر ایسی پُرسوز آواز میں قرآن پڑھا کرتے تھے کہ قریش کی عورتیں اسے سُن کر بے اختیار رو دیا کرتی تھیں۔ ایک دن میں نے کواڑ کی درز سے جھانکا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ خبیبؓ جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، انگور کا ایک بہت بڑا گچھا کھا رہے ہیں حالانکہ یہ انگور کا موسم نہ تھا۔ یہ خدائی رزق تھا جو حق تعالیٰ نے انہیں عطا کیا تھا۔"

میں نے ایک دن خبیبؓ سے کہا کہ اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتاؤ۔ خبیبؓ نے کہا، مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں البتہ میں تجھ سے تین باتوں کی درخواست کرتا ہوں۔

۱۔ مجھ کو میٹھا پانی پلانا۔

۲۔ جو جانور بتوں کے استھانوں پہ ذبح ہوں ان کا گوشت مجھے نہ کھلانا۔

۳۔ جب قریش میرے قتل کا ارادہ کریں تو مجھے پہلے آگاہ کر دینا۔

مَیں نے ان تینوں باتوں کے پورا کرنے کی حامی بھر لی۔ جب اشہرِ حُرم گزر گئے تو قریش خبیبؓ کے قتل کے لیے مجتمع ہوتے۔ مَیں نے خبیبؓ کو قریش کے ارادے سے مطلع کیا تو خُدا کی قسم انہیں مطلق ہراساں نہ پایا۔

حضرت خبیبؓ کی بلندیٔ کردار کا مشاہدہ کرنے کے باوجود سیاہ باطن مشرکوں کو رحم نہ آیا اور وہ بدستور اس قدسی صفت انسان کو قتل کرنے پر تُلے رہے۔

حضرت خبیبؓ بلاشبہ قریش کے ایک بڑے سردار کے قاتل تھے، لیکن انہوں نے یہ قتل کسی دھوکے اور فریب سے نہیں کیا تھا بلکہ عین میدانِ کارزار میں مردوں کی طرح لڑ کر کیا تھا۔ اب قریش ان پر قابو پا کر جس بدکرداری کا مظاہرہ کر رہے تھے وہ دُنیا کے کسی آئین میں روا نہیں تھا۔ یہ کھُلی ہوئی شیطنیت اور بُزدلی تھی کہ رسیوں میں جکڑے ہوئے ایک بے بس قیدی کو بیسیوں مسلح آدمی مل کر ماریں۔ ایسا فعل تو عربوں کی قومی روایات کے بھی یکسر خلاف تھا لیکن مشرکینِ قریش جوشِ انتقام میں بالکل اندھے ہو گئے تھے انہوں نے اس مظلوم پردیسی کو قتل کرنے کے لیے خاص

اہتمام کیا اور طے کیا کہ انہیں سُولی پر لٹکا کر نیزوں کے کچوکوں سے ہلاک کیا جائے چنانچہ انہوں نے اشہرِ حُرم گزرنے کے بعد حرم سے باہر تنعیم کے مقام پر سولی گاڑی اور منادی کر کے تمام اہلِ مکّہ کو دعوت دی کہ وہ خبیبؓ کے قتل کا تماشہ دیکھنے کے لیے تنعیم پہنچیں چنانچہ سارا مکّہ تماشہ دیکھنے کے لیے اُمڈ پڑا۔ یہ لوگ ڈھول اور دف پیٹ رہے تھے، جھنڈے لہرا رہے تھے اور نفیریاں بجا رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بہت بڑا میلہ یا جشن ہے۔ حضرت خبیبؓ کو پابجولاں لایا گیا تو اس نابکار ہجوم نے مسرّت کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھالیا۔ ہنگامہ دار و رسن برپا کرنے سے پہلے ظالموں نے حضرت خبیبؓ سے پوچھا' "کوئی خواہش ہو تو بیان کرو۔"

حضرت خبیبؓ نے فرمایا "میری اور تو کوئی خواہش نہیں ہے البتہ یہ چاہتا ہوں کہ دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دے دو۔"

مشرکین نے کہا "پڑھ لو۔"

حضرت خبیبؓ فوراً نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ دو رکعت پوری ہو گئیں تو فرمایا:-

"میں نماز میں زیادہ وقت صَرف کرتا لیکن سوچا کہ تم لوگ سمجھو گے خبیبؓ موت سے ڈر گیا ہے اور قتل کا وقت ٹال رہا ہے۔"

اس کے بعد یہ شجاع ترین مردِ مومن سولی کے نیچے جا کر کھڑا ہو گیا اور فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے:۔

"لوگ جوق در جوق میرے گرد جمع ہو رہے ہیں، بڑے بڑے گروہ میرے قتل کا تماشا دیکھنے کھڑے ہیں۔"

یہ تمام لوگ مجھ سے عداوت نکال رہے ہیں اور جوش میں بپھرے ہوتے ہیں۔

میں اس مقتل میں دست و پابستہ کھڑا ہوں' قبائل اپنی عورتوں اور بچوں کو میرے قتل کا تماشا دکھانے لاتے ہیں۔

لوگ مجھے ایک اُونچی لکڑی کے پاس لاتے ہیں اور مجھ سے کہتے ہیں کہ اسلام کو چھوڑ دینے سے تیری جان بچ سکتی ہے۔

لیکن دینِ حق چھوڑنے سے مر جانا بہتر ہے۔

میری آنکھیں نمناک ہیں لیکن میں صبر کروں گا اور دشمن کے سامنے نہ جھکوں گا کیونکہ میں وصلِ حق سے شاد کام ہونے والا ہوں۔

موت کا مجھے ڈر نہیں ہے، ڈر ہے تو جہنم کی شعلہ بار خون چوسنے والی آگ کا۔ عرشِ اعلیٰ کے مالک

لیے مجھ سے خدمت لی ہے اور مجھے صبر و ضبط کی ہدایت فرمائی
دینِ حق کے دشمنوں نے مار مار کر میرے گوشت کا بھرتا بنا دیا ہے۔ میں اپنی غریب الوطنی اور بیکسی کی فریاد اپنے خالق سے کرتا ہوں۔ واللہ میں جب اللہ کی راہ میں جان دے رہا ہوں تو مجھے پروا نہیں کہ کس پہلو پر گرتا ہوں اور کیسے جان دیتا ہوں۔ ذاتِ باری تعالیٰ سے امید ہے کہ اگر وہ چاہے تو میرے جسم کے ہر ٹکڑے پر برکت نازل کرے۔"

یہ اشعار پڑھنے کے بعد انہوں نے دعا مانگی:۔

"الٰہی ہم نے تیرے رسولؐ کا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیا تو اپنے رسولؐ برحق کو ہمارے حال کی خبر پہنچا دے۔"

یہ دُعا مانگ کر انہوں نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ اور پھر ان کے ہونٹوں پر اپنے قاتلوں کے لیے بے اختیار یہ بددُعا جاری ہو گئی۔

اے اللہ ان میں سے ہر ایک پر اپنا قہر نازل کر، اور ان کو پراگندہ کر کے ہلاک کر۔ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔

مشرکین حضرت خبیبؓ کی بددُعا سے اتنے خوفزدہ ہوتے کہ ان میں سے اکثر پہلو کے بل زمین پر لیٹ گئے بعض ایک دُوسرے کے پیچھے چھپتے پھرتے تھے کچھ لوگ کانوں میں انگلیاں دے کر بھاگنے لگے اور بعض درختوں کی آڑ میں جا چھپے کیونکہ یہی طریقے ان کے نزدیک بددُعا سے بچنے کے تھے۔ یہ منظر اتنا عبرتناک اور درد انگیز تھا کہ اس موقعہ پر موجود لوگوں کو مدت العمر یاد رہا۔

اس بددُعا کے بعد حضرت خبیبؓ نے پھانسی کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیا۔ عروہؓ اور موسیٰؒ بن عقبہ سے روایت ہے کہ مشرکین نے جب حضرت خبیبؓ کو سُولی پر لٹکایا تو ان کو پکار کر اور قسم دے کر پوچھا کیا تمہیں پسند ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری جگہ سُولی پر ہوں اور تم اپنے گھر میں آرام سے بیٹھے۔

حضرت خبیبؓ نے فرمایا:۔

"خُدا کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد رسُولؐ اللہ کے پائے اقدس میں کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا رہوں۔"

اس کے بعد کفار نے حضرت خبیبؓ کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی آخری کوشش کی لیکن انہوں نے مشرکین کی ترغیب وتحریص کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ ظالموں نے اب سولی کا رسّہ کھینچ دیا اور ان کا منہ قبلہ کی طرف سے پھیر دیا۔ اس وقت حضرت خبیبؓ کی زبان پر قرآن کی ایک آیت

جاری ہو گئی۔ جس کا ترجمہ ہے:۔
تم جس طرف رُخ کرو اسی طرف اللہ کی ذات موجود ہے۔
اب شقی القلب مشرکوں نے اس مردِ وفا سرشت کے جسم پر نیزوں سے کچوکے لگانے شروع کر دیے۔ دفعتاً خبیبؓ کا منہ قبلہ رُخ ہو گیا۔ ابھی رمق جان باقی تھی فرمایا:۔
"الحمد للہ کہ اس نے میرا منہ اپنے گھر کی طرف پھیر دیا۔"
کفاران کے رقصِ بسمل کو دیکھ کر خوشی سے نعرے لگاتے تھے۔ انہوں نے بہت کوشش کی کہ خبیبؓ کا چہرہ قبلہ کی طرف سے پھیر دیں لیکن ناکام رہے۔ بالآخر ایک مشرک نے ان کے سینے میں اس زور سے نیزہ مارا کہ جسم کے آرپار ہو گیا۔ اس وقت ان کی زبان پر کلمہ توحید جاری تھا۔ اسی حالت میں انہوں نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔
اس کے بعد مشرکین نے اس عاشقِ رسولؐ کے جسم مبارک کو سُولی پر لٹکتا چھوڑ دیا۔
جب حضرت خبیبؓ انصاری نے دُعا مانگی تھی کہ اے اللہ میرے حال کی خبر اور میرا اسلام بارگاہِ نبوتؐ میں پہنچا دے تو اس وقت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں کسی جگہ صحابہؓ کرامؓ کی ایک جماعت کے درمیان رونق افروز تھے اور شمع رسالت کے پروانے حضورؐ کے ارشادات سے مستفیض ہونے کے لیے ہمہ تن گوش بنے ہوتے تھے کہ یکایک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کی کیفیت طاری ہوئی اور لسانِ رسالت پر یہ الفاظ جاری ہو گئے۔
علیک السلام یا خبیب — علیک السلام یا خبیب
اے خُبیبؓ تجھ پر سلام — اے خُبیبؓ تجھ پر سلام
صحابہ کرامؓ نے حیرت سے حضورؐ کی طرف دیکھا کہ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ سرورِ عالمؐ نے ان کی حیرت کو پہچان لیا۔ اور اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔
"خُبیبؓ کو اللہ کے دشمنوں نے قتل کر ڈالا۔ یہ جبریلؑ مجھے اس کا سلام پہنچاتے ہیں۔"
حضرت خبیبؓ کی شہادت کے چند دن بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: "کون شخص ہے جو خبیبؓ کی لاش کو سولی سے اتار لائے اور جنت کا حق دار بن جائے۔"
حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت مقدادؓ بن الاسود بیک وقت اٹھے اور عرض کیا۔ "یا رسول اللہ یہ کام ہم کریں گے۔"
چنانچہ دونوں چھپتے چھپاتے مکہ پہنچے۔ جب رات کو خبیبؓ کے مقتل میں گئے تو یہ دیکھ کر حیران

رہ گئے کہ ان کی لاش سولی پر بالکل تر و تازہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسی دن واصل بحق ہوتے ہیں۔ ان کا ایک ہاتھ اپنے زخم پر تھا جس سے خون ٹپک رہا تھا، حالانکہ ان کو شہید ہوئے چالیس دن گزر چکے تھے۔

حضرت زبیرؓ نے لاش کو سولی سے اتارا اور اسے اپنے گھوڑے پر رکھ کر حضرت مقدادؓ کے ہمراہ مدینہ کا رُخ کیا۔ صبح ہوئی تو قریش کو کسی ذریعے سے اس واقعہ کا علم ہو گیا۔ چنانچہ بہت سے مسلح مشرکین اُونٹوں پر سوار ہو کر حضرت زبیرؓ اور مقدادؓ کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ حضرت زبیرؓ نے سواران قریش کو اپنے سر پر پایا تو انہوں نے حضرت خبیبؓ کی لاش گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھ دی۔ زمین فوراً اس لاش کو نگل گئی۔ چنانچہ اسی وجہ سے حضرت خبیبؓ کو "بلیع الارض" کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔

اب حضرت زبیرؓ قریش کی طرف متوجہ ہوئے اور للکار کر کہا

"اے مشرکینِ قریش تمہیں ہم پر دھاوا بولنے کی جرأت کیسے ہوئی۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں عوام کا بیٹا اور عبدالمطلب کا نواسا ہوں۔ یہ میرا ساتھی شیر بیشۂ شجاعت مقداد بن الاسود کندی ہے۔ ہم اپنے گھروں کو لوٹ رہے ہیں اور تمہارا کوئی نقصان نہیں کیا۔ اگر تم تیروں سے لڑنا چاہتے ہو تو ہم تیروں سے لڑیں گے۔ تلواروں سے لڑنا چاہو تو ہم بھی تلواروں سے لڑیں گے۔ واللہ جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم تمہیں اپنے نزدیک نہیں پھٹکنے دیں گے۔"

مشرکینِ قریش نے جب دیکھا کہ یہ مردانِ حق مرنے مارنے پر آمادہ ہیں تو وہ ان سے کوئی تعرض کیے بغیر واپس چلے گئے۔ حضرت زبیرؓ اور مقدادؓ نے جب دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا تو حضورؐ بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ جبرئیل امینؑ نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے تم دونوں پر فخر کرتے ہیں۔

حضرت خبیبؓ بن عدی انصاری قبیلہ اوس کے چشم و چراغ تھے۔ وہ مدینہ منورہ کی ان خوش بخت ہستیوں میں سے تھے جنہیں ہجرتِ نبوی سے قبل اسلام کی سعادتِ عظمیٰ حاصل ہوئی۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال کے بعد انہوں نے فیضانِ نبوی سے خوب خوب استفادہ کیا یہاں تک کہ بہت جلد فضلائے صحابہ میں شمار ہونے لگے۔ جنگِ بدر میں ان کو تین سو تیرہ نفوسِ قدسی کی اس مقدس جماعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جس کے ایثار و خلوص اور شجاعت کی داستان سے تاریخ اسلام کے اوراق تا ابد تابندہ

رہ گئے۔ اس جنگ میں حضورؐ نے حضرت خبیبؓ کو مجاہدین کے سامان کی نگرانی پر مامور فرمایا تھا تاہم انہیں معرکہ کارزار میں اپنی تلوار کے جوہر دکھانے کا موقع بھی مل گیا اور انہوں نے مشرکین قریش کے ایک سربرآوردہ رئیس حارث بن عامر بن نوفل کو جہنم واصل کیا۔ حضرت خبیبؓ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت اور محبت تھی اور ان کے دل میں دینِ حق پر مر مٹنے کا جذبہ ہر وقت موجزن رہتا تھا۔ حضورؐ بھی ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور اسی بے پایاں شفقتِ نبوی نے انہیں ایک مثالی مردِ مومن بنا دیا تھا۔

بیٹا اور باپ

مکّے کے بزرگ لوگوں میں ایک شخص تھا جس کا نام حصین تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ ایک دفعہ وہ دل میں بُرا ارادہ لے کر حضورؐ کی مجلس میں آیا۔

حصین کے بیٹے عمران جو مسلمان ہو چکے تھے۔ اُس وقت اس مجلس میں موجود تھے اور حضورؐ کے قریب بیٹھے تھے۔ عمران نے اپنے باپ کو آتے دیکھا تو نہ وہ اُن کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے اور نہ اُن سے کوئی بات کی۔ بلکہ ایسے ہو گئے جیسے وہ حصین کو پہچانتے ہی نہ ہوں۔ حصین چپ چاپ آ کر بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانتے تھے کہ یہ شخص آپ کا دشمن ہے اور نقصان پہنچانے کی نیت سے آیا ہے، مگر آپؐ نے ان کی طرف توجہ فرمائی۔ ان کو بٹھایا، پھر ان کو ایمان لانے کی دعوت دی اور قرآن پاک کی چند آیتیں ان کو سنائیں۔

حصین خاموشی سے اُن کو سنتے رہے ان کے دل پر اللہ کے رسولؐ کے اخلاق، آپؐ کی باتوں اور قرآن پاک کی آیتوں کا ایسا اثر ہوا کہ اچانک بول اُٹھے:

"آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے۔" پھر اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

جونہی حصین کے مُنہ سے یہ الفاظ نکلے، عمران بڑے ادب سے کھڑے ہو گئے۔ آگے بڑھ کر اپنے باپ سے لپٹ گئے۔ ان کے سر کو چوما اور ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔

حضورؐ نے جب یہ منظر دیکھا تو آپ رو پڑے۔

آپؐ کے صحابہؓ نے جو اس مجلس میں موجود تھے، حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو بے چین ہو گئے، پوچھنے لگے۔

"یا رسول اللہؐ! آپؐ کیوں رو رہے ہیں؟"

حضورؐ نے فرمایا:

"عمران کے باپ کافر تھے اور جب وہ اس حالت میں ان کے سامنے آئے تو وہ نہ اُن کی تعظیم کے لیے اُٹھے اور نہ ان کی طرف دیکھا، لیکن جب وہ اسلام لے آئے تو انہوں نے باپ کے ساتھ وہ سلوک کیا جو اُن کا حق تھا۔ یہ دیکھ کر مجھ پر رقت طاری ہو گئی۔"

جب حصین حضورؐ سے اجازت لے کر جانے لگے تو آپؐ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا:

"جاؤ! حصین کو ان کے گھر تک چھوڑ آؤ۔"

اصحابی کالنجوم

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشاد نبوی)

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عہدِ رسالت میں ایک مرتبہ حضرت عوفؓ بن مالک دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے۔ ان کے والد مالک بن ابی عوف اشجعی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! میرے بیٹے عوف کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا ہے۔" آپ نے فرمایا کہ کسی آدمی کے ذریعے عوف کو کہلوا دو کہ رسول اللہ نے تجھے حکم دیا ہے کہ تُو کثرت کے ساتھ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھا کر۔

ابی عوف مالکؓ نے ایک آدمی کے ذریعے حضرت عوفؓ تک حضورؐ کا یہ حکم پہنچا دیا۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی تو جس چیز سے دشمنوں نے ان کو باندھ رکھا تھا وہ ٹوٹ کر گر گئی اور عوفؓ قید خانے سے باہر نکل آئے۔ ان کی نظر دشمنوں کی ایک اونٹنی پر پڑی جو قریب ہی چر رہی تھی۔ اس پر سوار ہو کر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں دشمنوں کی چراگاہ تھی اس میں ان کے سب جانور چر رہے تھے۔ انہوں نے ان جانوروں کو ایک خاص انداز میں پکارا تو وہ سب کے سب ان کی سواری کے پیچھے چل پڑے۔ عوفؓ گھر پہنچے تو ان کے ماں باپ بہت خوش ہوئے۔ والد اور خادم نے باہر نکل کر دیکھا تو سارے میدان کو اونٹوں سے بھرا پایا۔ حضرت عوفؓ نے والد کو اپنا اور اونٹوں کا سارا قصہ سنایا۔ وہ بارگاہِ رسالت میں

حاضر ہوئے اور حضورؐ کو یہ واقعہ سنایا۔ آپؐ نے فرمایا' ان اونٹوں کے ساتھ جو جی چاہے کرو
میں اس معاملہ میں دخل نہ دوں گا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے مضرتوں سے نجات کی صورت
پیدا کر دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا
اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔

مسند احمد میں حضرت عوفؓ بن مالک کے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا واقعہ اس طرح درج ہے کہ وہ حضورؐ کی خدمت میں غزوۂ تبوک میں حاضر ہوئے۔ آپؐ چمڑے کے ایک چھوٹے سے قبہ میں تھے۔ انھوں نے آپؐ کو سلام کیا۔ آپؐ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا اندر آجاؤ۔ قبہ چھوٹا تھا لہذا انھوں نے عرض کیا' کیا میں سارا ہی اندر آجاؤں یا رسولؐ اللہ! آپؐ نے فرمایا' ہاں تم سارے ہی اندر آجاؤ۔ بس وہ اندر داخل ہو گئے۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت شگفتہ مزاج تھے۔ اور اپنے صحابہ سے خوش طبعی یا پاکیزہ مزاح کی کوئی بات سن کر ناراض نہیں ہوتے تھے اور یہ روایت حضرت عوفؓ کے شگفتہ مزاج ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے۔

ایک دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عوفؓ بن مالک کو ایک سریّہ پر روانہ فرمایا۔ اس میں جو دوسرے لوگ شامل تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ اس شرط پر چلتا ہوں کہ تم میرے لیے ایک حصہ مالِ غنیمت میں سے دو۔ پھر کہنے لگا۔ خدا کی قسم مجھے کیا علم کہ تم لوگوں کو مالِ غنیمت ملے یا نہ ملے تم تو میرے لیے ایک معیّن حصہ مقرر کر دو۔ حضرت عوفؓ نے اس کے لیے تین اشرفیاں مقرر کیں، پھر وہ لوگ گئے اور مالِ غنیمت حاصل کیا۔ حضرت عوفؓ نے حضورؐ سے اس آدمی کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا۔" میں اس کے لیے دنیا و آخرت میں سوائے ان تین اشرفیوں کے جو اس نے لی ہیں اور کچھ نہیں پاتا۔"

رمضان ۸ھ ہجری میں حضرت عوفؓ بن مالک کو ان دس ہزار قدوسیوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جو فتح مکہ کے موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے جن کے بارے میں سینکڑوں سال پہلے "کتاب استثناء" میں پیش گوئی کی گئی تھی کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ کوہِ فاران سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس

کے ہاتھ میں ایک شرلیت تھی۔

اس موقع پر حضرت عوفؓ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ بنو اشجع کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ فتح مکّہ کے بعد انھوں نے غزوۂ حنین میں دادِ شجاعت دی۔ ۹ھ ہجری میں غزوۂ تبوک کے سفر میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمرکاب تھے۔ صحیح بخاری میں ان سے روایت ہے کہ میں غزوۂ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس گیا جبکہ آپ چمڑے کے ایک خیمے میں تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا، چھ باتیں قیامت سے پہلے ہوں گی' ان کو یاد کر لو۔ میری موت' پھر فتح بیت المقدس' پھر وبا جو تم میں اس طرح پھیلے گی جیسے بکریوں کی بیماری تعاص' پھر مال کا بکثرت ہونا یہاں تک کہ اگر کسی شخص کو سو اشرفیاں دی جائیں گی تو بھی وہ خوش نہ ہوگا۔ پھر ایک فتنہ برپا ہوگا کہ عرب کا کوئی گھر ایسا نہ بچے گا جس میں وہ داخل نہ ہو۔ پھر ایک صلح تمہارے اور رومیوں کے درمیان ہوگی اور وہ بے وفائی کریں گے اور اسی جھنڈوں کے ساتھ تمہارے مقابلے پر آئیں گے اور ہر جھنڈے کے ساتھ بارہ ہزار آدمی ہوں گے۔"

سیّدنا حضرت عوفؓ بن مالک اشجعی کا شمار سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم کے اُن جاں نثاروں میں ہوتا ہے جو نہ صرف شجاعت کے اعتبار سے ایک دلاور صف شکن تھے بلکہ علم و فضل کے لحاظ سے بھی آسمانِ ہدایت کے نہایت درخشندہ ستارے تھے۔ ان کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بنو اشجع سے تھا اور اُن کی کنیت ابو عبدالرحمٰن یا ابو حماد تھی۔ بعض نے ابو عمر بھی لکھی ہے۔ آپ کے والد مالک بن ابی عوف اشجعی بھی شرفِ صحابیت سے آراستہ تھے۔ کتب سے پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عوفؓ نے قبولِ اسلام کا شرف کب حاصل کیا البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ غزوۂ خیبر میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمرکاب تھے۔

بعض کا کہنا ہے کہ ۵ھ ہجری میں بنو اشجع کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس میں ۴۰۰ یا اس سے کچھ زیادہ آدمی تھے۔ ان لوگوں نے پہلے حضورؐ کے ساتھ صرف صلح و امن کا معاہدہ کیا لیکن جب یہ معاہدہ معرضِ تحریر میں آیا تو وہ قبولِ اسلام پر آمادہ ہوگئے۔ چنانچہ سب دولتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو کر گھروں کو لوٹے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عوفؓ اسی وفد میں شامل تھے۔ اس لحاظ سے انہوں نے ۵ھ ہجری میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

غزوۂ خیبر کے بعد حضرت عوفؓ غزوۂ موتہ میں جانبازانہ شریک ہوئے۔ اس لشکر کی قیادت حضرت زیدؓ بن حارثہ کے سپرد تھی۔ اس میں حضرت عوفؓ کا ایک یمنی معاون بھی ساتھ ہو لیا۔

اس کے پاس ایک تلوار کے سوا اور کوئی ہتھیار نہ تھا۔ مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے اپنا ایک اونٹ ذبح کیا۔ اس سے اُن کے معاون نے اونٹ کی کھال کا ایک ٹکڑا مانگا۔ اُس آدمی نے کھال کا ایک ٹکڑا اسے دے دیا۔ اس نے اسے لے کر ڈھال کی طرح بنا لیا پھر وہ لوگ چل پڑے اور رومیوں کے لشکر کے قریب پہنچ گئے اور لڑائی چھڑ دی۔ رومیوں میں ایک آدمی اپنے سرخ گھوڑے پر سوار تھا جس کی سنہری زین تھی اور اُس آدمی کے پاس سنہرے ہتھیار تھے۔ وہ رومی مسلمانوں پر بڑھ بڑھ کر حملے کر رہا تھا۔ حضرت عوفؓ کا وہ معاون اُس کی گھات میں ایک چٹان کے پیچھے بیٹھ گیا۔ جب وہ رومی اُس کے پاس سے گزرا تو اس نے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں۔ رومی گھوڑے سے گر پڑا۔ وہ اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور اسے قتل کر دیا پھر اُس کے گھوڑے اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ جب مسلمانوں نے رومیوں کو پسپا کر دیا تو حضرت خالدؓ بن ولید نے حضرت عوفؓ کے معاون کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ وہ اس سے مالِ غنیمت لے لے جس پر اس نے قبضہ کیا تھا۔

حضرت عوفؓ حضرت خالدؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا" اے خالد کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے سامان کا فیصلہ قاتل کے لیے کیا ہے؟ حضرت خالدؓ نے کہا: بے شک مجھے یاد ہے لیکن میں اُس معاون کے لیے اس مال کو بہت کثیر سمجھتا ہوں۔"

حضرت عوفؓ نے کہا: یا تو آپ اُس مال کو اسے واپس دے دیجئے ورنہ میں یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ضرور پیش کروں گا۔"

حضرت خالدؓ نے یہ مال واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر مدینہ آ کر حضرت عوفؓ اور حضرت خالدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عوفؓ نے اس معاون کا قصہ اور جو کچھ حضرت خالدؓ نے کیا تھا آپؐ کے سامنے رکھ دیا۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا: اے خالد تمہیں کس چیز نے ایسا کرنے پر آمادہ کیا؟"

حضرت خالدؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے اس مال کو کثیر جانا تھا۔"

آپؐ نے فرمایا: اے خالد جو کچھ تم نے اُس سے لیا ہے اسے واپس کر دو۔"

اس پر حضرت عوفؓ نے حضرت خالدؓ سے مخاطب ہو کر کہا: اے خالد کیا میں نے تمہیں جبھی ملامت نہیں کی تھی؟"

حضورؐ نے فرمایا "کیا بات ہے؟"

حضرت عوفؓ نے حضرت خالدؓ سے اپنے سوال و جواب کی ساری تفصیل کہہ سنائی۔
اس پر حضورؐ کو غصّہ آگیا اور آپ نے فرمایا: "اے خالد! اسے سامان واپس نہ کرو۔" پھر ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا: "کیا تم لوگ میرے امیروں کو اس حالت میں کرنا چاہتے ہو کہ ان کے امر سے ہر صاف ستھرا تو تمہارے لیے ہو اور اس کام کی ساری گندگی امراء پر ہو؟"
حضرت عوفؓ کو تحصیلِ علم کا بہت شوق تھا وہ اکثر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے اور فیضانِ نبوی سے خوب بہرہ یاب ہوتے۔ جلد ہی ان کو قرآن اور حدیث میں درجۂ تبحّر حاصل ہو گیا اور وہ خود لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے لگے۔ ایک دفعہ انھوں نے کسی شخص کو قرآن کی تعلیم دی تو اس نے ایک کمان ہدیہ کے طور پر دی۔ انہوں نے اس کا تذکرہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تو آپؐ نے فرمایا۔
"اے عوف کیا تیرا یہ ارادہ ہے کہ تو اللہ پاک سے اس حال میں ملے کہ تیرے دونوں بازوؤں کے درمیان جہنم کی چنگاری ہو۔"
گویا آپؐ نے قرآن پڑھانے کے عوض کسی چیز کے لینے کو ناپسند فرمایا۔
حضرت عوفؓ بن مالک کو اکثر سفر میں بھی حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ ایک دفعہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ آپؐ نے اخیر رات میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ جتنے لوگ حضورؐ کے ساتھ تھے ان میں سے ہر ایک شخص نے اپنے کجاوہ کی ہتی پر ٹیک لگالی۔ حضرت عوفؓ کی آنکھ رات کے کسی حصّے میں کھل گئی تو حضورؐ کو آپؐ کے کجاوے کے پاس نہ دیکھا۔ ان پر گھبراہٹ طاری ہو گئی اور حضورؐ کی تلاش میں چل پڑے۔ انھوں نے حضرت معاذؓ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو دیکھا کہ وہ بھی حضورؐ کی گمشدگی کی وجہ سے پریشان ہیں اور آپؐ کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ وہ سب اسی حال میں تھے کہ اچانک انھوں نے وادی کے اوپر کی جانب سے اس قسم کی آواز سنی جیسی چکی کے چلنے کی ہوتی ہے۔ وہ اس طرف گئے تو وہاں حضورؐ کو بارگاہِ ربّ العزت میں گریہ وزاری کرتے ہوئے پایا۔ انھوں نے آپؐ کو اپنی پریشانی کا حال سنایا تو آپؐ نے فرمایا کہ آج رات میرے رَبّ عَزَّ وَجَلَّ کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور کہا کہ میرے رَبّ نے آپؐ کو اختیار دیا ہے کہ یا تو اپنی ساری اُمّت کے لیے شفاعت کرنے کا اختیار لے لیں یا آدھی اُمّت کو جنّت میں داخل کرالیں۔ لہٰذا میں نے شفاعت کرنے کو پسند کیا۔"
حضرت عوفؓ نے عرض کیا: "اے اللہ کے نبیؐ آپ کو اللہ کی قسم! کیا آپؐ نے ہمیں بھی اُن لوگوں

ہیں شامل کیا ہے جن کی آپ شفاعت کریں گے ؟"
آپؐ نے فرمایا۔ "بے شک تم سب ان لوگوں میں سے ہو جن کی میں شفاعت کروں گا" اس کے بعد وہ حضورؐ کی معیت میں بڑاز کی طرف چلے یہاں تک کر دوسرے اصحاب کے پاس پہنچ گئے۔ دیکھا کہ سب لوگ حضورؐ کی گمشدگی سے پریشان اور گھبرائے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور کہا کہ شفاعت میں اور اس بات میں اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ اپنی امت کا آدھا جنت میں داخل کراؤں۔ میں نے شفاعت کرنے کو اختیار کر لیا۔ لوگوں نے عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم، ہمیں بتائیں کس لیے آپؐ نے ہم لوگوں کو ان میں شامل کیا جن کی آپؐ شفاعت کریں گے ؟
آپؐ نے فرمایا: "میں حاضرین کو گواہ بناتا ہوں کہ میری شفاعت امت کے ہر اس فرد کے لیے ہوگی جو اس حالت میں وفات پا گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس نے کچھ شرک نہ کیا ہو۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں شام میں رومیوں کے خلاف جہاد کا آغاز ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں متعدد خونریز معرکوں کے بعد پورے شام پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ حضرت عوفؓ بن مالک بھی شام جانے والے لشکر میں شامل تھے۔ شام میں انہوں نے رومیوں کے خلاف کئی لڑائیوں میں دادِ شجاعت دی۔ ان کے قیامِ شام کے زمانے میں ایک دفعہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ شام تشریف لے گئے، ایک دن ایک شامی یہودی امیرالمومنین کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوا کہ اس کا سر پھٹا ہوا تھا اور جسم پر جگہ جگہ چوٹوں کے نشانات تھے۔ اس نے فریاد کی کہ اے مسلمانوں کے امیر ایک مسلمان نے ناحق میرے ساتھ یہ سلوک کیا جو آپ دیکھ رہے ہیں۔
حضرت عمرؓ اس کی فریاد سن کر غضب ناک ہو گئے اور حضرت صہیبؓ سے فرمایا، جاؤ اور دیکھو کہ کس شخص نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے پھر اس کو میرے پاس لے آؤ۔
حضرت صہیبؓ نے جا کر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حضرت عوفؓ بن مالک نے اس یہودی کو زدوکوب کیا ہے۔ حضرت صہیبؓ نے ان سے کہا کہ امیرالمومنین تم پر سخت خفا ہیں تم حضرت معاذؓ بن جبل کے پاس جاؤ اور ان کو ساتھ لے جا کر امیرالمومنین کے سامنے سارا قصہ بیان کرو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عمرؓ نے نماز سے فارغ ہو کر حضرت صہیبؓ سے دریافت کیا "کیا تم اس آدمی کو لے آئے ؟"

حضرت صہیبؓ نے کہا: جی ہاں، اس یہودی کو مارنے والے عوفؓ بن مالک اشجعی ہیں جو یہاں موجود ہیں۔" امیرالمومنینؓ ابھی کچھ کہنے نہیں پائے تھے کہ حضرت معاذؓ بن جبل کھڑے ہو گئے اور کہا۔ "اے امیرالمومنین! عوف بن مالک میرے پاس بیٹھے ہیں ان کی پہلے سنیئے ان کو سزا دینے میں جلدی نہ کیجئے۔"

حضرت عمرؓ نے حضرت عوفؓ سے پوچھا۔ "تیرا اور اس آدمی کا کیا قصہ ہے؟"

حضرت عوفؓ نے بیان کیا:۔

"اے امیرالمومنین! یہ یہودی گدھے پر ایک مسلمان عورت کو ہنکا کر لے جا رہا تھا۔ پھر اس نے اس عورت کو کچوکا دیا تاکہ وہ گدھے سے گر پڑے۔ جب وہ نہ گری تو اس نے اسے دھکا دیا وہ نیچے جا پڑی تو اس شخص نے اس کی بے حرمتی کی، اس پر میں نے اس کو یہ سزا دی۔"

حضرت عمرؓ نے حضرت عوفؓ سے فرمایا: "تم اس عورت کو لاؤ تاکہ وہ تمہارے بیان کی تصدیق کرے۔" چنانچہ حضرت عوفؓ اس عورت کے گھر پہنچے اور اس کے شوہر اور والد سے کہا کہ اس خاتون کو امیرالمومنین بلاتے ہیں۔ وہ دونوں اس کو بھیجنے پر راضی نہ ہوئے اور کہا کہ اس سے ہماری رسوائی ہو گی لیکن اس خاتون نے کہا۔ "خدا کی قسم میں امیرالمومنین کے پاس ضرور جاؤں گی۔" اب اس کے شوہر اور والد نے کہا کہ ہم جاتے ہیں اور تیری طرف سے ساری بات بتا دیں گے۔ چنانچہ ان دونوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر بالکل اسی قسم کا بیان دیا جیسا حضرت عوفؓ نے دیا تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس یہودی کو سولی دی جائے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ ہم نے تم لوگوں سے اس بات پر صلح نہیں کی کہ تم اس قسم کی حرکتیں کرتے پھرو۔ اس کے بعد فرمایا: "اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری میں اللہ سے ڈرو۔ جو شخص بھی اہل ذمہ میں سے ایسا کام کرے گا اس کی ہمارے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں۔"

فتح شام کے بعد حضرت عوفؓ بن مالک نے دمشق میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں ۷۳ھ ہجری میں وفات پائی۔

حضرت عوفؓ کا شمار فضلائے صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان سے ۶۷ احادیث مروی ہیں۔ ان کے رواۃ حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ اور حضرت مقدامؓ بن معدی کرب جیسے عظیم المرتبت صحابہ اور حضرت ابومسلمؒ، حضرت ابوادریس خولانیؒ اور حضرت جبیر بن نفیرؒ جیسے جلیل القدر تابعین شامل ہیں۔

اصحابی کالنجوم

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (الحدیث)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

ایامِ جاہلیت کے دوران عہدِ بچپن میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود عقبہ بن معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مونس و ہمدم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ اس طرف سے گزرے جہاں آپؓ بکریاں چرا رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے فرمایا "صاحبزادے! تمہارے پاس کچھ دُودھ ہو تو پیاس بجھاؤ" بولے "میں آپ کو دُودھ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ دُوسرے کی امانت ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیئے ہوں" عرض کی "جی ہاں" اور ایک بکری پیش کی، آپؐ نے تھن پر ہاتھ پھیر کر دُعا فرمائی، یہاں تک کہ وہ دُودھ سے لبریز ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو علیحدہ لے جاکر دوہا تو اس قدر دُودھ نکلا کہ تینوں آدمیوں نے یکے بعد دیگرے خوب، سیر ہو کر نوش فرمایا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن سے فرمایا خشک ہو جا اور وہ پھر اپنی اصلی حالت پر عود کر آیا۔

اس کرشمۂ قدرت نے حضرت عبداللہؓ کے دل پر بے حد اثر کیا۔ حاضر ہو کر عرض کی "مجھے اس مؤثر کلام کی تعلیم دیجئے۔" آپؐ نے شفقت سے ان کے سر پہ دستِ مبارک پھیر کر فرمایا "تم تعلیم یافتہ بچے ہو" غرض اس روز سے وہ معلمؐ دین مبین کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہو گئے۔

آپ کا نام عبداللہؓ ابو عبدالرحمٰن کنیت، والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا۔ شجرہ نسب

یہ ہے:۔ عبداللہؓ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔

حضرت عبداللہؓ کے والد مسعود ایامِ جاہلیت میں عبد بن حارث کے حلیف تھے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد آپ شب و روز سرچشمہ علم سے مستفیض ہونے، خلوت، جلوت، سفر، حضر، غرض ہر موقع پر ساقیِ معرفت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، لیکن طلبِ صادق کی پیاس نہ بجھتی، یہاں تک کہ آپ جب داخلِ حرم نہ ہونے تو اپنی والدہ حضرت ام عبدؓ کو بھیجتے کہ وہ خانگی زندگی کی معلومات بہم پہنچائیں۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام خاص میں شامل تھے مسواک اٹھا کر رکھنا، جوتا پہنانا، سفر کے موقع پر کجاوہ کسنا اور عصا لے کر آگے چلنا آپ کی مخصوص خدمت تھی، اس خدمت گزاری کے ساتھ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمدم و ہمراز بھی تھے۔ مخصوص صحبتوں میں شریک کیے جاتے بلا اذن تخلیہ کے موقعوں پر حاضر ہوتے اور راز کی تمام باتیں سُن سکتے تھے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے ان کو حضورؐ کے بستر، مسواک درو ضو کے پانی والے کا معزز خطاب دے رکھا تھا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ "ہم یمن سے آتے اور کچھ دنوں تک مدینہ میں رہے ہم نے عبداللہؓ بن مسعود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو عرصہ تک خاندان رسالتؐ کا ایک رکن گمان کرتے رہے۔ غرض اس خدمت گزاری اور ہر وقت کی حاضر باشی نے ان کو قدرتاً سب سے زیادہ موقع دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کر سکیں۔

آپؓ کا جسم لاغر قد کوتاہ، رنگ گندم گوں اور سر پہ کانوں تک نہایت نرم و خوبصورت زلفیں تھیں۔ حضرت عبداللہؓ ان کو اس طرح سنوارتے تھے کہ ایک بال بھی بکھرنے نہیں پاتا تھا۔

ٹانگیں نہایت پتلی تھیں حضرت عبداللہؓ ہمیشہ ان کو چھپاتے رکھتے تھے، ایک مرتبہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسواک توڑنے کے خیال سے پیلو کے درخت پر چڑھے تو ان کی پتلی پتلی ٹانگیں دیکھ کر لوگوں کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم ان کی پتلی ٹانگوں پر ہنستے ہو حالانکہ یہ قیامت کے روز میزانِ عدل میں کوہِ احد سے بھی زیادہ بھاری ہوں گی۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود اس زمانہ میں ایمان لائے تھے جبکہ مومنین کی جماعت صرف چند اصحابؓ پر مشتمل تھی اور مکّہ کی سرزمین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سوا اور کسی نے علانیہ بلند آہنگی کے ساتھ تلاوتِ قرآن کی جرآت نہیں کی تھی، ایک روز مسلمانوں نے باہم مجتمع ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کی اور سب نے بالاتفاق کہا "خدا کی قسم! قریش نے اب تک بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے نہیں سُنا" لیکن پھر یہ سوال پیدا ہُوا کہ اس پُرخطر فرض کو کون انجام دے؟ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کیا، لوگوں نے کہا کہ تمہارا خطرہ میں پڑنا مناسب نہیں۔ اس کام کے لیے تو ایک ایسا شخص درکار ہے جس کا خاندان وسیع ہو اور وہ اس کی حمایت میں مشرکین کے دستِ ستم سے محفوظ رہے۔ لیکن حضرت عبداللہؓ نے جوشِ ایمان سے برانگیختہ ہو کر کہا۔ "مجھے چھوڑ دو! خدا میرا محافظ ہے۔

دُوسرے روز چاشت کے وقت جب کہ تمام مشرکین قریش حاضر تھے، آپؓ نے ایک طرف کھڑے ہو کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد علّم القرآن کا سحر آفرین راگ چھیڑا۔ مشرکین نے تعجب اور غور سے سُن کر پوچھا "ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے؟" کسی نے کہا کہ محمدؐ پر جو کتاب اُتری ہے اس کو پڑھتا ہے، یہ سننا تھا کہ تمام مجمع غیظ و غضب سے مشتعل ہو کر ٹوٹ پڑا اور اس قدر مارا کہ چہرہ متورم ہو گیا لیکن جس طرح پانی کے چند چھینٹے آگ کو اور زیادہ مشتعل کر دیتے ہیں اسی طرح حضرت عبداللہؓ کا شعلہ ایمان اس ظلم و تعدی سے بھڑک اٹھا، مشرکین مارتے گئے لیکن ان کی زبان بند نہ ہوتی۔

حضرت عبداللہؓ جب اس فرض کو انجام دے کر شکستہ حالی کے ساتھ اپنے احباب میں واپس آئے تو لوگوں نے کہا کہ ہم اسی ڈر سے تم کو جانے نہ دیتے تھے۔ بولے "خدا کی قسم! دشمنانِ خدا آج سے زیادہ میری نظر میں کبھی ذلیل نہ تھے۔ اگر تم چاہو تو کل میں پھر اسی طرح ان کے مجمع میں جا کر قرآن کریم کی تلاوت کروں۔ لوگوں نے کہا "بس جانے دو" اس قدر کافی ہے کہ جس کا سننا وہ ناپسند کرتے تھے اس کو تم نے بلند آہنگی کے ساتھ ان کے کانوں تک پہنچا دیا۔

حضرت عبداللہؓ کے جوش و غیرت ایمان نے رفتہ رفتہ تمام مشرکینِ قریش کو دشمن بنا دیا۔ یہاں تک کہ ان کی مسلسل و پیہم ایذارسانیوں سے تنگ آ کر دو دفعہ سرزمین حبش جانا پڑا پھر تیسری دفعہ دائمی ہجرت کا ارادہ کر کے یثرب کی راہ لی اور یہاں پہنچ کر حضرت معاذؓ بن جبل کے مہمان ہوتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان دونوں میں

بھائی چارہ کرا دیا اور مستقل سکونت کے لیے حضرت عبداللہؓ کو مسجد نبویؐ سے متصل ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔

حضرت عبداللہؓ تمام مشہور و اہم جنگوں میں جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم رہے۔ غزوۂ بدر میں دو انصاری نوجوانوں نے ابوجہل بن ہشام کو تہ تیغ کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کوئی ابوجہل کی خبر لاتا ہے حضرت عبداللہؓ بن مسعود گئے ابھی کچھ کچھ جان باقی تھی، اس کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا کہ ابوجہل تو ہی ہے۔

غزوۂ احد، خندق، حدیبیہ، خیبر اور فتح مکّہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمرکاب تھے مکّہ سے واپس آتے ہوتے راہ میں غزوۂ حنین پیش آیا۔ اس جنگ میں مشرکین اس طرح یکایک ٹوٹ پڑے کہ مسلمان بدحواسی کے ساتھ منتشر ہو گئے اور دس ہزار کی جماعت میں سے صرف اسّی اصحاب ثابت قدمی کے ساتھ شمع نبوتؐ کے اردگرد پروانہ وار اپنی فدویت کے جوہر دکھاتے رہے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود ان ہی جان نثاروں میں تھے، فرماتے ہیں کہ جب مشرکین نے سخت حملہ کیا تو ہم لوگ تقریباً اسّی قدم تک پسپا ہوتے لیکن پھر جم کر کھڑے ہو گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے رہوار کو آگے بڑھاتے تھے لیکن وہ پیچھے کی طرف ہٹتا تھا اسی حالت میں آپؐ ایک مرتبہ زین سے جھکے، میں نے پکار کر کہا "آپؐ سربلند رہیں۔ خدا نے آپؐ کو رفعت عطا فرمائی ہے۔" فرمایا مجھے ایک مٹھی خاک اٹھا دو۔ میں نے خاک اٹھا کر دی تو آپؐ نے مشرکین کے منہ کی جانب پھینک دی۔ جس سے ان کی آنکھیں غبار آلود ہو گئیں۔ پھر ارشاد ہوا "مہاجرین و انصار کہاں ہیں؟" میں نے اشارہ سے بتایا تو حکم ہوا کہ انہیں آواز دے کر بلاؤ۔ میں نے چیخ کر پکارا تو یکایک سب کے سب پلٹ پڑے۔ اس وقت ان کی تلواریں نورِ ایمان سے اس طرح چمک رہی تھیں جس طرح شعلہ دہکتا ہے۔ غرض بگڑا ہوا کھیل پھر بن گیا۔ مشرکین مغلوب ہو کر بھاگ کھڑے ہوتے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک عزلت نشین رہے لیکن عہدِ فاروقیؓ میں جن عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ چھڑ گیا تھا اس نے بالآخر ان کی رگ شجاعت میں بھی ہیجان پیدا کیا۔ ۱۵ھ میں گوشۂ خلوت سے نکل کر رزمگاہ شام کی طرف چل کھڑے ہوتے اور میدان یرموک کی فیصلہ کُن جنگ میں دادِ شجاعت دی۔

۲۰ھ میں کوفہ کے قاضی مقرر کیے گئے۔ عہدِ قضا کے علاوہ خزانہ کی افسری، مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور والی کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی ان کے متعلق تھے، چنانچہ فرمان تقرری کے الفاظ

یہ ہیں

میں نے تم پر عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ ابن مسعود کو بیت المال کی افسری بھی دی ہے۔ یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ذی عزت اصحابؓ میں سے ہیں جو کہ معرکۂ بدر میں شریک تھے اس لیے ان کو سمعاً و طاعۃً کہو اور اتباع کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہارے لیے ابن ام عبد عبداللہ بن مسعودؓ کو اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے کامل دس سال تک نہایت مستعدی و خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیے۔ اس طویل عرصہ میں انقلاب رونما ہوتے۔ خلیفہ دومؓ نے وفات پائی، خلیفہ ثالثؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا اور زمام کوفہ کی عنان حکومت اہلِ کوفہ کی شکایت و احتجاج پر یکے بعد دیگرے مختلف والیوں کے ہاتھ میں آئی لیکن وہ جس احتیاط اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے تھے اس کے لحاظ سے کسی کو ان سے شکایت پیدا نہ ہوئی۔

فطری رحمدلی، نرمی اور تلطف کے باعث عفو، درگزر اور چشم پوشی ان کا مخصوص شیوہ تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ اس راز سے بھی واقف تھے کہ بارگاہِ عدالت میں جب کسی مجرم پر کوئی جرم ثابت ہو جاتے تو اس کے ساتھ نرمی و درگزر سے پیش آنا۔ درحقیقت نظام حکومت ارکان و اساطین کو متزلزل کر دینا ہے۔ اس بنا پر وہ اثبات جرم کے بعد اپنی طبعی نرمی و شفقت کے باوجود قانونِ معدلت کے اجرا میں کبھی دریغ نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے اپنے برادرزادہ کو شراب خواری کے جرم میں پیش کیا۔ حضرت عبداللہؓ نے تحقیقات کے بعد حد جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ لیکن جب دُرّے پڑنے لگے تو اس کا دل رحم و شفقت سے بھر آیا اور منت و سماجت کے ساتھ سفارش کرنے لگا۔ انہوں نے غضب ناک ہو کر فرمایا۔ "تو نہایت ظالم چچا ہے اس کو حد شرعی کا مستحق ثابت کر کے چھوڑ دینے کی سفارش کرتا ہے جو اب ممکن نہیں۔ اسلام میں سب سے پہلے ایک عورت پر حد جاری کی گئی جس نے چوری کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ تم لوگوں کو چشم پوشی سے کام لینا چاہیے کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ خدا تمہیں بخش دے"۔

ایک دفعہ ان کو اطلاع دی گئی کہ مسیلمہ کذاب کے متبعین میں سے کچھ لوگ اب تک موجود ہیں جو اس کو رسولِ خدا کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ نے چند سپاہی بھیج کر ان کو گرفتار کرا دیا اور سب

کی توبہ قبول کر کے چھوڑ دیا لیکن ان کے سرگروہ ابن نواحہ کے لیے قتل کی سزا تجویز کی۔ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو بولے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال دو شخص مسیلمہ کذاب کی طرف سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفیر بن کر گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم مسیلمہ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا "ہاں" آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم سفیر نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کرا دیتا" اس بنا پر جبکہ وہ اب تک اس کے اس باطل عقیدہ سے باہر نہیں آیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کا پورا کرنا ضروری تھا۔

حضرت عثمانؓ کے آخری عہدِ خلافت میں جب کوفہ سازش' فتنہ پردازی اور بدامنی کا گھر تھا حضرت عبداللہ منصبِ قضا کے ساتھ افسرِ خزانہ بھی تھے۔ کثرتِ محاصل کے لحاظ سے کوفہ کا بیت المال نہایت اہمیت رکھتا تھا۔ اس سے لاکھوں روپے کے وظائف ملتے تھے۔ اس بنا پر دوسرے اہم مشاغل کے ساتھ اس شعبہ کی اس طرح نگرانی کرنا کہ ایک حبہ بھی اِدھر کا اُدھر نہ ہونے پاتے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی انتظامی قابلیت' بیداری مغز اور حساب فہمی کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

ذاتی حیثیت سے حضرت عبداللہؓ بن مسعود زہد و بے نیازی میں ثانی نہ رکھتے تھے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی نعمتوں کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیتے تھے۔ لیکن قومی سرمایہ کے تحفظ میں اس قدر سخت تھے کہ اعزہ احباب' افسر اور والیِ ملک کے ساتھ بھی کسی قسم کی رعایت ملحوظ نہ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ والیِ کوفہ نے بیت المال سے قرض لیا اور ناداری کے باعث عرصہ تک ادا نہ کر سکے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے مہتمم بیت المال کی حیثیت سے نہایت سختی کے ساتھ ان سے تقاضا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایک روز تلخ کلامی کی نوبت پیش آئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جھلا کر چھڑی زمین پر پھینک دی اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے۔"

چونکہ وہ نہایت مستجاب الدعوات مشہور تھے۔ اس لیے حضرت عبداللہؓ نے خوفزدہ ہو کر کہا "دیکھو میرے لیے بد دُعا نہ کرنا۔" بولے "خدا کی قسم! اگر خوفِ خدا نہ ہوتا تو میں تمہارے لیے سخت بد دُعا کرتا۔" حضرت عبداللہؓ نے ان کی برافروختگی کا یہ انداز دیکھا تو تیزی کے ساتھ کاشانۂ امارت سے باہر نکل آتے۔

اس واقعہ کی رپورٹ دربارِ خلافت میں پہنچی تو امیرالمومنین حضرت عثمانؓ نے سخت ناراضگی ظاہر فرمائی اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر کے ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی بنا کر بھیجا۔

حضرت عبداللہ بھی گو اس ناراضی سے مستثنیٰ نہ تھے۔ تاہم وہ ایک عرصہ تک اپنے عہدہ پر برقرار رہے۔

حضرت عثمانؓ کے اخیر عہد حکومت میں جب سازش و مفسدہ پردازی کا بازار گرم ہوا تو مخفی ریشہ دوانیوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو بھی زیادہ دنوں تک اپنے عہدہ پر برقرار رہنے نہ دیا اور یکایک معزول کر دیئے گئے۔ معزولی کی خبر نے کوفہ کی علمی دنیا کو ماتم کدہ بنا دیا، احباب معتقدین تلامذہ اور اعیان شہر کی ایک بڑی جماعت نے مجتمع ہو کر سخت ناراضگی ظاہر کی اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے مصر ہوئے کہ "آپ کوفہ سے تشریف نہ لے جائیں اگر اس کی پاداش میں کوئی مصیبت پیش آئے گی تو ہم سب اپنی جانیں قربان کرنے کو حاضر ہیں۔" بولے "امیر المومنین کی اطاعت مجھ پر فرض ہے، میں نہیں چاہتا کہ فتنہ و فساد جو عنقریب برپا ہونے والا ہے اس کی ابتداء میری ذات سے ہو۔" غرض وہ عمرہ کی نیت کر کے ایک جماعت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب مقام ربذہ میں پہنچے تو وسط راہ میں ایک عورت کو سرگرداں و پریشان دیکھ کر پوچھا خیر ہے، کہا ایک مرد مسلمان کی تجہیز و تکفین کیجیے۔" پوچھا کون؟ کہا ابوذرؓ صحابی رسولؐ آپ مع اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضرت ابوذرؓ کے پاس پہنچے۔ ان کا دم واپسیں تھا۔ اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق ضروری ہدایات دے کر واصل بحق ہوتے۔ حضرت عبداللہؓ نے حضرت ابوذرؓ کی وصیت کے مطابق ان کی تجہیز و تکفین کر کے نماز جنازہ پڑھا کر سپرد خاک کیا۔

حضرت عبداللہؓ نے مکہ پہنچ کر امیر المومنین کو حضرت ابوذرؓ کی وفات کی اطلاع دی اور عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ پہنچے کہ زندگی کے بقیہ ایام عزلت نشینی و عبادت الٰہی میں بسر ہوں۔

۳۲ھ میں جب کہ حضرت عبداللہؓ کا سن مبارک ساٹھ برس سے متجاوز ہو چکا تھا ایک روز ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی "خدا مجھے آپؓ کی آخری زیارت سے محروم نہ رکھے، میں نے گزشتہ شب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک بلند منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپؓ سامنے حاضر ہیں۔ اسی حالت میں ارشاد ہوتا ہے "ابن مسعودؓ! میرے بعد تمہیں بہت تکلیف پہنچائی گئی، آؤ میرے پاس چلے آؤ" فرمایا خدا کی قسم تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ بولا "ہاں" فرمایا تم میرے جنازہ میں شریک ہو کر مدینہ سے کہیں جاؤ گے" اس واقعہ کے چند ہی دنوں کے بعد اس طرح بیمار ہوتے کہ لوگوں کو ان کی زندگی سے مایوسی ہو گئی۔ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے دو برس سے ان کا مقررہ وظیفہ مطلقاً بند کر دیا تھا اس لیے وہ اس آخری لمحہ حیات میں عذرخواہی و عیادت کے لیے تشریف لاتے اور اس طرح گفتگو شروع کی۔

"آپؓ کو کس مرض کی شکایت ہے؟" حضرت عثمانؓ نے پوچھا
"اپنے گناہوں کی" آپؓ نے جواب دیا
"آپؓ کیا چاہتے ہیں؟" حضرت عثمانؓ گویا ہوتے
"خدا کی رحمت"
"آپ کے لیے طبیب بلاؤں؟" حضرت عثمانؓ نے پوچھا
"مجھے طبیب ہی نے بیمار ڈالا" آپؓ نے جواب دیا
"آپؓ کا وظیفہ جاری کر دوں؟" حضرت عثمانؓ نے دریافت کیا
"مجھے اس کی ضرورت نہیں؟" حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا
"آپؓ کی صاحبزادیوں کے کام آئے گا"
"کیا آپؓ کو میری لڑکیوں کے محتاج و دست نگر ہو جانے کا خوف ہے؟ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ ہر رات سورۃ واقعہ پڑھ لیا کریں۔ کیونکہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہو گا۔"

حضرت عبداللہؓ کو جب سفرِ آخرت کا یقین ہو گیا تو آپؓ نے حضرت زبیرؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بُلا کر اپنے مال و اسباب اور اولاد نیز خود اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق مختلف وصیتیں فرمائیں اور ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر ۳۲ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ امیرالمومنین حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں سپردِ خاک کیا۔

حضرت عبداللہؓ کے لیے بیت المال سے پانچ ہزار درہم کا سالانہ وظیفہ مقرر کیا تھا جو ان کی وفات سے دو برس پہلے خلیفۂ ثالث کے حکم سے بند کر دیا گیا تھا لیکن حضرت زبیرؓ نے سفارش کر کے ان کی اولاد کے لیے واگزار کرا دیا۔ اس طرح ان کے پسماندوں کو یکمشت دس یا پندرہ ہزار درہم مل گئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے تقریباً ۹۰ ہزار درہم نقد چھوڑے۔

قرآن کریم جو اصل اصول اسلام ہے، حضرت عبداللہ مسعودؓ اس کے سب سے بڑے عالم تھے، فرماتے ہیں کہ "ستر سورتیں میں نے خاص مہبطِ وحی والہامؐ کے دہنِ مبارک سے سُن کر یاد کی تھیں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں جن کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کب، کہاں اور کس بارہ میں اُتری ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کر کے جاتا۔

ایک مرتبہ انہوں نے مجمع عام میں دعویٰ کیا کہ تمام صحابہؓ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے

زیادہ عالم ہوں، گو سب سے بہتر نہیں ہوں" شقیق اس جلسہ میں موجود تھے وہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں اکثر صحابہؓ کے حلقوں میں شریک ہوا مگر کسی کو عبداللہؓ بن مسعود کے دعویٰ کا منکر نہیں پایا۔

ابوالاحوص فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم اور عبداللہؓ بن مسعود چند احباب کے ساتھ ابوموسیٰ اشعریؓ کے مکان میں تھے۔ حضرت عبداللہؓ چلنے کے قصد سے کھڑے ہوتے تو ابومسعود نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا "میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان سے زیادہ کوئی شخص قرآن کا عالم ہے۔ ابوموسیٰ نے کہا "کیوں نہیں! یہ اس وقت بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر رہتے تھے جبکہ ہم لوگ غائب ہوتے تھے اور ان کو ان موقعوں میں باریاب ہونے کی اجازت تھی جبکہ ہم لوگ روک دیے جاتے تھے" حضرت عبداللہؓ بن عمرو فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہؓ بن مسعود کو اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو اور سب سے پہلے ابن ام عبدؓ کا نام لیا۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے جب وفات پائی تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابومسعودؓ نے ایک دوسرے سے کہا "کیا عبداللہ نے اپنے جیسا کسی کو چھوڑا؟ دوسرے نے کہا نہیں وہ خلوت جلوت ہر موقع پر حاضر رہتے تھے جبکہ ہم لوگوں کے لیے یہ ممکن نہ تھا۔

حضرت عبداللہؓ کے پاس عہدِ نبوتؐ کا جمع کیا ہوا ایک مصحف بھی تھا جس کو وہ نہایت عزیز رکھتے تھے۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے جب مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف کو تلف کر دینے کا حکم دیا تو انہوں نے نہایت ناگواری کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔

قرآن مجید کی تفسیر اور مناسب موقعوں پر برجستہ آیاتِ قرآنی کی تلاوت میں آپؓ خاص مہارت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ یہ حدیث زیرِ بحث تھی کہ "جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال مارے گا، قیامت کے روز خدا اس پر نہایت غضب ناک ہوگا" حضرت عبداللہؓ نے اس حدیث کی تصدیق میں برجستہ قرآن کی آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ ہے۔

"بے شک وہ لوگ جو خدا کے عہد اور اپنی قسموں کے معاوضہ میں نفع قلیل حاصل کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔"

اسی طرح ایک دفعہ اپنے حلقہ درس میں بیان فرما رہے تھے کہ ایک روز رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ "شرک"۔

قرآت میں آپؓ کو غیر معمولی کمال حاصل تھا۔ صحاح میں بکثرت ایسی روایتیں ہیں جن کا ماحصل یہ

ہے کہ قرأت میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی پیروی کی جائے۔ ایک مرتبہ وہ نماز میں سورۂ نساء تلاوت فرمارہے تھے کہ خیرالانامؐ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد میں تشریف لاتے اور ان کی خوش الحانی اور باقاعدہ ترتیل سے خوش ہو کر فرمایا۔

(جو کچھ) سوال کرو پورا کیا جائے گا (جو کچھ) سوال کرو پورا کیا جائے گا۔

پھر ارشاد ہوا کہ " جو پسند کرتا ہے کہ قرآن کو اسی طرح تر و تازہ پڑھنا سیکھے جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو اس کو قرأۃ ابن ام عبد کی اتباع کرنا چاہیئے "۔

دوسرے روز حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کے پاس بشارت و تہنیت کے خیال سے تشریف لائے اور پوچھا کہ " رات آپؓ نے خدا سے کیا دعا مانگی ؟ " بولے " میں نے کہا اے خدا ! مجھے ایسا ایمان عطا کر جس کو کبھی جنبش نہ ہو، ایسی نعمت دے جو کبھی ختم نہ ہو اور خلد بریں میں (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی دائمی رفاقت نصیب کر "۔

وہ تلاوتِ قرآن کے نہایت شائق تھے اور تنہائی کے موقع میں عموماً اس سے دل بہلایا کرتے۔ بسا اوقات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے قرآن کی کوئی سورہ پڑھوا کر سُنتے اور محظوظ ہوتے۔ خود کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ سورۂ نساء پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ ! آپؐ پر نازل ہوا اور آپؐ کو میں سناؤں ! ارشاد ہوا " کیوں نہیں ! لیکن میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں "۔ غرض میں نے تعمیل ارشاد کی۔ اور جب تلاوت ختم کی تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کو بارگاہِ نبوتؐ میں جو خصوصی تقرب حاصل تھا اس کے لحاظ سے نہایت وسیع معلومات رکھتے تھے لیکن روایت میں وہ حد درجہ محتاط تھے۔ ابو عمر شیبانی کہتے ہیں کہ میں ابن مسعودؓ کی صحبت میں کامل ایک سال رہا لیکن بہت کم قال رسولؐ اللہ کا لفظ ان کی زبان سے سنا۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایک حدیث بیان کی تو تمام جسم میں رعشہ آگیا اور کہنے لگے " آپؐ نے اسی طرح فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب یا اسی کے مشابہ "۔

عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ تقریباً ایک سال تک عبداللہؓ بن مسعود کی خدمت میں میری آمد و رفت رہی لیکن میں نے کبھی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب سے کچھ بیان کرتے ہوئے نہیں سُنا۔ ایک مرتبہ حدیثؐ بیان کرتے ہوتے اتفاقاً ان کی زبان سے قال رسولؐ اللہ کا فقرہ نکل گیا تو دیکھا کہ ان کا تمام بدن تھرا اٹھا اور خوف و ہراس سے عرق عرق ہو گئے۔

شاگردوں کو بھی عموماً روایت حدیثؐ میں احتیاط کی ہدایت کیا کرتے اور فرماتے کہ جب تم کوئی

حدیث بیان کرو تو اس خیال کو پیش نظر رکھو کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ مقدس پرہیزگار اور ہدایت یاب تھے۔

ان واقعات سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیئے کہ وہ مطلقاً حدیثیں روایت نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ معلمِ دین ہونے کی حیثیت سے حضرت خیر الانامؐ کی تعلیمات وارشادات کا پھیلانا ان کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خوف واحتیاط کے باوجود صحاح ومسانید میں ان سے بکثرت روایات منقول ہیں۔ چنانچہ آپؓ کے جملہ مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے ان میں سے ۶۴ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں۔ ان کے علاوہ ۲۱ بخاری میں ہیں اور ۳۵ مسلم میں ہیں۔

بسا اوقات وہ مذاکرۂ حدیثؐ کے شوق میں تلامذہ واحباب کے گھر پر تشریف لے جاتے اور دیر تک عہدِ نبوتؐ کا ذکر رہتا۔ وابصہ اسدی فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر میں تھا کہ یکایک دروازہ سے السلام علیکم کی آواز بلند ہوئی۔ میں نے جواب دیا باہر نکل کر دیکھا تو عبداللہؓ بن مسعود تھے۔ میں نے کہا "ابو عبدالرحمٰن! یہ ملاقات کا کون سا وقت ہے؟" بولے۔ آج بعض مشاغل ایسے پیش آگئے کہ دن چڑھ گیا اور اب فرصت ملی تو یہ خیال آیا کہ کسی سے باتیں کرکے عہد مقدسؐ کی یاد تازہ کروں۔ غرض وہ بیٹھ کر حدیثیں بیان فرمانے لگے اور دیر تک پرلطف صحبت رہی۔

حضرت عبداللہؓ حدیث روایت کرتے وقت نہایت مؤدب، متین اور سنجیدہ بن جاتے تھے اور اس طرح نقشہ کھینچ دیتے تھے کہ گویا سامع خود حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے سُن رہا ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایک طولانی حدیثؐ بیان فرمائی جس میں قیامت، جنت اور مومنین وسبحان رب العزت کے سوال وجواب کا تذکرہ تھا۔ حدیثؐ ختم کرکے تبسم ہوتے اور فرمایا "تم پوچھتے نہیں کہ میں کیوں ہنستا ہوں؟" لوگوں نے کہا آپؓ کیوں ہنستے ہیں؟ اس لیے کہ اس موقع پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح تبسم فرمایا تھا۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود ان فاضل صحابہؓ میں ہیں جو فقہ کے مؤسس اعزبانی سمجھے جاتے ہیں۔ خصوصاً فقہ حنفی کی عمارت تمام تر حضرت عبداللہؓ بن مسعود ہی کے سنگِ اساس پر تعمیر ہوئی۔

جب حضرت عبداللہؓ کوفہ کے قاضی تھے تو آپؓ کو تعلیمِ دین کی خدمت بھی سپرد ہوئی تھی۔ اس بنا پر ان کو قدرۃً ایک حلقۂ درس قائم کرنا پڑا اور عام مسلمانوں میں مسائل فقہ اور اپنے اجتہادات کی ترویج واشاعت کا نہایت کافی موقع ہاتھ آیا تھا۔ اس طرح خطہ عراق فقہ میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا پیرو ہو گیا اور ان کی درسگاہ سے بڑے بڑے اہلِ کمال سندِ فضیلت لے کر نکلے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے مخصوص تلامذہ میں سے علقمہ اور اسود نے فقہ میں خاص شہرت حاصل

کی۔ پھر ان کے بعد ابراہیم نخعی نے کوفہ کی فقہ کو بہت کچھ وسعت دی۔ یہاں تک کہ ان کو فقیہ العراق کا لقب ملا۔

ابراہیم نخعی کے پاس حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے فتاویٰ کا نہایت کافی ذخیرہ تھا جو ان کو تمام تر زبانی یاد تھا۔ ان سے حماد نے حاصل کیا اور حماد سے منتقل ہو کر وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے حصہ میں آیا جنہوں نے اپنے علم و اجتہاد سے اس کو اس قدر وسعت دی کہ آج اکثر دنیائے اسلام ان کے فیوض و برکات سے مالا مال ہے۔

قرآن حدیثؐ اجماع اور قیاس فقہ اسلامی کی عمارت کے چار ستون ہیں۔ اور یہی اصولِ فقہ کے موضوعِ فن بھی ہیں۔ ان میں سے دونوں موخر الذکر کی ضرورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیش آئی کیونکہ مہبط وحی و الہام کی موجودگی میں اجماع و قیاس کی ضرورت نہیں تھی۔

اجماع کو عملی حیثیت سے رواج دینا گو حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمر فاروقؓ کا خاص طغرائے امتیاز ہے، تاہم اصولی حیثیت سے پہلے حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے اس کو مستحسن قرار دیا اور فرمایا۔

جس چیز کو تمام مسلمان بہتر سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جس کو بُرا سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی بُرا ہے۔

اور یہی درحقیقت اجماع کی اصلی رُوح ہے۔

اصول فقہ کا چوتھا رکن قیاس ہے جو درحقیقت قرآن پاک، حدیث نبویؐ اور اجماع ہی کی ایک شاخ ہے لیکن توسیعِ فقہ اور نئے نئے مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے کے لحاظ سے وہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے عملاً قیاس شرعی سے کام لے کر آئندہ نسلوں کے لیے ایک وسیع شاہراہ قائم کر دی اور ضمناً بہت سے ایسے قاعدے مقرر کر دیئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں۔

قیاسی مسائل کے علاوہ فقہ اسلامی کی بہت سی پیچیدہ گتھیاں صرف حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے ناخن اجتہاد سے حل ہوئیں۔ آپ استنباطِ احکام و تفریع مسائل پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے اور نصوصِ شرعیہ میں ناسخ و منسوخ، موقت و متوبد کی تفریق کر کے صحیح استنباطِ حکم راہ پیدا کر لیتے تھے۔ مثلاً ایک دفعہ استفتاء آیا کہ ایک حاملہ عورت کے لیے جس کا شوہر مر گیا ہو عدت کیا ہے؟ چونکہ قرآن مجید میں عدت کے متعلق مختلف احکام ہیں۔ سورہ بقرہ میں عام حکم یہ ہے۔

تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور بیویاں چھوڑیں تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو چار مہینے

دس دن تک رُکے رکھیں۔

اور سورۂ نسا میں خاص حاملہ عورتوں کے لیے جن کے شوہر مر گئے ہوں یہ حکم ہے۔

اور جو عورتیں حاملہ ہوں ان کی مدت یہ ہے کہ اپنا حمل وضع کریں۔

اس بنا پر حضرت علیؓ کا خیال تھا کہ جس میں زیادہ مدت صرف ہو وہی اس زمانہ عدت قرار دیا جائے تاکہ دونوں آیتوں کا توافق پیدا ہو جائے لیکن حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے حاملہ عورت کے حق میں سورۂ بقر کی آیت کو سورۂ نسا کی آیت سے منسوخ قرار دے کر وضع حمل عدت قرار دی اور فرمایا کہ میں اس کے لیے مباہلہ کر سکتا ہوں کہ سورہ بقر سورۃ نسا کے بعد نازل ہوئی ہے۔

یہ مسئلہ کہ جہری نمازوں میں مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنا چاہیئے یا نہیں؟ حضرت عبداللہؓ کے زمانہ میں یہ بحث پیدا ہو چکی تھی چنانچہ ایک شخص نے بطریق استفتاء اس مسئلہ کو ان کے سامنے پیش کیا انہوں نے جواب دیا۔

خاموش رہو کیونکہ نماز میں توجہ قائم نہیں رہتی۔ امام کا پڑھنا تمہارے لیے کافی ہے۔

اس جواب میں درحقیقت حسب ذیل تین دلیلوں کی طرف اشارہ ہے جو آج بھی احناف کے لیے مخالفین کے مقابلہ میں بمنزلہ سپر ہے۔

جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو۔

مقتدی کی قرأت سے نماز میں توجہ قلب باقی نہیں رہتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جو امام کے پیچھے ہو اس کے لیے امام کی قرأت کافی ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے تبحر علمی و ملکۂ اجتہاد کے تمام صحابۂ کرامؓ معترف تھے، حضرت عمرؓ جب ان کو دیکھتے تو چہرہ بشاش ہو جاتا اور فرماتے۔

"ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے"۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے چند کوفیوں نے ان کے تقویٰ، حسنِ خلق اور تبحر علمی کی بے حد تعریف کی انہوں نے پوچھا "کیا تم سچے دل سے کہتے ہو؟" بولے "ہاں" فرمایا "تم لوگوں نے عبداللہؓ بن مسعود کی جو کچھ تعریف کی ہے، میں ان کو اس سے بھی بہتر خیال کرتا ہوں"۔

ایک طرف تو آپؓ کی قوتِ اجتہاد و جلالتِ شان کا یہ حال تھا لیکن دوسری طرف حزم و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ نامعلوم مسائل میں کبھی رائے زنی سے کام نہ لیتے اور اپنے شاگردوں کو ہمیشہ ہدایت فرمایا

کرتے کہ جس چیز کو تم نہ جانتے ہو اس کی نسبت یہ نہ کہا کرو کہ میری رائے یہ ہے یا میرا خیال یہ ہے بلکہ صاف کہہ دیا کرو کہ میں نہیں جانتا۔

مسروق جو ان کے خاص تلامذہ میں ہیں، بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود اکثر افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جبکہ علماً باقی نہ رہیں گے اور لوگ ایسے جاہلوں کو سردار بنالیں گے جو تمام امور کو محض اپنی عقل و رائے سے قیاس کریں گے۔

اگر وہ کبھی کوئی فتویٰ دیتے اور بعد کو اس کے خلاف ثابت ہو جاتا تو فوراً اس سے رجوع کر لیتے۔ ایک مرتبہ کوفہ میں ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو ہاتھ نہ لگایا ہو تو اس کے بعد اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے؟ حضرت عبداللہؓ نے جواز فتویٰ دیا لیکن جب مدینہ آتے اور لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ربیبہ لڑکیوں کے سوا اور تمام صورتوں میں ناجائز ہے چنانچہ انہوں نے کوفہ واپس آکر براہِ راست مستفتی سے ملاقات کی اور اپنے فتویٰ سے رجوع کر کے فسخ نکاح کا حکم دیا۔

نامعلوم مسائل میں ان کو اپنے اہلِ علم معاصرین سے استفادہ کرنے میں عار نہ تھا۔

امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے چھ شخص مجتہد تسلیم کیے جاتے تھے اور وہ باہم مسائل فقہیہ میں بحث و مذاکرہ کرتے رہتے تھے۔ علیؓ، ابی بن کعبؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ایک ساتھ اور عمرؓ، زید بن حارثؓ اور عبداللہؓ بن مسعود ایک ساتھ۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ عمرؓ، زیدؓ اور عبداللہؓ بن مسعود باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہیں۔

حضرت عبداللہؓ اربابِ علم و فضل کی نہایت عزت کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کی نسبت ان کا قول تھا کہ "اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جاتے اور عمرؓ کا علم دوسرے پلہ میں تو عمرؓ کا پلہ بھاری رہے گا" وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عمرؓ کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔

حضرت عبداللہؓ بن عباس کی نسبت فرمایا کرتے تھے "ابن عباسؓ بہترین ترجمان قرآن ہیں۔ اگر وہ (عہدِ رسالتؐ میں) ہم لوگوں کا سن پاتے تو کوئی ان کی برابری نہ کر سکتا۔"

علقمہ ان کے شاگرد تھے۔ انہوں نے محض اپنی ذہانت و کثرتِ معلومات کے باعث ان کے حلقہ درس میں ممتاز عزت حاصل کر لی تھی۔ حضرت عبداللہؓ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ "علقمہ کی معلومات سے میری معلومات زیادہ نہیں ہیں۔"

منصب خلافت کا نہایت ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے اور کبھی خلیفہ وقت کا کوئی حکم یا فعل سنت ماضیہ کے خلاف نظر آتا تو عملاً اس کی مخالفت نہ فرماتے تھے کہ اس سے امت مرحوم میں تفریق و انتشار کا اندیشہ تھا۔ ایک سال حج کے موقع پر حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعتیں ادا کیں۔ حضرت عبداللہؓ کو خبر ملی تو متاسف ہو کر بولے۔ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں بھی دو ہی رکعتیں تھیں۔ اب یہ کیا انقلاب ہے؟" لیکن عملاً انہوں نے چار ہی رکعتیں پڑھیں۔ لوگوں نے اس پر تعجب ظاہر کیا تو بولے کہ خلافت کا احترام ضروری ہے۔

شاگردوں کی ایک جماعت سفر میں بھی عموماً آپ کے ہمراہ ہوتی تھی۔ علقمہ اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ اگر خود جانے سے مجبور ہوتے تو اپنے کسی رفیق کو ساتھ کر دیتے اور تاکید کرتے کہ ہمیشہ حاضر خدمت رہیں۔ عبدالرحمٰن بن یزید کا بیان ہے کہ عبداللہؓ بن مسعود نے ایک مرتبہ حج کا قصد کیا۔ علقمہ نے مجھ کو ان کے ہمراہ بھیجا اور تاکید کی کہ ہر وقت حاضر رہوں اور جو کچھ معلومات حاصل ہوں ان سے ان کو مطلع کروں۔

ایک مرتبہ حضرت خبابؓ نے ان کے وسیع حلقہ درس کو دیکھ کر کہا "ابو عبدالرحمٰن کیا آپؓ کی طرح آپؓ کے یہ نوجوان شاگرد بھی باقاعدہ قرأت کر سکتے ہیں؟" بولے "اگر آپؓ کی خواہش ہو تو کسی کو سنانے کا حکم دوں" حضرت خبابؓ نے کہا کیوں نہیں؟ حضرت عبداللہؓ نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے تقریباً پچاس آیتوں کی ایک سورہ پڑھ کر سنائی۔ حضرت عبداللہؓ نے حضرت خبابؓ کی طرف دیکھ کر کہا "کیا رائے ہے؟" انہوں نے نہایت تعریف کی۔

تلامذہ کے علاوہ معتقدین کا ایک بڑا مجمع بھی ہر وقت حاضر رہتا تھا۔ شقیق کا بیان ہے کہ "ہم لوگ مسجد میں بیٹھ کر عبداللہؓ بن مسعود کے مکان سے برآمد ہونے کا انتظار کرتے رہتے تھے۔"

طارق بن شہاب کہتے ہیں "ہم لوگ عبداللہؓ بن مسعود کے گرد بیٹھتے اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے۔ ایک روز حسب معمول بیٹھے ہوتے تھے کہ ایک شخص السلام یا ابا عبدالرحمٰن کہتا ہوا تیزی کے ساتھ اس طرف سے گزرا۔ انہوں نے جواب دیا" صدق اللہ و رسولہ یعنی خدا اور اس کے رسولؐ نے سچ فرمایا ہے" یہ کہہ کر داخل حرم ہوتے۔ ہم لوگوں کو اس جواب پر سخت حیرت تھی باہم مشورہ ہوا کہ ان کے برآمد ہونے کے بعد کون اس کے متعلق سوال کرے؟ میں نے کہا کہ میں پوچھوں گا۔ غرض وہ تشریف لائے اور میں نے پوچھا بولے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خاص خاص آدمیوں کو سلام کرنا تجارت کا ترقی کرنا، اعزہ کے ساتھ بدسلوکی، جھوٹی گواہی دینا اور حق کو چھپانا

قربِ قیامت کی نشانی ہے۔"

آپؓ تقریر و خطابت میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر تقریر فرمائی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کو اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کو تقریر کا حکم دیا۔ ان دونوں نے باری باری اختصار کے ساتھ اپنا بیان ختم کیا تو حضرت عبداللہؓ بن مسعود کو حکم ہُوا۔ انہوں نے کھڑے ہو کر حمد و نعت کے بعد کہا۔

صاحبو! بے شک خدا ہمارا مالک ہے' اسلام ہمارا مذہب ہے اور یہ (ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے) ہمارے نبیؐ ہیں۔ خُدا اور اس کے رسُولؐ نے جو کچھ ہمارے لیے پسند کیا ہے ہم نے بھی اس کو پسند کیا۔ السلام علیکم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر تقریر کی نہایت تعریف کی اور فرمایا" ابن ام عبد نے سچ کہا۔"

حضرت عبداللہؓ بن مسعود اپنے مواعظ حسنہ میں عموماً توحید' نماز با جماعت اور خوفِ خدا کی تلقین فرماتے۔ مثلاً ایک وعظ میں انہوں نے فرمایا کہ" ایک شخص نے جس کے نامۂ اعمال میں توحید کے سوا اور کوئی نیکی نہ تھی۔ مرنے کے وقت وصیت کی کہ میری لاش کو جلا کر اور چکی میں پیس کر سمندر میں ڈال دینا' لوگوں نے اس کی وصیت پوری کی۔ خدا نے اس کی رُوح سے سوال کیا تو نے اپنی لاش کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ بولا" خدایا تیرے خوف اور ڈر سے" اس گزارش پر دریائے رحمت جوش میں آیا اور وہ بخش دیا گیا" اس تمثیل سے درحقیقت یہ سمجھانا تھا کہ خشیتِ باری تمام اعمالِ حسنہ کی رُوح ہے۔

وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ وعظ و پند کی کثرت اس کے اثر کو زائل کر دیتی ہے۔ اس بناء پر لوگوں کے ضد و اصرار کے باوجود بہت کم منبرِ وعظ پر تشریف لے جاتے اور جو کچھ کہنا ہوتا اس کو نہایت مختصر صاف و سادہ لیکن مؤثر الفاظ میں فرماتے کہ سامعین تقریر کی طوالت سے گھبرا نہ اُٹھیں۔ ایک مرتبہ وعظ سننے کے شوق میں معتقدین کا ہجوم تھا۔ یزید بن معاویہؒ نخعی نے ان کو خبر دی۔ لیکن وہ بہت دیر کے بعد گھر سے برآمد ہوئے اور فرمایا" صاحبو! مجھے معلوم تھا کہ آپ دیر سے میرا انتظار کر رہے ہیں لیکن میں اس ڈر سے باہر نہیں آیا کہ کثرتِ بیان آپ کو تھکا دے گی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کی تکلیف کے خیال سے کئی کئی دن ناغہ دے کر وعظ فرماتے تھے۔"

سنتِ نبویؐ کی پیروی کے شوق نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے اخلاق و طرزِ معاشرت میں ایک گونہ حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم و محامد کی جھلک پیدا کر دی تھی۔ عبدالرحمٰن بن یزید کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت حذیفہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔ آپؓ ہم کو کسی ایسے شخص کا پتہ دیجئے جو

خلق و ہدایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہو تاکہ ہم اس سے کچھ حاصل کریں" بولے "عبداللہؓ بن مسعود سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت، حسن خلق اور طور طریقے کے پابند تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں میں سے جو لوگ موجود ہیں وہ جانتے ہیں کہ بارگاہ نبوتؐ میں تقرب کے لحاظ سے ابن ام عبد کا درجہ سب سے بلند ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود ایک دفعہ اپنے ایک دوست ابوعمیر سے ملنے گئے۔ اتفاق سے وہ موجود نہ تھے انہوں نے ان کی بیوی کو سلام کہلا بھیجا اور پینے کے لیے پانی مانگا۔ گھر میں پانی موجود نہ تھا ایک لونڈی کسی ہمسایہ کے یہاں سے لانے گئی اور دیر تک واپس نہ آئی۔ ابوعمیر کی بیوی نے غضبناک ہو کر اس کو سخت وسست کہا اور اس پر لعنت بھیجی۔ حضرت عبداللہؓ یہ سن کر تشنہ لب واپس چلے آئے دوسرے روز ابوعمیر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس قدر جلد بازی کے ساتھ واپس چلے آنے کی وجہ پوچھی بولے "خادمہ نے جب پانی لانے میں دیر کی تو تمہاری بیوی نے اس پر لعنت بھیجی، چونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس پر لعنت بھیجی جاتی ہے اگر وہ بے قصور ہوتا ہے تو بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ میں نے خیال کیا کہ خادمہ اگر معذور ہوئی تو بے وجہ میں اس لعنت کے واپس آنے کا باعث ہوں گا۔"

عبیداللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ رات کے وقت جبکہ تمام دنیا محو راحت ہوتی تھی حضرت عبداللہؓ بن مسعود بیٹھ کر صبح تک آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی تمام طاق راتیں شب قدر کی تلاش میں بسر ہوتی تھیں۔ ابوعقرب کہتے ہیں کہ میں رمضان میں ایک روز علی الصباح ان کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے فرما رہے ہیں "خدا اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا۔" میں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ بولے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی۔ چنانچہ آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

سارا گھر صبح سویرے بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتا تھا۔ خود صبح صادق سے طلوع آفتاب تک تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے۔

ابووائل راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ صبح کی نماز پڑھ کر عبداللہؓ بن مسعود کے پاس گئے دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام کیا۔ اندر آنے کی اجازت ملی لیکن ہم لوگ تھوڑی دیر دروازے پر ٹھہرے رہے کہ اتنے میں لونڈی نے آکر کہا آتے کیوں نہیں۔ ہم لوگ گھر میں گئے تو وہ بیٹھے

ہوئے تسبیح پڑھ رہے تھے، کہا اجازت ملنے کے بعد تم لوگوں کو اندر آنے سے کس نے روکا تھا؟ ہم لوگوں نے کہا کسی نے نہیں، خیال ہُوا ممکن ہے بعض اہلِ بیت سو رہے ہوں، کہا ابن ام عبد کی اولاد پر تم نے غفلت کا گمان کیا اس کے بعد پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے۔ جب سمجھے کہ آفتاب نکل چکا تو لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہُوا، اس نے جاکر دیکھا تو ابھی طلوع نہ ہُوا تھا، پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہُوا۔ اس نے جاکے دیکھا تو طلوع ہو چکا تھا تو پھر یہ دُعا پڑھی، اس خُدا کا شکر ہے جس نے ہم کو آج کے دن معاف کر دیا۔ مہدی راوی کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ بھی کہا تھا اور ہمارے گناہوں کے بدلے میں ہم کو ہلاک نہیں کیا۔"

نمازیں نہایت کثرت سے پڑھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل خیر کیا ہے؟ ارشاد ہُوا کہ نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا، میں نے کہا پھر کیا ہے؟ فرمایا۔ والدین کے ساتھ نیکوکاری۔ میں نے کہا "پھر؟" حکم ہُوا "راہ خُدا میں جہاد کرنا" اس کے بعد خاموش ہو گیا۔ ہاں اگر میں اپنا سوال آگے بڑھاتا تو آپؐ اس پر کچھ اور اضافہ فرماتے۔ غرض اس ارشاد کے مطابق وہ فرائض ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ولید بن عقبہ والی کوفہ کو پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ حضرت عبداللہؓ نے بغیر توقف و انتظار نماز پڑھا دی۔ ولید نے برہم ہو کر کہلا بھیجا "آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا امیر المومنینؓ کا کوئی حکم ہے یا اپنی ایجاد؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہ تو امیر المومنینؓ کا حکم ہے اور نہ اپنی ایجاد، البتہ خدا کو یہ ناپسند ہے کہ تم اپنے مشاغل میں مصروف رہو اور لوگ نماز میں تمہارے منتظر رہیں۔

رمضان کے علاوہ ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور جمعرات عموماً روزوں کے لیے مخصوص تھے۔

بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے، گھر میں داخل ہوتے تو باہر ہی سے کھنکھارتے اور بلند آواز سے کچھ بولتے تاکہ گھر کے لوگ باخبر ہو جائیں۔

پوشاک نہایت سادہ پہنتے تھے۔ ہاتھ میں ایک آہنی انگوٹھی رہتی تھی جو غالباً مہر وغیرہ کے کام آتی ہوگی۔ غذا پُر تکلف نہ تھی، کھانے کے بعد عموماً چھوہاروں کا شربت استعمال فرماتے تھے۔

اصحابی کالنجوم

میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں (ارشادِ نبویؐ)

Scanned By:
ATA-UL-MUSTAFA
0333-4585215

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶ اور ۷ ہجری کے درمیان عمروؓ بن العاص جب اسلام لانے کے قصد سے حبشہ سے چل کر عرب آئے اور اس کے لئے مدینہ کا رُخ کیا تو راستہ میں قریش کا ایک اور خوش قسمت شخص اسی غرض سے مدینہ کا رہ نورد نظر آیا، یہ خالدؓ بن ولید تھے، وہ بھی اسلام ہی لانے کی نیت سے مدینہ جا رہے تھے، عمروؓ بن العاص نے ان کو راستہ میں دیکھ کر پوچھا۔ کہاں کا قصد ہے، "بولے "خدا کی قسم خوب پالسہ پڑا، یہ شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً نبی ہے، چلو اسلام کا شرف حاصل کریں، آخر کب تک حقیقت سے مُنہ موڑے رکھیں گے اور اسلام کی برکتوں سے دُور بھاگتے رہیں گے۔ چنانچہ یہ دونوں ایک ساتھ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے، اور پہلے خالدؓ پھر عمروؓ بن العاص مشرف باسلام ہوئے۔

قبولِ اسلام کے بعد عمروؓ بن العاص مکہ لوٹ آئے، مگر خالدؓ بن ولید نے مدینہ ہی میں مستقل قیام اختیار کر لیا۔ آپ کا اِسم گرامی خالد، ابوسلیمان کنیت اور سیف اللہ لقب تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے خالدؓ بن ولید ابن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی، ماں کا نام لبانہ تھا، یہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کی قریبی عزیز تھیں۔

خالدؓ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا، قبہؔ اور اعنہؔ یعنی فوج کی سپہ سالاری اور فوجی

کیمپ کے انتظام کا عہدہ ان ہی کے خاندان میں تھا، اور ظہورِ اسلام کے وقت خالدؓ اس عہدہ پر ممتاز تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کا جو دستہ مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے آیا تھا، اس کے سردار خالدؓ ہی تھے۔ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کے خلاف بڑی شجاعت سے لڑے اور مشرکین مکہ کے اُکھڑے ہوئے پاؤں ان ہی کی ہمت افزائی سے دوبارہ جمے تھے۔

ظہورِ اسلام کے وقت خالدؓ اپنے خاندانی عہدہ پر ممتاز تھے۔ اسلام کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ اعزاز قائم رکھا، اس سے فتوحات اسلامی میں بڑی مدد ملی۔ خالدؓ جس طرح قبول اسلام سے پہلے مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، اسی طرح اسلام کے بعد مشرکوں کے لئے سخت ترین خطرہ بن گئے۔

اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے غزوۂ موتہ میں شریک ہوئے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ ایک خط شاہ بصریٰ کے پاس بھیجا تھا۔ یہ بزرگ خط لے کر مقام موتہ تک پہنچے تھے کہ شرجیل ابن عمرو غسانی نے انہیں شہید کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمانوں پر اس کا سخت اثر ہوا، چنانچہ آپؐ نے اس کے انتقام کے لئے ۳ ہزار کی جمعیت زیدؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں روانہ کی اور ہدایت فرمائی کہ اگر زیدؓ شہید ہوں تو جعفرؓ ان کی جگہ لیں، اگر یہ بھی شہید ہوں تو عبداللہؓ بن رواحہ قائم مقامی کریں، چنانچہ اسی ترتیب سے تینوں بزرگوں نے میدان جنگ میں جام شہادت پیا۔ آخر میں خالدؓ نے علم سنبھالا، مگر مسلسل تین افسروں کی شہادت سے مسلمانوں کے دل ٹوٹ چکے تھے اس لئے وہ دوبارہ شکست تو نہ دے سکے، مگر خالدؓ اپنی جنگی قابلیت سے باقی ماندہ فوج کو بچا لاتے۔ اسی جنگ میں خالدؓ کے ہاتھ سے ۹ تلواریں ٹوٹی تھیں جس کے صلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "سیف اللہ" کا معزز لقب عطا فرمایا تھا۔

فتح مکہ میں میمنہ کے افسر تھے، لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ روسائے قریش نے بلا مزاحمت ہتھیار ڈال دیئے، صرف چند مشرک خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں مارے گئے اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنا دستہ مکہ کے بالائی حصہ کدا کی جانب سے لے کر آئیں، چنانچہ یہ آ رہے تھے کہ راستہ میں مشرکوں کا ایک جتھا مزاحم ہوا اور پیہم تیر باری شروع کر دی، خالدؓ نے بھی جوابی حملہ کیا۔ اس میں چند مشرک مارے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ نے باز پرس کی، انہوں نے کہا کہ ابتداء ان ہی کی جانب سے ہوئی تھی، آپؐ نے فرمایا خیر مشیت الٰہی بہتر ہے

فتح مکہ کے بعد بنو ثقیف و ہوازن، اوطاس کے میدان میں جمع ہوتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کو نکلے، قبیلوں کے لحاظ سے فوج کے مختلف حصے تھے بنو سلیم کا قبیلہ مقدمۃ الجیش تھا۔ اس کی کمان خالدؓ کے ہاتھ تھی چنانچہ اس جنگ میں وہ نہایت شجاعت و شہامت سے لڑے اور بہت سے وار جسم پر کھائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لائے، زخموں کو دم کیا اور خالدؓ جلد شفایاب ہو گئے۔

حنین کے مشرکوں کی شکست خوردہ فوج بڑھ کر طائف کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گئی اور جیسے ہی مسلمان ادھر سے گزرے اس نے قلعہ کے اندر سے تیر برسانا شروع کر دیے، بہت سے مسلمان شہید ہو گئے مسلمانوں نے بھی مدافعانہ حملہ کیا، اس فوج کا مقدمۃ الجیش بھی خالدؓ کی ماتحتی میں تھا۔

۹ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ رومیوں نے مسلمانوں کے خلاف شام میں فوج جمع کی ہے، اور اس کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ چکا ہے، چنانچہ آپؐ ۳۰ ہزار فوج لے کر مقابلہ کو نکلے لیکن خبر غلط نکلی اور جنگ کی نوبت نہیں آئی، تاہم احتیاطاً ۲۰ دن مقام تبوک میں آپ نے قیام فرمایا اس نواح کے عربی النسل عیسائی رؤسا قیصر روم کے ماتحت تھے۔ ان ہی کے ذریعہ سے رومی ریشہ دوانیاں کیا کرتے تھے، اس لئے ان کا مطیع کرنا ضروری تھا، چنانچہ ایلہ اور اذرح کے رئیسوں نے اطاعت قبول کر لی، صرف دومۃ الجندل کا رئیس اکیدر بن عبدالملک باقی رہ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ اس کو مطیع بنانے پر مامور فرمایا، اس کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا، مگر مارا گیا اور اس کے بقیہ ساتھی بھاگ کر قلعہ میں پناہ گزین ہو گئے۔ خالدؓ نے اکیدر کو گرفتار کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا۔ یہاں آکر اس نے بھی جزیہ دے کر اطاعت قبول کر لی اور آپؐ نے اس کو جان و مال کا امان نامہ عطا فرمایا۔

اسی سنہ میں دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ کو تین سو مہاجرین و انصار کے ساتھ بنو جذیمہ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے آپؐ کی ہدایت کے مطابق ان کو اسلام کی دعوت دی، جو انہوں نے قبول کر لی، مگر ناواقفیت کی وجہ سے صحیح الفاظ میں اسلام کا اظہار نہ کر سکے اور بجائے "اسلمنا" کے یعنی ہم اسلام لائے، "صبانا" کہا یعنی ہم بے دین ہو گئے۔ مشرکین سے وہ مسلمانوں کو "صابی" بے دین کہتے ہوئے سنتے تھے، اس لئے انہوں نے بھی ان ہی الفاظ میں اسلام کا اظہار کیا۔ حضرت خالدؓ اس کو نہ سمجھ سکے اور سب کی گردنیں اڑانے کا حکم دے دیا۔ بہت سے مہاجرین و انصار نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا، پھر بھی بہت سے لوگ مارے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ سنا تو بہت متاسف ہوتے اور ہاتھ اٹھا کر اس سے برأت ظاہر کر دی کہ خدایا! میں خالدؓ کے اس فعل سے بری ہوں۔

پھر حضرت علیؓ کو ان سب کی دیت دے کر بھیجا، انہوں نے سب کو جان و مال کا پورا معاوضہ دیا اور کتوں تک کا خون بہا ادا کیا اور اس کے بعد جتنا مال بچا سب ان ہی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

اس سلسلہ کا ایک اور سریہ ۱۰ ہجری میں حضرت خالدؓ کی سرکردگی میں بنو عبد المدان نجرانی کی طرف بھیجا گیا، چونکہ ایک مرتبہ خالدؓ کی جلد بازی کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے اس مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے ہدایت فرما دی کہ محض اسلام کی دعوت دینا، تلوار نہ اٹھانا۔ حضرت خالدؓ نے اس کی پوری پابندی کی، اور میدانِ جنگ کے سپاہی دفعۃً مبلغ اسلام کے قالب میں آ گئے اور ان کی کوشش سے بنو عبد المدان نے اسلام قبول کر لیا، اور سیف اللہؓ نے ان کی مذہبی تعلیم و تربیت کے بعد جب یہ لوگ اسلامی مسائل سے واقف ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ آپؐ نے سب کو طلب فرمایا چنانچہ یہ لوگ حاضر ہوتے اور دیدارِ جمالِ نبویؐ سے فیض یاب ہو کر واپس گئے۔

اسی سنہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی امارت میں ایک سریہ یمن روانہ کیا، اسی سریہ میں دوسری جانب سے خالدؓ کو روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ جب دونوں ملیں تو امارت علیؓ کے متعلق رہے گی۔ اور چلتے چلتے یہ ہدایت فرما دی کہ جنگ کا آغاز تمہاری جانب سے نہ ہو، البتہ اگر یمن والے پیشقدمی کریں تو تم مدافعت کر سکتے ہو۔ چنانچہ ان لوگوں نے یمن پہنچ کر اسلام پیش کیا، لیکن اس کا جواب تیر اور پتھر سے ملا۔ اس وقت مسلمانوں نے جوابی حملہ کیا اور یمنی پسپا ہوتے، مگر ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی گئی بلکہ دوبارہ اسلام پیش کیا گیا، اور انہوں نے بلا جبر و اکراہ اس کو قبول کر لیا۔

عزیٰ قریش و کنانہ کا صنم کدہ تھا جس کی یہ لوگ بڑی عظمت کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ کو اس کے گرانے پر مامور فرمایا۔ انہوں نے اس کی تعمیل کی، آپؐ نے پوچھا "تم نے وہاں کچھ دیکھا بھی تھا" عرض کیا "نہیں" فرمایا "پھر جاؤ، اس گرانے کا اعتبار نہیں" چنانچہ وہ دوبارہ واپس گئے، اس مرتبہ یہاں ایک بھیانک شکل کی عورت نکلی، خالدؓ نے اس کا کام تمام کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی، فرمایا "ہاں جاؤ" اب تم نے کام پورا کیا۔

عہدِ صدیقیؓ میں جب مدعیانِ نبوت کا فتنہ اٹھا اور اس کے استیصال کے لئے فوجیں روانہ کی گئیں تو خالدؓ طلیحہ کی سرکوبی پر مامور ہوتے۔ انہوں نے اس کا بہت کامیاب مقابلہ کیا اور اس کے اعوان و انصار کو قتل اور اس کے قوت و بازو عیینہ بن حصین کو ۲۰ آدمیوں کے ساتھ گرفتار کر کے پابجولاں دربارِ خلافت میں حاضر کیا۔

یمامہ میں شرحبیل بن حسنہ مشہور کذاب مسیلمہ سے برسرِ پیکار تھے۔ خالدؓ طلیحہ سے فارغ ہو کر ان کی مدد کو بڑھے راستہ میں مجاعہ ملا، اس کے ساتھیوں سے مقابلہ ہوا۔ ان کو شکست دے کر مجاعہ کو گرفتار کر کے

یمامہ پہنچے اور مسیلمہ حضرت حمزہؓ کے مشہور قاتل وحشی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

مدعیان نبوت کی مہم سے فارغ ہو کر منکرین زکوٰۃ اور مرتدین کی طرف بڑھے اور سب سے پہلے اسد و غطفان سے نبرد آزما ہوئے۔ ان میں کچھ جان سے مارے گئے اور کچھ گرفتار ہوئے، جو باقی بچے وہ تائب ہو گئے۔ ان معرکوں کے علاوہ ارتداد کے سلسلہ میں جس قدر لڑائیاں ہوئیں ان سب میں خالدؓ پیش پیش تھے۔

جزیرۃ العرب اس عہد کی دو عظیم الشان سلطنتوں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف شام میں رومی چھائے ہوئے تھے، دوسری طرف عراق پر کیانی خاندان قابض تھا۔ یہ دو سلطنتیں ہمیشہ عربوں کی آزادی سلب کرنے کی فکر میں رہتی تھیں، گو پورے طور پر عربوں پر ان کا قابو نہ چلا، تاہم جب بھی ان کو موقع ملا، انہوں نے عرب پر تسلط جمانے کی کوشش کی۔ یمن کے حمیری خاندان کا خاتمہ ایرانیوں کے ہاتھوں ہوا۔ گو حمیری برائے نام حکمران رہے، مگر اس کا سیاہ سپید تمام تر ایرانیوں کے ہاتھ میں تھا۔ بحرین اور عمان بھی ان کے زیر اثر تھے، ان کے علاوہ مختلف اوقات میں عرب کے سولہ مقامات ایرانی مرزبانوں کے قبضہ میں رہ چکے تھے۔ عراقی لخمی خاندان کو بھی ایرانیوں ہی نے مٹایا۔ ایرانیوں کا یہ اقتدار ظہور اسلام کے وقت تک باقی تھا، چنانچہ جنگ ذی قار میں جب ایرانیوں نے عربوں سے شکست کھائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج عرب نے عجم سے اپنا منصفانہ بدلہ لیا۔

یہی حال قیصری حکومت کا تھا، جب اس کو موقع ملتا تھا شام کی جانب سرزمین عرب میں قدم بڑھاتی رہتی۔ شام میں جو عرب خاندان آباد تھے ان پر آل جفنہ قیصر کی جانب سے حکومت کرتے تھے، گو آل جفنہ عربی النسل تھے، لیکن ان کا تقرر قیصری حکومت کرتی تھی۔ حبشہ کے عیسائیوں نے رومیوں کے اشارے سے عرب کی مرکزیت توڑنے کے لئے یمن کو فتح کر کے صنعاء میں ایک کعبہ بنایا کہ خانہ کعبہ کے پجاری تقسیم ہو جائیں۔

ظہور اسلام کے بعد جب عرب متحد ہو کر ایک مرکز پر جمع ہو گئے تو ان دونوں سلطنتوں کے لئے عرب کا سوال اور زیادہ اہم ہو گیا۔ اگر پہلے ملک گیری کی ہوس تھی تو اب عربوں سے سیاسی خطرہ نظر آرہا تھا چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خسرو پرویز کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو اس نے چاک کر ڈالا اور بولا "میرا غلام مجھ کو یوں لکھتا ہے" اور فوراً آپؐ کی گرفتاری کا فرمان جاری کیا۔ اسی طرح شرجیل بن عمرو نے جو قیصر کی جانب سے بصریٰ کا حاکم تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو قتل کرا دیا۔ غرض ان حالات میں عرب کی خود مختاری کو باقی رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ ان دونوں پر یہ حقیقت ظاہر ہو جائے کہ اب عربوں سے کھیلنا آسان کام نہیں ہے، تاہم حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس وقت تک کوئی پیشقدمی نہیں کی۔

لیکن وہ قبائل جو ہمیشہ سے ایرانی حکومت کا تختۂ مشق بنتے چلے آرہے تھے، انتقام کے جذبات سے لبریز تھے، چنانچہ عہدِ صدیقیؓ میں جب ایران میں بدنظمی پیدا ہوئی اور ایرانیوں نے کسریٰ بن ہرمز کی لڑکی کو ایران کے تخت پر بٹھایا تو ان قبائل کے جذبات انتقام دفعتہً بھڑک گئے، اور مثنیٰ بن حارث شیبانی نے اپنا جتھا لے کر عراق عجم کی سرحد پر تاخت و تاراج شروع کر دی لیکن بغیر خلیفۂ وقت کی سرپرستی کے کامیابی مشکل تھی اس لئے حضرت ابوبکرؓ سے باضابطہ اجازت حاصل کی، آپؓ نے خالدؓ بن ولید کو ان کی امداد پر مامور کیا اور شرف امارت بھی عطا کیا۔

حضرت خالدؓ فتنۂ ارتداد کی مہموں سے فارغ ہو کر عراق کی طرف بڑھے اور مقام نباج میں مثنیٰ سے مل گئے اور بانقیا اور بارسوما کے حاکموں کو مطیع کرتے ہوئے ابلہ کی طرف بڑھے۔ یہ مقام جنگی نقطۂ نظر سے بہت اہم تھا، یہاں عرب و ہندوستان کے بری و بحری خطوط آکر ملتے تھے، چنانچہ یہاں کا حاکم ہرمز ان ہی راستوں سے دونوں مقام پر حملے کیا کرتا تھا۔ ہرمز کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو فوراً اردشیر کو دربار ایران اطلاع بھیجی اور خود مقابلہ کے لئے بڑھا۔ کاظمہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ایرانیوں نے اپنے کو زنجیروں میں جکڑ لیا تھا کہ پاؤں نہ اُکھڑنے پائیں لیکن قعقاعؓ بن عمرو کی شجاعت نے زنجیر آہن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور ایرانیوں نے بُری طرح شکست کھائی۔

ابھی یہ معرکہ ختم ہوا تھا کہ ایرانیوں کی امدادی فوج کو جو قارن بن قریانس کی ماتحتی میں ہرمز کی مدد کو آرہی تھی، مذار میں ہرمز کے قتل اور ایرانیوں کی شکست کی خبر ملی، اس لئے قارن نے اسی جگہ اپنی فوج کی تنظیم کی اور شکست خوردہ فوج کے سردار قباذ اور انوشجان کو امیر العسکر بنا کر نہر کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ خالدؓ کو اطلاع ہوئی تو وہ فوج لے کر مذار کی طرف بڑھے، لب دریا دونوں کا مقابلہ ہوا معقل نے قارن کو اور عاصم نے نوشجان کو اور عدی نے قباذ کو ختم کیا، اور اس شدت کی جنگ ہوئی کہ تیس ہزار ایرانی کام آئے، یہ تعداد اس کے علاوہ ہے جو نہر میں ڈوب کر مرے۔

جنگ مذار کے انجام کی خبر ایران پہنچی تو اردشیر نے اندرزغر اور بہمن کو یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، اندرزغر مدائن اور کسکر ہوتا ہوا ولجہ پہنچا حیرہ اور کسکر کے تمام دہقانی اور آس پاس کے عرب بھی ایرانیوں کی حمایت میں اپنی اپنی فوجیں لے کر اندرزغر کے قریب آکر خیمہ زن ہوتے۔ اس درمیان میں بہمن بھی پہنچ گیا۔ خالدؓ کو خبر ملی تو سوید بن مقرن کو ایک دستہ پر مامور کر کے ضروری ہدایات دے کر پیچھے چھوڑا، اور خود بڑھ کر مورچہ بندی میں مصروف ہو گئے اور ساحل کی قربت سے فائدہ اُٹھا کر نشیبی زمین میں تھوڑی فوج چھپادی کہ جنگ چھڑنے کے بعد وہ نکل کر حملہ آور ہو جاتے۔ اس انتظام سے فراغت کے بعد جنگ چھڑ گئی، دیر تک گھمسان کا رن پڑتا رہا

جب فریقین تھکنے لگے تو مسلمان کمین گاہوں سے نکل کر ٹوٹ پڑے، اس اچانک حملے نے ایرانیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے، مگر وہ جدھر بھاگتے تھے مسلمان سامنے تھے، اس لئے جو سپاہی جہاں تھا وہیں ختم ہوگیا۔ اندرزغر نکل بھاگا لیکن پیاس کی شدت سے وہ مر گیا، جنگ کے بعد مسلمانوں نے عام آبادی سے کوئی تعرض نہیں کیا اور ان کو پوری آزادی دے دی۔

گزشتہ جنگ میں عربی النسل عیسائی قبائل بھی ایرانیوں کی حمایت میں مارے گئے تھے اس لئے جنگ کسکر کے بعد یہ لوگ پورے طور پر ایرانیوں کے ساتھ ہوگئے۔ اردشیر نے بہمن کو عربی قبائل سے مل جانے کا حکم دیا، چنانچہ بہمن الیس کی طرف بڑھا اور یہاں کے حاکم جاپان کو یہ ہدایت دے کر کہ میری واپسی تک جنگ شروع نہ کرنا، الیس روانہ کردیا اور خود اردشیر کے پاس مشورے کے لئے چلا گیا۔ وہاں سے لوٹا تو باقی عربی قبائل اور عربی چھاؤنی کی ایرانی سپاہ اکٹھا ہوچکی تھی، اس درمیان میں خالدؓ بھی پہنچ گئے۔ ان کے پہنچتے ہی جنگ شروع ہوگئی۔ دیر تک کشت وخون کا سلسلہ جاری رہا۔ خالدؓ نے منادی کرادی کہ لڑائی روک کر لوگوں کو صرف گرفتار کرو، چنانچہ مسلمان دار وگیر میں مصروف ہوگئے اور لڑنے والوں کو زندہ گرفتار کرکے نہر کے کنارے قتل کرنا شروع کردیا، اور ایرانی بُری طرح مفتوح ہوتے۔

الیس سے فراغت کے بعد خالدؓ امغیشیا کی طرف بڑھے، یہاں کے باشندے مسلمانوں کا رُخ دیکھ کر پہلے ہی شہر خالی کرچکے تھے، اس لئے جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

امغیشیا کے قریب ہی حیرہ تھا۔ یہاں کے حاکم آزادبہ کو خطرہ پیدا ہوا کہ مسلمان امغیشیا کی طرف بڑھیں گے، اس لئے اس نے حفظِ ماتقدم کے طور پر اپنے لڑکے کو خالدؓ کو روکنے کے لئے آگے بھیج دیا اور پیچھے سے خود مدد کے لئے پہنچا۔ امغیشیا اور حیرہ کے درمیان نہر فرات تھی۔ آزادبہ کے لڑکے نے اس کا بند باندھ دیا، اس سے مسلمانوں کی کشتیاں رُک گئیں اور ملاحوں نے جواب دیا کہ ایرانیوں نے نہر کا رُخ پھیر دیا ہے اس لئے کشتیاں نہیں چل سکتیں۔ مسلمان کشتیوں سے اُتر پڑے اور گھوڑوں پر ابن آزادبہ کی طرف بڑھے۔ فرات کے دہانہ پر دونوں کا مقابلہ ہوا، ابن آزادبہ مارا گیا اور فوج بھی تباہ ہوتی۔

اس کے بعد دریا کا بند کھول کر مسلمان حیرہ کی طرف بڑھے، لیکن اُن کے پہنچنے سے قبل آزادبہ حیرہ چھوڑ چکا تھا۔ مسلمان مقام غریین میں ٹھہر گئے۔ حیرہ میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے، وہ اس عرصہ میں قلعہ بند ہوگئے۔ خالدؓ نے ان کا محاصرہ کرلیا۔ پہلے صلح کی گفت وشنید ہوتی رہی، لیکن بے نتیجہ رہی۔ ایرانیوں نے قلعہ کے اُوپر سے سنگباری شروع کردی۔ مسلمانوں نے پیچھے ہٹ کے تیروں سے جواب دیا اور قلعہ اور محلات کی دیواریں چھلنی کردیں۔ جب شہری آبادی محاصرہ سے گھبرا گئی تو قسیسوں اور راہبوں نے قلعہ

والوں سے فریاد کی کہ اس خونریزی کی ساری ذمہ داری تم پر ہے، اس کو بند کرو۔ آخر میں قلعہ والوں نے بھی عاجز ہو کر خالدؓ سے صلح کی گفتگو کر کے ایک لاکھ نوے ہزار سالانہ خراج پر صلح کر لی اور خالدؓ نے ایک مفصل صلح نامہ لکھ کر حوالہ کیا۔

حیرہ کی صلح کے بعد اطراف کے کاشتکاروں اور دیہی آبادیوں نے بھی جو حیرہ کے شرائط کی منتظر تھیں، ۲۰ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی، حیرہ اور ملحقات حیرہ کی کامل تسخیر کے بعد خالدؓ نے مخالفین سرحد میں سے ضرار بن آزور، ضرار بن خطاب، قعقاعؓ ابن عمرو، مثنیٰ بن حارثہ اور عتبہ بن شماس افسران سرحد کو دجلہ کی ترائی میں بڑھنے کا حکم دیا، یہ لوگ ساحل تک بڑھتے ہوئے چلے گئے۔

اس وقت گوار دشیر مر چکا تھا، اور ایرانیوں میں اندرونی اختلافات کا طوفان برپا تھا، لیکن مسلمانوں کے مقابلہ میں سب متحد تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مرکزیت قائم کرنے کے لئے فرخزاد کو عنان حکومت سپرد کر دی تھی، اور ان کی فوجیں عین التمر، انبار اور فراض تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس لئے خالدؓ حیرہ کے بعد انبار کی طرف بڑھے، لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے یہاں کے باشندے قلعہ بند ہو چکے تھے، چنانچہ اُن کے پہنچتے ہی جنگ شروع ہو گئی۔ ایرانی قلعے کے اندر سے تیر باری کر رہے تھے، اس لئے مسلمانوں کا جوابی حملہ کامیاب نہ ہوتا تھا، خالدؓ نے قلعہ کے چاروں طرف چکر لگا کر اس کے استحکامات کا اندازہ لگا کر حکم دیا کہ آنکھوں پر تاک تاک کر تیر مارو، اس تدبیر سے دن بھر میں ایک ہزار آنکھیں بیکار کر دیں۔ اس مصیبت نے انبار کے باشندوں کو گھبرا دیا اور فوج بدحواس ہو گئی۔ شیرزاد ایرانی سپہ سالار نے یہ صورت دیکھ کر صلح کا پیام دیا، لیکن شرائط ایسے پیش کئے کہ خالدؓ ان کو منظور نہ کر سکے اور خندق کا جو حصہ زیادہ تنگ تھا اسے بیکار اونٹوں کو ذبح کر کے پاٹ دیا، اور مسلمان اس پر سے اتر کے قلعہ تک پہنچ گئے اور ایرانی سمٹ کر قلعہ کے اندر ہو گئے، مگر وہ آنکھوں کی نشانہ بازی سے پہلے ہی گھبرا گئے تھے۔ مسلمانوں کی اس غیر متوقع آمد سے اور ہمت چھوٹ گئی اور شیرزاد نے بہمن کو فوج کی حالت جتا کر صلح پر آمادہ کر لیا، اس نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔ اس کے بعد انبار کے باشندوں نے صلح کی خواہش کی، چنانچہ پہلے بواذیج والوں پھر اہل کلوازی نے صلح کر لی۔

خالدؓ انبار کی مہم میں مصروف تھے کہ بہرام چوبین کا لڑکا مہران مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے عین التمر پہنچ گیا۔ عربی قبائل میں نمر، تغلب اور ایاد عقہ بن عقہ کے ساتھ علیحدہ مقابلہ پر آمادہ تھے۔ اس لئے خالدؓ نے انبار کے بعد عین التمر کی طرف بڑھے۔ ایرانیوں نے ایرانی سپاہ قلعوں میں محفوظ کر دی اور عربی قبائل کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بٹھا کر ان پر جاسوس متعین کر دیئے کہ اگر ان میں قومی عصبیت نظر آئے تو فوراً تدارک ہو سکے۔ بعض انصاف پسند ایرانی اس پر معترض ہوتے، ان کو جواب دیا کہ ان ہی

کی قوم نے ہمارا ملک تباہ کیا ہے اس لئے انہیں آپس میں کٹنا چاہیئے۔ عقہ مقام کرخ میں اپنی فوج مرتب کر رہا تھا کہ خالدؓ پہنچ گئے، اور اس کو گرفتار کر لیا۔ اس کی فوج نے سردار کی گرفتاری سے گھبرا کر میدان جنگ چھوڑ دیا، جو بچ گئے وہ گرفتار ہوئے۔ خالدؓ ان کی قوم فروشی پر بہت مشتعل تھے، اس لئے پہلے عقہ کا کام تمام کر دیا، پھر سب کی گردنیں اڑا دیں۔ مہران کو عربوں کی حالت کی خبر ملی، تو وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا، لیکن جب شکست خوردہ عرب پہنچے تو پھر اس کی ہمت بندھی اور ایرانی قلعہ بند ہو گئے، خالدؓ سیدھے قلعہ تک بڑھتے چلے گئے۔ ایرانیوں نے نکل کر مقابلہ کیا اور تھوڑے مقابلہ کے بعد قلعہ میں داخل ہو گئے، مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا، بالآخر ایرانیوں نے صلح کی درخواست کی لیکن خالدؓ نے انکار کر دیا اور بزور شمشیر قلعہ فتح کیا۔ لیکن فتح کے بعد پھر کوئی سختی نہیں کی اور معمولی خراج کے سوا زمین پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔

دومۃ الجندل میں ہمیشہ سے مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ عہد رسالتؐ میں بھی اسی قسم کی ایک سازش ہوتی تھی، اسی لئے غزوہ دومۃ الجندل ہوا تھا۔ عہد صدیقیؓ میں پھر اس کا ظہور ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کے تدارک کے لئے عیاض بن غنم کو روانہ کیا، لیکن کلب، غسان اور تنوخ کے قبائل متحد تھے، اس لئے عیاض کے لئے تنہا ان سب کا مقابلہ کرنا دشوار تھا۔ انہوں نے خالدؓ کو مدد کے لئے بھیجا، وہ عراق کی مہم چھوڑ کر عیاض کی مدد کو چلے آتے، اس وقت یہاں دو حکمران تھے، اکیدر اور جودی۔ اکیدر کو خالدؓ عہد رسالتؐ میں مطیع کر چکے تھے، اس لئے خالدؓ کی آمد کی خبر سن کر وہ خوف سے جودی کی حمایت سے کنارہ کش ہو گیا، اور جب جودی جنگ کے لئے بالکل آمادہ ہو گیا تو اکیدر دومۃ الجندل چھوڑ کر ہٹ گیا، مگر چونکہ پہلے اس کا شریک رہ چکا تھا، اس لئے گرفتار کرا کے قتل کر دیا گیا۔ خالدؓ اور عیاض نے دو سمتوں سے دومۃ الجندل کا محاصرہ کر لیا۔ جودی کی فوج میں متعدد افسر تھے، خود جودی، ودیعہ کلبی، ابن رومانس، ابن ایہم اور ابن حدرجان ان سب نے متحدہ حملہ کیا۔ جودی اور ودیعہ گرفتار ہوئے، باقی فوج قلعہ میں گھس گئی، مگر قلعہ میں زیادہ گنجائش نہیں تھی، اس لئے فوج کا ایک حصہ باہر رہ گیا، اگر مسلمان چاہتے تو ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکتا، لیکن حضرت عاصمؓ نے بنو کلب کو امان دے دی، اور خالدؓ نے جودی کو قتل کرا دیا، اور قلعہ کا پھاٹک اکھاڑ کے اندر گھس گئے اور قلعہ پر قبضہ ہو گیا۔

حضرت خالدؓ کے عراق چھوڑ کر شام چلے آنے کے بعد جزیرہ کے عربوں نے ایرانیوں کو عراق کی واپسی پر توجہ دلائی، وہ ان کا اشارہ پاتے ہی آمادہ ہو گئے اور زرمہر اور روزبہ نے خنافس اور حصید کی طرف فوجیں بڑھا دیں۔ زبرقان بن بدر حاکم انبار نے قعقاعؓ حاکم حیرہ کو اطلاع دی۔ انہوں نے ایرانیوں

کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے اسی وقت الگ الگ فوجیں اعبد بن فدر، اور عروہ بن جعد کی قیادت میں دونوں مقاموں پر روانہ کر دیں۔ ان دونوں نے بڑھ کر ریف میں ان کو روک دیا، روزبہ اور زرمہر یہاں عربوں کا انتظار کر رہے تھے کہ خالدؓ دومۃ الجندل سے حیرہ واپس آ گئے اور امرؤ القیس بن قلبی نے اطلاع بھیجی کہ ہذیل بن عمران مصیخ میں اور ربیعہ بن بجیر ثنی اور بشر میں، روزبہ اور زرمہر کی امداد کے لئے فوجیں لئے پڑے ہیں۔ یہ خبر سن کر خالدؓ نے عیاضؓ کو حیرہ میں چھوڑا اور خود قعقاعؓ اور ابولیلیٰ کی مدد کو خنافس روانہ ہو گئے یہ دونوں عین التمر میں تھے۔ خالدؓ یہیں آ کر ان سے ملے، اور قعقاعؓ خود بڑھے۔ روزبہ نے زرمہر سے مدد طلب کی، وہ مدد لے کر پہنچا، حصید میں دونوں کا مقابلہ ہوا، زرمہر اور روزبہ دونوں مارے گئے اور ان کی فوج ہٹ کر خنافس میں جمع ہو گئی۔ ابولیلیٰ تعاقب کرتے ہوئے خنافس پہنچے تو ایرانی خنافس چھوڑ کر مصیخ چلے گئے، خالدؓ کو اس کی اطلاع دی گئی، انہوں نے قعقاعؓ، ابولیلیٰ اور عروہ کو ایک خاص مقام پر شب میں جمع ہونے کا حکم دیا اور خود بھی معینہ شب میں وہاں پہنچ گئے اور سب نے مل کر متحدہ شب خون مارا، ایرانی بالکل بے خبر تھے، اس لئے مدافعت بھی نہ کر سکے اور سب کے سب مارے گئے

ربیعہ بن بجیر ثنی اور بشر میں بدستور فوجیں لئے پڑا تھا، مصیخ کے بعد خالدؓ نے قعقاعؓ اور ابولیلیٰ کو ثنی پر شبخون مارنے کا حکم دیا، چنانچہ ایک مقررہ شب کو تینوں نے مل کر تین سمتوں سے حملہ کیا۔ صرف ہذیل امیر العسکر باقی بچا اور کل فوج کھیت رہی، ہذیل ثنی سے بھاگ کر بشر پہنچا۔ یہاں بھی عربوں کا ایک جتھا موجود تھا۔ خالدؓ اس کو صاف کرتے ہوئے رضاب پہنچے، یہاں عقہ کا لڑکا بلال مسلمانوں کا منتظر تھا، مگر خالدؓ کے آتے ہی یہ بھاگ نکلا۔

خالدؓ رضاب ہوتے ہوئے فراتض کی طرف بڑھے، یہ مقام جنگی نقطہ نظر سے بہت اہم تھا، یہاں شام، عراق اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں، شام کی سرحد کی وجہ سے رومی بھی ایک فریق بن گئے اور انہوں نے ایرانیوں کی چھاؤنی اور تغلب وایاد (عرب) سے مدد مانگ بھیجی، ان کو اس میں کیا عذر ہو سکتا تھا، فوراً آمادہ ہو گئے، اور اب مسلمانوں کا مقابلہ ایرانیوں اور رومیوں دونوں سے ہو گیا۔ اس لئے خالدؓ نے بھی نہایت اہتمام سے اسلامی فوج کو از سر نو منظم کیا۔ فرات کے ایک جانب مسلمان تھے اور دوسری جانب اتحادیوں نے پیام دیا کہ یا تم دریا عبور کر کے بڑھو یا ہمیں بڑھنے دو۔ خالدؓ نے ان کو بڑھنے کا موقع دیا، اور فرات کے اس پار لب دریا دونوں کا مقابلہ ہوا، مسلمان نہایت پامردی سے لڑے اور اتحادیوں کی فوجیں پسپا ہونے لگیں، خالدؓ کی للکار پر مسلمان شہسواروں نے گھیر گھیر کر مارنا شروع کیا، اتحادی دو طرف سے گھرے ہوئے تھے، پیچھے ہٹتے تھے تو فرات کا لقمہ بنتے تھے، اور آگے بڑھتے تھے تو تلوار سامنے تھی، اسی کشمکش میں سب کے سب کام آ گئے

فتح کے دس دن بعد تک مسلمان یہاں مقیم رہے۔ اس کے بعد حیرہ لوٹ گئے۔ اس معرکے کے بعد عراق کی پیشقدمی رُک گئی اور خالدؓ خفیہ حج کو چلے گئے۔

مسلمانوں کا ایرانیوں اور رومیوں سے نبرد آزما ہونا ناگزیر امر تھا۔ اس لئے عراق کے ساتھ ساتھ شام پر بھی فوج کشی ہوتی تھی، اور ہر ہر صوبہ پر علیحدہ علیحدہ فوجیں بھیجی گئی تھیں، خالدؓ عراق کی مہم سر کر چکے تھے کہ دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ عراق چھوڑ کر شام میں اسلامی فوجوں سے مل جائیں، اس حکم کے مطابق حج سے واپس ہونے کے بعد عراق کا انتظام مثنی کے سپرد کر کے شام روانہ ہو گئے اور راستہ میں حدردار، ارک، سوی، حوارین، قصم، مرج راہط وغیرہ سے نپٹتے ہوتے شام پہنچے اور پہلے بصریٰ کی طرف بڑھے۔ یہاں اسلامی فوجیں پہلے سے ان کی منتظر تھیں اس لئے خالدؓ نے آتے ہی بصریٰ کے بطریق پر حملہ کر کے پسپا کر دیا اور اس شرط پر صلح ہو گئی کہ مسلمان رومیوں کی جان و مال کی حفاظت کریں گے اور وہ اس کے عوض میں جزیہ دیں گے۔

اس وقت مسلمان شام کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے اور ہرقل نے ان کے مقابلہ کے لئے الگ الگ دستے بھیجے تھے، تاکہ ایک مرکز پر جمع نہ ہوں لیکن فلسطین کی مہم عمرؓو بن العاص کے متعلق تھی۔ بصریٰ کے بعد تذارق اور قبقلار نے اجنادین (فلسطین) میں اپنی فوجیں ٹھہرائیں، خالدؓ اور ابوعبیدہؓ بصریٰ سے فارغ ہو کر عمرؓو بن العاص کی مدد کو پہنچے۔ ۱۳ ہجری میں مقام اجنادین میں دونوں کا مقابلہ ہُوا، تذارق اور قبقلار دونوں مارے گئے۔

اجنادین کے بعد دمشق کی طرف بڑھے۔ امیرِ فوج ابوعبیدہؓ نے تین سمتوں سے اس کا محاصرہ کیا، ایک سمت پر خالدؓ مامور ہوتے۔ تین مہینے تک کامل محاصرہ قائم رہا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، اس درمیان میں ایک دن دمشق کے پادری کے گھر لڑکا پیدا ہُوا، اس کے جشن میں دمشق کے بے فکرے شرابیں پی کر ایسے بدمست ہو کر سوتے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ خالدؓ دوران جنگ میں اکثر راتوں کو سوتے نہ تھے، بلکہ فوجی انتظامات اور دشمنوں کی سراغرسانی میں لگے رہتے تھے، ان کو اس واقع کی اطلاع ہو گئی، چنانچہ فوج کو یہ ہدایت دے کر کہ تکبیر کی آواز سنتے ہی شہر پناہ کے پھاٹک پر حملہ کر دینا، چند آدمیوں کے ساتھ کمند ڈال کر شہر پناہ کی دیوار کے اس پار اُتر گئے اور پھاٹک کے چوکیدار کو قتل اور اس کا قفل توڑ کر تکبیر کا نعرہ لگایا، تکبیر کی آواز سنتے ہی فوج ریلا کر کے اندر داخل ہو گئی۔ دمشق والے ابھی تک غافل سو رہے تھے۔ اس ناگہانی حملہ سے گھبرا گئے اور ابوعبیدہؓ سے صلح کی درخواست کر کے شہر پناہ کے تمام دروازے خود کھول دیئے، ایک طرف سے خالدؓ فاتحانہ داخل ہوتے، اور دوسری طرف سے ابوعبیدہؓ مصالحانہ وسط شہر میں دونوں کی ملاقات ہوئی، گو

نصف حصہ بزورِ شمشیر فتح ہُوا، لیکن شرائط سب مصالحانہ رکھے گئے۔

دمشق کی فتح نے رومیوں کو بہت برہم کر دیا، اور وہ بڑے جوش وخروش کے ساتھ مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے، سقلار رومی فحل میں فوجیں لے کر خیمہ زن ہُوا۔ اس لئے مسلمان دمشق کے بعد ادھر بڑھے مقدمۃ الجیش خالدؓ کی کمان میں تھا، اس معرکہ میں بھی رومیوں نے بُری طرح شکست کھائی۔

فحل کے بعد ابو عبیدہؓ اور خالدؓ حمص کی طرف بڑھے، یوحنا کے کینہ کی وجہ سے یہ مقام بھی رومیوں کا ایک اہم مرکز تھا۔ ہرقل کو خبر ہوئی تو اس نے توذر بطریق کو فوج دے کر مقابلہ کے لئے بھیجا، اس نے دمشق کی مغربی سمت مرج روم میں پڑاؤ ڈال دیا۔ مسلمان بھی آگے بڑھ کر مرج روم کی دوسری سمت ٹھہرے۔ اس درمیان میں رومیوں کی ایک اور فوج شنس کی سرکردگی میں پہنچ گئی۔ اس لئے خالدؓ توذر کے مقابلہ کو بڑھے اور ابو عبیدہؓ شنس کے، توذر نے مقابلہ نہیں کیا، بلکہ دمشق واپس لینے کے ارادہ سے آگے بڑھا، خالدؓ بھی عقب سے اس کے ساتھ ہو گئے۔ دمشق میں یزید بن ابو سفیان موجود تھے، وہ شنس کی آمد کی خبر سُن کر اس کے روکنے کو نکلے۔ دمشق کے باہر دونوں میں سخت معرکہ ہوا۔ ابھی جنگ کا سلسلہ جاری تھا کہ پیچھے سے خالدؓ پہنچ گئے، اور ایک طرف سے انہوں نے اور دوسری طرف سے یزید نے مل کر رومیوں کو پامال کر دیا، اور معدودے چند کے علاوہ کوئی رومی باقی نہ بچا۔

ابو عبیدہؓ نے شیرز، معرہ حمص، اور لاذقیہ وغیرہ کو لے کر بعلبک اور حمص فتح کیا۔

ان پیہم شکستوں نے رومیوں کو آگ لگا دی اور دو لاکھ کا ٹڈی دل مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے امنڈ آیا۔ رومی سپہ سالار ماہان اس کو لے کر یرموک کے میدان میں اترا، اس وقت مسلمان شام کے مختلف حصوں میں منتشر تھے۔ یہ سب ایک مرکز پر جمع ہو گئے اور طرفین میں جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ رومیوں کے جوش وخروش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ گوشہ نشین راہب وقسیسین اپنی اپنی خانقاہوں سے نکل کر، مذہب کا واسطہ دلا کر رومیوں میں جوش پیدا کر رہے تھے۔ خالدؓ نے اس جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ فوج کو جدید طرز سے ۳۶ حصوں میں تقسیم کر کے سب پر الگ الگ افسر مقرر کئے اور جہاد پر نہایت ولولہ انگیز تقریر کی۔ اتفاق سے ایک مسلمان کے مُنہ سے نکل گیا کہ رومیوں کے مقابلہ میں ہماری تعداد بہت کم ہے۔ خالدؓ غضب ناک ہو کر بولے فتح وشکست تعداد کی قلت وکثرت پر نہیں بلکہ تائیدِ ایزدی پر ہے، اگر میرے گھوڑے کے سم درست ہوتے تو میں اس سے دونی تعداد کی پرواہ نہ کرتا۔

ضروری انتظامات کے بعد عکرمہ بن ابی جہل اور قعقاع بن عمرو کو حملہ کا حکم دے دیا اور یرموک

کے میدان میں ہنگامہ کارزار گرم ہوگیا۔ عین اس حالت میں ایک عیسائی رومی فوج سے نکل کر اسلامی لشکر میں آگیا، اور خالدؓ سے مذہب اسلام پر گفتگو شروع کر دی کہ اگر میں تمہارے مذہب میں داخل ہو جاؤں تو کیا میرے لئے آخرت کا دروازہ کھل جائے گا۔ خالدؓ نے کہا یقیناً چنانچہ وہ میدان جنگ میں مشرف با اسلام ہوگیا۔

اس جنگ کا سلسلہ مدتوں جاری رہا، مسلمان افسروں نے غیر معمولی شجاعت و بہادری کا ثبوت دیا آخر رومیوں نے ایسی شکست کھائی کہ پھر ان کی اتنی بڑی تعداد نہ فراہم ہوسکی۔

یرموک کی فتح کے بعد ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو قنسرین کی طرف بھیجا اور خود حمص واپس ہوگئے مقام حاضر میں خالدؓ کو میناس رومی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ملا خالدؓ نے اس کو شکست دی۔ اہل حاضر نے امان کی درخواست کی اور کہا ہم کو اس جنگ سے کوئی تعلق نہ تھا ہماری رائے بھی اس میں شریک نہ تھی اس لئے ہم کو امان دی جائے، خالدؓ نے ان لوگوں کی درخواست قبول کر لی۔

حاضر سے قنسرین پہنچے، اہل قنسرین پہلے جنگ کے ارادہ سے قلعہ بند ہو گئے لیکن پھر اہل حمص کے انجام پر غور کر کے صلح کی درخواست کی، خالدؓ نے اس شرط پر منظور کر لی کہ شہر کے استحکامات توڑ دیے جائیں۔ قنسرین کے بعد ہرقل بالکل مایوس ہوگیا، اور شام پر آخری نگاہ ڈال کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ چلتے وقت یہ حسرت انگیز الفاظ اس کی زبان پر تھے، "اے شام! تجھ کو آخری سلام ہے، اب میں تجھ سے جدا ہوتا ہوں، افسوس اس سرزمین میں جس پر میں نے حکمرانی کی ہے، اطمینان خاطر کے ساتھ نہ آسکوں گا"۔

قنسرین کے بعد بیت المقدس کا محاصرہ ہوا۔ عیسائی اس شرط سے بلا جنگ حوالہ کرنے کو آمادہ ہو گئے کہ خود امیر المومنینؓ اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے صلح نامہ لکھنے کے لئے شام کا سفر کیا اور تمام افسران فوج کو جابیہ میں طلب کیا خالدؓ بھی آئے، اُن کا دستہ دیبا و حریر میں ملبوس تھا۔ حضرت عمرؓ کی نظر پڑی تو گھوڑے سے اتر پڑے اور کنکریاں مار کر فرمایا، تم لوگوں نے اتنی جلدی اپنی عادتیں بدل دیں۔ ان لوگوں نے اسلحہ دکھا کر کہا کہ سپہ گری کا جوہر نہیں گیا ہے، فرمایا تب کوئی مضائقہ نہیں۔

۱۷ ہجری میں حمص کے باشندے باغی ہو گئے، لیکن ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کی بروقت توجہ سے بہت جلد بغاوت فرو ہو گئی اور شام کے پورے علاقہ پر مسلمانوں کا کامل تسلط ہو گیا۔

اس کی وجہ یہ بھی کہ عام مسلمانوں کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اسلامی فتوحات کا دار و مدار خالدؓ کے قوت بازو پر ہے، جس کو حضرت عمرؓ پسند نہیں کرتے تھے۔ کتب میں لکھا ہے کہ حضرت خالدؓ کے اخراجات

اسراف کی حد تک پہنچ جاتے تھے جو دوسرے افسروں کے لئے نمونہ نہ بن سکتے تھے، چنانچہ شعراء کو بڑی بڑی رقمیں دے ڈالتے تھے۔ اشعث بن قیس کو دس ہزار انعام یکمشت دیا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو ابو عبیدہؓ بن جراح کے پاس حکم بھیجا کہ خالدؓ سے دریافت کریں کہ انہوں نے یہ روپیہ کس مد سے دیا ہے، اگر مسلمانوں کے مال سے دیا ہے تو خیانت کی اور اگر اپنی جیب سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے۔ اس لئے دونوں حالتوں میں معزولی کے قابل ہیں۔ یہ فرمان عین میدان جنگ میں ابو عبیدہؓ کو ملا۔ انہوں نے حضرت خالدؓ سے پوچھا، "تم نے یہ روپیہ کہاں سے دیا" کہا "اپنے مال سے"، اس کے بعد حضرت عمرؓ کا فرمان سُنا کر معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور عمامہ گردن میں ڈال دیا۔ خالدؓ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ میں نے فرمان سُنا اور مانا۔ اور اب بھی میں اپنے افسروں کے احکام ماننے اور خدمات بجالانے کو تیار ہوں۔

اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کے دبدبہ اور خالدؓ کی حق پرستی، دونوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ معزولی کے بعد دربار خلافت سے طلبی ہوئی۔ چنانچہ خالدؓ حمص سے ہوتے ہوتے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے شکایت کی کہ آپؓ نے میرے معاملہ میں زیادتی سے کام لیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے سوال کیا "تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی" جواب دیا، مال غنیمت کے حصوں سے، اگر میرے پاس ساٹھ ہزار سے زیادہ نکلے تو آپؓ لے لیجئے۔ حضرت عمرؓ نے فوراً حساب کرایا کل ۲۰ ہزار زیادہ نکلے، وہ بیت المال میں جمع کرا دیئے اور فرمایا کہ "خالدؓ اب بھی میرے دل میں تمہاری وہی عزت و محبت ہے،" اور تمام ممالک محروسہ میں فرمان جاری کرا دیا کہ میں نے خالدؓ کو خیانت کے جرم یا غصہ وغیرہ کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے بلکہ محض اس لئے معزول کیا کہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلامی فتوحات کا دارومدار خالدؓ کے قوت بازو پر نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے بمصالح خالدؓ کو معزول کر دیا تھا، لیکن معزول کرنے کے بعد ان سے ان کے رتبہ کے مطابق کام لئے اور ان کے جوہر اور ان کی فطری صلاحیتوں سے سپہ سالاری کے بجائے دوسرے شعبوں میں فائدہ اُٹھایا، چنانچہ معزولی کے بعد رہا۔ حران، آمد، اور لرتہ کا گورنر مقرر کر دیا، لیکن ایک سال کے بعد وہ خود مستعفی ہو گئے۔

گورنری سے استعفا دینے کے بعد مدینہ میں مقیم ہو گئے اور کچھ دن بیمار رہ کر ۲۲ ہجری میں وفات پائی۔ حضرت عمرؓ آپؓ کے جنازہ میں شریک تھے۔ آپؓ کی وفات سے مدینہ کی عورتوں خصوصاً بنی مخزوم میں کہرام برپا تھا۔

آپؓ کی اولاد کی تعداد کی تفصیل نہیں ملتی۔ صرف دو لڑکوں، مہاجر اور عبدالرحمٰن کا نام ملتا ہے

ان دونوں میں باپ کی شجاعت کا اثر تھا، چنانچہ مہاجر بن خالدؓ نے جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیا، اور حضرت معاویہؓ کے عہد میں قسطنطنیہ کے مشہور معرکہ میں فوج کے ایک کماندار عبدالرحمن بن خالدؓ بن ولید تھے، حضرت خالدؓ کی کنیت ابوسلیمان تھی۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ اس نام کا بھی کوئی لڑکا رہا ہوگا، مگر تصریح نہیں ملتی۔

ابتدا سے لے کر آخر تک خالدؓ کی پوری زندگی میدان جنگ میں گزری اس لئے ذات نبویؐ سے خوشہ چینی کا موقع کم ملا، وہ خود کہتے تھے کہ جہاد کی مشغولیت نے مجھ کو تعلیم قرآن کے بڑے حصے سے محروم رکھا۔ تاہم وہ صحبت نبویؐ کے فیض سے دولت علم سے بالکل بے بہرہ نہ تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدینہ میں جو جماعت صاحب علم وافتا تھی۔ ان میں ایک ان کا نام بھی تھا۔ لیکن فطرۃً سپاہی تھے اس لئے مسند افتا پر نہ بیٹھے اور ان کے فتاویٰ کی تعداد دو چار سے زیادہ نہیں ہے، ابن عباسؓ، جابر بن عبداللہ، مقدام بن معدی کرب، قیس بن ابی حازم، اشتر نخعی علقمہ ابن قیس، جبیر بن نفیر وغیرہ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، ان کی مرویات کی تعداد کل اٹھارہ ہے جن میں سے دو متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری منفرد ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے لئے سب سے بڑی دولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاجوئی اور خوشنودی تھی، اس کے لئے وہ اپنے جذبات کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع فرمان کر دیتے تھے۔ خالدؓ گو تیز مزاج تھے لیکن فرمان نبویؐ کے مقابلہ میں ان کی تیز مزاجی حلم وعفو سے بدل جاتی تھی، ایک مرتبہ ان میں اور عمارؓ بن یاسر میں کسی معاملہ میں بحث ہوگئی اور سخت کلامی تک نوبت پہنچ گئی، عمارؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، اتفاق سے اسی وقت حضرت خالدؓ بھی آگئے اور شکایت سن کر بہت برہم ہوتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش تھے، عمارؓ نے آبدیدہ ہو کر عرض کی، حضورؐ ان کی زیادتیوں کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھا کر فرمایا کہ جو شخص عمارؓ سے بغض وعداوت رکھتا ہے وہ خدا سے بغض وعناد رکھتا ہے خالدؓ پر اس ارشاد کا یہ اثر ہوا کہ ان کا بیان ہے کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھا تو عمارؓ کی رضاجوئی سے زیادہ کوئی چیز میرے لئے محبوب نہ تھی، اور ان سے مل کر ان کو منایا۔

خالدؓ کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا احترام تھا کہ وہ کسی کی زبان سے آپ کی شان میں کوئی ناروا کلمہ برداشت نہیں کر سکتے تھے، ایک مرتبہ آپ کے پاس کچھ سونا آیا، آپؐ نے اہل نجد میں تقسیم کر دیا، قریش وانصار کو شکایت ہوئی، انہوں نے شکایت کی کہ آپ لے سب

سونا نجدی سرداروں کو دے دیا، اور ہم لوگوں کو بالکل نظرانداز فرمادیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان کو تالیف قلب کے خیال سے دیتا ہوں، یہ سن کر نجدیوں کے گروہ سے ایک شخص نے کہا کہ محمدؐ خدا سے ڈر! آپؐ نے فرمایا، اگر میں خدا کی نافرمانی کرتا ہوں تو پھر خدا کی اطاعت کون کرتا ہے؟ خالدؓ کو اس گستاخی پر غصہ آگیا اور اس کی گردن اڑانے کی اجازت چاہی لیکن آپؐ نے روک دیا۔

وہ ہر اس چیز کے ساتھ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ شرف انتساب حاصل ہوتا والہانہ عقیدت رکھتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ایک ٹوپی میں سلوا لئے تھے، جس کو پہن کر میدان جنگ میں جاتے تھے، یرموک کے معرکہ میں یہ ٹوپی گم ہو گئی تھی، حضرت خالدؓ بہت پریشان ہوئے اور آخر بڑی تلاش وجستجو کے بعد ملی۔

حضرت خالدؓ کی کتاب زندگی کا سب سے روشن باب جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اسی میں گزرا۔ ان کے اسی ذوق جہاد اور شجاعانہ کارناموں کے صلہ میں ان کو دربار نبویؐ سے سیف اللہ کا لقب ملا تقریباً سوا سو لڑائیوں میں اپنی تلوار کے جوہر دکھاتے، جسم میں ایک بالشت حصہ بھی ایسا نہ تھا جو تیروں اور تلواروں کے زخم سے زخمی نہ ہوا ہو۔ ذوق جہاد میں کہا کرتے تھے کہ مجھے میدان جنگ کی وہ سخت رات جس میں اپنے دشمنوں سے لڑوں۔ اس شب عروسی سے زیادہ مرغوب ہے۔ جس میں میری محبوبہ مجھ سے ہمکنار ہو۔ آخر وقت جب اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے تو بڑی حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ افسوس میری ساری زندگی میدان جنگ میں گزری اور آج میں بستر مرگ پر جانور کی طرح ایڑیاں رگڑ کر جان دے رہا ہوں۔ خدا نے آپؐ کے قدموں میں یہ برکت دی تھی کہ جدھر رُخ کیا کبھی ناکام واپس نہ لوٹے، خود کہتے تھے کہ میں نے جس طرف کا رُخ کیا فتح یاب ہوا۔ اس قول کی صداقت پر ان کے کارنامے شاہد ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شجاعت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب ان کے ہاتھ میں علم آجاتا تو آپؐ مطمئن ہو جاتے۔ چنانچہ غزوۂ موتہ میں جب حضرت خالدؓ نے علم سنبھالا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ فرمایا کہ اب لڑائی کا تنور گرمایا، چونکہ سپہ گری ان کا آبائی پیشہ تھا۔ اس لئے ان کے پاس سامان حرب کافی تھا جس کو انہوں نے اسلام لانے کے بعد راہ خدا میں وقف کر دیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خالدؓ کی ان جان فروشیوں اور قربانیوں کی بہت قدر کرتے تھے اور متعدد موقعوں پر مدحیہ لہجہ میں ان کا اعتراف فرمایا کرتے، فتح مکہ کے موقع پر جب کہ مسلمان مختلف سمتوں سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے۔ ایک گھاٹی کی طرف سے خالدؓ بھی نمودار ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہؓ سے فرمایا، دیکھو کون ہے۔ انہوں نے عرض کی خالدؓ بن ولید

فرمایا کہ یہ خدا کا بندہ بھی کیا خوب ہے، خود بھی قدر دانی فرماتے تھے، اور لوگوں کو بھی ان کا لحاظ رکھنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا کہ خالدؓ کو تم لوگ کسی قسم کی تکلیف نہ دو، کیونکہ وہ خدا کی تلوار ہے، جس کو اس نے کفار پر کھینچا ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تو ابن جمیل، خالدؓ اور عباسؓ نے دینے سے انکار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ "ابن جمیل فقیر تھا، خدا نے اس کو دولت مند کیا، یہ اس کا بدلہ ہے، لیکن خالدؓ ابن ولید پر تم لوگ زیادتی کرتے ہو، انہوں نے اپنا تمام سامان حرب خدا کی راہ میں وقف کر دیا ہے پھر ان پر زکوٰۃ کیسی، رہا عباسؓ کا معاملہ تو ان کا میں ذمہ دار ہوں، کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ چچا باپ کی جگہ ہے۔

ان کی پوری زندگی سپاہیانہ تھی، اس لئے مزاج میں تیزی تھی، ذرا سی خلاف مزاج بات پر بگڑ جاتے تھے۔ لیکن اس تند مزاجی کے باوجود ہٹ دھرمی نہ تھی اور حق بات کو قبول کرنے اور دوسروں کے فضائل کے اعتراف میں عار نہ کرتے تھے۔

اشاعت اسلام ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے، خالدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپؐ کے بعد برابر اس فریضہ کو ادا کرتے رہے۔ فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاعت اسلام کی غرض سے جو سرایا بھیجے، ان میں سے متعدد سریے ان کی سرکردگی میں کئے گئے، اور بنو جذیمہ، بنو عبد المدان نجرانی ان ہی کوششوں سے مشرف باسلام ہوئے۔

حضرت عمرو بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک بڑے قد کاٹھ، عظیم الجثہ اور عمر رسیدہ شخص جس کے چہرے اور انداز سے شجاعت و بہادری عیاں تھی۔ امیر المومنین حضرت عمرِ فاروقؓ کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ اس ہنگام دوسرے کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی تشریف فرما تھے۔ یہ شخص عرب کے بہادر ترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ وہ تنہا ہزار شہسواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ بلند پایہ شاعر اور شعلہ بیان خطیب تھا۔ قبولِ اسلام سے قبل اس کا پیشہ ڈاکہ زنی و غارت گری تھا اور اس کا نام دہشت کی علامت بن گیا تھا۔ لوگ اس کا نام سن کر لرز اٹھتے تھے۔ یہ شخص حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ دورانِ گفتگو امیر المومنینؓ نے ان سے پوچھا۔

"زمانہ جاہلیت میں تمہیں ہر قسم کے آدمیوں سے واسطہ پڑا ہوگا ذرا یہ تو بتاؤ تم نے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ بزدل سب سے زیادہ مکار اور سب سے زیادہ شجاع کس کو پایا؟"

حضرت عمروؓ بن معدی کرب نے عرض کیا۔

"امیر المومنین! مجھے بہت سے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ جب میں گزشتہ زمانے پر نظر ڈالتا ہوں تو سب سے بزدل، سب سے مکار اور سب سے شجاع جن کرداروں سے مجھے واسطہ پڑا اُن کے حالات عرض کرتا ہوں۔" اور پھر بولے۔

زمانۂ جاہلیت میں میری زندگی تاخت و تاراج میں گزرا کرتی تھی۔ میری شجاعت ایسی مشہور تھی کہ میرا نام سُن کر لوگوں کے حوصلے پست ہو جایا کرتے تھے۔ ایک دن ڈکیتی کے لیے گھر سے نکلا ایک جگہ دیکھا کہ ایک گھوڑا کھڑا ہے، اس کے قریب زمین پر نیزہ گڑا ہوا ہے اور پاس ہی ایک شخص زمین پر بیٹھا ہے۔ مَیں جھپٹ کر اس شخص کے قریب پہنچا اور کہا: سنبھل جا کہ تیرا قاتل آ پہنچا۔"

اس نے پوچھا: "پہلے یہ بتاؤ کہ تم ہو کون؟"

مَیں نے کہا: "عمرو بن معدی کرب زبیدی۔"

یہ سنتے ہی وہ شخص سہم کر زمین پر گر پڑا، دیکھا تو وہ مر چکا تھا۔ امیرالمومنین یہ شخص مجھے اپنی زندگی میں سب سے بزدل نظر آیا۔" تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ پھر بولے۔ "امیرالمومنین ایک دفعہ مَیں شکار کی تلاش میں نکلا۔ ایک مقام پر دیکھا کہ ایک گھوڑا کھڑا ہے اس کے برابر زمین پر نیزا گڑا ہے اور ایک شخص دُور بیٹھا پیشاب کر رہا ہے۔ مَیں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس کے پاس جا کے کہا: "سنبھل جا کہ تیرا قاتل آ پہنچا۔"

اس شخص نے لاپروائی سے کہا: "کیا سچ مچ مجھ سے لڑو گے؟"

"بس یہ سمجھ لے کہ میری تلوار تیرا کام تمام کیا چاہتی ہے۔" مَیں نے کہا تو بولا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"عمرو بن معدی کرب زبیدی۔"

"اچھا تو تم عمرو بن معدی کرب ہو، مگر جو کچھ تم کر رہے ہو یہ مردوں کا شیوہ نہیں۔" اس نے کہا۔

"کیوں؟" مَیں نے دریافت کیا۔

"مَیں پا پیادہ اور تم سوار! اگر مرد ہو تو قسم کھاؤ کہ جب تک مَیں گھوڑے پر سوار ہو کر ہتھیار نہ سنبھال لوں مجھ سے نہیں لڑو گے۔" اس نے کہا۔

مَیں نے وعدہ کر لیا۔ یہ سُن کر وہ شخص اٹھا اور گھوڑے کے قریب آ کر اطمینان سے زمین پر بیٹھ گیا۔

"یہ کیا؟" مَیں نے پوچھا۔

"نہ مَیں گھوڑے پر سوار ہوں گا اور نہ لڑائی کی نوبت آئے گی اگر تم نے عہد شکنی کی تو سارے عرب میں بدعہد اور بزدل مشہور ہو جاؤ گے۔" اس نے کہا اور خاموش ہو گیا۔

اے امیر المومنین مجھے سوا اس کے کچھ بن نہ پڑا کہ اس کو چھوڑ کر چلا جاؤں۔ اس شخص سے بڑھ کر مکار اور فقرہ باز آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ یہ کہنے کے بعد حضرت عمرؓ بن معدی کرب نے عرض کی۔ اب میں آپ کو اس شخص کی شجاعت کے بارے میں بتاتا ہوں جو آج تک میرے دل پر نقش ہے۔ ایک دفعہ رہزنی کے لیے صحرا میں جا رہا تھا کہ مجھے ایک نہایت خوبرو سبزہ آغاز نوجوان نظر آیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور میری طرف آ رہا تھا۔ اس سے پہلے میں نے ایسا خوش جمال اور وجیہہ کوئی شخص نہیں دیکھا تھا۔ قریب آ کر اس نے سلام کہا۔ میں نے سلام کا جواب دیا اور اس سے پوچھا "تم کون ہو؟"

• "میرا نام حارث بن سعد ہے۔" اس نے جواب دیا۔

• "ہوشیار ہو جا، تیرا قاتل آ پہنچا۔" میں نے بزعم شجاعت کہا۔

• "کم بخت تو کون ہے؟" اس نے پوچھا۔

• "عمرو بن معدی کرب زبیدی۔" میں نے کہا تو بولا۔

• "وہی حقیر اور ذلیل آدمی؟ خدا کی قسم صرف یہ سمجھ کر چھوڑے دیتا ہوں کہ تجھ جیسے ذلیل آدمی پر کیا ہاتھ اٹھاؤں؟"

امیر المؤمنین یہ سن کر میں سخت شرمندہ ہوا اور اس کا یہ جملہ مجھ پر سخت گراں گزرا، میں نے اس سے کہا۔

• "اب یہ باتیں رہنے دے اور سنبھل جا کیونکہ تیرا قاتل میں ہوں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ اب اس میدان سے ہم میں سے ایک ہی شخص زندہ بچ کے جا سکتا ہے۔"

• "میں تجھ سے پھر کہتا ہوں کہ اپنی جان سلامت لے کر چلا جا، میں اس گھرانے سے ہوں جس میں سے کسی پر آج تک کوئی سوار غالب نہیں آسکا۔" حارث نے کہا۔

• "میں بھی ویسا ہی ہوں۔" میں نے جواباً کہا۔

• "اچھا تو بتا تجھے کیا پسند ہے؟ پہلے میں وار کروں یا تو کرے گا؟" اس نے پوچھا۔

• "میں ہی حملہ کرتا ہوں سنبھل۔"

یہ کہہ کر میں نے اپنی پوری طاقت سے اس کو نیزہ مارا۔ مجھے یقین تھا کہ میرا نیزہ اس کی پیٹھ توڑ کر نکل گیا ہوگا مگر اس نے اپنے گھوڑے پر جھک کر ایسی خوبصورتی سے میرا وار خالی دیا کہ میں ششدر رہ گیا۔ اب اس نے اپنے نیزے سے میرے سر کو ہلکا سا کونچا دیا اور کہا۔

• "اے عمرو لے یہ پہلا وار ہے اگر تجھ جیسے ذلیل شخص کو قتل کرنا میں اپنی ذلت نہ سمجھتا تو یہ نیزہ

تیرے مغز کے پار ہو گیا ہوتا۔"

امیر المومنین یہ جملہ سن کر میں نے اپنے آپ کو اتنا حقیر محسوس کیا کہ موت زندگی سے پیاری معلوم ہونے لگی۔ میں نے بڑے جوش سے حارث پر دوسرا وار کیا مگر اس نے بڑی صفائی سے یہ بھی خالی کر دیا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ میرے سر میں اپنے نیزے سے یہ کہہ کر دوسرا کونچا دیا۔ "یہ دوسری ہوئی۔" اب تو میں ذلت کے دریا میں غرق ہو گیا اور جھلا کر اس پر تیسرا وار کیا۔ اس دفعہ وار خالی دیتے وقت وہ گھوڑے کی پیٹھ سے زمین پر گر گیا' میں نے سمجھا کہ بس اب یہ میرے قابو میں آگیا مگر دیکھتا کیا ہوں کہ وہ چشم زدن میں زمین سے اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اپنے نیزے سے میرے سر کو تیسرا کونچا دے کر چلایا' "یہ تیسری ہوئی' صرف ذلیل سمجھ کر تجھے چھوڑے دیتا ہوں۔"

"نہیں تو مجھے قتل ہی کر ڈال تاکہ عرب کے سواروں کو میری ذلت کی خبر نہ پہنچے۔" میں نے کہا۔

"اے عمرو! قصور تین ہی بار معاف کیا جاتا ہے۔ اب چوتھی بار میں غالب آیا تو یقیناً تجھے قتل کر ڈالوں گا۔" اس نے کہا۔

امیر المومنین! اس کا یہ جملہ سن کر میں ایسا ہیبت زدہ ہوا کہ اس سے مقابلہ کا خیال دماغ سے یکسر کافور ہو گیا۔ اب میں نے اس سے دوستی پیدا کرنا چاہی اور اس سے کہا کہ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ اس نے فوراً جواب دیا' نہیں تم میرے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہو۔ اس کی یہ بات سن کر میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا مگر اپنی بات پر اصرار جاری رکھا۔ آخر اس نے جھلا کر کہا۔

"جانتے بھی ہو میں کہاں جا رہا ہوں؟" حارث نے کہا۔

نہیں:

"میں موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہوں اور اس کے منہ میں جا رہا ہوں۔" اس نے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ موت کے منہ میں جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا تو اس نے کہا

"اچھا تو چلو۔"

اب ہم دونوں اس مقام سے روانہ ہوئے اور سارا دن چلتے رہے' رات ہوئی اور ہم برابر چلتے گئے۔ جب تھوڑی رات گزر گئی تو ہم ایک عرب قبیلے کی بستی کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں حارث نے میری طرف دیکھا اور کہا۔ "اے عمرو! وہ موت اسی قبیلے میں ہے اب تم میرا گھوڑا تھامو اور میں اس

قبیلے میں جاکر اپنی مراد حاصل کرلاؤں یا اسی کوشش میں جان دے دوں۔ یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کی باگ اچھال کر میری طرف پھینک دی اور چلا گیا۔ کچھ دیر کے بعد حارث اس حالت میں واپس آیا کہ ایک خوبصورت دوشیزہ اور ایک اونٹنی اس کے ساتھ تھی۔ حارث نے اس دوشیزہ کو اس اونٹنی پر سوار کرایا اور مجھ سے کہا: "عمرو اگر کہو تو میں اونٹنی کی مہار لے چلوں اور تم اِدھر اُدھر لوگوں کو دیکھتے اور میری حفاظت کرتے چلو۔ یا تم مہار ہاتھ میں لو اور میں تمہاری حفاظت کرتا چلوں۔"

میں نے کہا: "میں اونٹنی کی مہار تھام کر چلتا ہوں تم میری حفاظت کرتے چلو۔" اس طرح ہم وہاں سے روانہ ہوئے اور رات بھر چلتے رہے۔ صبح ہوئی تو میں نے دیکھا کہ تین شتر سوار، ہمارے تعاقب میں لپکے چلے آرہے ہیں۔ جب وہ قریب آگئے تو معلوم ہوا کہ ان میں سے دو جوان تھے اور ایک معمّر؛ جوان تو اس لڑکی کے بھائی تھے اور بوڑھا اس کا باپ۔ بوڑھے نے حارث سے مخاطب ہوکر کہا: "لڑکی ہمارے حوالے کردو۔"

حارث نے کہا: "یہ کبھی نہیں ہوسکتا وہ اپنی خوشی سے میرے ساتھ آئی ہے۔ اب بوڑھے نے اپنے ایک بیٹے سے کہا۔ تم اس سے نبٹو۔ وہ اپنا نیزہ لیے ہوئے حارث کے مقابلے میں آیا۔ حارث نے رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے اس پر اپنے نیزے کا ایسا بھرپور وار کیا کہ کمر توڑ کر نکل گیا۔ اب بوڑھے نے دوسرے بیٹے کو حکم دیا کہ تم اس کا مقابلہ کرو اس ذلت کی زندگی سے موت بہتر ہے۔ جب وہ حارث کے سامنے آیا تو اس نے اس کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اب بوڑھا خود حارث کے مقابل ہوا اور اس سے کہا، تم نے جوانوں کو تو مار ڈالا اب میں بوڑھا رہ گیا ہوں مجھ سے مقابلہ کرنا ہے تو ہم دونوں کو سواری سے اترنا چاہیئے اور یہ عہد کرنا چاہیئے کہ دونوں ایک دوسرے پر ایک ایک وار کریں گے جس کا وار پورا نہ پڑے اس کی جان حریف پر حلال ہوگی۔ حارث نے کہا مجھے یہ شرط منظور ہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور بوڑھا بھی اپنے اونٹ پر سے نیچے آگیا۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ کیا۔ بوڑھے نے اپنا نیزہ حارث کے پیٹ میں اتار دیا اور حارث نے اپنی تلوار سے بوڑھے کے سر کو دو ٹکڑے کر ڈالا۔ دونوں ایک ساتھ گرے اور مر گئے۔ یہ نظارہ دیکھ کر مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا پھر سنبھلا اور اونٹوں اور گھوڑوں کو لے کر چلنے کا ارادہ کیا۔ جب اس دوشیزہ کے اونٹ کی مہار پکڑی تو اس نے کہا: مجھے کہاں لے چلے ہو میں تمہارے لیے نہیں ہوں اور نہ تم میرے قابل ہو۔

میں نے کہا: "اس وقت خاموش رہو۔ باتوں کا وقت نہیں ہے۔"

دوشیزہ نے کہا: "نہیں یہ نہیں ہو سکتا اگر میرے شوہر بننا چاہتے ہو تو ایک نیزہ اور ایک تلوار میرے ہاتھ میں دو اگر مقابلے میں تم مجھ پر غالب آ جاؤ تو مجھ کو لے جانا ورنہ میں تم کو قتل کر دوں گی"۔

امیر المومنین! اس خاندان کی دلاوری کا مجھ پر ایسا رعب طاری ہو گیا تھا کہ مجھے اس لڑکی کا مطالبہ ماننے کی ہمت نہ پڑی اور میں نے اس سے پھر کہا۔ "اس وقت ان باتوں کو چھوڑو اور میرے ساتھ چلو۔"

لڑکی نے کہا: "یہ ناممکن ہے۔" یہ کہہ کر وہ اونٹ پر سے کود پڑی اور لپک کر میرے ہاتھ سے نیزہ چھین لیا۔ پھر پیچھے ہٹی اور کہا "سنبھل"۔

امیر المومنین! اگر میں پھرتی سے تلوار نہ نکال لیتا تو اس نے مجھے مار ہی ڈالا تھا۔ میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ اس پر حملہ کروں مگر جب دیکھا کہ وہ سر نے مارنے پر تلی ہوئی ہے تو میں احتیاط اور ہوشیاری سے اس کا مقابلہ کرنے لگا۔ اس نے مجھے بہت زچ کیا اور کسی طرح میرے قابو میں نہ آئی۔ آخر میری تلوار کا ایک وار کام کر گیا اور وہ شدید زخمی ہو کر گر پڑی پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔

امیر المومنین! اس بہادر لڑکی کی صورت مجھے عمر بھر نہ بھولے گی۔ آج بھی جب خاک اور خون میں لتھڑا ہوا اس کا جسم مجھے یاد آتا ہے تو میرا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں اس سے بڑھ کر بہادر کسی شخص کو نہیں دیکھا۔

حضرت عمروؓ بن معدی کرب رضی اللہ تعالےٰ عنہ یمن کے مشہور قبیلے مذحج کی ایک شاخ بنی زبید کے چشم و چراغ تھے اور آپ کی کنیت ابو ثور تھی۔ ۱۰ ہجری میں بنو زبید کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا اور بارگاہِ رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ اور دولتِ اسلام سے مالا مال ہوا۔ اس وفد میں حضرت عمروؓ بن معدی کرب بھی شامل تھے۔

سنہ ہجری کے آخر میں یمن کے ایک شخص الاسود العنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور قبیلہ مذحج کو اپنے ساتھ ملا کر اسلامی اقتدار کے خلاف کھلم کھلا علمِ بغاوت بلند کر دیا۔

حضرت عمروؓ بن معدی کرب قبولِ اسلام کے بعد وطن واپس پہنچے تو بدقسمتی سے وہ بھی اسود عنسی کے دامِ تزویر میں گرفتار ہو گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ جس وفد کے ساتھ وہ گئے تھے اس نے قبولِ اسلام کے بعد بہت تھوڑا عرصہ مدینہ منورہ میں قیام کیا تھا۔ اس لیے حضرت عمروؓ بن معدی کرب کو فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہونے کا موقع بہت کم ملا اور اسلام پوری طرح ان کے ذہن میں راسخ نہ ہوا۔

اسود عنسی نے ایک بڑا لشکر جمع کر کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کیے ہوئے عمّالِ یمن کے خلاف لڑائی چھیڑ دی۔ اس سلسلے میں کئی معرکے ہوئے ایسے ہی ایک معرکے میں عمروؓ بن معدی کرب کا سامنا زبید اور نجران کے درمیانی علاقے کے عامل حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص سے ہو گیا۔ حضرت خالدؓ بن سعید کے بازوؤں میں حق کی طاقت تھی۔ انہوں نے عمرو بن معدی کرب کو ان کی شجاعت اور زور آوری کے باوجود ایسا زچ کیا کہ وہ زخمی حالت میں اپنا گھوڑا اور تلوار چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ تاہم اسود عنسی نے ایسا زور باندھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمّال کو اپنے علاقوں سے نکلنا پڑا اور اسود نے نجران اور صنعاء وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ آخر یمن کے ایک مسلمان امیر فیروز دیلمیؓ جن کو شرفِ صحابیت حاصل تھا ایک خفیہ راستے سے اسود عنسی کے گھر میں داخل ہو گئے اور اس کو قتل کر ڈالا۔ یہ واقعہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے پانچ دن پہلے پیش آیا۔ اسود عنسی کے قتل سے اس کے ساتھیوں کے حوصلے پست ہو گئے مگر جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر یمن پہنچی تو عمرو بن معدی کرب اور قیس بن عبد یغوث نے تمام اطرافِ یمن میں فتنہ و فساد برپا کر دیا اور صنعاء پر قبضہ کر لیا۔ حضرت فیروز دیلمیؓ نے ان حالات کی اطلاع خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی تو انہوں نے دوسرے امراء کو لکھا کہ وہ فوراً حضرت فیروزؓ کی مدد کے لیے پہنچیں۔ وہ سب اپنے لشکر لے کر حضرت فیروزؓ کی مدد کے لیے پہنچ گئے اور پھر سب نے مل کر مرتدین پر حملہ کر کے ان کو شکست دی اور صنعاء پر قابض ہو گئے۔ قیس بن عبدِ یغوث اور عمرو بن معدی کرب نے صنعاء سے بھاگ کر پھر ایک بڑا لشکر جمع کر لیا۔ اسی اثناء میں حضرت مہاجرؓ بن ابی امیہ اپنی فوج کے ساتھ یمن پہنچ گئے۔ انہوں نے مرتدین کو شکست دے کر قیس بن عبد یغوث اور عمرو بن معدی کرب کو گرفتار کر لیا اور پھر ان کو پابجولاں خلیفۃ الرسول کے پاس مدینہ منورہ بھیج دیا۔

خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی یہ دلی خواہش ہوتی کہ مرتد پر حد جاری کرنے سے پہلے اس سے توبہ کا مطالبہ ضرور کیا جائے۔ اگر وہ اسلام کی طرف پلٹ آئے تو اس کو معاف کر دیا جائے۔ چنانچہ جب عمرو بن معدی کرب ان کے سامنے پیش کیے گئے تو انہوں نے عمرو کو سخت ملامت کی اور فرمایا: "تم کو شرم نہیں آتی کہ مارا مارا پھرتا ہے اور گرفتاری کی ذلت اٹھاتا ہے اگر دین کی حمایت کرتا تو اللہ تم کو بلند مرتبہ عطا کرتا۔"

عمروؓ بن معدی کرب نے ندامت سے سر جھکا لیا اور عرض کیا:۔

"اے خلیفۃ الرسول! جو ہو چکا سو ہو چکا مجھے معاف فرما دیجئے اب میں توبہ کرتا ہوں، اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور سچے دل سے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی اسلام سے منہ نہ موڑوں گا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو معاف کر دیا اور وہ ایک سچے مسلمان بن کر وطن لوٹے۔ کچھ عرصہ بعد پھر مدینہ منورہ آئے۔ اس وقت روم سے جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمروؓ کو شام کے محاذِ جنگ پر بھیج دیا۔ وہاں انھوں نے کئی معرکوں میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ یرموک کی لڑائی میں قیصر روم نے اپنی پوری طاقت جھونک دی تھی اور رومی لشکر کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد کئی گنا کم تھی۔ یہ اہلِ حق کی قوتِ ایمانی اور حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت ضرارؓ بن الازور، حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل حضرت عمروؓ بن معدی کرب جیسے سرفروشوں کی بہادری اور عزم و استقامت ہی کا نتیجہ تھا کہ رومیوں کو شکستِ فاش ہوئی۔ مالک بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ میں نے جنگِ یرموک میں رومیوں سے مقابلہ کرنے والے ایک مجاہد سے بڑھ کر کسی کو صاحبِ شرف نہیں دیکھا۔ لڑائی میں ایک بھاری بھرکم قوی ہیکل رومی نے اس مجاہد پر حملہ کیا اس نے آناً فاناً اس کافر کو قتل کر ڈالا۔ پھر ایک اور رومی اس کی طرف بڑھا اس نے اس کو بھی جہنم داصل کر دیا۔ پھر جب رومی شکست کھا گئے تو مجاہد نے دور تک ان کا پیچھا کیا اس کے بعد وہ اپنے بڑے خیمے کی طرف واپس آیا اور گھوڑے سے اتر کر بڑے بڑے طشت منگوائے اور اپنے آس پاس کے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی۔ میں نے لوگوں سے پوچھا، یہ کون ہے؟ جواب ملا، یہ عمروؓ بن معدی کرب زبیدی ہیں۔

عراق عرب کے محاذ پر قادسیہ کی ہولناک لڑائی میں انھوں نے عظیم کارنامے سرانجام دیے۔ قادسیہ میں اسلامی فوج کے سپہ سالار حضرت سعدؓ بن ابی وقاص تھے۔ ایرانیوں کی جنگی تیاریوں کی اطلاع پا کر جب حضرت عمر فاروقؓ نے قاصدوں اور نقیبوں کے ذریعے تمام اہلِ عرب کو دعوتِ جہاد دی تو ہر طرف سے قبائلِ عرب کا طوفان امڈ آیا۔ حضرت عمروؓ بن معدی کرب بھی اپنے قبیلے کے بہت سے جانبازوں کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت سعدؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ حضرت سعدؓ کے کوچ کے بعد حضرت عمرؓ ان کی مدد کے لیے فوج کے مزید دستے روانہ کرتے رہے یہاں تک کہ ثعلبہ کے مقام تک پہنچتے پہنچتے ان کے پاس بیس بائیس ہزار فوج جمع ہو گئی۔

دوسری طرف شاہِ ایران یزدگرد نے اپنے نامور جرنیل رستم بن فرخ زاد کو مسلمانوں کے مقابلے پر مامور کیا تھا۔ رستم کے ساتھ ایک لاکھ اسی ہزار فوج اور تین سو جنگی ہاتھی تھے۔ حضرت سعدؓ بن

ابی وقاص نے ایرانیوں کی عسکری قوت اور جنگی تیاریوں کا حال امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کو تفصیل کے ساتھ لکھا اور مدد کی درخواست کی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعدؓ کو لکھا کہ میں نے تمہاری امداد دو ہزار آدمیوں کے ساتھ کی ہے۔ ایک عمروؓ بن معدی کرب اور ایک طلیحہؓ بن خویلد۔

گویا حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک بھی حضرت عمروؓ بن معدی کرب ایک ہزار بہادروں کے برابر تھے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص شراف سے چل کر عذیب ہوتے ہوئے قادسیہ پہنچے اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو تمام حالات کی اطلاع دی تو امیر المؤمنینؓ کی طرف سے انھیں یہ حکم موصول ہوا کہ (جنگ سے پہلے) شاہِ ایران کے پاس چند ذی رائے، بہادر اور وجیہ لوگوں کو سفیر بنا کر بھیجو جو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر شاہِ ایران اس دعوت کو رد کرے گا تو اس کا وبال اسی کی گردن پر پڑے گا۔

امیر المؤمنینؓ کا حکم ملتے ہی حضرت سعدؓ نے چودہ نامور آدمیوں کی ایک سفارت ترتیب دی جو وجاہت، شجاعت، خطابت و سیاست میں مشہور و معروف تھے۔ حضرت عمروؓ بن معدی کرب بھی ان میں شامل تھے۔ اس وفد کی قیادت حضرت نعمانؓ بن مقرن کے سپرد تھی۔

طویل گفتگو کے بعد جب قائدِ وفد نے کہا: اگر اسلام قبول کرلو تو بہتر ورنہ جزیہ یا تلوار ایک چیز تمہیں قبول کرنا ہوگی۔" تو یزدگرد کا پیمانۂ صبر اب لبریز ہو گیا اس نے گرج کر کہا۔

" اگر ایلچیوں کا قتل جائز ہوتا تو آج تم میں سے کوئی بھی زندہ بچ کر نہ جا سکتا۔ اے دوسروں کا ملک لوٹنے والو، تمہیں یہ خاک ملے گی خاک۔" یہ کہہ کر اس نے مٹی کا ایک ٹوکرا منگوایا اور مسلمانوں سے کہا کہ اسے اٹھا کر لے جاؤ!"

حضرت عمروؓ بن معدی کرب نے مٹی اپنی چادر میں ڈال لی۔ پھر سب شاداں و فرحاں وہاں سے گھوڑے اڑاتے اپنی لشکر گاہ میں واپس آئے اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس پہنچ کر انہیں مبارک باد دی کہ اے امیر! دشمن نے خود اپنی زمین کو ہمارے حوالے کر دیا ہے۔ اب ہم انشاء اللہ اس سرزمین ایران پر مزید قابض ہوں گے۔

لڑائی سے پہلے حضرت سعدؓ نے چند مجاہدوں کو دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کے لیے بھیجا۔ ان مجاہدوں میں حضرت عمروؓ بن معدی کرب بھی شامل تھے۔ وہ دشمن کے ہراول دستے کی ٹوہ لے کر

واپس آئے۔

دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئیں۔ ایک طرف رستم اور دوسرے ایرانی امراء اپنے لشکر کا جذبۂ قومی ابھار رہے تھے اور دوسری طرف عرب کے مشہور شعراء اور خطیب تمام لشکرِ اسلام میں پھیل گئے ــــ اور اپنی رجز خوانی اور پُر جوش خطبوں سے مجاہدین میں ہیجان برپا کر دیا۔ ان میں حضرت عمروؓ بن معدی کرب، حطیئہ، عاصمؓ بن عمرو، شماخ، طلیحہ بن خویلد اسدی، قیس بن ہبیرہ وغیرہ پیش پیش تھے۔

لڑائی کا آغاز اس طرح ہوا کہ ایک ایرانی قدر انداز دیبا کی قبا پہنے، سنہری کمر بند لگائے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے میدان میں نکلا اور مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ اس کے مقابلے کے لیے حضرت عمروؓ بن معدی کرب نکلے۔ اس نے تیر کمان میں جوڑا اور تاک کر ان کو مارا مگر وہ بال بال بچ گئے۔ اب وہ اپنا گھوڑا اڑاتے ہوئے ایرانی قدر انداز کے قریب پہنچ گئے اور پلک جھپکتے میں کمر بند میں ہاتھ ڈال کر اس کو اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ پھر تلوار سے اس کا سر کاٹ کر ایرانی لشکر کی طرف پھینک دیا اور اپنی فوج کی طرف منہ کر کے کہا کہ یوں لڑا کرتے ہیں۔ لشکرِ اسلام سے نعرہ ہائے تحسین بلند ہوئے اور لوگوں نے کہا: "ہر شخص عمرو بن معدی کرب کیونکر ہو سکتا ہے۔"

جنگِ قادسیہ کے موقع پر حضرت عمرو بن معدی کرب مسلمانوں کی صفوں میں چکر لگا رہے تھے اور ان سے کہہ رہے تھے: "اے مجاہدو! تم لوگ تُند شیر بن جاؤ۔ اس لیے کہ سوار جب اپنا نیزہ ڈال دیتا ہے تو نا اُمید ہو جاتا ہے۔" اتنے میں ایک عجمی سردار نے ان کو تیر مارا۔ جو ان کی کمان کے کونے میں لگا۔ اس پر حضرت عمروؓ بن معدی کرب برق رفتاری سے اس کی طرف بڑھے اور ایسا نیزہ مارا کہ اس کی پیٹھ سے پار نکل گیا پھر وہ گھوڑے سے اترے اور اس کا سامان لے لیا۔

جانبین کے بہادروں کے درمیان تین چار مقابلوں کے بعد عام لڑائی شروع ہوئی جو رات کا اندھیرا پھیلنے تک جاری رہی۔ دوسرے دن بھی صبح سے شام تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی حضرت عمروؓ بن معدی کرب نے ان دو دنوں میں بے شمار ایرانیوں کو قتل کیا۔ تیسرے دن ایرانیوں نے غضب ناک ہو کر اپنے جنگی ہاتھیوں کو مسلمانوں کی طرف بڑھایا۔ ہاتھیوں کے دائیں بائیں ایرانی فوج کی پیدل صفیں تھیں۔ حضرت عمروؓ بن معدی کرب نے مسلمانوں کو خطرے میں دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں مقابل کے ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا ورنہ عمروؓ بن معدی کرب مارا گیا تو پھر عمروؓ بن معدی کرب پیدا نہ ہو گا۔ یہ کہہ کر وہ تلوار سونت کر سامنے کے ہاتھی پر حملہ آور ہوئے مگر ایرانیوں

کی پیدل صفیں ان پر ٹوٹ پڑیں اور اس قدر گرد اُڑی کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ان کے ساتھی مجاہدین نے پوری قوّت سے ایرانیوں پر حملہ کیا اور سخت معرکے کے بعد ان کو پیچھے دھکیل دیا۔ اس وقت حضرت عمروؓ بن معدی کرب کا یہ حال تھا کہ سارا جسم خاک سے اٹا ہوا تھا اور بدن پر برچھیوں کے بے شمار زخم تھے مگر برابر تلوار چلائے جا رہے تھے۔ اتنے میں ایک ایرانی سوار برابر سے نکلا۔ انھوں نے اس کے گھوڑے کی دُم پکڑ لی۔ اس نے گھوڑے کو بار بار مہمیز کیا مگر اللہ رے حضرت عمروؓ کی شہزوری کہ گھوڑا اپنی جگہ سے نہ ہل سکا آخر ایرانی گھوڑے کو چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ اسی اثنا میں مشہور بہادر حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی کچھ دوسرے مجاہدوں کے ساتھ آ پہنچے۔ انھوں نے ہاتھیوں پر اس انداز سے کیا حملہ کیا کہ وہ زخمی ہو کر پیچھے کی طرف بھاگ نکلے۔

تیسرے دن فریقین نے تہیہ کر لیا تھا کہ آج لڑائی کا کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو کر رہے گا۔ چنانچہ لڑائی رات کو بھی جاری رہی۔ آخر مسلمانوں نے محسوس کیا کہ جب تک رستم میدان میں موجود ہے ایرانی لڑتے رہیں گے، اس لیے لڑائی ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ رستم کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی چند نامور بہادروں کو ساتھ لے کر رستم کی طرف بڑھے جو ایک سنہری سائبان کے نیچے سونے کے جواہر نگار تخت پر بیٹھا اپنی فوج کو لڑا رہا تھا۔ ساتھ ہی حضرت عمروؓ بن معدی کرب، حضرت اشعثؓ بن قیس اور ابنِ ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے ساتھیوں کو للکارا کہ دیکھو یہ لوگ اللہ کی راہ میں تم سے آگے نہ بڑھنے پائیں۔ ان کو دیکھ کر دوسرے قبیلوں کو بھی جوش آ گیا اور سب نے مل کر ایرانیوں پر اس زور کا حملہ کیا کہ ان کے قدم لڑکھڑا گئے۔ مسلمانوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تیر و کمان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں۔ ایرانیوں نے پُر زور مزاحمت کی مگر مسلمان ان کو دباتے دباتے رستم کے قریب پہنچ گئے۔ اس نے مسلمانوں کو اپنے سر پر دیکھا تو تخت سے کود پڑا اور مسلمانوں سے لڑنے لگا۔ اس پر حضرت عمروؓ بن معدی کرب، طلیحہ اور قرط تین مجاہدوں نے اس پر حملہ کیا اور ان میں سے کسی ایک کی تلوار نے اس کا کام تمام کر دیا۔

ایرانیوں نے اپنے سپہ سالار کا یہ حشر دیکھا تو ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے دُور تک ان کا تعاقب کیا اور بے شمار لاشیں میدان میں بچھا دیں۔

قادسیہ کی عظیم فتح نے تختِ کسریٰ کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں مگر ابھی دارالحکومت مدائن کو فتح کرنا باقی تھا۔ حضرت سعدؓ کچھ عرصہ قادسیہ میں آرام کرنے کے بعد مدائن کی طرف روانہ ہوئے اور برس، بابل، کوثی اور بہرشیر کو فتح کرتے ہوئے دریائے دجلہ کو عبور کر کے مدائن میں جا داخل ہوئے۔ ان کی

پیشقدمی کی اطلاع سُن کر یزدگرد بہت سا خزانہ سمیٹ کر پہلے ہی مدائن سے حلوان کی طرف بھاگ گیا۔ ان فتوحات میں حضرت عمروؓ بن معدی کرب بھی شریک تھے۔

جلیل القدر صحابی حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ

"قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہم نے قادسیہ کے مجاہدین میں سے کسی ایک کو بھی ایسا نہ پایا جس نے آخرت کے ساتھ دنیا کی خواہش بھی کی ہو۔ ہم کو تین شخصوں پر دنیا طلبی کا گمان تھا مگر (تحقیقات کے بعد) ان کی امانت اور زہد کی مثال بھی ہم نے نہیں دیکھی، وہ تین شخص ہیں عمرو بن معدی کرب طلیحہ اور قیس بن کمشوح۔"

حضرت عمروؓ بن معدی کرب کو زندگی کا جو آخری شرف حاصل ہوا وہ ان کا جنگِ نہاوند (۲۱ ہجری) میں شریک ہونا تھا ــــ اور اسی جنگ میں رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

امیر المؤمنینؓ نے اس مہم کا قائد حضرت نعمان بن مقرن کو مقرر کیا اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ اگر انھیں کوئی حادثہ آجائے تو حذیفہؓ بن الیمانؓ ان کی جگہ سپہ سالار ہوں گے۔ امیرالمؤمنین کے فرمان کے مطابق کوفہ سے جو فوج روانہ ہوئی اس کی تعداد تیس ہزار تھی اور اس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت قعقاعؓ بن عمرو، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی، حضرت عمروؓ بن معدی کرب اور طلیحہ بن خویلد جیسے آزمودہ کار اور صاحبِ تدبیر شجاعانِ عرب شامل تھے۔ جس وقت حضرت نعمانؓ بن مقرن کو مہم نہاوند کا قائد مقرر کیا گیا وہ کوفہ میں مقیم تھے لہٰذا وہیں سے وہ تیس ہزار کی جمعیت لے کر روانہ ہوئے۔

طرزحلوان سے نہاوند اندازاً سو میل دُور تھا۔ حضرت نعمانؓ نے اسی جگہ سے حضرت عمروؓ بن معدی کرب، طلیحہ بن خویلد اور عمرو بن سلمی کی سرکردگی میں گشتی دستے ایرانی لشکر کے حالات اور گردوپیش کا جغرافیہ معلوم کرنے کے لیے بھیجے۔ اسی مقام پر حضرت نعمانؓ کو امیرالمؤمنینؓ کی طرف سے ذیل کا مراسلہ موصول ہوا۔ لکھا تھا۔

"تمہارے لشکر میں دو نامور عرب بہادر ہیں، عمرو بن معدی کرب اور طلیحہ بن خویلد۔ انہیں فوج میں حاضر رکھو، ان کی تادیب کرو اور جنگی امور میں ان سے مشورہ لو۔ انہیں گشتی دستوں میں بھیجو لیکن انہیں کوئی عہدہ نہ دو اور جب جنگ ختم ہو جائے تو ان کا مرتبہ گھٹا کر وہی کردو جس پر وہ تھے۔"

حضرت نعمانؓ چند دن کے بعد طرز سے روانہ ہوئے اور منزل بہ منزل چلتے ہوئے کسی مزاحمت

کے بغیر نہاوند کے قریب پہنچ گئے۔ ایرانیوں نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کی بجائے قلعہ بند ہو کر لڑنا مناسب سمجھا۔ وہ جب بھی موقع پاتے، شہر سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے۔ مسلمانوں نے ایک دن ایسی تدبیر کی کہ سارا ایرانی لشکر شہر سے باہر آگیا اور فریقین میں گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ حضرت نعمانؓ زخم پر زخم کھاتے دشمن کے قلب لشکر کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ان کا گھوڑا پھسل کر گرا اور وہ بھی زمین پر آرہے۔ ایسی حالت میں انہوں نے مجاہدین کو ہدایت کی کہ مجھے سنبھالنے کی ضرورت نہیں آگے دشمنوں پر بڑھو۔ ان کی بجائے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے علم سنبھالا اور دشمن پر ٹوٹ پڑے مگر ایرانی مسلمانوں پر سخت دباؤ ڈال رہے تھے اس نازک گھڑی میں حضرت عمروؓ بن معدی کرب اور طلیحہؓ بن خویلد اس شان سے لڑے کہ دشمن کا منہ پھر گیا۔ طلیحہؓ تو مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہوگئے اور عمروؓ بن معدی کرب زخموں سے چور چور ہوگئے تاہم مجاہدین کے تابڑ توڑ حملوں نے ایرانیوں کی کمر توڑ دی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس وقت ایک مجاہد حضرت نعمانؓ کے سرہانے گیا، اس وقت وہ نزع کے عالم میں تھے۔ نحیف آواز میں پوچھا، لڑائی کا کیا انجام ہوا؟ اس نے کہا، اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ فرمایا، اللہ کا شکر ہے امیرالمومنینؓ کو فوراً اپنی فتح کی اطلاع دو۔ یہ کہہ کر انھوں نے آخری ہچکی لی اور خلدِ بریں کو سدھار گئے۔ ادھر حضرت عمروؓ بن معدی کرب کو زخموں نے حرکت کے قابل نہ رکھا تھا۔ انہیں میدان جنگ سے اٹھا کر لایا گیا اور علاج شروع کیا گیا مگر روذہ نامی ایک قریہ میں ان کا وقتِ آخر آپہنچا اور وہ تاجِ شہادت پہن کر اللہ کے حضور چلے گئے۔

قیدیوں سے برتاؤ

جنگ بدر میں اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ کافروں کے ستر آدمی مارے گئے۔ ان میں اُن کے بڑے بڑے سردار بھی شامل تھے۔ ابوجہل، عتبہ اور شیبہ جیسے اسلام کے دشمن مجاہدوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ کافروں کے ستر آدمی قید کر لیے گئے۔

جب رسول اللہؐ مدینے واپس تشریف لائے تو آپ نے تمام قیدیوں کو صحابہؓ میں تقسیم کر دیا اور اُنھیں ہدایت کی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ صحابہؓ نے حضورؐ کے اس حکم پر پوری طرح عمل کیا۔

اصحابی کالنجوم
میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (الحدیث)

حضرت القعقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے کہ قعقاعؓ کی آواز لشکر میں ہزاروں آدمیوں سے افضل ہے اور جس فوج میں وہ موجود ہوں اس کو کبھی شکست نہیں ہو سکتی۔

حضرت قعقاعؓ عرب کے مشہور قبیلے "بنو تمیم" کے چشم و چراغ تھے اور اپنے قبیلے کے نامور بہادروں اور شاعروں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے قبولِ اسلام اور شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہونے کے زمانہ کی تصریح نہیں ملتی البتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اواخرِ عہدِ رسالتؐ میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئے تھے کیونکہ بنو تمیم کا وفد ۹ ہجری میں بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوا اور اس کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد ہی بنو تمیم میں اسلام پھیلا۔ ایمان اور صحابیت کا شرف حاصل کرنے کے بعد حضرت قعقاعؓ اسلام کے نہایت قوی دست و بازو ثابت ہوئے اور اپنی شجاعت و شہامت، سخت کوشی اور بے خوفی کے بہت سے محیر العقول نقوش صفحۂ تاریخ میں ثبت کئے۔

عہدِ رسالتؐ میں حضرت قعقاعؓ کو کوئی کارنامہ دکھانے کا موقع نہ مل سکا۔ ان کے ولولہ انگیز کارناموں کا آغاز عہدِ صدیقی سے ہوتا ہے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ۱۱ ہجری میں انہیں حضرت خالدؓ بن ولید کے ساتھ طلیحہ بن خویلد اسدی کی سرکوبی کے لئے بزاخہ بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے بزاخہ پہنچ کر طلیحہ کو عبرتناک شکست دی۔ اس نے اپنی بیوی کو ساتھ لے کر راہِ فرار اختیار کی اور بنو کلب میں

جاکر پناہ لی۔ بعد میں طلیحہ نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا اور ایرانیوں کے خلاف مختلف لڑائیوں میں سرفروشانہ حصہ لے کر اپنی لغزش کی تلافی کر دی۔ حضرت قعقاعؓ جنگ بزاخہ میں حضرت خالدؓ کے پہلو بہ پہلو اس بے جگری سے لڑے کہ طلیحہ اور عُیینہ بن حصن فزاری جیسے آزمودہ کار جنگجو بھی جی ہار بیٹھے اور پیٹھ دکھا کر اپنی جان بچائی۔

جب فتنۂ ارتداد کا استیصال ہو گیا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سب سے پہلے عراق عرب کی طرف توجہ کی جہاں حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی ایرانیوں سے برسرِ پیکار تھے اور مرکز سے کمک کے خواہاں تھے۔ اس وقت حضرت خالدؓ بن ولید مسیلمہ کذاب کی سرکوبی سے فارغ ہو کر وادیٔ الوبر میں خیمہ زن تھے اور دربارِ خلافت سے مزید احکام کے منتظر تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں حکم بھیجا کہ وہ اپنے لشکر کو لے کر زیریں عراق پہنچیں اور اُبلہ کی سرحد سے یلغار شروع کریں۔ حضرت خالدؓ نے خلیفۃ الرسولؐ کے حکم کی تعمیل میں فوراً عراق عرب کا رُخ کیا لیکن ان کے لشکر کی تعداد بہت کم تھی کیونکہ ایک تو اس کا بہت سا حصہ جنگ یمامہ میں کام آ چکا تھا۔ دوسرے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ کسی ایسے شخص کو ان کی اجازت کے بغیر ساتھ نہ لیں جس نے فتنۂ ارتداد میں حصہ لیا ہو نیز کسی شخص پر جہاد کے سلسلے میں سختی نہ کی جائے اور صرف ان لوگوں کو فوج میں شامل کیا جائے جو بخوشی عراق جانے پر آمادہ ہوں۔ اس ہدایت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں نے پیچھے رہنے کو ترجیح دی کیونکہ وہ کئی ماہ تک مرتدین سے لڑ لڑ کر تھک چکے تھے۔

عازمِ عراق ہوتے وقت حضرت خالدؓ کی فوج صرف دو ہزار مجاہدین پر مشتمل تھی۔ اس لئے انہوں نے بنظرِ احتیاط حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں مزید کمک بھیجنے کے لئے لکھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حضرت خالدؓ کا خط ملا تو انہوں نے صرف حضرت قعقاعؓ بن عمرو کو ان کی اعانت کے لئے روانہ فرمایا۔ لوگوں کو بڑا تعجب ہوا اور خلیفۃ الرسولؐ کی خدمت میں عرض کی :

"آپ خالدؓ کی مدد کے لئے صرف ایک شخص کو روانہ کر رہے ہیں حالانکہ لشکر کا بیشتر حصہ اب اُن سے الگ ہو چکا ہے "!

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جواب دیا :

"جس فوج میں قعقاعؓ جیسا شخص شامل ہو وہ کبھی شکست نہیں کھا سکتی"۔

پھر بھی حضرت قعقاعؓ کے ہاتھ انہوں نے حضرت خالدؓ کو ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ وہ ان لوگوں کو اپنے لشکر میں شامل ہونے پر آمادہ کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ثابت قدمی سے اسلام پر قائم رہے اور فتنۂ ارتداد کے استیصال میں حصہ لیا۔ یہ خط موصول ہونے پر حضرت خالدؓ نے

راستے میں قبائل مفر و ربیعہ کے آٹھ ہزار مجاہدین اپنے لشکر میں شامل کر لئے اور یوں دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ عراق کی سرحد پر پہنچ گئے۔ جہاں حضرت مثنیٰ بن حارثہ آٹھ ہزار مجاہدین کے ساتھ کمک کا انتظار کر رہے تھے۔ اس طرح اسلامی لشکر کی کل تعداد مل ملا کر اٹھارہ ہزار ہو گئی۔ اور اس سارے لشکر کی قیادت حضرت خالدؓ نے سنبھال لی۔ زیریں عراق پر یلغار کرنے سے پہلے حضرت خالدؓ نے وہاں کے ایرانی گورنر ہرمز کو خط لکھا کہ یا تو اسلام قبول کر لو اور ہمارے بھائی بن جاؤ یا جزیہ دو اور ہماری پناہ میں آجاؤ اگر ان میں سے کوئی بات بھی منظور نہیں تو پھر تم خود ذمہ دار ہو، میں ایک ایسی قوم اپنے ساتھ لایا ہوں جس کو موت اتنی ہی پیاری ہے جتنی تم کو زندگی۔

ہرمز کو حضرت خالدؓ کا خط ملا تو اس نے اس کا جواب خندۂ استہزا سے دیا اور تمام حالات کسریٰ کو لکھ بھیجے وہاں سے حکم موصول ہوا کہ حملہ آوروں کو کسی صورت میں آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ یہ حکم ملتے ہی وہ ایک جرار لشکر لے کر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا۔ شہر کاظمہ کے قریب حضیر کے مقام پر دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہرمز نے آگے بڑھ کر حضرت خالدؓ کو دعوتِ مبارزت دی۔ ہرمز فی الواقع ایک مکار اور بدفطرت شخص تھا۔ حضرت خالدؓ کو دعوت مبارزت دینے سے اس کی غرض یہ تھی کہ جب وہ اپنی صفوں سے باہر نکلیں تو انہیں نرغے میں لے کر شدید زخمی کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اُس نے چند سواروں کو اس کام پر معمور کر دیا تھا کہ جونہی وہ خالدؓ کو آتا دیکھیں، ان پر جھپٹ پڑیں اور کام تمام کر دیں، چنانچہ جب حضرت خالدؓ ہرمز کے مقابلے کے لئے آگے بڑھے تو یہ ایرانی سوار بھی ان پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ حضرت قعقاعؓ بڑے غور سے دشمن کی حرکات و سکنات کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ایرانی سواروں کو کمین گاہ سے نکلتے دیکھا تو ہرمز کی چال سمجھ گئے۔ فوراً اپنے دستے کے ساتھ اُدھر کا رُخ کیا اور انہیں تلواروں کی باڑ پر رکھ لیا اُدھر حضرت خالدؓ نے ہرمز کا کمر بند پکڑ کر اسے زمین پر گرا دیا اور پھر اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ہرمز کے قتل سے ایرانیوں میں سخت اشتعال پیدا ہوا۔ اور انہوں نے بڑے زور شور سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ ان کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ بہت سے دستوں نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ آہنی زنجیروں سے جکڑ رکھا تھا تاکہ کوئی شخص میدانِ جنگ سے بھاگ نہ سکے۔ ایرانیوں کا حملہ اتنا تند و تیز تھا کہ اگر حضرت خالدؓ اور حضرت قعقاعؓ اپنے لشکر کو سنبھال نہ لیتے تو شاید ان کی صفیں ٹوٹ جاتیں۔ اب مسلمانوں نے سنبھل کر ایسا شدید جوابی حملہ کیا کہ دشمن کے بڑھتے ہوئے قدم رُک گئے اور دو بدو دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ زنجیر بستہ ایرانی دستوں نے بڑی پامردی دکھائی اور مسلمانوں کے آگے آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت قعقاعؓ کا جوشِ ایمان ان کو کیا خاطر میں لاتا وہ

ان پر قہر خدا بن کر ٹوٹ پڑے اور آناً فاناً ان کے پرخچے اڑا کر رکھ دیتے اس کے ساتھ ہی ایرانیوں پر ہزیمت کے آثار نمودار ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ان کا میمنہ اور میسرہ (دایاں اور بایاں بازو) بالکل برباد ہو گیا۔ باقی لشکر بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑا ہوا۔

اس لڑائی میں بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ایرانیوں نے جن زنجیروں سے اپنے آپ کو جکڑ رکھا تھا۔ وہ میدان جنگ سے جمع کی گئیں تو ان کا وزن تقریباً ساڑھے سات من نکلا۔ ان زنجیروں کی نسبت سے اس لڑائی کو "ذات السلاسل" بھی کہا جاتا ہے۔

جنگ حفیر (ذات السلاسل) کے بعد مذار، ولجہ (کسکر) الیس اور امغیشیا کے معرکے پیش آتے۔ ان معرکوں میں ایرانیوں نے جان توڑ کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن حضرت خالدؓ بن ولید نے حضرت قعقاعؓ، حضرت ضرارؓ بن الازور حضرت مثنیؓ بن حارثہ اور دوسرے جانبازوں کی مدد سے ہر معرکے میں دشمن کو عبرتناک شکست دی اور آگے بڑھ کر حیرہ کا محاصرہ کر لیا۔ اہل حیرہ زیادہ عرصہ تک محصوری کی سختیاں نہ سہہ سکے اور ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ خراج پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ اس صلح کے بعد حیرہ کے نواحی علاقوں کے باشندوں نے بھی مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ حیرہ اور اس کے ملحقات کی تسخیر کے بعد حضرت خالدؓ نے حیرہ کو مسلمانوں کا فوجی مستقر اور مفتوحہ علاقے کا دارالحکومت بنایا اس کے ساتھ ہی انہوں نے حضرت قعقاعؓ، ضرارؓ بن الازور، مثنیٰؓ بن حارثہ، بسرؓ بن ابی اہم، ضرارؓ بن خطاب عتیبہؓ بن نہاس کو سرحدوں کی حفاظت پر مقرر کیا اور انہیں حکم دیا کہ دشمن پر برابر یورش کرتے رہو اور انہیں چین نہ لینے دو۔ چنانچہ ان اصحابؓ نے اپنی سرحد سے آگے دجلہ کے کنارے تک سارا علاقہ دشمن سے چھین لیا۔ چند دن بعد حضرت خالدؓ کو اطلاع ملی کہ ایرانی انبار اور عین التمر میں جمع ہو کر لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں۔ حضرت خالدؓ نے حضرت قعقاعؓ کو حیرہ کی حفاظت کے لئے چھوڑا اور خود آگے بڑھ کر پہلے انبار کو مسخر کیا اور پھر عین التمر میں جمع ایرانیوں کو جا گھیرا۔ انہوں نے بھی جلد ہی ہتھیار پھینک دیئے اور اطاعت قبول کر لی۔ عین التمر کی فتح کے بعد حضرت خالدؓ حضرت عیاضؓ بن غنم کی مدد کے لئے روانہ ہوتے جنہوں نے اس وقت شام کے شہر دومتہ الجندل کا محاصرہ کر رکھا تھا اور حضرت خالدؓ سے مدد مانگ بھیجی تھی۔ حضرت خالدؓ بسرعت تمام دومتہ الجندل پہنچے اور چند دن کے اندر اندر شہر کو مسخر کر لیا۔ ادھر ایرانیوں کو حضرت خالدؓ کے عراق چھوڑنے کا علم ہوا تو ان کی باسی کڑھی میں پھر ابال آیا اور دو ایرانی سرداروں زرمہر اور روزبہ نے فوجیں جمع کر کے خصید اور خنافس پر چڑھائی کر دی۔ حضرت زبرقانؓ بن بدر حاکم انبار کو ان کی پیشقدمی کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت قعقاعؓ سے (جو حیرہ میں حضرت خالدؓ کی نیابت کر رہے تھے) امداد کی درخواست کی۔ حضرت قعقاعؓ نے اعبد بن فدکی

الہ ھدی کو حصید کی طرف اور عروہ بن جعد البارقی کو خنافس کی طرف روانہ کیا کہ ایرانیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیں۔ یہ دونوں سردار ریف کے مقام پر ٹھہرے جہاں زرمہر اور روزبہ بنو ربیعہ کا انتظار کر رہے تھے جو ان سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا عہد و پیمان کر چکے تھے اسی اثناء میں حضرت خالدؓ بن ولید حضرت عیاضؓ بن غنم کو ساتھ لے کر واپس حیرہ پہنچ گئے۔ یہاں انہیں امرؤالقیس کلبی کا خط ملا کہ ہذیل بن عمران نے مصیخ میں اور ربیعہ بن بشر نے ثنی اور بشر میں زرمہر اور روزبہ کی مدد کے لئے فوجیں جمع کی ہیں اور جلد ہی امدادی فوجوں کے ساتھ ان کے پاس پہنچ رہے تھے۔ حضرت خالدؓ نے یہ خط ملتے ہی حضرت قعقاعؓ اور ابولیلیٰؓ کو روزبہ اور زرمہر کے مقابلے کے لئے روانہ کیا اور پھر حیرہ میں حضرت عیاضؓ کو چھوڑ کر خود بھی ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ حضرت قعقاعؓ اور ابولیلیٰؓ عین التمر پہنچے تو حضرت خالدؓ بھی ان سے آملے وہاں سے انہوں نے حضرت قعقاعؓ کو امیر بنا کر حصید کی جانب اور ابولیلیٰؓ کو خنافس کی طرف روانہ کیا۔ اس وقت روزبہ حصید میں تھا اور زرمہر خنافس میں روزبہ کو حضرت قعقاعؓ کی پیشقدمی کی اطلاع ملی تو اس نے زرمہر سے امداد طلب کی۔ زرمہر نے خنافس میں مہبوذان کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود اپنے لشکر کے ساتھ روزبہ کی مدد کے لئے حصید پہنچ گیا۔ حضرت قعقاعؓ حصید پہنچے تو روزبہ اور زرمہر کے متحدہ لشکر نے ان کا زبردست مقابلہ کیا لیکن حضرت قعقاعؓ کی قیادت میں مسلمانوں نے ایرانیوں پر تابڑ توڑ ایسی ضربیں لگائیں کہ ان کی ہمت جواب دے گئی۔ حضرت قعقاعؓ دشمن کی صفیں اُلٹتے زرمہر تک پہنچ گئے اور اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے اسے ڈھیر کر دیا۔ دوسری طرف ایک مجاہد عصمہؓ بن عبداللہ الضبی نے روزبہ کو قتل کر دیا۔ ان دونوں سرداروں کے قتل کے ساتھ ہی ایرانی بھاگ نکلے اور خنافس میں جا کر پناہ لی۔ حضرت ابولیلیٰؓ خنافس پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ مہبوذان اپنے لشکر سمیت مصیخ چلا گیا، چنانچہ انہوں نے کسی مزاحمت کے بغیر خنافس پر قبضہ کر لیا۔ اب حضرت خالدؓ نے حضرت قعقاعؓ، ابولیلیٰؓ، اعبدؓ اور عروہؓ کو مصیخ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا اور خود بھی ادھر کا رُخ کیا یہ پہلے ہی سے طے کر لیا گیا تھا کہ تمام فوج اور قائدین کو کس رات اور کس وقت مصیخ کے قریب ایک خاص مقام پر جمع ہونا ہے، چنانچہ سب مجاہدین معینہ وقت پر مقررہ جگہ پر پہنچ گئے اور سارے متحدہ لشکر نے مصیخ میں مقیم ایرانی جنگ آزماؤں اور ان کے عرب حلیفوں پر شب خون مار کر سب کو تہس نہس کر دیا۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالدؓ نے بنو تغلب کی طرف توجہ کی جو عرب ہونے کے باوجود کئی بار ایرانیوں سے مل کر مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپنے کی کوشش کر چکے تھے۔ انہوں نے حضرت قعقاعؓ اور ابولیلیٰؓ کو بنو تغلب کی بستیوں ثنی و بشر پر یلغار کرنے کا حکم دیا جہاں ربیعہ بن بجیر تغلبی اپنی فوج کے ساتھ موجود تھا۔ قعقاعؓ اور ابولیلیٰؓ کے پیچھے حضرت خالدؓ بھی روانہ ہو گئے۔ اس حملے میں بھی وہی

طریق کار اختیار کیا گیا جو مصیخ پر حملے کے وقت اختیار کیا گیا تھا۔ اس طرح ثنی کا کوئی مرد بھی بچ کر نہ نکل سکا اور عورتیں گرفتار کر لی گئیں اس کے بعد البشر کی باری آئی وہاں بھی تغلبیوں کا ایک جتھا موجود تھا۔ حضرت خالدؓ اسے صاف کرتے ہوئے رضاب کی طرف بڑھے وہاں کے حاکم بلال بن عقبہ کو مقابلے کی ہمت نہ پڑی اور وہ شہر سے بھاگ گیا اس طرح مسلمانوں نے کسی مزاحمت کے بغیر رضاب پر بھی قبضہ کر لیا۔

رضاب کی تسخیر کے بعد حضرت خالدؓ، قعقاعؓ، مثنیٰؓ، ابولیلیٰؓ اور دوسرے جانبازوں کے ساتھ فراض کی طرف بڑھے۔ یہ جنگی نقطۂ نگاہ سے بڑا اہم مقام تھا کیونکہ یہاں شام، عراق اور الجزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں۔ اسلامی فوجیں فراض میں اکٹھی ہوئیں تو ان کے مقابلے میں ایرانی، رومی اور تغلب، ایاد و نمر کے عربی النسل قبائل سب متحد ہو گئے اور دریائے فرات کو عبور کر کے بڑے زور شور سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے۔ مسلمانوں نے نہایت پامردی سے مقابلہ کیا۔ حضرت خالدؓ، حضرت قعقاعؓ اور دوسرے سرداروں نے اپنے اپنے دستوں کے ساتھ دشمنوں کے متحد لشکر کو لوہے کے چنے چبوا دیے۔ اور وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔ حضرت خالدؓ نے للکار کر کہا، مسلمانو! ان کو گھیر لو اور کسی کو بچ کر نہ جانے دو، حضرت خالدؓ کی للکار سے مسلمانوں کے حوصلے دوچند ہو گئے اور انہوں نے آناً فاناً دشمن کے لشکر کو گھیر کر فنا کے گھاٹ اُتار دیا۔ فتح کے بعد حضرت خالدؓ نے فراض میں دس روز قیام کیا، اور پھر اپنی فوج کے ساتھ حیرہ واپس آ گئے۔

جس زمانے میں حضرت خالدؓ عراقِ عرب میں ایرانیوں سے برسرِ پیکار تھے، شام کی رومی سلطنت سے بھی معرکہ آرائیوں کا آغاز ہو چکا تھا اور تین چار اسلامی لشکر شام کے مختلف مقامات کی طرف پیشقدمی کر رہے تھے۔ رومی قدم قدم پر مزاحم ہو رہے تھے اور مسلمانوں کو آگے بڑھنے میں مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت خالدؓ کو حکم بھیجا کہ وہ فوراً عراق سے شام جا کر اسلامی فوجوں سے مل جائیں۔ یہ حکم ملتے ہی حضرت خالدؓ نے حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ کو عراقِ عرب کا انتظام سپرد کیا، اور خود ایک مضبوط دستۂ فوج کے ساتھ شام روانہ ہو گئے۔ حضرت قعقاعؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ حدودِ شام میں داخل ہو کر انہیں سوی، تدمر، قصم اور مرج راہط وغیرہ کئی مقامات پر رومی جھگڑوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت قعقاعؓ نے ہر معرکے میں حضرت خالدؓ کے دوش بدوش دادِ شجاعت دی اور رومیوں کو شکستوں پر شکستیں دیتے بصریٰ پہنچ گئے۔ بصریٰ کا بطریق ایک ہی جھڑپ میں ہمت ہار بیٹھا اور جزیہ دینا منظور کر کے مسلمانوں سے صلح کر لی۔ بصریٰ سے حضرت خالدؓ، قعقاعؓ کے ساتھ حضرت عمروؓ بن العاص کی مدد کے لئے اجنادین پہنچے جہاں ایک

بہت بڑا رومی لشکر حضرت عمروؓ بن العاص کے مقابل خیمہ زن تھا۔ دونوں فوجوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ ان کے تین ہزار آدمی مارے گئے اور باقی نے بھاگ کر ایلیا، قیساریہ، حمص اور دمشق وغیرہ میں پناہ لی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے آگے بڑھ کر دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ دو مہینے دس روز اور ایک دوسری روایت کے مطابق چھ مہینے تک جاری رہا اس دوران میں اہلِ دمشق نے نہ اطاعت قبول کی اور نہ ان کی باہر نکل کر مقابلہ کی جرأت ہوئی البتہ وہ فصیل کے اوپر سے مسلمانوں پر تیر اور پتھر برساتے رہتے تھے۔ ایک روز شب کے وقت حضرت خالدؓ کو اطلاع ملی کہ دمشق کے بطریق کے گھر لڑکا پیدا ہوا تھا اور آج اس نے اہل شہر کو دعوت دی تھی۔ انہوں نے خوب شراب پی ہے اور شام ہی سے مدہوش پڑے ہیں۔ یہ اطلاع ملتے ہی حضرت خالدؓ اپنی خاص فوج کے ساتھ شہر پناہ کی طرف بڑھے۔ شہر پناہ سے نیچے پانی سے بھری ہوئی خندق تھی۔ حضرت خالدؓ اور ان کے چند جانباز ساتھیوں نے اسے مشک کے ذریعے پار کیا۔ ان میں حضرت قعقاعؓ بھی تھے۔ حضرت خالدؓ نے انہیں ایک اور مجاہد قدعورؓ بن عدی کے ساتھ کمند کے ذریعے شہر پناہ پر چڑھا دیا۔ انہوں نے کمند کو کنگرے سے خوب مضبوط باندھ کر رسی کی سیڑھی نیچے لٹکا دی۔ حضرت خالدؓ چند مجاہدوں کے ساتھ فصیل پر چڑھ گئے اور پھر شہر کے اندر اُتر کر پہریداروں کو قتل کر کے دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی انہوں نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ نعرۂ تکبیر سنتے ہی حضرت خالدؓ کی فوج جو باہر منتظر کھڑی تھی شہر میں داخل ہو گئی۔ رومیوں نے کچھ دیر مقابلہ کیا لیکن پھر ہتھیار پھینک دیئے اور باب جابیہ پر حضرت ابوعبیدہؓ سے مصالحت کر کے انہیں اندر بلا لیا۔ وسطِ شہر میں حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت خالدؓ کی ملاقات ہوئی چونکہ حضرت ابوعبیدہؓ صلح منظور فرما چکے تھے۔ اس لئے حضرت خالدؓ نے بھی تلوار نیام میں کر لی۔

فتح دمشق کے بعد بعلبک، فحل، مرج الروم، حمص اور لاذقیہ کے معرکے پیش آئے ان سب میں رومیوں نے بری طرح شکست کھائی۔ قیصر روم نے ان شکستوں کی خبر سنی تو اس کو سخت غیرت آئی اور اس نے تہیہ کر لیا کہ سلطنت کا پورا زور صرف کر کے عربوں کو شام سے نکال دے گا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے اس نے انطاکیہ میں بہت بڑی فوج جمع کی جس میں بڑے بڑے آزمودہ کار سپاہی اور جرنیل شامل تھے۔ یہ فوج گراں انطاکیہ سے چلی تو مسلمانوں کو مناسب معلوم ہوا کہ شام کے جن جن شہروں پر ان کا قبضہ ہو چکا ہے وہاں سے فوجیں ہٹا لی جائیں اور یہ ساری فوجیں ایک جگہ جمع ہو کر رومیوں کا مقابلہ کریں۔ عرب مورخین نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے دمشق، حمص وغیرہ شہروں سے نکلتے وقت وہاں کے باشندوں کو جزیہ کی رقمیں یہ کہہ کر لوٹا دیں کہ اب ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے۔ مسلمان شام کے شہروں سے نکل کر یرموک پہنچے اور وہاں پاؤں جما کر کھڑے ہو گئے۔ اسلامی لشکر کی

تعداد تیس چالیس ہزار کے درمیان تھی اور رومی فوج اس سے کئی گنا زیادہ یعنی دو لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ پہلے دونوں طرف سے قاصد آتے جاتے رہے۔ رومیوں نے چاہا کہ مسلمان روپیہ لے لیں اور واپس چلے جائیں لیکن مسلمان اس پر آمادہ نہ ہوتے اور جنگ ناگزیر ہو گئی۔ حضرت خالدؓ نے اسلامی فوج کو اس طرح مرتب کیا کہ اس کے اڑتیس دستے بنا دیے اور مجاہدین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اسے اپنی کثرت تعداد پر بڑا گھمنڈ ہے اس کے مقابلے میں یہی تدبیر مناسب ہے کہ ہم اپنی فوج کے بہت سے دستے بنا دیں تاکہ دشمن کو ہماری تعداد اصل سے بہت زیادہ نظر آئے۔ قلب میں اٹھارہ دستے تھے جن کی قیادت حضرت ابو عبیدہؓ کر رہے تھے۔ حضرت قعقاعؓ بن عمرو انہی دستوں میں شامل تھے۔ میمنہ اور میسرہ کے دس دس دستوں کی قیادت حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت یزیدؓ بن ابو سفیان کر رہے تھے، ہر دستے کا علیحدہ سردار بھی تھا جو قلب، میمنہ اور میسرہ کے سرداروں سے احکام حاصل کرتا تھا۔ ان دستوں کے سردار وہ لوگ تھے جو شجاعت جوانمردی اور بے خوفی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ مثلاً حضرت قعقاعؓ، عکرمہؓ بن ابو جہل، ہاشمؓ بن عتبہ، ضرارؓ بن ازور، عیاضؓ بن غنم شرجیلؓ بن حسنہ اور عبد الرحمٰنؓ بن خالدؓ بن ولید ان انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالدؓ نے حضرت قعقاعؓ اور حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کو آگے بڑھنے اور دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ دونوں اپنے اپنے دستوں کے ساتھ رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھے اور رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس کے ساتھ ہی گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی جو کئی دن تک پوری شدت سے جاری رہی۔ رومی اس جنگ میں شروع سے آخیر تک بڑی بے جگری سے لڑے۔ مسلمانوں نے کئی بار جی توڑ کر حملے کئے لیکن رومیوں نے انہیں ہٹا دیا۔ ایک بار تو رومیوں نے مسلمانوں کے میمنہ کو اس قدر دبایا کہ وہ فوج سے الگ ہو کر بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ یہاں تک کہ عورتوں کے خیموں تک پہنچ گیا۔ عورتوں کو یہ حالت دیکھ کر بہت غصہ آیا۔ انہوں نے خیموں کی چوبیں اکھاڑ لیں اور پکاریں کہ مردو! ادھر آئے تو چوبوں سے تمہارا سر توڑ دیں گے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ کچھ خواتین نے جنگ میں باقاعدہ حصہ لیا اور بہت سے رومیوں کو جہنم واصل کیا۔ عورتوں کا جوشِ ایمان دیکھ کر پیچھے ہٹنے والے مجاہدین نے ایک پُرزور حملہ کر کے رومیوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ جنگ کے آخری دن رومیوں نے بار بار خوفناک حملے کئے لیکن مسلمان بڑے ثابت قدم نکلے۔ انہوں نے تلواروں کے نیام توڑ کر پھینک دیے، تلواریں سونت لیں، نیزے سیدھے کر لئے اور کفن بردوش دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ دشمن کے قدم لڑکھڑا گئے۔ رہی سہی کسر اسلامی فوج کے ایک دستے نے پوری کر دی جو بجلی کی تیزی کے ساتھ رومیوں پر پیچھے سے آگرا۔ اس جنگی چال نے دشمن کو حواس باختہ

کر دیا۔ رومی فوج میں سے نصف تو میدان میں کام آئی اور جو لوگ زندہ بچ گئے وہ بھاگ نکلے۔

جنگ یرموک کا شمار شام کی فیصلہ کن لڑائیوں میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد قیصر روم کبھی اتنا بڑا لشکر جمع نہ کر سکا۔ وہ انطاکیہ میں تھا کہ شکست کی خبر پہنچی۔ اس وقت اس کی زبان پر بے اختیار یہ لفظ آ گئے۔

"الوداع اے شام"

اور پھر اس نے فی الواقع سرزمین شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ کی راہ لی۔ فتح یرموک کے موقع پر کئی عرب شعرا نے طبع آزمائی کی۔ اس سلسلے میں یاقوت حموی نے "معجم البلدان" میں حضرت قعقاعؓ کے متعدد اشعار نقل کئے ہیں۔ ان کا ترجمہ ہے:

کیا تم نے دیکھا کہ ہم جنگ یرموک میں بھی اسی طرح فتحیاب ہوتے ہیں جس طرح ہم عراق میں کامیاب ہوتے تھے۔ ہم نے رومیوں کو بے دریغ قتل کیا اور ان کی جمعیت کو واقوصہ میں پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ ان کی تلواریں ان کے کسی کام نہ آ سکیں۔ وہ واقوصہ کی گھاٹی سے گر کر ختم ہو گئے۔ ان کا انجام بہت عبرتناک ہوا۔ شکست اور نامرادی کے جو تلخ گھونٹ انہوں نے پیے، ان کا بیان ہر کس و ناکس کے بس میں نہیں۔

جنگ یرموک کے بعد مسلمان شام کے باقیماندہ مقامات کی تسخیر کے لئے مختلف اطراف میں پھیل گئے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کے عراق سے آنے کے بعد ایران میں انقلاب برپا ہو گیا۔ ایرانیوں نے اپنے اندرونی جھگڑے فراموش کر دیئے اور مسلمانوں کو عراق عرب سے نکالنے کے لئے متحد ہو کر زبردست جنگی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ نے نہایت پامردی سے ایرانی یلغار کا مقابلہ کیا لیکن ایرانیوں کی عسکری قوت مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ اس لئے خدشہ تھا کہ کہیں مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ حضرت مثنیٰؓ نے ایک خط لکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس صورت حال سے آگاہ کیا۔ جب جواب آنے میں تاخیر ہوئی تو وہ خود بارگاہ خلافت میں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس وقت شدید بیمار تھے۔ اور زندگی کی آخری منزل طے کر رہے تھے انہوں نے اسی حالت میں مثنیٰؓ سے عراق کے حالات سنے اور پھر حضرت عمرؓ فاروق کو جنہیں وہ اپنا جانشین مقرر کر چکے تھے بلا کر تاکیدی وصیت کی کہ مثنیٰؓ کے لئے جس قدر جلد جمع ہو سکے امدادی فوج جمع کرو۔ اگر میں آج مر جاؤں تو فوج جمع کرنے میں شام تک تاخیر نہ ہونے پاتے اور اگر میں رات تک زندہ رہوں تو صبح کا انتظار نہ کیجیو، میری موت کا غم تمہیں اس کام سے غافل نہ کرنے

پائے۔ اس وصیت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پیکِ اجل کو لبیک کہا (۱۳ھ) اور حضرت عمر فاروقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ انہوں نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ چند دن میں ایک ہزار مجاہدین فراہم کر کے انہیں ابوعبید ثقفیؓ کی قیادت میں حضرت مثنیٰؓ کی مدد کے لئے عراق روانہ کر دیا۔ راستے میں مختلف عرب قبائل کے اور کئی ہزار جوان ان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اس طرح جب وہ خفان میں حضرت مثنیٰؓ سے ملے تو ان کا لشکر جوشِ ایمان سے سرشار ہزارہا مجاہدین پر مشتمل تھا۔ حضرت ابوعبیدؓ نے نمارق، کسکر اور باقیشیا کے مقامات پر ایرانیوں کو شکستیں دے کر فرات کے پار بھگا دیا۔ ایرانی سپہ سالار رستم ان شکستوں کی خبر سن کر سخت برہم ہوا اور اس نے ایک جرار لشکر بہمن جادویہ کی سرکردگی میں مسلمانوں کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ یہ لشکر قس ناطف کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ اسلامی لشکر فرات کی پرلی جانب مروحہ میں مقیم تھا۔ بہمن جادویہ نے ابوعبیدؓ کو پیغام بھیجا کہ تم دریا کے اس پار اتر کر آؤ گے یا ہم آئیں۔ حضرت ابوعبیدؓ جوشِ شجاعت میں اپنی فوج کے ہمراہ دریا کے پار اتر گئے۔ بدقسمتی سے دریا اور ایرانی لشکر کے درمیان میدان بہت تنگ تھا۔ اس لئے مسلمان اپنی صف بندی مناسب طریقے سے نہ کر سکے پھر بھی وہ جان توڑ کر لڑے لیکن ایرانیوں کے جنگی ہاتھیوں نے قیامت ڈھا دی۔ حضرت ابوعبیدؓ اور ان کے بھائی حکمؓ بن مسعود مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کے علاوہ چھ ہزار دوسرے مجاہدین نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ باقی فوج کو حضرت مثنیٰؓ بڑی مشکل سے بچا کر دریا کی دوسری طرف لے گئے۔ یہ لڑائی معرکۂ جسر کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کو سانحہ جسر کی خبر ملی تو انہوں نے حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی کو ایک مضبوط فوج دے کر حضرت مثنیٰؓ کی مدد کے لئے روانہ کیا۔ وہ بویب کے مقام پر حضرت مثنیٰؓ سے جا ملے۔ دربار ایران نے اب مہران بن مہرویہ ہمدانی کو ایک زبردست لشکر دے کر مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے بھیجا۔ بویب کے قریب دونوں فوجوں میں خونریز جنگ ہوئی۔ دونوں طرف کے سپاہی جی توڑ کر لڑے لیکن بالآخر مسلمانوں نے ایرانیوں کو عبرتناک شکست دی۔ ایک لاکھ ایرانی میدانِ جنگ میں کھیت رہے جن میں ان کا سپہ سالار مہران بھی تھا۔ بویب کا معرکہ فی الحقیقت معرکۂ جسر کا بھرپور جواب تھا۔ اس شکست سے سارے ایران میں کہرام مچ گیا۔ ایرانی امراء نے ملکہ پوران دخت کو تخت سے اُتار کر ایک نوجوان شہزادے یزدجرد (یزدگرد) کو شہنشاہ بنایا۔ اور تمام ایرانی عوام متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جن علاقوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا وہاں بھی بغاوت کے شعلے بھڑک اُٹھے اور مسلمان ہر طرف سے خطرات میں گھر گئے۔ حضرت مثنیٰؓ نے تمام حالات دربارِ خلافت کو لکھ بھیجے وہاں سے حکم موصول ہوا کہ اپنی فوجوں کو سمیٹ کر سرحدِ عرب کی طرف ہٹ آؤ اور کچھ

کا انتظار کرو حضرت مثنیٰؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اپنی فوجوں کو سمیٹ کر مقام میں مقیم ہو گئے۔ ادھر حضرت عمر فاروقؓ نے تمام عرب میں جہاد کی منادی کرادی۔ سارے عرب نے دعوت جہاد پر لبیک کہا اور چاروں طرف سے مدینہ منورہ میں مجاہدین کا تانتا بندھ گیا۔ امیر المومنین نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو عراق عرب کی مہم کا قائد بنایا اور مناسب ہدایات دے کر ایک مضبوط فوج کے ساتھ انہیں مدینہ منورہ سے رخصت کیا۔

حضرت سعدؓ نے مدینہ منورہ سے چل کر پہلے ثعلبہ اور پھر شراف میں پڑاؤ ڈالا۔ اس اثنا میں حضرت مثنیٰؓ نے جسر کی لڑائی میں جو زخم کھاتے تھے ان کے ٹانکے کھل گئے اور انہوں نے ذوقار ہی میں سفر آخرت اختیار کیا۔ ان کے بھائی معنیٰ آٹھ ہزار مجاہدین کو ساتھ لے کر شراف آگئے اور حضرت سعدؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اب حضرت سعدؓ نے شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ کے سرسبز میدان میں پڑاؤ ڈال دیا۔ وہاں سے انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کی ہدایت کے مطابق یزدجرد کے پاس سفیر بھیجے کہ جزیہ دو یا اسلام قبول کر لو۔ یزدجرد یہ پیغام سُن کر سخت غضبناک ہُوا۔ اس نے حضرت سعدؓ کے سفیروں کو بڑی حقارت کے ساتھ دربار سے نکلوا دیا اور رستم کو ایک لاکھ اسی ہزار سپاہیوں اور تین سو جنگی ہاتھیوں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے پر روانہ کر دیا۔

رستم بڑی سُست رفتاری سے چلتا ہُوا قادسیہ کے سامنے پہنچا اور دریائے فرات کی دوسری طرف عتیق کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ پہلے چند دن سفیروں کے ذریعے رستم اور حضرت سعدؓ کے درمیان گفتگوئے مصالحت ہوتی رہی لیکن یہ گفتگو ناکام ہو گئی اور رستم بڑے جوش و خروش اور جاہ و جلال کے ساتھ مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے دریائے فرات کے پار اُترا۔ اس کے لئے قلب لشکر میں ایک جواہر نگار طلائی تخت بچھایا گیا تھا جس پر سنہری چتر سایہ کئے ہوتے تھے ساری کی ساری فوج لوہے میں ڈوبی ہوتی تھی اس کے آگے آگے سدھائے ہوئے خوفناک جنگی ہاتھی تھے جن کے قدموں کی دھمک سے زمین کانپ رہی تھی۔ رستم نے نہایت ترتیب سے اپنی صفیں آراستہ کیں اور مناسب جگہوں پر ہاتھیوں کے پرے جاتے ساتھ ہی اس نے مدائن تک ڈاک کے ہرکارے بٹھا دیئے تاکہ وہاں سے تازہ دم فوجوں کی کمک آتی رہے۔ اس پُرخروش لشکر کے مقابلے میں اسلامی فوج کی تعداد تیس ہزار سے کچھ اُوپر تھی لیکن دینِ حق کے جانباز سپاہی دُشمن کی کثرتِ تعداد اور سازوسامان کو کب خاطر میں لاتے تھے۔ سروں سے کفن باندھ کر اپنے سے کئی گنا لشکر کے مقابلے میں صف آرا ہو گئے اور قادسیہ کی خونریز جنگ کا آغاز ہو گیا۔ لڑائی شروع ہونے سے چند دن پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو خط لکھ بھیجا تھا کہ سعدؓ کی مدد کے لئے فی الفور شام سے کمک بھیجو حضرت ابوعبیدہؓ نے یہ حکم ملتے ہی

حضرت ہاشمؓ بن عتبہ کو چھ ہزار سوار دے کر عراق عرب کی جانب روانہ کر دیا حضرت ہاشمؓ نے حضرت قعقاعؓ کو مقدمۃ الجیش کا افسر بنایا اور ایک ہزار سوار ان کی ماتحتی میں دے کر آگے روانہ کیا۔ ان کے پیچھے وہ خود بھی بسرعت تمام عراق عرب کے میدان جہاد کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت قعقاعؓ بھی راستے میں تھے کہ قادسیہ میں مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان لڑائی کا آغاز ہو گیا جب وہ میدان جنگ کے قریب پہنچے تو لڑائی کا ایک دن گزر چکا تھا اور دوسرے دن علی الصباح دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو رہی تھیں۔ حضرت قعقاعؓ نے اپنے ایک ہزار سپاہیوں کے دس دستے بنائے اور انہیں حکم دیا کہ جب تک ایک دستہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ دوسرا دستہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ وہ خود پہلے دستے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے وہ حضرت سعدؓ کے پاس پہنچ گئے اور انہیں کمک پہنچ جانے کی خوش خبری سنائی۔ پھر ان سے اجازت لے کر میدان جنگ میں پہنچے اور صفیں آراستہ کر کے لوگوں سے کہا، جو میں کروں وہی تم کرنا۔ اس کے بعد میدان میں نکل کر للکارے، کون میرے مقابلے پر آتا ہے؟ ادھر سے ایرانیوں کا نامی امیر ذوالحاجب بہمن جادویہ (جس کے ہاتھوں مسلمانوں کو معرکہ جسر میں ہزیمت اٹھانی پڑی تھی) باہر نکلا اور پکار کر کہا۔ "میں ہوں بہمن جادویہ" حضرت قعقاعؓ نے بھی بلند آواز کہا، آج میں تم سے ابو عبیدؓ اور دوسرے شہدائے جسر کا بدلہ ضرور لوں گا۔ پھر دونوں تلواریں سونت کر ایک دوسرے پر پل پڑے۔ تھوڑی ہی دیر میں حضرت قعقاعؓ نے اپنے حریف کو خاک و خون میں لوٹا دیا۔ اس کے بعد ایک اور ایرانی سردار بزرجمہر ہمدانی ان کے مقابل ہوا حضرت قعقاعؓ نے اسے بھی اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے ڈھیر کر دیا۔ کچھ اور ایرانی سردار بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے اور پھر عام جنگ شروع ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی حضرت قعقاعؓ کے دستے میدان رزم میں ایک ایک کر کے پہنچنے شروع ہو گئے اس طرح تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیوں پر رعب چھا گیا۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا آتا تھا اور حضرت قعقاعؓ ان کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔

جنگ کے پہلے دن ایرانیوں کے جنگی ہاتھی بڑی تباہی مچا چکے تھے۔ آج ہاتھیوں کی تعداد اگرچہ کم تھی، تاہم وہ مسلمانوں کے لئے مصیبت کا باعث بنے ہوتے تھے۔ اس مصیبت کے تدارک کے لئے حضرت قعقاعؓ نے اونٹوں پر بڑی بڑی جھولیں اور برقعے ڈال کر انہیں بھی ہاتھیوں کی طرح مہیب بنا دیا۔ ایرانیوں کے گھوڑے انہیں دیکھ دیکھ کر بدکتے اور مسلمان ان کے سواروں کو اپنے نیزوں پر رکھ لیتے۔

جس وقت لڑائی پورے شباب پر تھی، امیر المؤمنین حضرت فاروقؓ کے بھیجے ہوئے چند قاصد حضرت قعقاعؓ کے پاس پہنچے۔ ان اصحابؓ کے ساتھ نہایت گراں قیمت تلواریں اور عربی گھوڑے تھے۔ انہوں نے مجاہدین کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المؤمنین نے یہ تحفے ان لوگوں کے لئے بھیجے ہیں جو ان کا حق ادا کر سکیں، چنانچہ حضرت قعقاعؓ نے طلیحہؓ بن خویلد، عاصمؓ بن عمرو، عمروؓ بن معدی کرب، ربیل اور حمال بن مالک کو تلواریں حوالے کیں اور قبیلہ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کئے ان مجاہدوں نے جنگِ قادسیہ میں جو غیر معمولی شجاعانہ کارنامے انجام دیئے۔ ان کی بنا پر وہ بجا طور پر اس انعام کے مستحق تھے۔

شام تک میدانِ رزم گرم رہا۔ جب رات کا اندھیرا گہرا ہو گیا تو دونوں فوجیں اپنی اپنی قیام گاہ کی طرف لوٹیں۔ اس دن دس ہزار ایرانی مقتول ہوئے اور دو ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ مؤرخین نے جنگِ قادسیہ کے اس دوسرے دن کو "یوم الاغواث" کا نام دیا ہے۔

اگلے دن لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت قعقاعؓ نے یہ تدبیر کی کہ اپنے ساتھ شام سے آنے والے سپاہیوں کو جنگل میں اس مقام پر بھیج دیا جہاں وہ یوم الاغوام کی صبح کو آکر ٹھہرے تھے۔ ان لوگوں کو قعقاعؓ کا حکم تھا کہ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے سے گتھ جائیں تو وہ کل کی طرح ایک ایک سو کے دستوں میں بٹ کر تکبیر کے نعرے مارتے دوبارہ آئیں اور اگر اس دوران میں ہاشمؓ بن عتبہ بھی پہنچ جائیں تو ان کی فوج کو بھی اسی تدبیر پر عمل کرنے کا مشورہ دیں۔

لڑائی شروع ہوئی تو حضرت قعقاعؓ کے دستے وقفے وقفے کے ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کرتے میدان میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ پہلا دستہ پہنچا تو تمام فوج نے اس کے ساتھ مل کر اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور غل پڑ گیا کہ امدادی فوجیں آپہنچیں۔ حسنِ اتفاق سے حضرت ہاشمؓ بن عتبہ بھی امدادی فوج کے ساتھ پہنچ گئے۔ انہوں نے بھی حضرت قعقاعؓ کے مشورے کے مطابق اپنی فوج کے کئی دستے بنا دیئے جو یکے بعد دیگرے میدان میں داخل ہوتے رہے۔ آخری دستے میں سات سو جانباز تھے جن کی قیادت خود ہاشمؓ کر رہے تھے۔ وہ تیر برساتے ہوئے دشمن کے قلب میں گھستے چلے گئے یہاں تک کہ دریا تک پہنچے وہاں سے پلٹے اور پھر جھپٹے، لیکن کسی کو انہیں روکنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس امدادی فوج کے آنے سے ایرانیوں پر کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ کیونکہ انہیں مدائن سے برابر تازہ کمک پہنچ رہی تھی۔ حضرت سعدؓ نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ آج لڑائی کا فیصلہ ہو کر رہے گا۔ لیکن پہلے دن کی طرح آج بھی ایرانیوں کے جنگی ہاتھی بڑی تباہی مچا رہے تھے۔ جس طرف رُخ کرتے، صفیں ابتر ہو جاتی تھیں۔ اس طرح مسلمانوں کو فیصلہ کُن ضرب لگانے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا

حضرت سعدؓ نے کچھ نومسلم ایرانیوں کو بلا کر پوچھا کہ ان ہاتھیوں سے کیسے نبٹا جاتے انہوں نے کہا کہ ان کی آنکھیں اور سونڈ بے کار ہوجائیں تو بھاگ کھڑے ہوں گے۔ تمام غول میں دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پیکر تھے ایک سفید اور دوسرا چتکبرا۔ یہ دونوں سب سے بڑھ کر آفت ڈھارہے تھے حضرت سعدؓ نے حضرت قعقاعؓ اور حضرت عاصمؓ بن عمرو کو پیغام بھیجا کہ تم سفید ہاتھی کی آنکھیں اور سونڈ بے کار کردو۔ ایسا ہی پیغام انہوں نے چتکبرے ہاتھی کے بارے میں بنو اسد کے جانبازوں حمال اور ربیل کو بھیجا۔ قعقاعؓ نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیجے کہ ان ہاتھیوں کے گرد گھیرا ڈال دو پھر خود برچھا ہاتھ میں لے کر سفید ہاتھی کی طرف بڑھے۔ عاصمؓ بھی ساتھ تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ اپنے نیزے سفید ہاتھی کی آنکھوں میں گھونپ دیے۔

ہاتھی نے درد کے مارے چنگھاڑ ماری اور فیل بان کو نیچے گرا کر سونڈ پھرانے لگا۔ قعقاعؓ نے آگے بڑھ کر سونڈ پر تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ مستک سے الگ ہوگئی۔ دوسری طرف چتکبرے ہاتھی کا بھی حمال اور ربیل کے ہاتھوں یہی حشر ہوا۔ دونوں ہاتھی درد کی شدت سے چنگھاڑیں مارتے پیچھے کی طرف بھاگے تو دوسرے ہاتھی بھی ان کے پیچھے ہولیے۔ اس طرح مسلمانوں کو ہاتھیوں کی مصیبت سے نجات مل گئی۔ اب دونوں طرف کے بہادروں کو زور آزمائی کا موقع ملا۔ اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کے شور سے زمین دہل دہل جاتی تھی۔ شام ہوتی تو حضرت سعدؓ نے اپنی فوج کو از سر نو مرتب کیا اور حکم دیا کہ جب میں تیسری بار تکبیر کہوں اسی وقت حملہ کرنا پہلی دو تکبیروں پر ہرگز جنبش نہ کرنا۔ حضرت سعدؓ نے یہ حکم دیا ہی تھا کہ ایرانیوں نے مسلمانوں پہ بے تحاشا تیر برسانے شروع کر دیے۔ حضرت قعقاعؓ سے ضبط نہ ہوسکا اور اپنی رکاب کی فوج لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی نقطۂ نگاہ سے حضرت قعقاعؓ کا اس طرح حملہ کرنا ضابطہ کے خلاف تھا لیکن لڑائی کا انداز اور حضرت قعقاعؓ کا جوشِ ایمان دیکھ کر حضرت سعدؓ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"یا اللہ قعقاعؓ کو معاف کردے اور اس کی مدد فرما! ہرچند اس نے مجھ سے اجازت نہیں لی مگر اب اُسے میری طرف سے اجازت ہے۔"

اس کے بعد وہ پہلی تکبیر ہی کہنے پاتے تھے کہ قعقاعؓ کے دیکھا دیکھی بنو اسد، بنو نخع، بنو بجیلہ اور بنو کندہ بھی ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت سعدؓ ہر قبیلے کے حملہ پہ کہتے جاتے تھے۔ "خدایا اسے معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا۔" حضرت سعدؓ کی تیسری تکبیر پہ باقی فوج بھی لڑائی کی آگ میں کود پڑی۔ آدھی رات تک خونریز جنگ ہوتی رہی اور میدان فریقین کے نعروں سے گونجتا رہا لیکن لڑائی نے کوئی فیصلہ کن صورت اختیار نہ کی۔ آخر حضرت قعقاعؓ نے اپنے قبیلے کو للکارا کہ ایرانیوں

کے قلبِ لشکر پر ایک جان توڑ حملہ کرو اور ان کے سپہ سالار کو گرفتار کر لو۔ بنو تمیم نے قعقاعؓ کی آواز سن کر ان کے ساتھ ایرانیوں کے قلبِ لشکر کا رُخ کیا اور مارتے کاٹتے آگے بڑھنے لگے۔ ان کو دیکھ کر عمرؓو بن معدی کرب اور قیسؓ بن اشعث نے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے، ساتھیوں کو للکار اکر دیکھنا، قعقاعؓ اور اس کے ساتھی خدا کی راہ میں تم سے آگے نہ نکلنے پائیں۔ دوسرے سرداروں نے بھی جو نامی دلاور بھی تھے اور سحر البیان خطیب بھی، اپنے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کر ایسی پُرتاثیر تقریریں کیں کہ تمام مجاہدین کے دلوں میں شوقِ شہادت کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ ان کے گھوڑوں کے سامنے لوہے میں غرق ایرانی فوجیں دیوار کی طرح جمی کھڑی تھیں اور کسی مسلمان سوار کو قلبِ لشکر کی طرف ایک قدم بھی نہ بڑھنے دیتی تھیں۔ مسلمان شہسوار اب گھوڑوں سے کود پڑے، تیر و کمان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں اور تمام فوج نہایت جوش و خروش کے ساتھ ایرانی صفوں کو اُلٹتی قلبِ لشکر کی طرف بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ اس جگہ کے قریب پہنچ گئی جہاں رستم سنہری شامیانے کے نیچے تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا۔ اب وہ بھی اُٹھ کھڑا ہُوا اور اپنے حفاظتی دستے کو ساتھ لے کر مردانہ وار لڑنے لگا لیکن مسلمان سرفروشوں کے سامنے اس کی کچھ پیش نہ چلی۔ حضرت قعقاعؓ، عاصمؓ، عمرؓو بن معدی کرب، قیسؓ بن اشعث اور ان کے ساتھی جانبازوں نے رُستم کے آہن پوش حفاظتی دستے کے پرخچے اُڑا دیئے اور اس وقت حضرت قعقاعؓ کی زبان پر یہ رجز تھا:

ہم نے گروہ کے گروہ بلکہ اس سے بھی زیادہ تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے۔ چار چار بھی، پانچ پانچ بھی اور ایک ایک بھی۔

ہم بڑی سے بڑی جمعیت پر بھاری سمجھے جاتے ہیں چنانچہ میرے حریف جب تک موت کی نیند نہ سو گئے مَیں انہیں برابر تیغ آزمائی کے لئے للکارتا رہا۔

اللہ میرا رب ہے اور مَیں نے اسی کی قوی اور پائیدار آڑ پکڑی ہے۔

رستم نے اپنے حفاظتی دستے کو تباہ ہوتے ہوئے دیکھا تو دوڑ کر ان خچروں کی طرف گیا جن پر خزانہ لاد کر لایا گیا تھا اور ایک خچر پر لدے ہوئے سامان کے پیچھے چھُپ کر کھڑا ہو گیا۔ قعقاعؓ کی فوج کے سپاہی دریا کی طرف نکل گئے انہیں پتہ ہی نہ چلا کہ خچروں پر دولت لدی ہوئی ہے اور رستم سامان کے پیچھے چھُپا کھڑا ہے۔ ہلال بن علقمہ ایک مجاہد نے ایک خچر پر تلوار کا ہاتھ مارا جس سے اس سامان کا رسہ کٹ گیا جس کے پیچھے رستم کھڑا تھا۔ سارا بوجھ رستم پر گرا اور وہ شدید زخمی ہو گیا لیکن ہلال کو اس کا علم نہ ہُوا۔ رستم دوڑ کر دریا میں کود گیا۔ ہلال نے اسے دیکھا اور پہچان گئے اس کے پیچھے وہ بھی پانی میں کُود پڑے اور رستم کی ٹانگیں پکڑ کر باہر گھسیٹ لائے۔ پھر تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا اور

اس کے تخت پر چڑھ کر زور سے پکارے۔
"میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے"
اس آواز کے سنتے ہی ایرانیوں میں بھاگڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے دور تک ان کا تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔ تعاقب کرنے والے جانبازوں میں حضرت قعقاعؓ بھی شامل تھے جس رات کو قادسیہ کی خونی جنگ اہتمام کو پہنچی اسے لیلۃ الہریر کہا جاتا ہے۔ قادسیہ کی شکست سے تختِ کسریٰ کی بنیادیں ہل گئیں۔ ایرانیوں کا قومی پرچم درفش کاویانی بھی اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور مالِ غنیمت کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ حضرت قعقاعؓ نے اس لڑائی میں جو کارنامے سرانجام دیئے ان کی بناء پر مؤرخین نے انہیں "جنگِ قادسیہ کا بطلِ خاص" قرار دیا ہے۔
قادسیہ کی فتح کے بعد حضرت سعدؓ نے بابل اور کوثیٰ تک ایرانیوں کا پیچھا کر کے آس پاس کے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ایران کا دارالحکومت مدائن وہاں سے قریب ہی تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ حکم کے مطابق حضرت سعدؓ مدائن کی طرف بڑھے اور شہر کے مغربی حصے بہرشیر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ دو یا تین مہینے تک جاری رہا، بالآخر ایرانی قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے لیکن بری طرح شکست کھائی اور دریائے دجلہ عبور کر کے مدائن خاص میں پناہ لی۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دریا کا پل توڑ دیا اور تمام کشتیاں بھی اپنے ساتھ دریا کے مشرقی کنارے کی طرف لے گئے۔ حضرت سعدؓ بہرشیر سے آگے بڑھے تو راستے میں دریائے دجلہ کو حائل پایا۔ اس سال بارشیں نہایت کثرت سے ہوئی تھیں جن کی وجہ سے دریا طغیانی پر تھا اور پانی کے پھیلاؤ اور زور شور کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اُدھر دوسرے کنارے پر ایرانی تیرانداز پرے باندھے منتظر تھے کہ مسلمان مدائن کا رُخ کریں تو انہیں اپنے تیروں پر رکھ لیں۔ ایسی خوفناک طغیانی میں گھوڑوں کا تیرنا بھی بہت مشکل تھا۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر حضرت سعدؓ نے فوج کو جمع کیا اور اس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "مسلمانو! میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اللہ کے بھروسے پر گھوڑے کو دریا میں ڈال دوں، بولو کون مجاہد اس کام میں میرا ساتھ دے گا۔ تمام مسلمانوں نے بیک زبان کہا: "اے امیر ہم سب آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں۔
حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ کچھ جانباز بڑے لشکر سے پہلے آگے بڑھیں اور دوسرے کنارے پر جا کر قابض ہو جائیں۔ حضرت عاصمؓ بن عمرو اور حضرت قعقاعؓ فوراً آگے بڑھے اور چھ چھ سو جانبازوں کے ساتھ یہ کہتے ہوئے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے۔
اور کوئی شخص مر نہیں سکتا جب تک کہ اللہ کا حکم نہ ہو۔ اس نے وقت مقررہ لکھ رکھا ہے۔

دوسرے کنارے سے ایرانیوں نے مجاہدین پر بے پناہ تیر اندازی شروع کر دی۔ ادھر سے مجاہدین نے بھی مردانہ وار جواب دیا۔ اور تھوڑی دیر میں ایرانیوں کو کنارے سے دُور ہٹا دیا۔ اب حضرت سعدؓ نے حکم دیا کہ تمام لشکر دریا میں داخل ہو جائے۔ مسلمانوں نے اپنے گھوڑوں کی باگیں اُٹھائیں اور ہم اللہ سے مدد چاہتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ وہ اچھا وکیل ہے۔ خدا کی قسم! اللہ اپنے دوست کو فتح دے گا اور اپنے دین کو غالب کرے گا۔ سوائے ربِ بزرگ و برتر کے کسی میں طاقت نہیں۔ کہتے ہوئے دجلہ کے دریائے زخار میں داخل ہو گئے۔ ہزار ہا اسلامی شہسوار دجلہ کے پھنکارتے ہوئے پانی پر پوری ترتیب کے ساتھ اس طرح جا رہے تھے گویا صحن چمن میں گلگشت کر رہے ہوں۔ دو دو سوار ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو چل رہے تھے اور نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ایک دوسرے سے باتیں کرتے جاتے تھے۔ دوسرے کنارے پر ایرانیوں نے مسلمانوں کو اس شان سے آتے دیکھا تو ان پر دہشت طاری ہو گئی اور وہ "دیواں آمدند دیواں آمدند" (دیو آ گئے دیو آ گئے) کہتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کی قوتِ ایمانی کی بدولت اللہ تعالےٰ نے تمام لشکر کو صحیح سلامت دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مجاہد غرقدؓ دریا میں گر پڑے۔ حضرت قعقاعؓ ان کے پہلو میں تھے انہوں نے فوراً غرقدؓ کو پانی سے نکال لیا۔ ایک دوسرے مجاہد کا پیالہ دریا میں گر پڑا، دریا کی لہروں نے اس کو اچھال کر دوسرے کنارے پر ڈال دیا۔ مسلمانوں کی فاتحانہ یلغار نے یزدجرد کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ وہ اپنا خزانہ اور حرام تو پہلے ہی حلوان بھیج چکا تھا۔ اب مدائن کے درو دیوار پر حسرت سے نظر ڈالتا خود بھی شہر سے بھاگ نکلا۔ لشکرِ اسلام مدائن میں داخل ہوا تو ہر طرف عبرت ناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ حضرت سعدؓ نے شاہی محل میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نمازِ شکرانہ ادا کی اور پھر عمروؓ بن مقرن کو مالِ غنیمت جمع کرنے پر مامور فرمایا۔ چند دن کے اندر اندر کروڑوں روپے کا مالِ غنیمت جمع ہو گیا۔ جس میں کسریٰ کا لباس زیور جواہرات اور دوسری بے شمار نادر و نایاب چیزیں بھی شامل تھیں۔ حضرت سعدؓ نے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ مدینہ منورہ روانہ کر دیا اور باقی سب مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضرت سعدؓ نے حضرت قعقاعؓ کو بطورِ خاص بلا بھیجا کیونکہ انہوں نے جنگ قادسیہ اور دوسرے معرکوں میں سب سے بڑھ کر جانبازی دکھائی تھی۔ جب وہ آئے تو حضرت سعدؓ نے ان کے سامنے کسریٰ اور دوسرے بادشاہوں کی تلواریں رکھ دیں اور فرمایا کہ ان میں سے جو تلوار تمہیں پسند ہو، لے لو۔ حضرت قعقاعؓ نے ہرقل قیصر روم کی تلوار اُٹھالی پھر حضرت سعدؓ نے انہیں بہرام چوبیں کی زرہ اپنی طرف سے عنایت کی۔ مدائن کی تسخیر کے بعد حضرت سعدؓ دوسرے مجاہدین کے ساتھ وہیں مقیم تھے کہ انہیں یزدجرد کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ملی یزدجرد

اس وقت حلوان میں تھا اور اس کے حکم سے رستم کا بھائی خرزاد بن فرخ زاد اور مہران جلولاء میں لشکر جمع کر کے ایک بار پھر مسلمانوں سے پنجہ آزمائی کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ حضرت سعدؓ نے سارے حالات حضرت عمر فاروقؓ کو لکھ بھیجے۔ وہاں سے حکم آیا کہ ہاشم بن عتبہ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جلولاء بھیج دو اور ان کے ساتھ قعقاعؓ بن عمرو تمیمی کو مقدمۃ الجیش کا افسر بنا کر بھیجو۔ حضرت سعدؓ نے امیر المومنین کی ہدایت کے مطابق حضرت ہاشمؓ کو بارہ ہزار چیدہ جانبازوں کے ساتھ جلولاء روانہ کر دیا۔ یہ ۱۶ ہجری ۶۳۷ء کا واقعہ ہے۔

ایرانیوں کو جلولاء کی طرف مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع ملی۔ انہوں نے بڑے زور شور سے جنگ کی تیاری کی۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور اس کے ارد گرد گوکھرو بچھا دیئے۔ حضرت ہاشم مدائن سے چل کر چوتھے دن جلولاء پہنچے تو ایرانیوں کو قلعہ بند ہو کر شہر کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگاتے دیکھا۔ حضرت ہاشم نے شہر کا محاصرہ کر لیا جو کئی مہینے جاری رہا۔ اس دوران میں ایرانی کئی مرتبہ قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے لیکن ہر بار منہ کی کھائی۔ محصورین کے پاس خوراک اور سامان حرب کا کافی ذخیرہ موجود تھا اور پھر انہیں مدائن سے برابر کمک پہنچ رہی تھی۔ اس لئے وہ بددل نہ ہوتے تھے۔ ایک دن ایرانی سپہ سالار مہران اپنی فوج کے ساتھ یکایک قلعہ سے نکلا اور بڑے جوش وخروش سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ مسلمانوں نے جم کر مقابلہ کیا اور بقول حافظ ابن کثیرؒ اتنی شدید جنگ ہوئی جس کی مثال نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ طرفین کے تیر ختم ہو گئے، نیزے ٹوٹ گئے اور نوبت تلواروں اور کلہاڑیوں تک پہنچ گئی۔ ظہر کے وقت ایرانیوں کو تازہ دم کمک پہنچ گئی۔ حضرت قعقاعؓ نے مسلمانوں سے کہا، مسلمانو! یہ دیکھ کر تم ڈر تو نہیں گئے؟ مسلمانوں نے جواب دیا، نہیں لیکن ہم تھکے ہوتے ہیں اور وہ تازہ دم ہیں۔ حضرت قعقاعؓ نے للکار کر کہا، کچھ پروا نہیں، ہم ان پر حملہ کریں گے اور اس وقت تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک اللہ ان کے اور ہمارے درمیان کوئی فیصلہ نہ کر دے۔ یکجان ہو کر ان پر ٹوٹ پڑو اور ان کی صفوں میں گھس جاؤ۔" یہ کہہ کر تلوار چلاتے دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور اس مقام تک جا پہنچے جہاں خندق کے درمیان گزرنے کے لئے راستہ بنایا گیا تھا۔ اس وقت جھٹ پٹا ہو چکا تھا یا بروایت دیگر اتفاق سے اس زور کی آندھی چلی کہ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ قعقاعؓ نے دیکھا کہ اندھیرے کی وجہ سے لوگ پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ ان کے ایک جانباز ساتھی نے نعرہ لگایا:

"ادھر ادھر مسلمانو! یہ تمہارے امیر دشمن کی خندق کے راستے پر قابض ہوا چاہتے ہیں۔
پیچھے نہیں آگے بڑھو۔"

یہ للکار سن کر تمام مسلمان پلٹ پڑے اور اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانی بدحواس ہو کر پیچھے ہٹے۔

حضرت قعقاعؓ نہایت دلیری سے لڑتے ہوئے قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ سپہ سالار ہاشم پیچھے رہ گئے تھے اور فوج کا بڑا حصہ ان کی رکاب میں تھا۔ حضرت قعقاعؓ نے اپنے چند ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ سپہ سالار آ پہنچے سپہ سالار آ پہنچے کا غل مچائیں۔ اس غل سے مسلمانوں کی ہمت دوچند ہوگئی اور ایرانی سراسیمہ ہو کر ادھر اُدھر بھاگے لیکن جدھر کا رُخ کرتے راستے میں گوکھرو حائل ہو جاتے تھے یا خندق۔ پھاٹک اور خندق کی گزرگاہ پر حضرت قعقاعؓ کا قبضہ تھا۔ اس لئے شہر میں بھی داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ مسلمانوں نے گھیر کر بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔

ابن جریر طبری کا بیان ہے کہ ایک لاکھ ایرانی مارے گئے اور تین کروڑ کا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ جو ایرانی بچ گئے انہوں نے حلوان کو راہ فرار اختیار کی ان میں نامور ایرانی سردار مہران اور فیروزان بھی تھے۔ حضرت قعقاعؓ نے ان بھگوڑوں کا تعاقب کر کے خانقین کے مقام پر انہیں جا لیا۔ مہران تو قعقاعؓ کے ہاتھ سے مارا گیا لیکن فیروزان بچ نکلا اور حلوان پہنچ کر یزدجرد کو جلولاء کی شکست سے آگاہ کیا۔ اس نے خسروشنوم ایک معزز ایرانی سردار کو ایک مضبوط فوج کے ساتھ حلوان کی حفاظت کے لئے چھوڑا اور خود بھاگ کر رے چلا گیا۔ حضرت سعدؓ کے حکم کے مطابق حضرت قعقاعؓ حلوان کی طرف بڑھے۔ ابھی وہ حلوان سے تین میل ادھر قصر شیریں کے مقام تک پہنچے تھے کہ خسروشنوم حلوان سے نکل کر ان کے مقابل ہوا۔ حضرت قعقاعؓ نے شدید جنگ کے بعد اسے شکست دی اور آگے بڑھ کر حلوان پر کسی مزاحمت کے بغیر قبضہ کر لیا۔ یہ فتح عراق عرب کی فتوحات کا خاتمہ تھی کیونکہ حلوان سے پرے عراق عجم یا فارس کی سرحد شروع ہو جاتی تھی اور حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سعدؓ کو یہ لکھ کر آگے بڑھنے سے روک دیا تھا کہ ہم نے ایرانیوں کو عرب کی حدود سے پیچھے دھکیل دیا ہے اب ہم ان کے ملک (فارس) پر بلاوجہ حملہ نہیں کریں گے۔

عراق عرب کی تسخیر کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کو معلوم ہوا کہ مدائن کی آب و ہوا مسلمانوں کو راس نہیں آئی تو حضرت سعدؓ کو حکم بھیجا کہ عرب کی سرحد کے اندر کوئی مناسب جگہ تلاش کر کے ایک نیا شہر آباد کریں۔ حضرت سعدؓ نے متعدد ارباب دانش سے مشورہ کر کے دریائے فرات سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر حیرہ کے قریب ایک سرسبز اور شاداب جگہ منتخب کی اور وہاں شہر کوفہ کی بنیاد رکھی۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جن اصحابؓ کو حضرت سعدؓ نے مناسب جگہ کی تلاش پر مامور کیا تھا۔ حضرت قعقاعؓ بھی ان میں شامل تھے۔ اس مقصد کے لئے انہیں جلولاء سے روانہ کیا گیا تھا۔ کوفہ کا شہر آباد ہو گیا اور حضرت سعدؓ اس کے امیر مقرر ہوتے تو حضرت قعقاعؓ بھی ان کے ساتھ کوفہ چلے گئے۔

۱۷ ہجری میں قیصر روم نے حمص پر دوبارہ قبضہ کرنے کی پُرزور کوشش کی۔ اور اہل جزیرہ کی تحریک

پر ایک بڑی فوج حمص کی طرف روانہ کی۔ اہلِ جزیرہ بھی تین ہزار جنگجوؤں کے ساتھ حمص کی طرف بڑھے۔ امیرِ شام حضرت ابوعبیدہؓ نے ادھر اُدھر سے فوجیں جمع کر کے حمص کی حفاظت کی تیاری کی اور ساتھ ہی حضرت عمر فاروقؓ کو رومیوں اور اہلِ جزیرہ کی ملی بھگت اور ان کے عزائم کی اطلاع دی۔ امیر المومنین نے یہ اطلاع ملتے ہی حضرت قعقاعؓ کو حکم بھیجا کہ فوراً کوفہ سے چار ہزار سوار لے کر حمص پہنچ جائیں۔ ساتھ ہی حضرت سہیلؓ بن عدی عبداللہ بن عتبانؓ اور ولیدؓ بن عقبہ کو اہلِ جزیرہ سے نبٹنے کے لئے مناسب ہدایات بھیجیں۔ ان تدابیر کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اہلِ جزیرہ کو اپنے گھر کی فکر پڑ گئی اور وہ رومیوں کا ساتھ چھوڑ کر واپس آ گئے۔ اب حمص کے محاصرے پر صرف رومی اور ان کے مددگار چند عرب قبائل رہ گئے حضرت ابوعبیدہؓ ایک دن شہر سے باہر نکل کر ان کے مقابل ہُوئے۔

اس وقت حضرت قعقاعؓ منزلوں پر منزلیں مارتے حمص کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ابھی شہر سے چند میل دُور تھے کہ انہوں نے مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان لڑائی چھڑ جانے کی خبر سُنی۔ ان کے ساتھ اس وقت صرف سو افراد تھے اور فوج کا بڑا حصہ ابھی پیچھے تھا لیکن اس خبر نے حضرت قعقاعؓ کو ایسا بے تاب کیا کہ وہ باقی فوج کا انتظار کئے بغیر سو سواروں کے ساتھ ہی برق رفتاری سے حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس پہنچ گئے۔ ان کی آمد سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور سب نے مل کر دشمن پر ایسا تند و تیز حملہ کیا کہ اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ پہلے عرب قبائل بھاگے اور پھر رومی بدحواسی کے عالم میں میلوں بھاگتے چلے گئے۔ اس شرمناک شکست کے بعد رومیوں کو پھر کبھی مسلمانوں کے خلاف پیش قدمی کی جرأت نہ پڑی۔ اس مہم سے فارغ ہو کر حضرت قعقاعؓ واپس کوفہ چلے گئے۔

۲۱ ہجری میں یزدجرد نے مرو (عراق عجم) میں ایک مرتبہ پھر زبردست فوجی تیاریاں کیں اور مسلمانوں کو عراقِ عرب سے نکالنے کے لئے تمام ایرانیوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ مختلف اطراف و جوانب سے ڈیڑھ لاکھ ایرانی جنگجوؤں کا ٹڈی دل قُم میں اس عزم کے ساتھ جمع ہُوا کہ مسلمانوں کو تہس نہس کر دے گا۔ یزدجرد نے ایک نامور ایرانی سردار فیروزان کو اس لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا اور مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ یہ لشکر قُم سے چلا تو ہر طرف تہلکہ پڑ گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو ان حالات کی اطلاع ملی تو انہوں نے تمام فوجی مراکز کے امیروں کو حکم بھیجا کہ ایک ایک ثلث فوج ایرانیوں کے مقابلے کے لئے بلا تاخیر نہاوند روانہ کرو۔

کوفہ سے تیس ہزار فوج روانہ ہوئی جس میں نعمانؓ بن مقرن، قعقاعؓ، حذیفہؓ بن الیمان، جریرؓ بن عبداللہ البجلی، عبداللہؓ بن عمرؓ، مغیرہؓ بن معدی کرب اور طلیحہؓ بن خویلد جیسے آزمودہ کار اور صاحبِ تدبیر

شجاعان عرب شامل تھے۔ امیر المؤمنین نے اس مہم کا قائد حضرت نعمانؓ بن مقرن کو مقرر کیا اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ اگر انہیں کوئی حادثہ پیش آجائے تو حذیفہؓ بن الیمان ان کی جگہ سپہ سالار ہوں گے۔

حضرت نعمانؓ نہاوند پہنچے تو دوسرے فوجی مراکز سے بھی امدادی فوجیں ان سے آملیں۔ فیروزان کی خواہش پر حضرت نعمانؓ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو سفیر بنا کر اس کے پاس بھیجا لیکن یہ سفارت بے نتیجہ ثابت ہوئی اور فریقین میں جنگ ناگزیر ہوگئی۔ ایرانیوں کی تعداد اگرچہ مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی لیکن گزشتہ لڑائیوں کے تجربہ کی روشنی میں انہوں نے مناسب یہی سمجھا کہ قلعہ بند ہو کر جنگ کی جائے چنانچہ وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے اور مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ ایرانیوں نے فصیل شہر کے چاروں طرف لوہے کے گوکھرو بچھا دیئے تھے اور صرف اتنی جگہ خالی رکھی تھی کہ جس وقت حملے کے لئے نکلنا چاہیں نکل سکیں۔ مسلمانوں کے گھوڑے ان گوکھروں کو پار نہ کر سکتے تھے اور ایرانی جب چاہتے شہر سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس صورتِ حال سے نبٹنے کے لئے حضرت نعمانؓ نے اہل الرائے اصحاب سے مشورہ کیا تو بالاتفاق یہ طے پایا کہ ایک دستے کے سوا ساری فوج شہر سے چھ سات میل دُور چلی جائے۔ یہ دستہ شہر پر حملہ کرے اور ایرانیوں کو مشتعل کر کے شہر سے باہر لائے پھر ان کے سامنے پسپا ہونے لگے یہاں تک کہ ایرانی فوج بڑے اسلامی لشکر کی زد میں آجائے۔ حضرت نعمانؓ نے اس تدبیر کو عملی جامہ پہنانے کا کام حضرت قعقاعؓ کے سپرد کیا اور انہیں ایک دستے کے ساتھ شہر سے باہر چھوڑا پھر راتوں رات ساری فوج کو اپنے ساتھ لے کر شہر سے بہت دُور نکل گئے۔ دوسرے دن حضرت قعقاعؓ نے علی الصباح اپنے دستے کے ساتھ شہر پر ہلہ بول دیا۔ ایرانیوں نے سمجھا کہ مسلمان لشکر کا غالب حصہ بددل ہو کر بھاگ گیا ہے اور یہ تھوڑی سی فوج پیچھے رہ گئی ہے۔ چنانچہ وہ بڑے جوش سے باہر نکلے۔ حضرت قعقاعؓ ان سے تھوڑی دیر لڑے اور پھر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ایرانی لشکر مسلمانوں کی بڑی فوج کی زد میں آگیا۔ ایرانی ایک دفعہ تو اسلامی فوج کو دیکھ کر بوکھلا گئے لیکن پھر ان کی غیرت نے جوش مارا اور انہوں نے مسلمانوں پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ ان کے تیروں سے بہت سے مسلمان شہید اور زخمی ہو گئے۔ لیکن حضرت نعمانؓ نے دوپہر ڈھلنے کا انتظار کیا کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دوپہر ڈھلنے کے بعد دُشمن پر حملہ کیا کرتے تھے۔ جب سورج ڈھلنے کو ہوا تو حضرت نعمانؓ نے دستور کے مطابق تین تکبیریں بلند کیں اور حملے کا حکم دیا۔ مسلمان جو بے تابی سے سپہ سالار کے حکم کا انتظار کر رہے تھے برق بے اماں کی طرح ٹوٹ کر دُشمن پر گرے اور کشتوں کے پُشتے لگا دیئے ایرانیوں نے جم کر مقابلہ کیا اور مسلمانوں کے

سامنے آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ لڑائی نے اتنی شدت پکڑی کہ اس سے پہلے کسی معرکے میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ میدان میں ہر طرف خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں اور گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے۔ حضرت نعمانؓ دشمن کے قلب کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ان کا گھوڑا پھسل کر گرا ساتھ ہی وہ خود بھی گرے اور جام شہادت پی کر روضہ رضوان کو سدھارے۔ ان کے بھائی نعیمؓ بن مقرن نے بڑھ کر علم تھام لیا اور ان کی ٹوپی اور قبا پہن کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس تدبیر سے نعمانؓ کی شہادت کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا تا آنکہ حضرت حذیفہؓ بن الیمان نے فوج کی قیادت سنبھال لی۔

حضرت قعقاعؓ دنیا ومافیہا سے بے خبر اس شان سے لڑ رہے تھے کہ شجاعت بھی آفرین پکار رہی تھی۔ ان کے ساتھ عمروؓ بن معدی کرب، طلیحہؓ بن خویلد، جریرؓ بن عبداللہ اور بہت سے دوسرے جانبازوں نے بھی سر دھڑ کی بازی لگا رکھی تھی۔ راہِ حق کے ان دلاوروں کی سرفروشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام ڈھلتے ہی ایرانیوں کی ہمت جواب دے گئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ایرانی سپہ سالار فیروزان بھی ایک گھوڑے پر سوار ہمدان کی طرف بھاگا۔ حضرت قعقاعؓ نے سواروں کا ایک دستہ لے کر اس کا تعاقب کیا اور ہمدان کی سرحد کے قریب جا لیا اس وقت شہد سے لدے ہوئے گدھوں اور خچروں کا ایک قافلہ پہاڑی گھاٹی سے گزر رہا تھا جس سے راستہ رُک گیا تھا۔ فیروزان گھوڑے سے اُتر کر پیدل چل پڑا اتنے میں حضرت قعقاعؓ اس کے سر پر آ پہنچے اور تلوار کے ایک وار سے اسے ڈھیر کر دیا۔ اس پر یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی کہ شہد کی مکھی خدائی فوج کا جزو ہے۔ حضرت قعقاعؓ اپنے ساتھیوں سمیت واپس ہوئے تو حضرت حذیفہؓ بن الیمان نے نہاوند میں داخل ہو کر اس پر مکمل تسلط جما لیا تھا۔ اہل عرب نے اس لڑائی کا نام فتح الفتوح رکھا۔ کیونکہ اس معرکے کے بعد ایرانی پھر کبھی اتنا بڑا لشکر مسلمانوں کے مقابلے پر نہ لا سکے۔

جنگِ نہاوند میں سرفروشانہ حصہ لینے کے بعد حضرت قعقاعؓ واپس کوفہ چلے گئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ اپنے وقت کے اس عظیم دلاور صف شکن کو خالقِ حقیقی کا بلاوا کب آیا؛ اس کے بارے میں تمام کُتبِ سِیَر خاموش ہیں البتہ ایک روایت سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے دورِ خلافت میں حیات تھے اور جنگِ جمل (۳۶ ہجری ۶۵۶ء) سے پہلے حضرت علیؓ نے انہیں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے گفتگو کرنے کے لئے بصرہ سے بھیجا تھا۔

ازواج و اولاد کی تفصیل بھی کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ صرف ایک بیٹی حولہ کا پتہ چلتا ہے جو جلیل القدر صحابی حضرت طلحہؓ صاحبِ اُحد کے عقدِ نکاح میں تھیں۔

آج بھی عرب کی رزمیہ داستانوں اور نظموں میں حضرت قعقاع بن عمرو بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے :

سلام ہو اس ماں پر جس نے القعقاعؓ جیسا جوانمرد جنا۔

القعقاعؓ جو اسلام کی عظمت کا علمبردار تھا۔

القعقاعؓ جو عرب کی شجاعت اور غیرت کا نشان تھا۔

القعقاعؓ جو ایسا شہسوار تھا کہ طویل پرصعوبت راستے اس کے سامنے سمٹ کر رہ جاتے تھے۔

القعقاعؓ جس کی شمشیر خارا شگاف کا وار کبھی خالی نہ جاتا تھا۔

القعقاعؓ جس کے نیزے کی اَنی دشمن کے سینے کی ہڈیوں کو توڑتی ہوئی آر پار ہو جاتی تھی۔

القعقاعؓ جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر صف جنگاہ میں گھس جاتا تھا۔

القعقاعؓ جو ایسا مرد میدان تھا کہ اگر جنگ اسے دانتوں سے کاٹتی تھی تو وہ جنگ کو کاٹ لیتا تھا۔ اگر جنگ پاتنچے چڑھا لیتی تھی تو وہ بھی پاتنچے چڑھا لیتا تھا۔

القعقاعؓ جو اکیلا ہزار شجاعان عرب کے برابر تھا۔

القعقاعؓ جس کی جانبازی کے سامنے رومیوں کی شجاعت اور ایرانیوں کی پامردی منہ چھپاتی پھرتی تھی۔

القعقاعؓ جس کی سرفروشی کے سامنے ہیبت ناک جنگی ہاتھی بے بس ہو جاتے تھے اور منہ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔

اصحابی کالنجوم

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشادِ نبویؐ)

حضرت عثمان بن حنیف انصاری رضی اللہ عنہ

ہجرتِ نبویؐ سے پہلے سنہ ۱۲ نبوت میں حضرت مصعبؓ بن عمیر اسلام کے مبلغ اوّل کی حیثیت سے یثرب آئے تو ان کی تبلیغی مساعی سے اوس اور خزرج کے لوگ کثیر تعداد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ ان اصحاب میں حضرت سہلؓ بن حُنیف اور حضرت عثمانؓ بن حنیف بھی شامل تھے۔ ان دونوں بھائیوں کا شمار نہایت جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ علمِ مساحت میں ایسی غیر معمولی مہارت رکھتے تھے کہ امیر المومنین حضرت عمرِ فاروقؓ جیسے مردم شناس خلیفہ بھی ان کی خداداد صلاحیتوں کے معترف اور مداح تھے ـــــ سیدنا حضرت عثمانؓ بن حنیف کی کنیت ابو عمرو تھی اور ان کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے۔

عثمانؓ بن حنیف بن واہب بن عکیم بن ثعلبہ بن حارث بن مجدعہ بن عمرو بن جشم (یا حنش) بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

ان کے بڑے بھائی کا نام سہلؓ بن حنیف تھا۔ وہ بھی بڑے سلیم الفطرت تھے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور سنہ ۲ ہجری میں غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت عثمانؓ بن حنیف نے سب سے پہلے غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اُحد اور اس کے بعد عہدِ رسالت میں جتنے غزوات پیش

آئے ان سب میں وہ بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لینے کے علاوہ انھیں جب بھی موقع ملتا بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوتے اور فیضانِ نبوی سے خوب فیض یاب ہوتے۔ اگر وہ کوئی غیر معمولی واقعہ دیکھتے تو اس کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتے اور بعد میں بڑے لطف و انبساط کے ساتھ لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔

ایک واقعہ بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک نابینا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا' آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھ کو اچھا کر دے۔ آپ نے فرمایا اگر تو چاہے تو میں تیرے لیے دعا کروں اور اگر چاہے تو صبر کر کہ یہی تیرے لیے بہتر ہے۔ اس نے کہا۔ دعا کر دیجئے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ اچھی طرح سے وضو کر اور ان کلمات کے ساتھ دعا کر۔

"اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور متوجہ ہوتا ہوں تیری طرف تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے جو نبیٔ رحمت ہیں۔ میں متوجہ ہوتا ہوں آپ کے وسیلہ سے اے نبی اپنے پروردگار کی طرف تاکہ وہ حکم دے میری اس حاجت کے متعلق اے اللہ اپنے نبی کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

چنانچہ اس کی بینائی لوٹ آئی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں عراق فتح ہوا تو امیر المومنینؓ نے ایک مجلسِ مشاورت منعقد کی جس کے سامنے یہ معاملہ رکھا کہ وہاں کی زمین کے بارے میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور کچھ دوسرے صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ مالِ غنیمت کی طرح زمین بھی مجاہدین میں تقسیم کر دی جائے لیکن حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ اگر زمین بھی تقسیم کر دی گئی تو آئندہ نسل کے لیے کیا باقی رہے گا۔ یتیموں اور بیواؤں کا کیا انتظام ہوگا اور سرحدوں کی حفاظت کیسے ہوگی؛ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور کئی دوسرے اکابر صحابہؓ حضرت عمرؓ کے ہم خیال تھے۔ اس معاملے کو قطعی طور پر نپٹانے کے لیے امیر المومنینؓ نے ایک اور مجلسِ مشاورت منعقد کی جس میں اکابر مہاجرین کے علاوہ اکابر انصار بھی شریک ہوئے۔ امیر المومنینؓ نے مجلس میں کھڑے ہو کر ایک نہایت مؤثر تقریر کی جس میں اپنے موقف کے حق میں ایسے دلائل دیئے کہ سب اصحاب نے ان کی رائے سے اتفاق کر لیا۔ اب سوال پیدا ہوا کہ عراق کی زمینوں کا بندوبست کن خطوط پر کیا جائے اور زمین کی پیمائش کی ذمہ داری'

کس کے سپرد کی جائے۔ تمام صحابہؓ نے اس کام کے لیے حضرت عثمانؓ بن حنیف کا نام لیا اور کہا کہ وہ اس سے بھی اہم خدمات انجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ آپؓ کو اس کام میں مہارت حاصل تھی۔

اہلِ سیر کے مطابق انہوں نے یہ مہارت عراق میں کافی عرصہ قیام کے دوران حاصل کی۔ چونکہ ان کا فطری رجحان مساحت کی طرف تھا اس لیے وہاں اس فن کے ماہرین سے انہوں نے استفادہ کیا اور اپنی خداداد ذہانت کی بنا پر اس میں مہارتِ کامل حاصل کر لی۔ چنانچہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپؓ کو عراق کی زمینوں کی پیمائش کی ذمہ داری سونپی اور حضرت حذیفہؓ بن یمان کو ان کا شریکِ کار اور معاون مقرر فرمایا۔ وہ بھی فنِ مساحت سے بخوبی واقف تھے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ بن حنیف نے دریائے فرات سے سیراب ہونے والے علاقے کی پیمائش کی اور حضرت حذیفہؓ نے دجلہ سے سیراب ہونے والے علاقے کی۔ امیرالمومنینؓ نے پیمائش کا پیمانہ خود اپنے ہاتھ سے تیار کر کے ان کو دیا اور ہدایت کی کہ جنگلوں، ٹیلوں، گڑھوں، صحراؤں، ندی نالوں اور ان زمینوں کی جن کی آب پاشی ناممکن ہے پیمائش نہ کی جائے۔ ان ہدایتوں کی روشنی میں دونوں بزرگ کئی مہینے تک زمینوں کی پیمائش میں مصروف رہے۔ انہوں نے اس کام پر بہت محنت کی اور بے حد احتیاط سے کام لیا۔ قاضی ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیمائش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے۔

جب پیمائش ختم ہوئی تو کُل رقبہ طول میں تین سو پچھتر میل اور عرض میں دو سو چالیس میل نکلا۔ اس میں پہاڑوں، صحراؤں اور نہروں کو چھوڑ کر قابلِ زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہری۔ شاہی خاندان کی جاگیروں، لاوارثوں، مفروروں اور مقتولوں کی جائدادوں، آتشکدوں کے اوقاف اور جنگلوں وغیرہ کی زمینوں اور ان زمینوں کو جو سڑکوں کی تیاری اور ڈاک کے مصارف کے لیے مخصوص تھیں، حضرت عمرؓ نے ان کو خالصہ قرار دیا اور ان کی آمدنی رفاہِ عامہ کے کاموں کے لیے مخصوص کر دی۔ کبھی کبھی کسی شخص کی نمایاں ملکی اور قومی خدمات کے صلہ میں ان زمینوں سے اس کو جاگیر بھی عطا کی جاتی تھی لیکن یہ جاگیر خراج یا عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی تھی۔ باقی تمام زمینیں مالکانِ قدیم کے قبضے میں دے دی گئیں۔ پیمائش کا کام ختم ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عثمانؓ بن حنیف کو کوفہ کا صاحب الخراج یا کلکٹر اور حضرت حذیفہؓ بن الیمان کو مدائن کا صاحب الخراج مقرر کیا۔

قاضی ابویوسفؒ کے بیان کے مطابق حضرت عثمانؓ بن حنیف نے اپنے عہدے کی ذمہ داری

سنبھالنے کے بعد مال گزاری کی تشخیص کی اور حسب ذیل شرح کے مطابق لگان مقرر کیا۔

گیہوں	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	۴ درہم سالانہ
جَو	"	۲ درہم سالانہ
انگور	"	۱۰ درہم سالانہ
نیشکر	"	۶ درہم سالانہ
روئی	"	۵ درہم سالانہ
تِل	"	۸ درہم سالانہ
ترکاری	"	۳ درہم سالانہ

بعض جگہ زمین کی نوعیت کے اعتبار سے اس شرح میں کمی بیشی بھی ہوئی مثلاً جَو پر فی جریب ایک درہم اور گیہوں پر فی جریب دو درہم مقرر ہوئے۔ افتادہ زمین پر بشرطیکہ قابلِ زراعت ہو فی جریب نصف درہم سالانہ مقرر ہوا۔

حضرت عمرِ فاروقؓ نے لگان بندی کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ بن حنیف کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں لکھا تھا۔

• ہر جریب زمین پر خواہ اس پر عملاً کاشت ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو ایک درہم نقد اور ایک قفیز غلّہ مقرر کرو۔ انگور کی ہر جریب سے دس درہم اور ترکاریوں کی ہر جریب سے پانچ درہم وصول کرو' لیکن کھجور اور دوسرے پھلدار درختوں پر ٹیکس نہ لگاؤ۔"

جزیہ کی شرح اس حساب سے مقرر کی گئی۔

امراء سے	۴۸ درہم سالانہ
متوسط طبقہ سے	۲۴ درہم سالانہ
عام لوگوں سے	۱۲ درہم سالانہ

عورتیں' بچے محتاج و معذور لوگ اور رہبان جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔

حضرت عثمانؓ بن حنیف کی امانت داری اور احتیاط کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ جلیل القدر صحابی حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی ان کے پاس ایک فرمان لے کر آئے جس میں ان کو حکم دیا گیا تھا کہ عراق کی خالصہ زمین میں سے انھیں کچھ زمین دے دیں جو ان کے گزارہ کے لیے کافی ہو نہ اس سے کم نہ زیادہ۔"

حضرت عثمانؓ نے اس فرمان کی اس وقت تک تعمیل نہ کی جب تک حضرت عمر فاروقؓ

سے براہِ راست اس کی تصدیق نہ کرائی۔ ان کے خط کے جواب میں امیرالمومنینؓ نے انھیں لکھا۔
"جریر کا قول اور پیش کردہ فرمان صحیح ہے اس پر عمل کرو ــــــ تم نے اچھا کیا کہ میری طرف رجوع کر لیا۔"

حضرت عثمانؓ بن حُنَیف نے اپنے فرائضِ منصبی کو اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ نہایت کثرت سے افتادہ زمینیں آباد ہوگئیں اور زراعت کی پیداوار میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا۔ چنانچہ بندوبست کے دوسرے سال خراج کی آمدنی آٹھ کروڑ سے دس کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی اور بعد کے سالوں میں اس میں اور اضافہ ہوتا گیا۔ خاص دارالامارۃ کوفہ کی آمدنی اس قدر بڑھی کہ ۲۲-۲۳ھ ہجری تک اس کے خراج کی رقم ایک کروڑ درہم تک پہنچ گئی۔

ایک دفعہ حضرت عثمانؓ بن حنیف اور حضرت حذیفہؓ بن یمان مدینہ گئے اور امیرالمومنین حضرت عمرِ فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے پوچھا۔ "تم نے جمع تشخیص میں سختی تو نہیں کی؟"

حضرت عثمانؓ بن حنیف نے جواب دیا۔
"میں نے آدھا چھوڑ دیا ہے آپ چاہیں تو وہ بھی مل سکتا ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ اگر ہر شخص پر دو درہم جزیہ کا اور ہر جریب پر ایک درہم اور ایک قفیز غلّے کا اضافہ کیا جائے تو لوگ اس کو برداشت کر لیں گے؟

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔ "ہاں"
حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "پھر غور کر لو جمع ناقابلِ برداشت تو تشخیص نہیں کی گئی؟"
انھوں نے کہا۔ "نہیں"

اب حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "اگر زندہ رہا تو اپنے بعد عراق کی بیواؤں کو کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہونے دوں گا۔"

حضرت عثمانؓ بن حنیف خراج اور جزیہ کی وصولی میں بے حد نرمی سے کام لیتے تھے، اس کے باوجود آمدنی میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا۔ دوسری طرف امیرالمومنین حضرت عمرِ فاروقؓ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو کوفہ اور بصرہ سے دس دس ثقہ اور قابلِ اعتماد اشخاص مدینہ بلائے جاتے تھے جو حضرت عمرؓ کے سامنے شرعی قسم کھا کر

شہادت دیتے تھے کہ لگان یا جزیہ وصول کرتے وقت کسی مسلمان یا ذمی پر مطلق کوئی ظلم نہیں کیا گیا۔ ان لوگوں کی شہادت لینے کے بعد ہی حضرت عمرؓ خراج وغیرہ کی رقم بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیتے تھے۔

اتنے اہم عہدے پر فائز ہونے کے باوجود حضرت عثمانؓ بن حنیف کی تنخواہ روزانہ پانچ درہم اور ایک تھیلی آٹا تھی۔

حضرت عثمانؓ بن حنیف نے خراج اور جزیہ کی تشخیص میں جس غیر معمولی قابلیت کا ثبوت دیا حضرت عمر فاروقؓ اس سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ جب انھوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تو انھیں حکم بھیجا کہ تم بصرہ میں کوفہ کے مطابق خراج مقرر کرو۔

حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت (محرم ۲۴ھ) کے بعد حضرت عثمانؓ ذوالنورین سریر آرائے خلافت ہوئے۔ ان کے دورِ خلافت میں حضرت عثمانؓ بن حنیف اپنے عہدے سے سبکدوش ہو کر کوفہ سے مدینہ منورہ آ گئے۔ ذی الحجہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے نہایت دردناک حالات میں مظلومانہ شہادت پائی تو عالمِ اسلام میں ہیجان برپا ہو گیا۔ انھی پُر آشوب ایام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ خلیفہ مقرر ہوئے۔ انھیں خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی نہایت مشکل اور پیچیدہ حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ اسی اثناء میں حضرت علیؓ نے مختلف صوبوں کے نئے گورنر مقرر کر دیئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یمن کا گورنر مقرر کیا حضرت عمارہ بن حسانؓ کو کوفے کا، حضرت قیس بن سعدؓ بن عبادہ کو مصر کا، حضرت عثمانؓ بن حنیف کو بصرے کا گورنر مقرر کیا۔ اُدھر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو آمادہ کیا کہ آپ بصرہ تشریف لے چلیں۔ اُم المومنینؓ نے ان کی تجویز مان لی اور ان کا لشکر بصرہ کی طرف بڑھا۔ گورنر بصرہ حضرت عثمانؓ بن حنیف کو اس لشکر کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے دو آدمیوں عمران اور ابوالاسود کو اُم المومنینؓ کی خدمت میں یہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا کہ وہ کس مقصد کے لیے بصرہ تشریف لا رہی ہیں۔ اُم المومنینؓ نے ان دونوں کے سامنے تقریر کی جس کا مفہوم تھا کہ

"میں مسلمانوں کو لے کر اس لیے نکلی ہوں تاکہ لوگوں کو بتاؤں کہ عام مسلمانوں کو جن کو میں پیچھے چھوڑ آئی ہوں ان سے کیا نقصان پہنچ رہا ہے اور یہ کن کن جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کی سرگوشی میں کوئی زیادہ فائدہ نہیں لیکن یہ کہ یہ خیرات یا عام نیکی کریں یا لوگوں

کے درمیان اصلاح کرائیں۔ ہم اصلاح کی دعوت لے کر کھڑے ہوئے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے ہر چھوٹے بڑے اور مرد عورت کو حکم دیا ہے۔ یہ ہے ہمارا مقصد جس کی نیکی پر ہم تمہیں آمادہ کرتے ہیں اور جس کی برائی سے تمہیں روکنا چاہتے ہیں۔"

عمران اور ابوالاسود حضرت عائشہؓ کی تقریر سن کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس گئے انھوں نے بھی اُمّ المومنینؓ کے موقف کی تائید کی۔ رخصت کے وقت وہ پھر اُمّ المومنینؓ کے پاس گئے۔ انھوں نے ابوالاسود کو مخاطب کر کے فرمایا۔

" ابوالاسود! دیکھنا نفس تم کو دوزخ کی طرف نہ لے چلے۔" اور پھر قرآن کی ایک آیت پڑھی جس کا مطلب ہے۔ "اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لیے سچی گواہی دو۔"

حضرت عثمانؓ بن حنیف کے دونوں قاصدوں نے واپس جا کر ان کو اُمّ المومنینؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کا جواب سنایا تو انھوں نے کہا۔ "افسوس مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔" پھر انھوں نے مدافعت کی تیاری شروع کر دی۔ جمعہ کا دن آیا تو ان کی طرف سے ایک آدمی نے جامع مسجد میں لوگوں کے سامنے تقریر کی۔ جس کے جواب میں ایک شخص نے لشکرِ اصلاح کی حمایت میں پُرزور تقریر کی۔ اسی اثنا میں اُمّ المومنینؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی وہاں آپہنچے۔ پہلے حضرت طلحہؓ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تقریریں کیں، ان کے بعد اُمّ المومنینؓ نے حمد و نعت کے بعد مجمع سے خطاب فرمایا۔

اُمّ المومنینؓ کی تقریر کا اہلِ بصرہ پر ایسا اثر ہوا کہ ان کی ایک بڑی تعداد نے اُمّ المومنینؓ کی حمایت کا اعلان کر دیا اور ان کے لشکر گاہ میں چلی گئی۔ بدقسمتی سے دوسرے دن سرکاری فوج اور لشکرِ اصلاح کے درمیان لڑائی چھڑ گئی۔ اس میں لشکرِ اصلاح کا پلّہ واضح طور پر بھاری تھا۔ لیکن بالآخر فریقین نے اس شرط پر صلح کر لی کہ ایک سفیر مدینہ بھیجا جائے، وہاں وہ مجمع عام میں دریافت کرے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے برضا و رغبت حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی یا ان کو زبردستی اس پر مجبور کیا گیا ــــــ اور ــــــ

جب سفیر حقیقتِ حال معلوم کر کے واپس آئے تو اسی کے مطابق فریقین اپنے اپنے موقف کا جائزہ لیں۔ یہ صلح نامہ باقاعدہ معرضِ تحریر میں لایا گیا۔ اس میں لکھا تھا۔

" یہ صلح نامہ طلحہ اور زبیر اور ان کے ساتھی مومنوں اور مسلمانوں، اور عثمان بن حنیف اور اس کے ساتھی مومنوں اور مسلمانوں کے مابین ہے کہ عثمان بن حنیف جس حال میں ہو اور جہاں ہو اس صلحنامہ کی رو سے وہیں ٹھہر جائے اور طلحہ و زبیر بھی جس حال

میں ہوں اور جہاں ہوں وہیں ٹھہر جائیں تاوقتیکہ فریقین کے امین کعب بن سور مدینہ سے حقیقتِ حال معلوم کر کے واپس آجائیں۔ اس دوران میں فریقین میں سے کوئی بھی دوسرے فریق کو مسجد میں، بازار میں اور کسی راستہ میں کوئی ضرر نہ پہنچائے اور نہ فریقین کھلے عام جنگ وجدل کا بازار گرم کریں یہاں تک کہ کعب بن سور اطلاع لے کر آجائیں اگر تو وہ یہ خبر لے کر واپس آئیں کہ لوگوں نے طلحہؓ و زبیرؓ کو حضرت علیؓ کی بیعت کرنے پر مجبور کیا تو یہ اُن کا معاملہ ہے وہ خود جانیں اور عثمان چاہے تو خروج کرے اور اپنی صوابدید کے مطابق عمل کرے اور اگر وہ چاہے تو طلحہ و زبیر کے ساتھ مل جائے اور اگر کعب بن سور یہ خبر لے کر آئے کہ لوگوں نے ان دونوں کو بیعت کرنے پر مجبور نہیں کیا تو اس صورت میں عثمان کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہے پھر اگر طلحہؓ و زبیرؓ اطاعتِ علیؓ پر قائم رہنا چاہیں تو رہیں اگر بیعت سے خروج کرنا چاہیں تو اپنی مرضی کے ملک ہیں۔"

صلحنامہ کے مطابق حضرت کعبؓ بن سور ازدی مدینہ منوّرہ گئے اور جمعہ کے دن مسجدِ نبوی میں مجمع عام سے سوال کیا کہ کیا طلحہؓ اور زبیرؓ نے علیؓ کی بیعت جبراً کی؟ حضرت اسامہؓ بن زیدؓ حضرت ابو ایوب انصاریؓ، حضرت محمد بن مسلمہ اور کچھ دوسرے اکابر صحابہ نے شہادت دی کہ ہاں انھوں نے جبراً بیعت کی تھی۔ کعب بن سور یہ شہادت لے کر مدینہ سے عازم بصرہ ہوئے اُدھر حضرت علیؓ کو ان واقعات کا علم ہوا تو انھوں نے حضرت عثمانؓ بن حنیف کو خط لکھا کہ اگر طلحہؓ و زبیرؓ سے زبردستی بیعت لی گئی ہے تو صرف اس لیے کہ مسلمانوں میں افتراق و اختلاف اور گروہ بندی نہ پیدا ہو جائے۔ اب اگر وہ بیعت توڑتے ہیں تو مجھے کیا جواب دیں گے اور اگر اس کے سوا کوئی اور ارادہ ہے تو ان کو اور ہم کو اس پر غور کرنا چاہیئے۔

حضرت کعبؓ بن سور نے بصرہ پہنچ کر لوگوں کو حقیقتِ حال سے آگاہ کیا تو صلحنامہ کالعدم ہو گیا اور حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ بن حنیف سے مطالبہ کیا کہ وہ بصرہ کا قبضہ ان کے حوالے کر کے شہر خالی کر دیں۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے خط کی روشنی میں ان کا مطالبہ ماننے میں عذر کیا اور کہا کہ ہمیں سارے معاملے کا نئے سرے سے جائزہ لینا چاہیے۔ اسی اثناء میں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آگیا، وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کو عشاء کے وقت مسجد پہنچنے میں کچھ دیر ہو گئی۔ اس پر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے حامیوں نے حضرت عتابؓ بن اسید کو امامت کے لیے کھڑا کر دیا۔ چونکہ امامت اس زمانے میں لازمۂ حکومت تھی اور بڑی اہمیت رکھتی

حامل بھی اس لیے زط اور سیابچہ نے جن کے سپرد شہر کا انتظام تھا' حضرت عثمانؓ کو امامت سے روکا۔ اس پر فریقین میں کشمکش شروع ہوگئی۔ فریقِ مخالف نے ان لوگوں کو ایک طرف کر کے دارالامارت اور بیت المال کا رُخ کیا۔

پہرہ داروں کی رکاوٹ دور کرنے کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے آدمی دارالامارۃ کے اندر داخل ہو گئے اور حضرت عثمانؓ بن حنیف کو گرفتار کر لیا۔ بعض جوشیلے لوگ انھیں قتل کرنا چاہتے تھے لیکن اُمّ المومنینؓ کو پتہ چلا تو انھوں نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے مشورہ کرنے کے بعد حکم دیا کہ ان کی جان کو کوئی گزند نہ پہنچے البتّہ انھیں قید میں رکھا جائے۔

اس واقعہ کے نتیجے میں بصرہ پر اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ان کے حامیوں کا مکمل قبضہ ہوگیا۔ شہر کے بیشتر باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ جنہوں نے اظہارِ اطاعت نہ کیا' امّ المومنینؓ نے ان سے کوئی تعرّض نہ کیا اور انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد بصرہ کے خزانہ (بیت المال) سے اصلاح پسند لشکر کے سپاہیوں کی تنخواہیں تقسیم ہوئیں اور مدینہ دمشق اور کوفہ وغیرہ میں آدمی بھیج کر لوگوں کو بصرہ پر قبضہ کی اطلاع دی گئی۔

نواح بصرہ کے رؤسا میں ایک صاحبِ اثر رئیس حکیم بن جبلہ تھے انھیں حضرت عثمانؓ بن حنیف کی گرفتاری اور ابتلا کا علم ہوا تو وہ بنو عبدالقیس و ربیعہ کے سات سو آدمی لے کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے چند شرائط رکھیں جن میں سے ایک عثمانؓ بن حنیف کی قید سے رہائی تھی۔ لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کی کوئی بھی شرط ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر حکیم بن جبلہ اور ان کے ساتھی عبداللہ بن زبیرؓ کی فوج کے ساتھ برسرِپیکار ہو گئے۔

بصرہ کے قریب فریقین میں گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں حکیم بن جبلہ اور ان کے کثیر رفقا کام آئے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے امّ المومنینؓ کی خدمت میں ایک آدمی بھیج کر حضرت عثمانؓ بن حنیف کو قید سے رہا کرا دیا۔ وہ رہا ہو کر سیدھے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی خدمت میں پہنچے جو اس وقت مدینہ سے چل کر ربذہ میں مقیم تھے۔

اس کے جلد ہی بعد جنگِ جمل پیش آئی اور بصرہ دوبارہ حضرت علیؓ کے قبضے میں آ گیا لیکن اب اس کے گورنر حضرت عبداللہ بن عباسؓ مقرر ہوئے۔ حضرت عثمانؓ بن حنیف کوفہ چلے گئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ حضرت عثمانؓ بن حنیف کے سالِ وفات کی تصریح نہیں ملتی صرف اتنا لکھا ہے کہ انھوں نے امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

اصحابی کالنجوم
میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشاد نبوی)

حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شرجیلؓ ابھی کمسن ہی تھے کہ سایہ پدری سے محروم ہو گئے۔ ان کی والدہ حسنہؓ نے مکہ کے ایک صاحب سفیانؓ بن معمر سے شادی کر لی اور اسی زمانے میں اپنے کمسن فرزند شرجیلؓ کے ہمراہ وطن سے مکہ آئیں اور یہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ یہ بعثت نبویؐ سے پچیس تیس سال پہلے کا واقعہ ہے چونکہ اہل مکہ کو حضرت شرجیلؓ کے آباؤ اجداد سے چنداں واقفیت نہ تھی، اس لئے وہ انہیں ماں کی نسبت سے شرجیلؓ بن حسنہؓ پکارنے لگے اور اسی نام سے انہوں نے تاریخ میں شہرت پائی۔

حضرت شرجیلؓ قریش کے خاندان بنو زہرہ کے حلیف تھے۔ یہ حلیفانہ تعلق پیدا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی جبکہ ان کے سوتیلے والد سفیانؓ بن معمر کا تعلق قریش کی شاخ بنو جمح سے تھا۔ اس کی کہیں صراحت نہیں ملتی۔ بہرصورت اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت شرجیلؓ، ان کی والدہ حسنہؓ، ان کے سوتیلے والد سفیانؓ بن معمر، اخیافی بھائی جابرؓ بن سفیانؓ اور جنادہؓ بن سفیانؓ سبھی نہایت سعید الفطرت لوگ تھے۔ یہ سب بعثت نبویؐ کے بالکل ابتدائی زمانے میں شرف اسلام سے بہرہ یاب ہو گئے۔ یوں اس گھرانے کو اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کی مقدس جماعت میں ایسا امتیازی درجہ حاصل ہو گیا جس میں بہت کم خاندان ان کے شریک ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی اعلانیہ تبلیغ کا آغاز نہیں کیا تھا اور نہایت رازداری کے ساتھ فریضۂ تبلیغ ادا فرماتے تھے۔ جب نماز کا وقت آتا تو مسلمان اپنی قوم اور قبیلے سے مخفی مکہ کی سنسان گھاٹیوں میں جاکر نماز پڑھا کرتے تھے۔ چھُپ چھُپ کر عبادت کرنے والے ان سابقین اسلام میں حضرت شُرجبیلؓ بن حسنہؓ بھی شامل تھے۔ ۲ ہجری بعد بعثت میں ایک مرتبہ مسلمان مکہ کی ایک گھاٹی میں مصروفِ نماز تھے کہ مشرکین کی ایک ٹولی وہاں پہنچ گئی۔ یہ لوگ مسلمانوں کو ایک نئے طریقے سے عبادت کرتے دیکھ کر بھڑک اُٹھے اور یکبارگی نمازیوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ انہیں جوش آگیا اور پاس پڑی ہوتی اونٹ کی ایک ہڈی اُٹھا کر ایک مشرک کو دے ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ دوسرے مسلمان بھی مقابلے کے لئے تیار ہوگئے۔ مشرکین نے ان کے تیور دیکھے تو ٹھنڈے پڑ گئے اور اپنے زخمی ساتھی کو ہمراہ لے کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ حضورؐ کو اس واقعے کا علم ہُوا تو آپؐ نے حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم مخزومی کے مکان کو جو صفا کے قریب واقع تھا، مسلمانوں کے اجتماع اور دعوت و تبلیغ کا مرکز بنادیا۔ حضورؐ خود بھی وہاں تشریف فرما رہتے اور اہلِ حق جن میں حضرت شُرجبیلؓ بن حسنہؓ بھی شامل تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر دارارقم ہی میں نماز ادا کرتے۔ ۴ ہجری بعد بعثت کے اوائل میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانیہ دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو مسلمانوں پر ظلم و ستم کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ حضرت شُرجبیلؓ بن حسنہؓ اور ان کے اہلِ خاندان بھی مشرکینِ قریش کے جور و تعدی کا ہدف بن گئے لیکن وہ بڑے صبر اور استقامت کے ساتھ ہر قسم کی مصیبتیں جھیلتے رہے۔

حضرت ابوعبداللہ شُرجبیلؓ بن حسنہؓ کا شمار رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جاں نثاروں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں دینِ حق کو سربلند کرنے کی جہدِ مسلسل میں گزار دیں اور اس راہ میں کسی بڑی سے بڑی مصیبت کو خاطر میں نہ لاتے۔ علامہ ابن اثیر نے حضرت شُرجبیلؓ کے والد کا نام عبداللہ بن مطاع بن عبداللہ لکھا ہے لیکن ابنِ حزم کے بیان کے مطابق ان کا نام عبداللہ بن عمرو بن مطاع تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت شُرجبیلؓ کا تعلق بنو تمیم سے تھا، لیکن جمہور اہلِ سِیَر نے انہیں کِندی بتایا ہے۔

جن صحابۂ کرامؓ کو کتابتِ وحی کا شرف حاصل ہُوا، حضرت شُرجبیلؓ بن حسنہؓ بھی ان میں شامل ہیں۔ چنانچہ بہت سی روایتوں میں ان کے نام کے ساتھ "کاتبِ رسول اللہؐ" کے الفاظ ملتے ہیں حضرت شُرجبیلؓ بن حسنہؓ پڑھے لکھے آدمی تھے اور بچپن میں ان کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی گئی تھی۔ آپؓ ان مخصوص صحابہؓ میں سے تھے جن کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا اعتماد حاصل تھا یہاں تک

کہ آپؐ نے کتابتِ وحی جیسی عظیم ذمہ داری ان کے سپرد کر دی تھی۔ اگرچہ اہلِ سیر نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ حضرت شرجیلؓ نے کب اور کن موقعوں پر کتابتِ وحی کی خدمت انجام دی لیکن قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ہجرتِ حبشہ سے پہلے بھی گاہے بگاہے یہ شرف حاصل ہوا اور حبشہ سے واپسی کے بعد بھی۔

۵ سال نبویؐ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ ملک حبشہ چلے جائیں جہاں کا بادشاہ نیک دل ہے اور کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔ چنانچہ گیارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل ایک قافلہ حبش کو ہجرت کر گیا۔ یہ پہلی ہجرتِ حبشہ تھی۔ اگلے سال (۶ بعدِ بعثت کے آغاز میں) اسّی سے کچھ اوپر مردوں اور اٹھارہ یا اُنیس خواتین نے حبش کی راہ لی۔ ان میں حضرت شرجیلؓ بن حسنہؓ، ان کی والدہ حضرت حسنہؓ، سوتیلے والد حضرت سفیانؓ بن معمر، اخیافی بھائیوں حضرت جابرؓ اور حضرت خبادہؓ پسرانِ سفیانؓ شامل تھے۔ گویا پورے گھرانے نے اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑ دیا اور حبش کی غریب الوطنی اختیار کر لی۔

حضرت شرجیلؓ بن حسنہؓ اپنے اہلِ خاندان کے ہمراہ حبش میں مسلسل تیرہ برس تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ مہاجرینِ حبشہ میں حضرت اُم حبیبہؓ بنت ابوسفیانؓ بھی تھیں۔ وہ دوسری ہجرتِ حبشہ میں اپنے خاوند عبیداللہ جحش کے ہمراہ اسی قافلے میں حبش پہنچی تھیں جس میں حضرت شرجیلؓ بن حسنہؓ اور ان کے اہلِ خاندان بھی شامل تھے۔ بدقسمتی سے عبیداللہ بن جحش نے حبش پہنچ کر عیسائی مذہب اختیار کر لیا اور بے تحاشا شراب پینی شروع کر دی۔ حضرت اُم حبیبہؓ نے شوہر کو بہت سمجھایا لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور عیسائیت کی حالت ہی میں وفات پائی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حضرت اُمِ حبیبہؓ کے بیوہ ہونے کی اطلاع ملی، تو آپؐ نے ان کو اپنے دامنِ رحمت میں ڈھانپنے کا قصد فرمایا، چنانچہ جب ان کے ایامِ عدت پورے ہو گئے، تو حضورؐ نے حضرت عمروؓ بن امیہ الضمری کے ہاتھ نجاشی شاہِ حبشہ کے نام ایک دعوتی مکتوب روانہ فرمایا جس میں حضرت اُمِ حبیبہؓ کو پیامِ نکاح بھی دیا گیا تھا۔ نجاشی نے حضورؐ کا پیغام حضرت اُمِ حبیبہؓ کو دیا تو انہوں نے بلا تامل قبول کر لیا، چنانچہ نجاشی نے ایک مجلس میں حضرت اُمِ حبیبہؓ کا غائبانہ نکاح حضورؐ سے کر دیا اور حضورؐ کی طرف سے حق مہر بھی ادا کر دیا۔ یہ واقعہ ۶ ہجری کا ہے۔ اس مبارک نکاح کے چند دن بعد نجاشی نے تمام مہاجرینِ حبشہ کو دو کشتیوں میں سوار کر کے مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ یہ سب ساٹھ مرد و زن تھے۔ ان میں اُم المومنین حضرت اُمِ حبیبہؓ کے علاوہ حضرت شرجیلؓ اور ان کے اہلِ خاندان بھی شامل تھے۔

نجاشی نے حضرت اُمِ حبیبہؓ کو حضرت شرجیلؓ بن حسنہؓ کے ہمراہ وزیرِ نگرانی مدینہ منورہ روانہ کیا تھا۔

یہ مقدس قافلہ جس دن مدینہ منورہ پہنچا، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں تشریف فرما تھے اور اسی روز فتح خیبر سے فارغ ہوئے تھے۔ حضورؐ کے ابھی مدینہ واپس آنے میں کچھ دیر تھی، لیکن حبش سے آنے والے اصحابؓ کو اپنے محبوب آقاؐ سے ملے بغیر کہاں چین تھا۔ تمام مرد آپؐ کے شوقِ لقا میں خیبر پہنچے اور سیّد المرسلینؐ کے جمالِ جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کیں۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سال کے بچھڑے ہوئے ان جاں نثاروں کو دیکھا، تو آپؐ کو کمال درجے کی مسرت ہوئی۔ آپؐ نے ہر ایک سے معانقہ فرمایا اور پیشانی پر بوسہ دیا پھر آپؐ نے ازراہِ کرم ان کو بھی خیبر کے مالِ غنیمت میں سے حصّہ دیا۔ حبش سے واپس آنے والے تمام صحابہؓ اور صحابیاتؓ کو "ذوالہجرتین" کا عظیم لقب مرحمت ہوا کیونکہ انہوں نے دو ہجرتیں کی تھیں۔ ایک مکہ سے حبش کو اور دوسری حبش سے مدینہ منورہ کو۔ حضرت شرجیلؓ بن حسنہؓ کو بھی اسی مقدس جماعت کا ایک رکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مدینہ منورہ میں حضرت شرجیلؓ، بنوزریق کے محلے میں قیام پذیر ہوئے یہیں ان کا نکاح مشہور صحابیہ حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ (عدویہ) کی صاحبزادی سے ہوا۔

غزوۂ خیبر کے کچھ عرصے بعد ایک دن مشہور صحابیہ حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور اپنی ضروریات بیان کر کے آپؐ سے کچھ مانگا۔ حضورؐ ہر حاجت مند کا دامن مُراد سے بھرتے تھے، لیکن اتفاق سے اس وقت آپؐ کے پاس حضرت شفاءؓ کو دینے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی۔ آپؐ نے معذرت فرمائی، لیکن حضرت شفاءؓ برابر اصرار کرتی رہیں۔ اتنے میں نماز کا وقت آگیا اور حضورؐ مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت شفاءؓ بارگاہِ نبویؐ سے اُٹھ کر اپنی بیٹی کے گھر چلی گئیں جو قریب ہی تھا۔ وہاں دیکھا کہ ان کے داماد حضرت شرجیلؓ گھر میں بیٹھے ہیں اور نماز کے لئے مسجد نہیں گئے۔ کسی صاحبِ رسولؐ کا اذان کی آواز سُن کر نماز کے لئے مسجد نہ جانا بڑی عجیب بلکہ انہونی بات تھی۔ حضرت شفاءؓ نے داماد کو ملامت کی کہ نماز کا وقت ہو گیا اور تو گھر میں بیٹھا ہے۔ انہوں نے عرض کی :

"خالہ جان، مجھے ملامت نہ کیجئے، میرے پاس ایک ہی پرانی قمیض تھی جسے میں نے پیوند لگا رکھا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مجھ سے عاریتاً لے لی، کیونکہ آپؐ کے پاس پہننے کے لائق کوئی کپڑا نہ تھا۔ اب مجھے شرم محسوس ہوتی ہے کہ ننگے بدن صرف تہمد کے ساتھ مسجد جاؤں اور لوگوں کو بتاتا پھروں کہ حضورؐ نے میری قمیض عاریتاً لے لی ہے۔"

داماد کا جواب سُن کر حضرت شفاءؓ بہت پشیمان ہوئیں اور بولیں :

"میرے ماں باپ رسول اللہ پر قربان جائیں، مجھے کیا معلوم تھا کہ حضورؐ کا یہ حال ہے۔ میں تو صبح

سے آپ سے کسی چیز کے لئے اصرار کر رہی تھی اور آپ عذر فرما رہے تھے۔

غزوہ خیبر کے بعد حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ حضور اکرمؐ کے ساتھ غزوات میں شرکت فرماتے رہے۔ عہدِ رسالتؐ کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سفیر بنا کر مصر بھیج دیا۔ وہ مصر ہی میں تھے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ یہ المناک خبر سنتے ہی وہ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ مسندِ خلافت پر بیٹھ چکے تھے۔ حضرت شرحبیلؓ نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

۱۱ ہجری میں خلافت صدیقی کے آغاز میں ہی فتنہ ارتداد و مانعین زکوٰۃ نے سر اٹھایا۔ نبوت کے جھوٹے دعویدار بھی پیدا ہو گئے۔ ان سب سے نبرد آزما ہونے اور ان کا صفایا کرنے کے لئے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مجاہدینِ اسلام کے گیارہ لشکر مرتب کئے۔ ان میں سے ایک لشکر کے سپہ سالار حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ تھے۔ انہیں یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کی مدد کریں اور اس کے بعد کندہ اور حضر موت وغیرہ کے مرتدین کی شورش رفع کریں۔ حضرت عکرمہؓ سوئے اتفاق سے اپنے طاقتور حریف مسیلمہ کذاب کی قوت کا صحیح اندازہ نہ کر سکے اور حضرت شرحبیلؓ کے پہنچنے سے پہلے ہی مسیلمہ سے لڑائی چھیڑ دی۔ اس کا نتیجہ ان کی پسپائی کی صورت میں نکلا۔ حضرت شرحبیلؓ وہاں پہنچے تو ان کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی، لیکن انہوں نے پیچھے ہٹ کر مسیلمہ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ جاری رکھی۔ اس اثناء میں حضرت خالدؓ بن ولید، طلیحہ بن خویلد اور عیینہ بن حصین کی سرکوبی سے فارغ ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں حضرت شرحبیلؓ کی مدد کے لئے روانہ کر دیا۔ یمامہ کے میدان میں اہلِ حق اور مسیلمہ کذاب کے زبردست لشکر کے درمیان اُس دَور کی خونریز لڑائی ہوئی۔ اس میں حضرت شرحبیلؓ شروع سے اخیر تک سر سے کفن باندھ کر لڑتے رہے، یہاں تک کہ مرتدین کو شکستِ فاش ہوئی اور ان کے لشکر کے پرخچے اڑ گئے۔ خود مسیلمہ بھی اس لڑائی میں مارا گیا۔ جنگ یمامہ کے بعد حضرت شرحبیلؓ نے فتنۂ ارتداد کے کئی دوسرے محاذوں پر بھی دادِ شجاعت دی۔ اہلِ حق کی سرفروشی اور استقامت کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند ماہ کے اندر اندر مرتدین اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کا یکسر خاتمہ ہو گیا اور سارے عرب نے خلافتِ صدیقیؓ کے سامنے سرِ اطاعت خم کر دیا۔

۱۲ ہجری میں شام کی رومی سلطنت کے خلاف جنگ کا آغاز ہوا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس مہم کے لئے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو حمص پر، یزیدؓ بن ابوسفیان کو بلقاء اور دمشق پر، حضرت عمروؓ بن العاص کو فلسطین پر اور حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ کو اُردن پر مامور فرمایا اور عملی

قیادت کے سلسلے میں یہ حکم دیا تھا کہ جس امیر کی حدود قیادت میں جنگ ہو، وہی امیر لشکر کی قیادت کرے گا۔ اگر میدانِ کارزار میں سب یکجا ہو جائیں تو تمام لشکر کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح ہوں گے۔

عرب کی سرحد سے نکل کر مجاہدین اسلام کو جگہ جگہ کیل کانٹے سے لیس رومیوں کے بڑے بڑے جتھے ملے۔ انہوں نے مسلمانوں کی زبردست مزاحمت کی، لیکن اہلِ حق کے سیل بے پناہ کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ چلی۔ حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ جو سب سے پہلے مدینہ منورہ سے روانہ ہوتے تھے۔ تبوک کے مقام پر ان کی مڈبھیڑ رومیوں کی ایک زبردست فوج سے ہو گئی۔ اس فوج کی قیادت ہرقل کے چار آزمودہ کار افسر باطلیق، جرجیس، لوقا اور صلیبا کر رہے تھے۔ اس فوج کے مقابلے میں حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کے لشکر کی تعداد بہت کم تھی، لیکن وہ اللہ کے بھروسے پر اس سے بھڑ گئے۔ پہلے دن کی لڑائی میں ہار جیت کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ دوسرے دن پھر معرکۂ کارزار گرم ہوا تو فریقین خوب جم کر لڑے۔ عین اس وقت جبکہ لڑائی زوروں پر تھی، حضرت شرجیلؓ بن حسنہؓ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ وہ حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کی روانگی کے بعد بصریٰ کا عزم کر کے مدینہ سے چلے تھے۔ اب جو انہوں نے رومیوں کو مسلمانوں سے نبرد آزما دیکھا تو بغیر دم لئے تکبیر کے نعرے لگاتے اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے میدان میں اتر آئے۔ یزیدؓ بن ابو سفیانؓ کے لشکر کے لئے حضرت شرجیلؓ کی آمد تائید غیبی سے کم نہ تھی۔ سب نے مل کر تازہ جوش اور ولولے کے ساتھ رومیوں پر اس زور کا حملہ کیا کہ ان کی صفیں الٹ کر رکھ دیں۔ تمام بڑے بڑے رومی افسر میدانِ جنگ میں کام آئے۔ یہاں تک کہ رومی فوج اپنے ہزاروں آدمی کٹوا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

لڑائی کے بعد حضرت یزیدؓ بن ابو سفیانؓ، حضرت شرجیلؓ سے بغلگیر ہوئے اور دونوں نے ایک دوسرے کو فتح کی مبارک باد دی۔ اس کے بعد دونوں سپہ سالار اپنی اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت یزیدؓ بن ابو سفیانؓ کا رُخ بلقاء کی جانب تھا اور حضرت شرجیلؓ کا بصریٰ کی طرف۔

بصریٰ، شام کے صوبے حوران کا صدر مقام تھا اور جنگی لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اس کا حاکم ایک رومی جرنیل روباس تھا۔ حضرت شرجیلؓ چار ہزار سرفروشوں کے ہمراہ یلغار کرتے ہوئے بصریٰ کے قریب پہنچے تو روباس نے مسلمانوں سے لڑنے کی بجائے صلح کر لینا مناسب سمجھا چنانچہ اس نے حضرت شرجیلؓ سے صلح کی گفت و شنید شروع کر دی۔ اہل بصریٰ کو اپنے حاکم کا صلح جویانہ رویہ پسند نہ آیا اور انہوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ پوری قوت سے مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ روباس

نے مُوعاو کرہ لڑائی کی تیاری شروع کردی اور مسلمان بھی لڑائی کے لئے کمربستہ ہو گئے۔اس اثنا میں حضرت خالدؓ بن ولید بھی اپنی فوج کے ساتھ عراق عرب سے بصریٰ پہنچ گئے۔ انہوں نے حضرت شرجیلؓ کے ساتھ مل کر بصریٰ کے جنگجو رومیوں پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ الامان والحفیظ پکار اُٹھے اور قلعے کا دروازہ کھول کر امان کے طالب ہوئے۔ حضرت خالدؓ نے ان کو جزیے کی شرط پر امان دے دی۔ اس کے بعد وہ حضرت شرجیلؓ کو بصریٰ میں چھوڑ کر دمشق کی طرف بڑھے اور حضرت ابوعبیدہؓ کے ساتھ مل کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ دوسری طرف ہرقل کو بصریٰ پر مسلمانوں کے قبضے کی اطلاع ملی، تو اس نے ایک بہت بڑی فوج جو نوے ہزار جوانوں پر مشتمل تھی مسلمانوں کے مقابلے کے لئے روانہ کی۔ اس فوج نے اجنادین پہنچ کر جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ حمص کا رومی حاکم وردان بھی ایک زبردست فوج کے ساتھ اس ارادے سے روانہ ہوا کہ حضرت شرجیلؓ کا رابطہ دمشق، بلقا اور فلسطین میں مقیم اسلامی فوجوں سے منقطع کر دے۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور خالدؓ بن ولید کو رومیوں کے اجتماع اور نقل وحرکت کی خبریں ملیں، تو انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ تمام اسلامی فوجیں ایک جگہ جمع ہو کر اس طوفان کا مقابلہ کریں۔ چنانچہ وہ دمشق سے محاصرہ اُٹھا کر اجنادین کی طرف بڑھے اور دوسرے افسروں کو لکھا کہ وہیں آکر مل جائیں۔

حضرت ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کا خط ملتے ہی حضرت شرجیلؓ بصریٰ سے اجنادین کی طرف چل پڑے۔ وردان نے ان کا راستہ کاٹنے کی بہتیری کوشش کی، لیکن وہ بخیریت اجنادین پہنچ گئے۔ ان کے بعد حضرت یزیدؓ بن ابوسفیانؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص بھی اپنی اپنی فوجیں لے کر اجنادین آکر بڑے اسلامی لشکر کے ساتھ مل گئے۔ دوسری طرف وردان بھی اس بڑی رومی فوج میں جا شامل ہوا جس نے اجنادین میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳ ہجری کو اجنادین کے میدان میں مسلمانوں اور رومیوں کے مابین نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ رومیوں نے دادِ شجاعت دینے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی، لیکن مسلمانوں کے جوش اور جذبے کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ چلی۔ جب تذارق، قبقلار، وردان اور کئی دوسرے بڑے بڑے رومی افسر ایک ایک کر کے مارے گئے، تو رومیوں کی قوتِ مقاومت جواب دے گئی اور وہ سخت ابتری کے عالم میں ایلیا، قیساریہ اور حمص وغیرہ کی طرف بھاگ گئے۔ اس لڑائی میں تین ہزار کے قریب مسلمان شہید ہوئے اور اس سے کہیں زیادہ تعداد میں رومی مارے گئے۔ شہدائے اجنادین میں حضرت عمروؓ بن العاص کے چھوٹے بھائی حضرت ہشامؓ بن العاص بھی تھے، وہ سابقون الاوّلون میں سے تھے اور دو ہجرتوں سے ممتاز تھے۔ مسلمانوں نے رومیوں کا تعاقب کیا، تو راستے میں انہیں ایک تنگ گھاٹی ملی جس میں سے ایک وقت میں صرف

ایک آدمی گزر سکتا تھا جو مسلمان اس مقام سے پار ہو گئے، ان سے رومی لڑنے لگے، حضرت ہشامؓ شہید ہو کر اس تنگ مقام میں گر پڑے۔ اب جو مسلمان وہاں پہنچتا، وہیں رُک جاتا تھا، کیونکہ آگے بڑھنے سے حضرت ہشامؓ کی لاش گھوڑوں کے سموں کے نیچے کچلی جاتی تھی۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے یہ کیفیت دیکھی، تو مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے میرے بھائی کو رُتبۂ شہادت پر فائز کیا اور اس کی روح کو اُٹھا لیا۔ یہاں تو صرف اس کا جسم ہے۔ اس لئے تم لوگ اس کی لاش پر سے گھوڑے لے جاؤ اور اللہ کے دشمنوں کا مقابلہ کرو۔"

یہ کہہ کر انہوں نے گھوڑا بڑھایا۔ دوسرے لوگوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ اس طرح شہید راہ حق کی لاش کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ جنگ ختم ہوئی تو حضرت عمروؓ بن العاص نے بھائی کی لاش کے ٹکڑوں کو بورے میں بھر کر سپردِ خاک کیا۔

اجنادین کی فتح کے بعد متحدہ اسلامی لشکر دمشق کی طرف بڑھا اور ایک بار پھر اس کا نہایت سختی سے محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرے میں حضرت شرجیلؓ باب الفرادیس پر متعین تھے اور دمشق کی پیدل فوج کے سردار تھے۔ یہ محاصرہ کئی ماہ تک جاری رہا۔ اسی دوران میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی اور حضرت عمر فاروقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ اہلِ دمشق کو میدان میں آکر مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی۔ اس لئے وہ فصیل شہر ہی سے مسلمانوں پر تیر اور پتھر برساتے رہتے تھے۔ البتہ دو چار موقعے ایسے ضرور پیش آتے کہ بعض من چلے دستوں نے شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ کیا، لیکن مُنہ کی کھا کر پسپا ہو گئے۔ ایک دن حضرت شرجیلؓ بن حسنہؓ نے بڑے جوش و خروش سے قلعے پر حملہ کیا۔ دمشقیوں نے ان پر تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا دیا۔ حضرت شرجیلؓ کے کئی ساتھی شہید اور زخمی ہو گئے۔ مشہور صحابی حضرت ابانؓ بن سعید جو اجنادین میں شہید ہو چکے تھے۔ ان کی بیوی اُمّ ابانؓ حضرت شرجیلؓ کے لشکر میں شامل ہو گئی تھیں۔ وہ قدر اندازی میں کمال درجے کی مہارت رکھتی تھیں۔ دمشقیوں نے مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کی، تو وہ تاک تاک کر رومیوں کو تیر مارنے لگیں۔ ایک تیر اس پادری کو لگا جو صلیب ہاتھ میں لئے رومیوں کو جوش دلا رہا تھا۔ صلیب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر شہر پناہ کے نیچے گر پڑی۔ اس پر رومیوں میں سخت اشتعال پیدا ہوا اور اپنے سردار توما کی سرکردگی میں دروازہ کھول کر حضرت شرجیلؓ کے لشکر پر حملہ آور ہوتے۔ حضرت شرجیلؓ اس طوفانی حملے سے مطلق ہراساں نہ ہوتے اور رومیوں کو مُنہ توڑ جواب دیا۔ اس موقع پر اُمّ ابانؓ یہ رجز پڑھتے ہوئے رومیوں پر تیر برسا رہی تھیں:

"اُمِ ابان، تو اپنا انتقام لے اور ان پر پے در پے حملے کئے جا، رومی تیرے تیروں سے چیخ اُٹھے۔"

حضرت اُمِ ابانؓ کی کمان سے نکلا ہوا ایک تیر توما کی آنکھ میں لگا، تو وہ چیخ مار کر پیچھے کی طرف بھاگا۔ اس کے لشکر نے بھی اس کا ساتھ دیا اور سب قلعے میں گھس گئے۔ محاصرۂ دمشق کے دوران میں کئی اور موقعوں پر بھی حضرت شرجیلؓ نے کمال درجے کی شجاعت اور جانبازی کا مظاہرہ کیا، یہاں تک کہ خود حضرت خالدؓ بن ولید نے ان کی سرفروشی اور استقامت کا اعتراف کیا۔ کئی ماہ کے طویل محاصرے کے بعد بالآخر مسلمانوں نے دمشق پر پرچم اسلام لہرا دیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے تمام اہلِ شہر کو امان دے دی اور مسلمانوں کو منع کر دیا کہ وہ نہ مالِ غنیمت لوٹیں اور نہ کسی کو قیدی بنائیں۔

دمشق کے سقوط نے رومیوں کو سخت مشتعل کر دیا اور انہوں نے اردن کے شہر بیسان میں فوجیں جمع کرنی شروع کر دی تھیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں وہاں چالیس اور اسی ہزار کے درمیان جنگجو رومی جمع ہو گئے۔ مسلمانوں نے بیسان کے سامنے چند میل کے فاصلے پر فحل کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اُردن کی تسخیر اور امارت کے لئے حضرت شرجیلؓ کو نامزد فرمایا تھا اور حضرت عمرؓ نے بھی اس فیصلے کو برقرار رکھا تھا۔ اس لئے فحل کی اسلامی فوجوں کی کمان حضرت شرجیلؓ کے سپرد ہوئی۔ انہوں نے ابو الاعور سلمیؓ کو کچھ فوج دے کر طبریہ کی طرف بھیج دیا اور خود رومیوں پر حملہ کرنے کے لئے مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے کیونکہ بیسان میں مقیم رومیوں نے دریا کا بند توڑ دیا تھا اور فحل کے اردگرد کا تمام علاقہ زیرِ آب آگیا تھا۔ جب فحل میں مسلمانوں کا قیام طویل ہو گیا تو رومی جرنیل سقلاء بن مخراق نے کثرتِ افواج کے زُعم میں خود مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنایا اور ایک مقررہ رات کو ایک خاص جگہ سے دلدل اور پانی عبور کر کے مسلمانوں پر آپڑا۔ دوسری طرف حضرت شرجیلؓ کو اپنی ذمہ داریوں کا سخت احساس تھا۔ وہ کسی ناگہانی افتاد سے نپٹنے کے لئے دن رات اپنے لشکر کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔ رومی رات کی تاریکی میں فحل پہنچے تو انہوں نے خلافِ توقع مسلمانوں کو مقابلے کے لئے تیار پایا۔ فریقین میں گھمسان کا رن پڑا اور لڑائی رات سے گزر کر دوسرے دن بھی جاری رہی، حضرت خالدؓ بن ولید، ضرارؓ بن ازور اور شرجیلؓ بن حسنہؓ نے سرفروشی اور جانبازی کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن کی کمر ٹوٹ گئی۔ سقلاء اور اس کے ساتھی کئی رومی جرنیل مارے گئے اور رومی فوج بددل ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

فحل کی جنگ سے فارغ ہو کر حضرت شرجیلؓ، حضرت عمروؓ بن العاص کو ساتھ لے کر بیسان پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین زیادہ عرصے تک مسلمانوں کے مقابلے پر نہ ٹھہر سکے اور دمشق

کی شرائط پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ اہل طبریہ کو جب اہل بیسان کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بھی حضرت ابوالاعورؓ کے ذریعے حضرت شرجیلؓ کو صلح کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے یہ درخواست قبول کر لی اور اہل طبریہ سے بھی صلح نامۂ دمشق کی شرائط کے مطابق صلح کر لی۔ اس کے بعد حضرت شرجیلؓ نے اُردن کے دوسرے تمام شہر اور مقامات اذرعات، عمان، جرش، ماب وغیرہ نہایت آسانی سے فتح کر لئے۔ فی الحقیقت وہاں کے باشندوں کو جم کر مقابلہ کرنے کی ہمت ہی نہ پڑی اور سب نے صلح نامۂ دمشق کی شرائط پر مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ اس طرح تمام اُردن، حوران و صحرا تک مسلمانوں کا مطیع و منقاد ہو گیا اور حضرت شرجیلؓ اس کی امارت کے فرائض انجام دینے لگے۔ دوسری طرف ابوعبیدہؓ نے حمص پر یلغار کر کے اس کو فتح کر لیا اور وہیں مقیم ہو گئے۔

ہرقل شاہِ روم کو جو انطاکیہ میں مقیم تھا، جب اُردن اور حمص وغیرہ پر مسلمانوں کے قبضہ کی خبریں پہنچیں، تو وہ غم و غصے سے دیوانہ ہو گیا۔ اس نے مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے اپنے تمام مقبوضات میں جبری بھرتی کا حکم بھیج دیا اور ساتھ ہی رومیوں کو غیرت دلائی کہ اگر تم نے متحد ہو کر عربوں کو شام سے نہ نکالا تو تمہاری عزت و ناموس خطرے میں پڑ جائے گی۔ جہاں جہاں ہرقل کا فرمان پہنچا، وہاں کے باشندوں میں عزم و حوصلہ اور جوش و ولولے کی لہر دوڑ گئی اور ہر طرف سے جنگجو رومیوں کے جتھے انطاکیہ پہنچنے لگے۔ اسی طرح تھوڑی ہی مدت میں کئی لاکھ رومی ہرقل کے جھنڈے تلے مسلمانوں سے لڑنے مرنے کے لئے جمع ہو گئے۔ ہرقل نے اپنے نامور جرنیل باہان کو ایک جرار لشکر دے کر حکم دیا کہ وہ حملہ آور مسلمانوں کو نیست و نابود کر دے۔

اُدھر حضرت ابوعبیدہؓ کو رومیوں کی زبردست جنگی تیاریوں کی اطلاع ملی، تو انہوں نے قریبی علاقوں کے امراء اور افسرانِ فوج کو مشورے کے لئے اپنے پاس (حمص) بلا بھیجا۔ جب سب جمع ہو گئے، تو حضرت ابوعبیدہؓ نے ساری صورتِ حال ان کے سامنے بیان کی اور پوچھا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ حضرت یزیدؓ بن ابوسفیان نے رائے دی کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیا جائے اور ہم خود باہر جا کر رومیوں سے نبرد آزما ہوں۔ ساتھ ہی خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن العاص کو دمشق اور فلسطین سے بلا لیا جائے۔

حضرت شرجیلؓ بن حسنہؓ بھی اس موقع پر موجود تھے۔ انہوں نے کہا، مجھے یزیدؓ بن ابوسفیانؓ کی رائے سے اتفاق نہیں ہے، کیونکہ اہلِ شہر عیسائی ہیں، ممکن ہے وہ مذہبی جنون میں مبتلا ہو کر ہماری غیر حاضری میں ہمارے اہل و عیال کو ہرقل کے حوالے کر دیں یا انہیں مار ڈالیں۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا، "تو پھر کیوں نہ عیسائیوں کو شہر سے نکال دیا جائے؟"

حضرت شرحبیلؓ نے فوراً کہا : "اے امیر! ہمیں یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ باشندوں کو شہر سے نکال دیں، کیونکہ ہم نے اس شرط پر عیسائیوں کو امان دی ہے کہ ان کے گھر اور جان و مال کی حفاظت کریں گے اور ان کو شہر سے نہیں نکالیں گے۔ اب ہم اپنے عہد سے کیسے پھر سکتے ہیں؟"

حضرت ابوعبیدہؓ نے یہ اعتراض قبول کیا اور دوسرے لوگوں کی رائے دریافت کی۔ بعض اصحابؓ نے رائے دی کہ حمص ہی میں رہ کر دربارِ خلافت سے مدد طلب کی جائے اور دمشق اور فلسطین کی امدادی فوجوں کا انتظار کیا جائے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا کہ اب اتنا وقت نہیں ہے، کیونکہ عیسائیوں کا ٹڈی دل ہم پر کسی وقت بھی دھاوا بول سکتا ہے۔

آخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں، وہاں خالدؓ بن ولید سے مشورے کے بعد آئندہ لائحۂ عمل تجویز کیا جائے۔ حمص سے روانہ ہوتے وقت حضرت ابوعبیدہؓ نے کئی لاکھ کی رقم جو بطورِ جزیہ وصول کی گئی تھی، اہلِ حمص کو یہ کہہ کر واپس کر دی کہ اب ہم تمہاری حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس کا اثر اہلِ شہر پر یہ ہُوا کہ وہ رو رو کر دُعائیں مانگتے تھے کہ خدا مسلمانوں کو جلد واپس لائے اور ساتھ ہی قسمیں کھاتے تھے کہ جب تک ہم زندہ ہیں، قیصر اس شہر پر قبضہ نہیں کر سکتا۔

حضرت ابوعبیدہؓ حمص سے کوچ کر کے دمشق پہنچے اور حضرت خالدؓ سمیت تمام افسران فوج کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا، سب نے مختلف رائیں دیں۔ اسی اثناء میں حضرت عمرؓو بن العاص کا خط فلسطین سے پہنچا کہ "رومی فوج اردن میں داخل ہو گئی ہے اور اس نے ہر طرف تہلکہ ڈال دیا ہے۔" اب سب کی رائے یہ ٹھہری کہ اردن پہنچ کر تمام اسلامی فوجیں متحد ہو کر رومیوں کا مقابلہ کریں اور دربارِ خلافت سے بھی کمک طلب کر لی جائے۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ، خالدؓ بن ولید، شرحبیلؓ بن حسنہؓ اور یزیدؓ بن ابوسفیانؓ نے دمشق سے فوراً کوچ کیا اور تیز رفتاری سے چلتے ہوئے حدودِ اُردن میں یرموک کے میدان میں پہنچ کر خیمہ زن ہُوئے۔ حضرت عمرؓو بن العاص بھی یہیں آکر ان سے مل گئے۔

ادھر رومی فوجیں بھی طوفانِ برق و باد کی طرح آپہنچیں اور یرموک کے بالمقابل دیر الجبل میں پڑاؤ ڈالا۔ رومی لشکر کی تعداد دو اور پانچ لاکھ کے درمیان تھی۔ ان کے مقابلے میں تمام اسلامی فوجوں کی تعداد صرف پینتیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ تاہم ان کے حوصلے بہت بلند تھے۔ یرموک کے میدان میں کئی دن تک رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ فریقین میں سے کسی نے بھی دادِ شجاعت دینے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ اس لڑائی میں حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ

میسرہ کے سپہ سالار تھے۔ انہوں نے شروع سے اخیر تک ایسی جانبازی اور استقامت کا مظاہرہ کیا کہ ہر ایک نے ان کے جوش ایمان اور جذبۂ جہاد کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔

ایک دن تیس ہزار رومیوں کے جتھے نے حضرت شرجیلؓ کے دستے پر اس زور کا حملہ کیا کہ بیشتر مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے لیکن حضرت شرجیلؓ صرف پانچ سو آدمیوں کے ساتھ کوہ استقامت بن کر میدان جنگ میں ڈٹے رہے اور رومیوں کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ اپنے سردار کو برابر لڑتے دیکھ کر پسپا ہونے والے مسلمان غیرت کھا کر پھر واپس آ گئے۔ حضرت شرجیلؓ نے انہیں سرزنش کی کہ یہ تم نے کیا حرکت کی۔ یہ تو بہشت کو چھوڑ کر دوزخ میں گرنے والی بات تھی۔ انہوں نے سخت ندامت کا اظہار کیا اور پھر رومیوں پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ ان کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔

ایک اور موقع پر دشمن کے ایک لاکھ تیر اندازوں نے مل کر مسلمانوں پر اس شدت سے تیر برسائے کہ سینکڑوں مجاہدین شہید یا زخمی ہو گئے۔ یہ مسلمانوں پر سخت مصیبت کا دن تھا۔ شہدا اور دوسرے زخمیوں کے علاوہ سات سو مسلمان آنکھوں میں تیر لگنے کی وجہ سے یک چشم ہو گئے چنانچہ مسلمانوں میں یہ دن یوم التعویر (ایک چشم ہونے کا دن) مشہور ہو گیا۔ اس نازک موقع پر حضرت خالدؓ بن ولید نے چند چیدہ چیدہ جانبازوں کو اپنے ساتھ لیا اور تیروں کی بارش میں سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہوئے تیر اندازوں پر جا پڑے اور اپنے تابڑ توڑ حملوں سے ان میں بھگدڑ مچا دی حضرت خالدؓ کے ان جانباز ساتھیوں میں ایک حضرت شرجیلؓ بھی تھے۔

حضرت شرجیلؓ اور دوسرے جانبازان اسلام کی ثابت قدمی اور شجاعت کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں کو عبرت ناک شکست ہوئی۔ ان کے ستر ہزار سے ایک لاکھ کے درمیان آدمی میدان جنگ میں کھیت رہے اور ہرقل، انطاکیہ سے قسطنطنیہ جانے پر مجبور ہو گیا۔ انطاکیہ سے چلتے وقت اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے: "الوداع اے سرزمین شام"

یرموک کی فتح کے بعد مسلمانوں نے قنسرین، حلب، انطاکیہ، منبج، مرعش، حصن حرث، بوقا، جرمہ اور کئی دوسرے مقامات بھی تھوڑی ہی مدت میں فتح کر لئے اور پھر فلسطین کے مرکزی شہر بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ کرنے والی فوج میں حضرت شرجیلؓ بھی شامل تھے۔ عیسائی چند ماہ تک قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے، لیکن بالآخر ہمت ہار بیٹھے اور اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ خود بیت المقدس تشریف لائیں اور اپنے ہاتھ سے معاہدہ صلح لکھیں حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپؓ کی تشریف آوری پر موقوف

ہے۔ حضرت عمرؓ کو خط ملا تو انہوں نے اکابر صحابہؓ سے مشورے کے بعد حضرت علیؓ کو نائب مقرر کر کے کاروبارِ خلافت ان کے سپرد کیا اور خود رجب ۱۶ ہجری میں مدینہ سے بیت المقدس کے لئے چل پڑے۔ فاروقِ اعظمؓ کے سفرِ بیت المقدس کی یہ شان تھی کہ نقارہ و نوبت، خدم و حشم، لاؤ لشکر ایک طرف، معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجرین و انصار ساتھ تھے، تاہم جہاں یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروقِ اعظمؓ نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے، زمین دہل جاتی تھی۔ غرض امیر المومنینؓ اسی شان سے جابیہ پہنچے۔ بیت المقدس کے عیسائی اکابر وہیں ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور معاہدۂ صلح کی تکمیل کی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ بیت المقدس تشریف لے گئے شہر میں داخل ہوتے تو دوسرے صحابہؓ کے علاوہ حضرت شرجیلؓ بھی ان کے جلو میں تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت شرجیلؓ بن حسنہؓ کو اُردن کا والی مقرر کر دیا تھا، لیکن ان کو شام کے اکثر معرکوں میں ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے حصہ لینے کی وجہ سے فرائضِ امارت ادا کرنے کا موقع بہت کم ملا۔ جب ۱۸ ہجری میں طاعونِ عمواس کی ہولناک وبا شام میں پھیلی، تو حضرت عمروؓ بن العاص نے مشورہ دیا کہ اسلامی فوجیں وبازدہ علاقوں سے ہٹ کر محفوظ مقامات پر چلی جائیں، لیکن حضرت شرجیلؓ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ طاعون خدا کی رحمت اور انبیاء کی دُعا ہے۔ پہلے بھی بہت سے نیک اور صالح لوگ اس مرض میں مبتلا ہو کر مر چکے ہیں، اس لئے موجودہ قیام گاہ سے ہرگز نہ ہٹنا چاہئے۔ چنانچہ وہ اپنی جگہ مقیم رہے اور اسی وبا میں وفات پائی۔

جب حضرت عمرؓ کو طاعونِ عمواس میں حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح اور یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کے انتقال کی خبر ملی، تو آپؓ نے ان کی جگہ بالترتیب حضرت شرجیلؓ بن حسنہؓ اور معاویہؓ بن ابوسفیانؓ کو مقرر فرمایا۔ اس کے بعد امیر المومنین وبا کے اثرات کا جائزہ لینے اور نظم و نسق بحال کرنے کے لئے دوبارہ شام تشریف لے گئے اور ایلہ سے ہوتے ہوتے جابیہ پہنچ کر چند دن قیام فرمایا۔ جابیہ کے زمانۂ قیام میں انہوں نے حضرت شرجیلؓ کو ان کی خدمات سے سبکدوش کر دیا۔ حضرت شرجیلؓ نے پوچھا: کیا آپ نے مجھے کسی ناراضی کی بنا پر سبکدوش کیا ہے؟

حضرت عمرؓ نے جواب دیا: "نہیں، تم مجھے بہت عزیز ہو، لیکن میں ایک ایسے شخص کو سالارِ شام کا امیر بنانا چاہتا ہوں جو تم سے زیادہ قوی ہو۔"

حضرت شرجیلؓ نے عرض کیا: "تو پھر مجمعِ عام میں اس کا اعلان کر دیجئے تاکہ مجھے لوگوں کے سامنے ندامت نہ اُٹھانی پڑے۔"

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جمع کر کے اعلان فرمایا: "لوگو! خدا کی قسم میں نے شرجیلؓ کو کسی ناراضی یا کوتاہی کے سبب امارت سے سبکدوش نہیں کیا، بلکہ ان کی جگہ ایک ایسے شخص کو امیر بنانا چاہتا ہوں جو ان سے زیادہ قوت کے ساتھ حکومت کرے۔ میرے نزدیک اس کام کے لئے معاویہؓ بن ابی سفیانؓ موزوں ترین آدمی ہیں۔"

وبا ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی۔ اس واقعے کے چند دن بعد حضرت شرجیلؓ اسی وبا میں مبتلا ہو کر خالقِ حقیقی کے حضور پہنچ گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۶۷ یا ۶۹ برس کی تھی۔ اگرچہ حضرت شرجیلؓ کی ساری زندگی میدانِ جہاد میں گزری اور حدیث بیان کرنے کا موقع نہیں ملا پھر بھی ان سے دو حدیثیں مروی ہیں جو ابن ماجہؒ نے اپنی سنن میں نقل کی ہیں۔

اللہ سے محبت

حضورؐ کا اللہ سے تعلق ایسا تھا کہ ہر حالت میں، بیٹھے ہوں یا چلتے ہوں، سوتے ہوں یا جاگتے ہوں، آپؐ اللہ کو یاد کرتے تھے۔ اللہ کے حضور آپؐ اتنی دیر کھڑے رہتے کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے اور جب آپ سے اس کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے:

"کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"

اللہ سے حضورؐ کا تعلق ایک لمحے کے لیے بھی ختم نہ ہوتا۔ رات اور دن کے اکثر اوقات میں آپؐ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ اللہ سے دعائیں مانگتے اور التجائیں کرتے۔ راتوں کو اٹھ کر جب حضورؐ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اکثر یہ دعا مانگتے:

"اے اللہ ساری تعریف تیرے لیے ہے۔ تو ہی آسمان اور زمین کی سب چیزوں کو قائم رکھنے والا ہے تو آسمان اور زمین کی سب چیزوں کا نور ہے۔ تیرے ہی لیے ساری تعریف ہے، تو آسمان اور زمین اور ان کی تمام چیزوں کا مالک ہے۔

اے اللہ! میں تیرے لیے اسلام لایا، تجھ پر ایمان لایا، تجھ ہی پر میں نے بھروسہ کیا، تیری ہی جانب میں نے رجوع کیا، لوگوں سے دشمنی اور محبت تیرے ہی لیے کی۔ میرے اگلے پچھلے گناہ بخش دے۔ تو ہی سب سے پہلے اور تو ہی سب سے آخر ہے۔ تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ تمام قوت اور طاقت کا مالک اے اللہ صرف تو ہی ہے۔"

آپؐ سوتے اور اللہ کا ذکر کرتے۔ سو کر اٹھتے تو اللہ کو یاد کرتے، کھانا کھاتے تو اللہ کا شکر ادا کرتے، پانی پیتے تو اللہ کا شکر ادا کرتے۔ آپ کی مرضی کے مطابق کام ہو جاتا تو فرماتے:

"ساری تعریف اللہ کے لیے ہے جس کی نعمت سے اچھے کام پورے ہوتے ہیں۔"

آپؐ کی مرضی کے خلاف کوئی کام ہوتا تو فرماتے:

"ہر حال میں اللہ کا شکر ہے۔"

ذخیرۂ کتب
حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فاروق سلطان قادری رح (1955-2016) (الازہری)
جھنگ۔ پنجاب

اصحابی کالنجوم
میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشاد نبوی)

حضرت عمّار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جنگ یمامہ میں بلند و بالا قد والا ایک شخص جس کی آنکھیں نرگسی، سینہ چوڑا اور بدن خوب بھرا ہوا تھا۔ جذبۂ شہادت سے سرشار دشمن پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا اور خوب دادِ شجاعت دے رہا تھا۔ لڑتے لڑتے اس کا ایک کان شہید ہو گیا، جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا، لیکن وہ بے پرواہی کے ساتھ حملے پر حملے کر رہا تھا اور جس طرف رُخ کرتا تھا صفیں کی صفیں تہ و بالا کر دیتا تھا۔ ایک دفعہ مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے۔ اس نے ایک بلند چٹان پر کھڑے ہو کر للکارا "اے گروہِ مسلمانان! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو؟ میں عمارؓ بن یاسرؓ ہوں، آؤ میرے پاس آؤ" اس صدا نے سحر نے کام کیا، اور جنت کے شیدائی یکایک سنبھل کر ٹوٹ پڑے۔

حضرت عمارؓ بن یاسر رضی اللہ تعالےٰ عنہ غزوہ بدر سے لے کر غزوہ تبوک تک جس قدر اہم معرکے پیش آئے ان سب میں جانبازی و شجاعت کے ساتھ رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے اور عہدِ صدیقیؓ میں جس قدر خوں آشام جنگیں رونما ہوئیں۔ ان میں پیش پیش رہے۔

آپ کا عمارؔ نام، ابوالیقظان کنیت، والد کا نام یاسرؓ اور والدہ کا نام سمیہؓ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے

عمارؓ بن یاسرؓ بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن الحصین بن الودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن یام بن عنس بن مالک العنسی القحطانی۔

حضرت عمارؓ کے والد حضرت یاسرؓ قحطانی النسل تھے، یمن ان کا اصلی وطن تھا، اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں دوسرے دو بھائیوں حارث اور مالک کے ساتھ مکہ پہنچے۔ وہ دونوں واپس لوٹ گئے، لیکن انہوں نے یہیں طرحِ اقامت ڈال دی، اور بنو مخزوم سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے ابوحذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی ایک لونڈی سمیہ نامی سے شادی کر لی جس سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے۔ ابوحذیفہ نے حضرت عمارؓ کو ان کے بچپن ہی میں آزاد کر کے تاحیات دونوں باپ بیٹے کو لطف و محبت سے اپنے ساتھ رکھا۔

ابوحذیفہ کی وفات کے بعد ہی اسلام کا غلغلہ بلند ہوا۔ حضرت عمارؓ اور حضرت صہیب ابن سنانؓ ایک ساتھ ایمان لاتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے صہیب کو ارقم بن ابی ارقمؓ کے دروازہ پر دیکھ کر پوچھا "تم کس ارادہ سے آئے ہو" بولے "پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو" میں نے کہا "محمدؐ سے مل کر ان کی کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں" بولے "میرا بھی یہی مقصد ہے" غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہوتے، اور ساقیِ اسلامؐ کے ایک ہی جام نے دونوں کو نشۂ توحید سے مخمور کر دیا۔ حضرت عمارؓ کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوتے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ جس وقت ایمان لائے تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے علاوہ صرف پانچ غلام اور دو عورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا۔ یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا تھا، ورنہ صحیح روایت کی بنا پر اس وقت تک تیس اصحابؓ سے زیادہ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے۔ جنہوں نے مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا۔

حضرت عمارؓ کو ایک بے یار و مددگار غریب الوطن تھے، دنیاوی وجاہت و طاقت بھی حاصل نہ تھی، اور سب سے زیادہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہؓ اس وقت تک بنی مخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھیں، تاہم جوشِ ایمان نے ایک دن سے زیادہ مخفی ہو کر رہنے نہ دیا۔ مشرکین نے ان کو اور ان کے خاندان کو لاچار و مجبور دیکھ کر سب سے زیادہ مشقِ ستم بنا لیا۔ طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ ٹھیک دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت میں لٹایا دہکتے ہوئے انگاروں سے جلایا، اور گھنٹوں پانی میں غوطے دیتے لیکن جلوۂ توحید نے کچھ ایسا دارفتہ کر دیا تھا کہ ان تمام سختیوں کے باوجود ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے۔

حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ کو ابوجہل نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اپنے نیزہ سے شہید کیا، چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ پہلی عبرتناک شہادت تھی، جو استقلال و استقامت کے ساتھ راہِ خدا میں واقع ہوئی، ان کے والد حضرت یاسرؓ اور بھائی حضرت عبداللہؓ بھی اسی گردابِ اذیت میں جاں بحق ہوتے۔

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمارؓ کو دہکتے ہوتے انگاروں پر لٹا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گزرے تو ان کے سر پر دستِ مبارک پھیر کر فرمایا "اے آگ! تو ابراہیمؑ کی طرح عمارؓ پر ٹھنڈی ہو جا" اسی طرح جب ان کے گھر کی طرف سے گزرتے اور خاندانِ یاسرؓ کو مبتلاتے مصیبت دیکھتے تو فرماتے "اے آلِ عمارؓ تمہیں بشارت ہو جنت تمہاری منتظر ہے"۔

ایک دفعہ حضرت یاسرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گردشِ زمانہ کی شکایت کی۔ ارشاد ہوا، "صبر کرو! صبر کرو!" پھر دعا فرمائی "اے خدا! آلِ یاسرؓ کو بخش دے"۔

ایک روز مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیتے کہ بالکل بدحواس ہو گئے، یہاں تک کہ اسی حالت میں ان جفاکاروں نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے اقرار کرا لیا، اس کے بعد گو اس مصیبت سے گلوخلاصی ہو گئی، تاہم غیرتِ ملی نے عرق عرق کر دیا۔ دربارِ نبوتؐ میں حاضر ہوتے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، "عمارؓ! کیا خبر ہے؟" عرض کی "یا رسول اللہؐ! نہایت ہی بری خبر ہے" آج مجھے اس وقت تک مخلصی نہ ملی جب تک میں نے آپؐ کی شان میں برے الفاظ اور ان کے معبودوں کے حق میں کلماتِ خیر استعمال نہ کئے" ارشاد ہوا "تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟" عرض کی "میرا دل ایمان سے مطمئن ہے" سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسو کے قطرے پونچھے، فرمایا، "کچھ مضائقہ نہیں اگرچہ پھر ایسا ہی کرو" اس کے بعد ہی قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ ہے:

"جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے (اس سے کوئی مواخذہ نہیں)"۔

ایک مرتبہ حضرت سعیدؓ بن جبیر نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا قریش مسلمانوں کو اس قدر اذیت پہنچاتے تھے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر مجبور ہو جائیں؟ بولے "خدا کی قسم ہاں! وہ ان کو مارتے تھے، بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے، یہاں تک کہ ضعف اور کمزوری سے وہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی مجبور ہو جاتے تھے۔ اسی حالت میں وہ جو کچھ چاہتے تھے ضمیر کے خلاف ان سے

اقرار کرا لیتے تھے" غرض حضرت عمارؓ بھی انہیں گرفتارانِ مصائب میں تھے، جنہوں نے راہ خدا میں صبر و استقامت کے ساتھ گوناگوں مصائب اور مظالم برداشت کئے، لیکن آئینہ دل سے توحید کا عکس زائل نہ ہوا، ضعیفی کے عالم میں جن لوگوں نے ان کی پیٹھ ننگی دیکھی تھی، وہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت تک کثرت کے ساتھ سیاہ لکیریں، تپتی ہوئی ریت اور دہکتے ہوئے انگاروں کے داغ ان کی پیٹھ میں موجود تھے۔

ان کے حبشہ کی ہجرت کے متعلق اختلاف ہے، بعض کا خیال ہے کہ وہ دوسری ہجرت میں شریک تھے۔ مدینہ کی ہجرت کا عام حکم ہوا تو حضرت عمارؓ نے بھی اس سرزمین امن کی راہ لی، اور حضرت بشر بن عبدالمنذرؓ کے مہمان ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت حذیفہؓ بن الیمان انصاری سے بھائی چارہ کرا دیا، اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔

مدینہ کی ہجرت کے چھ سات مہینوں کے بعد مسجد نبویؐ کی بنیاد ڈالی گئی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جوش دلانے کے لئے خود کام میں حصہ لیا، حضرت عمارؓ اینٹ گارا لا لا کر دیتے تھے اور زبان پر رجز جاری تھا:

"ہم مسلمان ہیں، ہم مسجد بناتے ہیں۔"

حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک ایک اینٹ اُٹھاتے تھے اور عمارؓ دو دو اینٹیں اُٹھاتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گزرے تو آپؐ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کے سر سے غبار صاف کر کے فرمایا "افسوس عمارؓ! تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔ تم اسے خدا کی طرف دعوت دو گے اور وہ تمہیں جہنم کی طرف بلاتے گا۔"

ایک دفعہ کسی نے ان کے سر پر اس قدر بوجھ لاد دیا کہ لوگ چلا اُٹھے "آج عمارؓ مر جائیں گے، آج عمارؓ مر جائیں گے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا تو کچھ اینٹیں اُتار کر پھینک دیں اور فرمایا "افسوس! ابن سمیہؓ تمہیں گروہ باغی قتل کرے گا!"

خلیفۂ دومؓ نے ۲۰ ہجری میں ان کو کوفہ کا والی بنایا، اور اہل کوفہ کے نام حسب ذیل فرمان جاری فرمایا:

> امابعد، میں عمارؓ بن یاسرؓ کو امیر اور ابن مسعودؓ کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں۔ خزانہ کا اہتمام و انصرام بھی ابن مسعودؓ کے متعلق کیا ہے، یہ دونوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان شریف اصحابؓ میں سے ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک تھے، اس لئے ان دونوں کی فرمانبرداری اطاعت اور پیروی کرو۔ میں نے ام عبد کے بیٹے (عبداللہؓ بن مسعود

کو اپنے سے الگ کر کے تمہارے پاس بھیج کر تم کو اپنے اُوپر ترجیح دی ہے، عثمان بن حنیف کو عراق (کی پیمائش) پر مامور کر کے بھیجتا ہوں اور ان کے رسد کے لئے روزانہ ایک بکری مقرر کرتا ہوں جس کا ایک حصّہ اور شکم عمارؓ کے لئے مخصوص رہے گا، اور باقی حصے ان تینوں میں منقسم ہوں گے۔

حضرت عمارؓ نے ایک سال ۹ ماہ تک نہایت خوش اسلوبی اور بیدار مغزی کے ساتھ اپنے فرائضِ منصبی انجام دیئے، لیکن اسی اثنا میں اہلِ بصرہ اور اہلِ کوفہ کی باہمی منافست اور حضرت عمارؓ کی غیر جانبداری نے کوفہ کے رئیسوں کو ان سے ناراض کر دیا۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ بصرہ کی کثرتِ آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر عمروؓ بن سراقہ نے بصرہ والوں کی طرف سے دربارِ خلافت میں درخواست کی کہ کوفہ کے وسیع علاقہ سے ماہ یا باسبندان کا پرگنہ بصرہ میں شامل کر دیا جائے، کوفہ والوں کو خبر ہوئی تو وہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ والی کوفہ سے خواستگار ہوئے کہ وہ اس کی مخالفت کریں اور رامہرمز اور ایذج کے اضلاع پر بھی اپنا دعویٰ پیش کریں، کیونکہ ان دونوں کو اہلِ بصرہ کی اعانت و امداد کے بغیر ہم لوگوں نے فتح کیا تھا، لیکن حضرت عمارؓ نے سردمہری کے ساتھ اس کو ٹال دیا، اور فرمایا "مجھے ان جھگڑوں کی کیا ضرورت ہے؟" اس پر ایک کوفی رئیس عطارد نے غضب ناک ہو کر کہا "اے کن کٹے! پھر تو ہم سے خراج کس بنا پر طلب کرتا ہے؟" حضرت عمارؓ صرف یہ کہہ کر خاموش ہو رہے "افسوس تم نے میرے سب سے زیادہ بہتر اور محبوب کان کو گالی دی۔"

غرض حضرت عمارؓ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانبداری اختیار کر لی، اور کوفہ والوں کے احتجاج کے باوجود رامہرمز، ایذج اور ماہ کا علاقہ بصرہ میں شامل کر دیا گیا۔ یہ نقصان ایسا نہ تھا جو والی کی طرف سے اہلِ کوفہ کے دلوں میں ناراضی کی گرہ نہ ڈالتا، اس کے بعد ہی شکوہ شکایت اور سازش کا سلسلہ شروع ہُوا، اور امیر المؤمنین کو باور کرایا گیا کہ وہ اس منصب کی اہلیت نہیں رکھتے۔ انجام کار دار الخلافہ بلا کر اس عہدہ سے معزول کئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے معزولی کے بعد دوسرے روز بلا کر پوچھا کہ "تم میرے اس طریقِ عمل سے کچھ ناراض تو نہ ہوئے؟" بولے "جب آپ پوچھتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ میں نہ تو پہلے اپنی تقرری سے خوش ہُوا تھا اور نہ اب اپنی معزولی سے ناراض ہوں۔"

خلیفۂ ثالثؓ کے عہدِ حکومت میں تمام ملک شورش و فتنہ پردازی کا آماجگاہ ہو گیا۔ ۳۵ھ ہجری میں خلیفۂ وقت نے اس شورش کے اصلی اسباب کی تحقیق و تفتیش کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن مرتب

کیا، حضرت عمارؓ بن یاسرؓ بھی اس کے ایک رُکن قرار پائے اور فتنہ پردازی کے اصلی مرکز صوبہ مصر کی طرف روانہ کئے گئے۔

تحقیقاتی کمیشن کے تمام ارکان نے بہت جلد اپنے متعلقہ مقامات سے واپس آکر قابلِ اطمینان رپورٹ پیش کر دی، لیکن حضرت عمارؓ کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی، اور دارالخلافہ میں ان کی نسبت طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی سرح والیِ مصر کے ایک خط نے توقف کی اصلی وجہ ظاہر کر دی، اس خط میں لکھا تھا:

"عمارؓ کو مصر کی ایک قوم نے اپنا طرفدار بنالیا ہے اور ان میں سے عبداللہ بن السعود اور خالد بن ملجم سود بن حمران اور کنانہ بن بشران کی طرف جا ملے ہیں۔"

غرض وہ مصر سے واپس آئے تو انقلاب پسند جماعت کا اثر ان کے خیالات میں نمایاں تھا۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں کبھی کبھی طرف دارانِ خلافت سے جھڑپ بھی ہو گئی۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے غلاموں نے ان کو اس قدر مارا کہ تمام جسم ورم کر گیا، شکم میں خراش آگئی اور پسلی کی ایک ہڈی کو سخت صدمہ پہنچا۔ بنی مخزوم نے جن سے جاہلیت میں حلف و موالات کا تعلق تھا یہ سن کر کاشانۂ خلافت کو گھیر لیا اور دھمکی دی کہ اگر عمارؓ بن یاسرؓ اس صدمہ سے جانبر نہ ہوں گے تو ہم ضرور انتقام لیں گے۔

اس قسم کے واقعات سے اختلاف کی خلیج روز بروز زیادہ وسیع ہوتی گئی۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلافت کا بارِ گراں حضرت علیؓ کے سر ڈالا گیا۔ حضرت عمارؓ کو ان سے جو خاص انس و خلوص تھا اس کے لحاظ سے تمام مہماتِ امور میں وہ ان کے دست و بازو ثابت ہوتے۔ حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ نے جب شہید خلیفہ کے قصاص کا مطالبہ کر کے جنگی تیاریوں کے لئے بصرہ کا رُخ کیا تو خلیفۂ چہارمؓ کے حکم سے وہ حضرت امام حسنؓ کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے کہ اہلِ کوفہ کو خلافت کے تحفظ و حمایت پر آمادہ کریں۔

حضرت عمارؓ کوفہ پہنچے تو حضرت ابو موسیٰؓ اشعری جامع مسجد میں ایک مجمع کے سامنے غیر جانبداری کا وعظ بیان فرما رہے تھے، حضرت امام حسنؓ نے ان سے فرمایا "تم ابھی ہماری مسجد سے نکل جاؤ" اور منبر پر کھڑے ہو کر ایک نہایت پرجوش تقریر کی۔ حضرت عمارؓ بھی ان کے ساتھ منبر پر چڑھ گئے اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا "صاحبو بے شک میں جانتا ہوں کہ عائشہؓ دنیا اور آخرت میں حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم ہیں، لیکن اس وقت خدا تمہاری آزمائش کر رہا ہے کہ تم اس کی فرمانبرداری کرتے ہو یا عائشہؓ کا ساتھ دیتے ہو۔ حجر بن عدی نے حضرت عمارؓ کی تائید کی،

اور دوسرے روز صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانباز سپاہیوں کی ایک فوج گراں حضرت عمارؓ کے ساتھ ہو گئی

ماہ جمادی الاخریٰ ۳۶ ہجری میں دونوں طرف کی فوجیں مقام ذی قار میں مجتمع ہوئیں۔

جمعرات کے روز جنگِ جمل شروع ہوئی۔ حضرت عمارؓ میسرہ پر متعین تھے۔ حسب معمول غیر معمولی جوش سے لڑے۔

جنگ جمل کے بعد امیر معاویہؓ سے صفین کا معرکہ پیش آیا۔ حضرت عمارؓ اس جنگ میں بھی حضرت علیؓ کی طرف تھے۔ اس وقت ۹۱ برس کا ان کا سن تھا۔ ایک دفعہ اثنائے جنگ میں حضرت امیر معاویہؓ کے علمبردار حضرت عمروؓ بن العاص پر نظر پڑی تو بولے "میں اسی علمبردار سے تین دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں لڑ چکا ہوں، اب یہ چوتھی مرتبہ ہے، خدا کی قسم اگر وہ ہم کو شکست دیتے ہوتے مقام ہجر تک بھی پسپا کر دیں۔ جب بھی میں یہی سمجھوں گا کہ ہم لوگ حق پر ہیں۔

ایک روز شام کے وقت جب آفتاب غروب ہو رہا تھا اور جنگ پورے زور کے ساتھ جاری تھی۔ حضرت عمارؓ "دودھ کے چند گھونٹ حلق سے فرو کر کے بولے "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ دودھ کا یہ گھونٹ تیرے لئے دنیا کا آخری توشہ ہے"۔ اور کہتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے کہ "آج میں اپنے دوستوں سے ملوں گا۔ آج میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گروہ سے ملوں گا۔" کچھ ایسے عزم و استقلال سے حملہ آور ہوتے تھے کہ جس طرف نکل گئے پرے کا پرا صاف ہو گیا۔ اسی حالت میں ابن الغادیہ کے نیزہ نے ان کو مجروح کر کے زمین پر گرا دیا، اور ایک دوسرے شامی نے بڑھ کر سر تن سے جدا کر دیا۔

حضرت عمروؓ بن العاص کو حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کی شہادت سے سخت پریشانی لاحق ہوئی اور اس جنگ سے کنارہ کش ہونے کے لئے تیار ہو گئے، لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ عمارؓ کے قاتل ہم نہیں ہیں بلکہ وہ جماعت ہے جو ان کو میدان جنگ میں لائی۔

حضرت علیؓ نے جب اپنے مونس و جانثار کی شہادت کی خبر سنی تو آہ سرد کھینچ کر فرمایا، "خدا نے عمارؓ پر رحم کیا، جس دن اسلام لائے، خدا نے رحم کیا، جس دن شہید ہوئے، اور خدا ان پر رحم کرے گا، جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے، میں نے ان کو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا تھا جب کہ صرف چار یا پانچ صحابہؓ کو اعلان ایمان کی توفیق عطا ہوئی تھی۔ قدیم صحابہؓ میں سے کوئی بھی ان کی مغفرت میں شک نہیں کر سکتا۔" اس کے بعد تجہیز و تدفین کا حکم دیا، خود جنازہ کی نماز

پڑھائی اور خون آلود پیراہن کے ساتھ دفن کر دیا۔ اس وقت آپؓ کی عمر ۹۱ برس تھی۔ کوفہ کی زمین کو صحابیٔ رسولؐ کو اپنے دامن میں لینے کا یہ پہلا موقع تھا۔

حضرت عمارؓ کا معدانِ اخلاق گراں مایہ جواہر سے لبریز تھا جفاکشی، استقامت، استقلال اور حقانیت کے پیکر تھے۔ ورع و تقویٰ کے باعث سکوت و کم سخنی ان کا خاص شعار تھا فتنہ و فساد سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے۔

سادگی، تواضع اور خاکساری کا یہ حال تھا کہ فرشِ خاک ان کے لئے سب سے زیادہ راحت بخش بستر تھا، غزوۂ ذات العشیرہ کے موقع میں بنی مدلج کے چند آدمی ایک نخلستان سے نہر نکال رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا "ابوالیقظان چلو دیکھیں یہ لوگ کیا کر رہے ہیں" غرض وہاں پہنچ کر گھنٹوں تماشہ دیکھتے رہے، یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہوا، اور دونوں اسی جگہ ایک درخت کے نیچے فرشِ خاک پر بے تکلفی کے ساتھ سو رہے۔

عہدِ فاروقیؓ میں کوفہ کے والی تھے، لیکن ایک گورنر کی سادگی و بے تکلفی یہ تھی کہ خود بازار جا کر سودا سلف خرید تے، اور اپنی پیٹھ پر لاد کر لے آتے تھے، اسی طرح اپنا تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔

حضرت عمارؓ کا ہر ایک قدم صرف خدائے پاک کی خوشنودی و رضامندی کی راہ میں اٹھتا تھا۔ جنگِ جمل اور غزوۂ صفین میں بھی درحقیقت اسی مطمحِ نظر نے حضرت علیؓ کے زیرِ علم لا کر کھڑا کیا، صفین کی فوج کشی میں ساحلِ فرات کی راہ سے میدانِ جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے، اور بار بار کہتے جاتے تھے "اے خدا! اگر میں جانتا کہ پہاڑ سے کود کر آگ میں جل کر یا پانی میں ڈوب کر جان دینا تیری خوشنودی کا باعث ہوگا تو ضرور سے تجھے خوش کرتا، میں لڑنے جاتا ہوں، لیکن اس میں بھی تیری رضاجوئی مقصود ہے، امید ہے کہ اس مقصد میں تو مجھے ناکام نہ رکھے گا" آپؓ کی اخلاقی عظمت اور قوتِ ایمانی کا ضامن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ "عمارؓ کے رگ و پے میں ایمان سرایت کئے ہوتے ہے" اور شیطان سے مامون رہنے کی دعا ہے۔

حضرت عمارؓ کو خدائے واحد کی عبادت و پرستش میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا۔ راتدات بھر نماز اور وظائف میں مشغول رہتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت :

کیا وہ شخص جو رات کو بندگی کرتا ہے سجدہ کرکے اور کھڑا ہو کر آخرت سے خوف کھاتا ہے
اور اپنے خدا کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے (کہیں نافرمان بندوں کے برابر ہو سکتا ہے)

حضرت عمارؓ ہی کی نسبت نازل ہوئی ہے۔ خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ کو نماز کی

اصل روح سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو جلدی جلدی دوگانہ ادا کرکے بیٹھ رہے، لوگوں نے پوچھا کہ آپؓ نے اس قدر عجلت کیوں کی؟ بولے اس وقت میں شیطان سے مسابقت کرنا پڑی۔ معذوری کی حالت میں بھی نماز قضا نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ سفر کے موقع پر غسل کی حاجت پیش آئی اور باوجود سعی و کوشش پانی دستیاب نہ ہوا، چونکہ جانتے تھے کہ مٹی پانی کا نعم البدل ہے، اس لئے تمام جسم پر خاک مل کر نماز پڑھ لی، جب سفر سے واپس آتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا "ایسی حالت میں بھی صرف تیمم کافی ہے۔"

جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر عموماً سورۂ یٰسین تلاوت فرماتے تھے۔ خطبہ نہایت فصیح و بلیغ ہوتا تھا اور اس میں ایجاز و اختصار خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے اس اختصار پر اعتراض کیا تو بولے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ نماز کو طول دینا اور خطبہ مختصر کرنا انسان کی سمجھ کی علامت ہے۔"

اللہ کا ڈر

ایک مرتبہ عرب کے بدو بڑی تعداد میں مسجد نبوی میں آئے۔ ان کے ہجوم سے رسول اللہؐ دب گئے۔ صحابہؓ نے جلدی سے اٹھ کر ان لوگوں کو ہٹایا۔ حضورؐ مسجد سے نکل کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں چلے گئے اور آپؐ کو جو تکلیف پہنچی تھی اس پر بے اختیار آپؐ کی زبان سے ان لوگوں کے حق میں بددعا نکل گئی۔

اسی لمحے آپؐ نے قبلے کی طرف رخ کرکے اپنے دونوں ہاتھ اللہ کی بارگاہ میں اٹھائے اور دعا کی۔

"باری تعالیٰ! میں ایک انسان ہوں، اگر تیرے کسی بندے کو مجھ سے تکلیف پہنچے تو مجھے سزا نہ دینا۔"

اللہ کے ڈر سے اکثر آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے۔ اکثر نماز میں آپؐ پر رقت طاری ہو جاتی اور آنسو جاری ہو جاتے۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپؐ نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

ایک بار ایک جنازے میں شریک تھے، قبر کھودی جا رہی تھی۔ آپؐ قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ پھر آپؐ نے فرمایا:

"لوگو! اس دن کے لیے سامان تیار کر رکھو۔"

اصحابی کالنجوم

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشاد نبوی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

- سب سے آسان نیکی خندہ پیشانی اور شیریں کلامی ہے۔
- علم تلاش کرو چاہے وہ دشمن کے پاس ہو۔
- دوسروں کے عیوب ڈھونڈنے سے پہلے اپنے عیوب پر نظر ڈالو۔
- جس طرح میٹھا شربت پی جاتے ہو اسی طرح غصہ بھی پی جایا کرو۔
- بندہ خدا کے نزدیک برگزیدہ ہی کیوں نہ ہو۔ مگر جب اس کو دنیا کا کچھ حصہ مل جاتا ہے تو خدا کے یہاں اس کا کوئی نہ کوئی درجہ ضرور گھٹ جاتا ہے۔
- آدمی اس وقت اہل علم کی جماعت میں شمار ہونے کے قابل ہوگا جب وہ اپنے سے بلند آدمی پر حسد نہیں کرے گا، اپنے سے کمتر کو حقیر نہ سمجھے گا اور اپنے علم کی قیمت نہ لے گا۔
- اخلاق خراب ہیں تو ایمان بھی خراب ہوگا۔
- گناہ کرنا چاہتے ہو تو وہ جگہ تلاش کرو جہاں اللہ موجود نہ ہو۔
- عبادت کی لذت چاہتے ہو تو تنہائی ڈھونڈو، دوستوں اور واقف کاروں سے علیحدگی اختیار کرو مگر یہ اس وقت جب روزی تلاش کر لو اور اہل و عیال کو میٹھی نیند سو لینے دو۔
- میں پہلے خود حدیث پر عمل کرتا ہوں اور پھر لوگوں کو سناتا ہوں۔

یہ حکیمانہ اقوال سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہیں۔ اس سے آپؓ کی غیر معمولی حکمت و دانش اور علمی بصیرت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سیدنا ابن عمرؓ شکل و صورت میں اپنے جلیل القدر والد حضرت عمر فاروقؓ کے مشابہ تھے۔ دراز قد، گندمی رنگ اور بھاری بھر کم جسم، کندھوں تک کاکلیں تھیں۔ جن میں کبھی کبھی مانگ نکالا کرتے تھے۔ داڑھی بقدر یک مُشت مونچھیں بہت باریک کترواتے تھے۔

سیدنا حضرت ابو عبدالرحمٰن عبداللہؓ بن عمرؓ کا شمار اساطین اُمت میں ہوتا ہے۔ عام طور پر ابن عمرؓ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ ان عمر فاروقؓ کے فرزند ہیں جن کے بارے میں سید الانبیاء والمرسلینؐ نے فرمایا تھا:

کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

آپؓ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

عبداللہؓ بن عمرؓ بن خطاب بن نفیل بن العزیٰ بن رباح بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی۔

کعب بن لوئی پر ان کا سلسلۂ نسب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔ ماں کا نام زینبؓ بنت مظعون تھا وہ بنو جُمح سے تھیں اور شرفِ صحابیت سے بہرہ ور تھیں۔

اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی حقیقی بہن تھیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ تاریخ اسلام کے چار معروف عبادلہ میں سے ایک ہیں۔ باقی تین عبداللہؓ، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص اور حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ ہیں۔ یہ چاروں نادرِ روزگار شخصیات تھیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ ۲ ہجری بعد بعثت میں پیدا ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ۶ ہجری بعد بعثت میں اسلام قبول کیا تو حضرت ابن عمرؓ تقریباً پانچ برس کے بچے تھے۔ والدِ گرامی کے قبولِ اسلام کے ساتھ وہ خود بخود ہی اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہو گئے اور ان کی نشو و نما خالص اسلامی ماحول میں ہوئی۔ ۱۳ ہجری بعدِ بعثت میں حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت عبداللہؓ بھی والدِ گرامی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے اس وقت ان کا سن گیارہ برس کا تھا۔ غزوات کا آغاز ہوا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے شوقِ جہاد سے بے تاب ہو کر حضورؐ سے لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت مانگی، لیکن آپؐ کا معمول تھا کہ پندرہ برس سے کم عمر کے لڑکوں کو لڑائی میں شریک ہونے کی

اجازت نہ دیتے تھے۔ چونکہ حضرت ابن عمرؓ کی عمر اس وقت صرف تیرہ برس کی تھی۔ اس لئے حضورؐ نے انہیں واپس بھیج دیا۔ غزوۂ اُحد میں وہ چودہ برس کے تھے اس لئے اس میں بھی شریک نہ ہو سکے۔

سب سے پہلے غزوہ جس میں حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے دادِ شجاعت دی۔ غزوۂ احزاب تھا۔ ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ سے پہلے انہیں بیعتِ رضوان میں شریک ہونے کا عظیم شرف حاصل ہُوا! اس طرح وہ اصحاب الشجرہ میں شامل ہو گئے جنہیں اللہ تعالےٰ نے کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حسنِ اتفاق سے بیعتِ رضوان کا شرف انہیں اپنے جلیل القدر والد سے پہلے حاصل ہو گیا وہ اس طرح کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہؓ کو ایک انصاری سے گھوڑا لانے کے لئے بھیجا۔ حضرت عبداللہؓ باہر نکلے تو سرورِ عالمؐ صحابۂ کرامؓ سے بیعت لے رہے تھے انہوں نے لپک کر پہلے خود بیعت کی اور پھر والدِ گرامی کو جا کر اطلاع دی۔ وہ بھی فوراً بارگاہِ رسالتؐ میں پہنچے اور بیعت کی سعادت حاصل کی۔

بیعتِ رضوان کے بعد حضرت ابن عمرؓ نے خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ فتح مکہ کے وقت حضرت ابنِ عمرؓ کا سن بیس برس کا تھا اور وہ ایک منہ زور تیز رفتار گھوڑے پر سوار تھے۔ ان کے جسم پر ایک چھوٹی سی چادر تھی اور ہاتھ میں ایک بھاری نیزہ۔ ایک جگہ گھوڑے سے اُتر کر اس کے لئے گھاس کاٹنے لگے۔ اتفاق سے حضورؐ کی نظر ان پر پڑی تو آپؐ نے مدح و تحسین کے لہجے میں فرمایا "یہ عبداللہؓ ہے عبداللہؓ"۔

اس کے بعد وہ حضورؐ کے پیچھے پیچھے مکہ میں داخل ہوتے۔ حضرت اُسامہؓ بن زید حضورؐ کے ساتھ سوار تھے اور حضرت بلالؓ اور حضرت عثمانؓ بن طلحہ آپؐ کے جلو میں تھے خانہ کعبہ کے صحن میں اونٹ بٹھا کر کنجی منگائی گئی اور کعبہ کا دروازہ کھول کر تینوں ایک ساتھ داخل ہوئے ان کے بعد خانہ کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہونے کی سعادت حضرت ابنِ عمرؓ کو حاصل ہوئی۔

امام شعبیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ قریش کے چار جوان حرم کعبہ میں جمع ہوتے اور چاروں میں طے پایا کہ ہم میں سے ہر شخص رکن یمانی پکڑ کر اللہ تعالےٰ سے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری کرنے کے لئے دُعا مانگے۔ چنانچہ پہلے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اُٹھے اور دُعا مانگی :

"الٰہی تُو عظیم ہے اور تجھ سے عظیم چیزیں ہی مانگی جاتی ہیں اس لئے میں تجھ کو تیرے عرش، تیرے حرم، تیرے نبیؐ اور تیری ذات کی حرمت کا واسطہ دے کر دُعا

کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک ارضِ حجاز پر میری خلافت نہ قائم ہو جائے"

ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی مصعب بن زبیرؓ نے دعا مانگی :

"بارِ الٰہا تُو کائنات کی ہر شے کا خالق ہے آخر میں ہر چیز کو تیری ہی طرف لوٹنا ہے میں تجھ سے تیری قدرت کا واسطہ دے کر جس کے قبضہ میں تمام عالم ہے، دُعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ میں عراق کا والی نہ ہو جاؤں ..."

پھر عبدالملک بن مروان نے دُعا کی :

"اے ارض وسما کے مالک میں تجھ سے ایسی چیز مانگتا ہوں جس کو تیرے اطاعت گزار بندوں نے تیرے حکم سے مانگا ہے۔ میں تجھ سے تیری ذات کی کبریائی، تیری مخلوقات اور اہلِ حرم کے حق کا واسطہ دے کر دُعا مانگتا ہوں کہ تو مجھے دنیا سے اس وقت تک نہ اٹھا جب تک مشرق و مغرب پر میری حکومت قائم نہ ہو جائے اور جو شخص میرے خلاف کھڑا ہو اس کا سر نہ کچل دوں"

اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ اُٹھے اور بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ یہ دُعا مانگی :

"اے اللہ تُو رحمٰن و رحیم ہے۔ میں تیری اس رحمت کا واسطہ دے کر دُعا کرتا ہوں جو تیرے غضب پر غالب ہے کہ مجھے آخرت میں رُسوا نہ کرنا اور مجھے اُس عالم میں جنت عطا فرمانا"

۱۰ ہجری میں حضرت ابن عمرؓ نے حجۃ الوداع میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

۱۱ ہجری میں حضورؐ کا وصال ہوا تو حضرت ابن عمرؓ اس قدر ملول اور شکستہ دل ہوئے کہ عمر بھر نہ کوئی مکان بنایا اور نہ کوئی باغ لگایا جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد آتی بے قابو ہو کر رونے لگتے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کے دل میں جہاد فی سبیل اللہ کی بے پناہ تڑپ تھی۔ عہدِ صدیقیؓ میں تو بعض وجوہ کی بنا پر مدینہ منورہ سے باہر نہ جا سکے، لیکن عہدِ فاروقیؓ میں ایران، شام اور مصر کی فتوحات میں سرفروشانہ حصہ لیا۔ والدِ گرامی امیرالمومنینؓ تھے، لیکن وہ ایک عام مجاہد کی حیثیت سے لشکرِ اسلام میں شریک ہوتے اور کبھی کسی عہدے کی خواہش نہیں کی۔

۲۳ ہجری کے اواخر میں حضرت عمرِ فاروقؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور ان کی جانبری کی کوئی اُمید۔

رہی تو انہوں نے اپنی جانشینی کا مسئلہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے سپرد کر دیا۔ جس میں اکابر صحابہؓ داخل تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اگرچہ اپنے علم و فضل اور دوسری صلاحیتوں کی بناء پر ہر طرح سے خلافت کے اہل تھے، لیکن حضرت عمر فاروقؓ تقویٰ کے اتنے بلند مقام پر فائز تھے کہ انہیں اپنے فرزند کو خلیفہ نامزد کرنا گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے وصیت کر دی کہ وہ خلیفہ کے انتخاب میں مشیر کی حیثیت سے تو شریک ہو سکتے ہیں لیکن خلافت کے لئے ان کے نام پر کسی صورت میں غور نہ کیا جائے۔

حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت ابن عمرؓ کو قضا کا عہدہ پیش کیا۔ لیکن انہوں نے اس کو قبول کرنے سے معذرت کر دی۔

۲۷ ہجری میں حضرت عثمانؓ نے افریقہ پر فوج کشی کی تو حضرت ابن عمرؓ لشکرِ اسلام میں شریک ہو گئے اور جہاد فی سبیل اللہ میں پُرجوش حصہ لیا۔ ابن اثیر کے بیان کے مطابق ۳۰ ہجری میں انہوں نے خراسان اور طبرستان کے معرکوں میں بھی حصہ لیا۔

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد میں فتنوں نے سر اُٹھایا تو حضرت ابن عمرؓ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ کیونکہ انہیں مسلمانوں کا ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہونا کسی صورت میں گوارا نہ تھا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد لوگوں نے انہیں مسندِ خلافت پر بٹھانا چاہا لیکن انہوں نے یہ بارِ گراں اُٹھانے سے صاف انکار کر دیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو حضرت ابن عمرؓ نے اس شرط پر ان کے ہاتھ پر بیعت کی کہ وہ خانہ جنگی میں شریک نہ ہوں گے۔ چنانچہ وہ جنگِ جمل اور جنگ صفین سے بالکل کنارہ کش رہے۔ حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد انہوں نے امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی اور قسطنطنیہ کی مہم میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے بعد یزید تختِ حکومت پر بیٹھا تو انہوں نے اختلافِ اُمت کے فتنے سے بچنے کے لئے یہ کہہ کر اس کی بیعت کر لی کہ اگر یہ خیر ہے تو ہم اس پر راضی ہیں اور اگر بلا ہے تو ہم نے صبر کیا۔

یزید کے بعد معاویہ ثانی اور مروان بن الحکیم مسندِ حکومت پر بیٹھے۔ ۶۵ ہجری میں مروان نے وفات پائی تو اس کا بیٹا عبدالملک خلیفہ بنا۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس کو تحریری بیعت نامہ بھیج دیا جس میں لکھا کہ میں اور میرے لڑکے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی سُنت پر امیر المومنین عبدالملک کی سمع و اطاعت کا بقدرِ استطاعت عہد کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نے عبدالملک ہی کے عہدِ خلافت میں ۷۴ ہجری میں بعمر چوراسی سال وفات پائی. حضرت ابن عمرؓ کی دلی تمنا تھی کہ وہ مدینہ منورہ میں وفات پائیں. لیکن قدرت نے ان کی وفات مکہ معظمہ میں لکھ رکھی تھی. وفات سے پہلے اپنے فرزند سالمؒ کو وصیت کی کہ اب میں یہاں وفات پارہا ہوں تو مجھے حدود حرم کے باہر دفن کرنا. انہوں نے والدِ گرامی کی وصیت پر عمل کرنا چاہا, لیکن حجاج نے مداخلت کی اور ان کی نماز جنازہ پڑھا کر "فخ مہاجرین" کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا.

تمام صحابہؓ و تابعین جنہوں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا تھا. بالاتفاق ان کے اوصافِ حمیدہ تبحرِ علمی اور جلالتِ قدر کے معترف اور مداح تھے. اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ عہدِ رسالتؐ کی حالت و کیفیت کا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ پابند کوئی نہیں رہا. حضرت حذیفہؓ بن الیمان فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا مگر عمرؓ اور ان کے بیٹے عبداللہؓ نہیں بدلے. حضرت ابن مسیبؒ کہا کرتے تھے کہ میں کسی کے جنتی ہونے کی گواہی دے سکتا ہوں تو وہ ابن عمرؓ ہیں.

میمون بن مہرانؒ کہتے تھے کہ میں نے ابن عمرؓ سے بڑھ کر کوئی متقی اور پرہیزگار نہیں دیکھا.

حضرت سلمہؒ بن عبدالرحمٰنؒ فرماتے تھے کہ میں نے ابن عمرؓ کی وفات کے بعد ان جیسا کوئی نہیں دیکھا وہ فضیلت میں اپنے والد کے قریب تھے. حضرت علی بن حسینؒ زین العابدین فرماتے تھے کہ عبداللہؓ بن عمرؓ کو زہد و تقویٰ اور اصابت رائے میں ہم سب پر برتری حاصل تھی.

علم و فضل کے اعتبار سے حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کا شمار ان صحابۂ کبارؓ میں ہوتا ہے جو جملہ دینی علوم کا بحرِ بے پایاں تھے. انہیں نہ صرف سالہاسال تک فیضانِ نبویؐ سے براہِ راست بہرہ یاب ہونے کا موقع ملا بلکہ سیدنا فاروقِ اعظمؓ جیسے نابغۂ عصر والد کی تعلیم و تربیت بھی میسر آئی. اس طرح وہ فضل و کمال کے اتنے بلند مقام پر فائز ہوگئے کہ بڑے بڑے فضلاء صحابہؓ ان پر رشک کیا کرتے تھے. قرآنِ حکیم اور اس کی تفسیر سے اتنا شغف تھا کہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ قرآنی سورتوں اور آیات پر فکر و تدبر میں گزارتے تھے. مؤطا امام مالکؒ میں ہے کہ انہوں نے صرف سورۂ بقرہ پر فکر و تدبر میں چودہ برس صرف کئے. عہدِ رسالتؐ میں انہیں اکابرِ صحابہؓ کے ساتھ اکثر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی مجلسوں میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوتی تھی. اس طرح ان کو قرآن حکیم کی تفسیر اور تفہیم میں غیر معمولی بصیرت حاصل ہوگئی تھی.

ایک مرتبہ حضورؐ صحابۂ کرام کے مجمع میں رونق افروز تھے. حضرت ابن عمرؓ بھی موجود تھے.

حضورؐ نے قرآنِ حکیم کی ایک آیت پڑھی جس کا ترجمہ ہے:

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاک بات کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط ہو اور شاخیں آسمان میں، اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا اور میوے دیتا ہو۔"

پھر آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ اس آیت میں کس درخت کی مثال دی گئی ہے۔ تمام صحابہ کرامؓ خاموش رہے تو آپؐ نے خود بتایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔ بعد میں حضرت ابنِ عمرؓ نے اپنے والد گرامی حضرت عمرؓ کو بتایا کہ میں سمجھ چکا تھا کہ یہ کھجور کے درخت کی مثال ہے لیکن بزرگ صحابہؓ کی خاموشی کی وجہ سے چپ رہا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بیٹے اگر تم اس مجلس میں بتا دیتے تو مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔

قرآنِ حکیم میں فہم و بصیرت کے علاوہ حضرت ابنِ عمرؓ کو حدیث سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ ان سے ایک ہزار چھ سو تیس احادیث مروی ہیں ان میں ۱۷۰ متفق علیہ ہیں۔ ۸۱ میں بخاری اور ۳۱ میں مسلم منفرد ہیں۔ وہ حضورؐ کے نہ صرف ان ارشادات کو جو آپؐ سے براہِ راست سُنتے تھے، حرزِ جان بنا لیتے تھے بلکہ ان کو بھی جو دوسروں کی وساطت سے ان تک پہنچتے تھے یاد رکھتے تھے۔ اس طرح حُفاظِ حدیث میں ان کو ایک خاص مقام حاصل ہو گیا تھا لیکن روایتِ حدیثؐ میں بہت محتاط تھے اُسی وقت کوئی حدیثؐ بیان کرتے تھے جب انہیں پورا یقین ہوتا تھا کہ اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہے۔ اسی شدتِ احتیاط کی بناء پر ان کی مرویات کو بہت مستند تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کے اساتذہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، اُم المؤمنین حضرت حفصہؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت بلال حبشیؓ، حضرت صہیب رومیؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت رافعؓ بن خدیج جیسے عظیم المرتبت صحابہؓ و صحابیاتؓ شامل ہیں۔ ان کے ارشد تلامذہ میں سالمؒ، عبیداللہؒ، حمزہؒ، نافعؒ، حفصؒ، عروہ بن زبیرؒ، موسیٰ بن طلحہؒ، ابو سلمہؒ بن عبدالرحمٰنؒ، سعید بن مسیبؒ، قاسمؒ، ابو بردہ بن ابو موسیٰ اشعریؒ، سعید بن یسارؒ، عکرمہؒ، مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، طاؤسؒ، عطاء، ابوالزبیرؒ اور ابی ملیکہؒ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

فقہ جس پر تشریعِ اسلامی کا دارومدار ہے حضرت ابنِ عمرؓ کو اس میں بھی درجۂ تبحر حاصل تھا۔ انہوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ تعلیم و تعلم اور درس و افتاء میں گزارا۔ حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ "اگر حضرت ابنِ عمرؓ کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔" فقہ مالکی کا تمام تر دارومدار حضرت ابنِ عمرؓ ہی کے فتاویٰ پر ہے۔ امام مالک کا قول ہے کہ حضرت ابن عمر آئمہ دین میں سے تھے۔

اپنے تفقہ فی الدین کی بنا پر حضرت ابن عمرؓ فقیہ الامت کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ بایں ہمہ وہ فتویٰ دینے میں بے حد محتاط تھے اگر کسی بات میں ذرا بھی شبہ ہوتا تو ہرگز فتویٰ نہ دیتے اور مستفتی کو یہ کہہ کر ٹال دیتے کہ یہ مسئلہ مجھے معلوم نہیں۔ قیاس و اجتہاد میں بھی خداداد ملکہ حاصل تھا، لیکن اس سے اسی وقت کام لیتے جب کتاب و سُنت میں کسی مسئلہ کے بارے میں واضح احکام نہ ملتے ہوں۔ ایسا کرتے وقت وہ مستفتی سے صاف صاف کہہ دیتے کہ یہ میرا قیاس ہے اس کے باوجود بڑے بڑے ائمہ ان کی رائے کے بعد پھر کسی دوسری رائے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔

دینی علوم کے علاوہ حضرت ابن عمرؓ عرب کے دیگر مروجہ علوم شاعری، خطابت اور انسابی میں بھی درک رکھتے تھے۔ لیکن ان میں اپنا وقت صَرف کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ بحیثیت مجموعی وہ علم و فضل کے مجمع البحرین تھے اور بقول ابن سعد ایک زمانہ میں لوگ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ الٰہی ہماری زندگی میں ابن عمرؓ کو زندہ رکھ تاکہ ہم اُن کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے رہیں آج ان سے زیادہ عہدِ رسالتؐ کا کوئی واقف کار نہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کے گلشن اخلاق میں حُبِ رسولؐ، اتباع سنت خشیتِ الٰہی، شوق جہاد و عبادت، زہد و تقویٰ فیاضی و ایثار نفسی، تواضع و انکسار، استغنا و قناعت، سادگی اور حق گوئی و بیباکی سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔

حُبِ رسولؐ کی یہ کیفیت تھی کہ حضورؐ کا وصال ہُوا تو جب بھی زبان پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آتا آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ جب غزواتِ رسولؐ کے مقامات سے گزر ہوتا تو آنکھوں کے سامنے عہدِ رسالتؐ کا نقشہ کھینچ جاتا اور اشکبار ہو جاتے۔ کوئی ان کے سامنے حضورؐ کا ذکر کرتا تو بے قابو ہو کر رو نے لگتے۔ یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیوخ سے سُنا ہے کہ بعض لوگ حضرت ابن عمرؓ کے عشقِ رسولؐ کی کیفیت دیکھ کر انہیں مجنون تک کہنے لگے تھے دراصل حضرت ابن عمرؓ کو عشق رسولؐ کی بنا پر پابندیِ سُنت کا والہانہ جنون تھا اور ان کی زندگی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حسین و دلکش زندگی کا پرتوِ جمیل بن گئی تھی۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی باتوں میں بھی نہایت شدت کے ساتھ اتباعِ سنت کا التزام کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اتفاقی اور بشری عادات میں بھی وہ حضورؐ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے تھے۔ سفر و حضر میں حضورؐ نے جہاں کبھی نماز ادا کی، حضرت ابن عمرؓ بھی وہاں نماز ادا کرتے تھے۔ جہاں آپؐ نے آرام فرمایا وہ وہاں آرام کرتے تھے۔ جہاں آپؐ نے تھوڑی دیر کے لئے قیام فرمایا حضرت ابن عمرؓ نے بھی وہاں ضرور قیام کیا۔ جن درختوں کے سائے میں حضورؐ نے کبھی آرام فرمایا تھا حضرت ابن عمرؓ ان کو پانی

دیتے رہتے تھے تاکہ خشک نہ ہونے پائیں اور وہ بھی ان کے سایہ میں آرام کر کے سُنّت کی پیروی کر سکیں۔ جب سفر سے لوٹتے تو سب سے پہلے روضۂ نبویؐ پر حاضر ہوتے اور سلام کہتے۔ مدینہ منورہ سے اس قدر محبت تھی کہ کسی حالت میں بھی وہاں سے نکلنا گوارا نہ تھا۔ ایک مرتبہ ان کے ایک غلام نے تنگدستی کی بناء پر مدینہ چھوڑنے کی اجازت چاہی فرمایا، میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جو شخص مدینہ کے مصائب پر صبر کرے گا۔ قیامت کے دن میں اُس کی شفاعت کروں گا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اولاد سے بھی غیر معمولی محبت تھی۔ اور وہ لوگوں کو اکثر اُن کے فضائل سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ مناسکِ حج کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ مناسک حج میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سنن کا بدرجۂ غایت لحاظ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپؓ نے جہاں جہاں طہارت کی تھی وہاں وہ بھی ضرور طہارت کرتے تھے۔ حج کے سفر میں وہی راستہ اختیار کرتے تھے جو حضورؐ نے اختیار کیا تھا۔ حضورؐ ذوالحلیفہ میں اُتر کر نماز پڑھتے حضرت ابنِ عمرؓ بھی ذوالحلیفہ میں ضرور نماز پڑھتے تھے۔ حضورؐ نے جن مقامات پر منزل کی تھی وہ بھی وہاں منزل کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قباء میں کبھی پاپیادہ اور کبھی سواری پر تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت ابنِ عمرؓ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ حضورؐ مکہ میں داخل ہونے سے قبل بطحا میں تھوڑا سا سو لیتے تھے۔ حضرت ابنِ عمرؓ کا بھی یہی معمول تھا۔ حضورؐ اپنے جاں نثاروں کی دعوت ہمیشہ قبول فرما لیا کرتے تھے۔ حضرت ابنِ عمرؓ بھی کسی کی دعوت رد نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ روزہ کی حالت میں بھی دعوت میں تشریف لے جاتے تھے گو کھانے میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ غرض وہ تمام کاموں میں اسوۂ نبویؐ کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ نے نہایت گداز دل پایا تھا۔ خوفِ خدا اور روزِ جزا سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ کوئی آیت جس میں محاسبۂ آخرت کا ذکر ہوتا، سُنتے تو لرزہ براندام ہو جاتے اور رونے لگتے۔ ایک دن عبید بن عمیر سے قرآن کی یہ آیت سُنی:

"اے رسُولؐ! آخرت کے اس دن کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لا کھڑا کریں گے اور آپؐ کو اُن سب پر گواہ لائیں گے"

آیت سُنتے ہی بے اختیار رونے لگے۔ یہاں تک کہ داڑھی اور گریبان آنسوؤں سے بھیگ گئے۔

خشیت الٰہی نے ان کے دل میں جہاد اور عبادت کا ایسا شوق پیدا کر دیا تھا کہ ان کے بغیر

رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ پندرہ برس کی عمر سے لے کر بڑھاپے تک جہاد فی سبیل اللہ میں برابر حصہ لیتے رہے۔ عبادت کی یہ کیفیت تھی کہ قائم اللیل اور دائم الصوم تھے۔ بعض اوقات ایک رات میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے تھے۔

انہوں نے اپنی زندگی میں ساٹھ حج کئے اور ایک ہزار عمرے۔

زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ "تہذیب التہذیب" میں لکھا ہے کہ جوانانِ قریش میں عبداللہؓ بن عمرؓ سے زیادہ کوئی شخص اپنے نفس پر قابو رکھنے والا نہیں تھا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ آغازِ شباب ہی میں مسجد میں جاکر سویا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے خواب میں دوزخ کے فرشتوں کو دیکھا۔ دوسرے دن اس کا ذکر اپنی بہن اُم المومنین حضرت حفصہؓ سے کیا۔ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا:

"عبداللہؓ جوان صالح ہے۔"

ایک دفعہ کوئی شخص ان کی خدمت میں چُورن لے کر حاضر ہوا۔

پوچھا، یہ کیا ہے؟ اُس نے کہا، ہاضم طعام۔ انہوں نے فرمایا، مجھے اس کی کیا ضرورت ہے میں نے تو مہینوں سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

ایک مرتبہ کسی سے پانی مانگا اس نے شیشے کے پیالے میں لاکر پیش کیا۔ انہوں نے پینے سے انکار کر دیا پھر ان کے سامنے لکڑی کے پیالے میں پانی پیش کیا گیا۔ اب انہوں نے پانی پی لیا پانی پی کر وضو کے لئے برتن مانگا تو ان کے سامنے طشت و آفتابہ لایا گیا۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا اور لوٹے سے وضو کیا۔

میمون بن مہرانؒ کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے تمام اثاث البیت کی قیمت لگائی تو سو درہم سے زیادہ کا سامان نہ تھا اس میں فرش اور بستر بھی شامل تھا۔

حضرت ابنِ عمرؓ کے پاس دُنیا کتنی بار پورے ساز و سامان کے ساتھ آئی لیکن انہوں نے اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ان کو بارہا ایسے موقعے ملے کہ اگر چاہتے تو بڑے سے بڑے عہدہ کیا مسندِ خلافت تک پہنچ سکتے تھے۔ زر و جواہر سمیٹنا چاہتے تو اپنے دَور کے متمول ترین آدمی بن سکتے تھے لیکن انہوں نے آخرت کو دُنیا پر ترجیح دی اور اپنے زہد و تقویٰ سے باہر قدم نہ نکالا۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ تمام کام جو خود کر سکتے تھے اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔ حتیٰ کہ اونٹنی

وغیرہ بٹھانے میں بھی دوسروں سے مدد نہ لیتے تھے۔ لباس عموماً معمولی پہنتے تھے البتہ کبھی کبھار عمدہ لباس بھی زیب تن کر لیتے تھے وہ بھی اس لئے کہ ایک دو مرتبہ حضورؐ کو ایسا کرتے دیکھا تھا۔ لباس قمیض، ازار اور سیاہ عمامہ پر مشتمل ہوتا تھا۔ ازار نصف ساق تک ہوتا تھا۔ حضورؐ کو زرد رنگ پسند تھا اس لئے اُن کو بھی زرد رنگ مرغوب تھا۔ دستر خوان بھی تکلفات سے خالی ہوتا تھا بعض اوقات ایک بڑے برتن میں کھانا رکھ دیا جاتا۔ وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ اس کے گرد بیٹھ کر کھا لیتے۔ انہیں ہر وہ چیز ناپسند تھی جس میں کسی قسم کی نمائش یا تکلف کی آمیزش ہوتی۔ یہاں تک کہ جمعہ کے دن کے سوا کبھی سر داڑھی اور کپڑوں میں خوشبو نہیں لگائی۔

دنیوی حیثیت سے حضرت ابن عمرؓ بہت مرفہ الحال تھے۔ دینی خدمات کی بناء پر اُن کا ڈھائی ہزار ماہانہ وظیفہ مقرر تھا۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری کے مطابق وہ بہت سی لگانی زمینوں کے مالک بھی تھے، لیکن وہ اپنے مال کو بے دریغ راہِ خدا میں لٹاتے رہتے تھے۔ فیاضی اور سیر چشمی ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ کسی سائل کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جانے دیتے تھے۔ بیسیوں فقراء و مساکین ان کے دستر خوان پر پرورش پاتے تھے۔ عموماً کسی مسکین کو اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھائے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ بعض اوقات اپنے حصے کا کھانا بھی مسکینوں کو کھلا دیتے اور خود بھوکے رہتے۔ ایک مرتبہ ان کو مچھلی کی خواہش ہوئی۔ جب مچھلی بھون کر ان کے سامنے رکھی گئی تو ایک سائل کا گزر ہوا وہ اُٹھا کر اس کو دے دی۔

طبقات میں حضرت ابن عمرؓ کے غلام اور شاگرد نافعؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ان کے پاس بیس ہزار درہم آئے انہوں نے دونوں ہاتھوں سے لوگوں کو دینے شروع کئے یہاں تک کہ سب ختم کر ڈالے تقسیم ہو جانے کے بعد جو لوگ آئے ان کو دوسرے لوگوں سے جنہیں پہلے دے چکے تھے قرض لے کر دیئے۔

کہیں قیام ہوتا تو اکثر روزہ رکھتے تھے لیکن کوئی مہمان آجاتا تو روزہ توڑ دیتے تھے اور فرماتے کہ مہمان کی موجودگی میں روزہ رکھنا فیاضی سے بعید ہے۔

حضرت ابن عمرؓ دو دو تین تین ہزار کی رقمیں تو آتے دن خیرات کیا کرتے تھے لیکن بعض اوقات بیس بیس اور تیس تیس ہزار کی رقمیں بھی یکمشت راہِ خدا میں لٹا دیتے تھے۔

اگر کبھی کوئی غلام یا لونڈی بہت پسند ہوتی یا اپنے کسی غلام کو بہت عبادت گزار دیکھتے تو اس کو آزاد کر دیتے اس طرح انہوں نے اپنی زندگی میں ایک ہزار سے زیادہ غلام آزاد کئے۔

ایک دفعہ سفرِ حج کے لئے ایک اونٹنی خریدی سوار ہوئے تو اس کی چال بہت پسند آئی فوراً

اُتر پڑے اور حکم دیا کہ سامان اُتار لو اور اس کو قربانی کے اونٹوں میں شامل کر دو۔

ایک مرتبہ چند دوستوں کے ساتھ مدینہ کے ایک نواحی علاقے میں تشریف لے گئے۔ ایک مقام پر دسترخوان بچھایا گیا تو ایک چرواہا اُدھر آنکلا۔ اس نے سلام کیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس کو کھانے کی دعوت دی۔ اس نے عذر کیا کہ میں روزے سے ہوں۔ انہوں نے فرمایا ہ اتنی گرمی میں روزے رکھے ہو اور پھر بکریاں بھی چرواتے ہو؟ پھر اس سے پوچھا، کیا یہ بکریاں ہمارے ہاتھ فروخت کر سکتے ہو؟ ہم تمہیں نقد قیمت بھی دیں گے اور افطار کے لئے گوشت بھی۔ چرواہے نے عرض کیا یہ بکریاں میری نہیں ہیں ان کا مالک میرا آقا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس کے تقوے کا امتحان لینے کی خاطر فرمایا، تو تمہارا آقا کیا کرلے گا؟

چرواہے نے آسمان کی طرف اُنگلیاں اُٹھائیں اور اللہ کہاں ہے، اللہ کہاں ہے کہتا ہوا چلا گیا۔ حضرت ابن عمرؓ کو اس کا یہ قول بہت پسند آیا اور اس کو بار بار دہراتے رہے۔ چونکہ اس کی دیانت اور عدا خوفی سے بے حد خوش ہوتے تھے۔ اس لئے جب مدینہ آئے تو اس کے آقا سے بکریوں سمیت خرید کر آزاد کر دیا اور تمام بکریاں بھی اس کو بخش دیں۔

ایک دفعہ کہیں جارہے تھے کہ راستے میں ایک بدو ملا حضرت ابن عمرؓ نے اس کو سلام کیا اور سواری کا گدھا اور سر کا عمامہ اتار کر اس کو دے دیا۔ ابن دینارؒ ساتھ تھے۔ انہوں نے عرض کیا، اللہ آپ کو صلاحیت دے، یہ بدو تو معمولی چیزوں سے خوش ہو جاتے ہیں گدھا اور عمامہ دینے کی کیا ضرورت تھی۔ فرمایا؛

اس کے والد میرے والد کے دوست تھے۔ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ سب سے بڑی نیکی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کے بعض غلام آزاد ہونے کے لئے بڑے عبادت گزار بن جاتے تھے۔ اُن کے بعض احباب نے عرض کیا کہ یہ لوگ عبادت میں مخلص نہیں ہیں اور آپؓ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ فرمایا، جو شخص ہم کو اللہ کے ذریعے دھوکا دیتا ہے ہم اُس سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔

ان کے ہاتھ سے جو مال نکل جاتا تھا اس کو پھر واپس نہیں لیتے تھے۔ عطاؒ کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے ان کو دو ہزار درہم قرض دیئے۔ انہوں نے جب اس قرض کو چکایا تو میں نے ان کے درہموں کا وزن کیا وہ وزن میں دو سو درہم زیادہ نکلے۔ میں نے یہ دو سو درہم واپس کرنا چاہے تو فرمایا، اب یہ تمہارے ہیں۔

چونکہ اکثر اپنا کھانا مسکینوں کو کھلا دیتے تھے اس لئے بہت لاغر ہو گئے تھے۔ لوگوں نے ان

کی بی بی کو ملامت کی کہ آپ ان کی خدمت اچھی طرح نہیں کرتیں۔ انہوں نے کہا، میں کیا کروں جب ان کے لئے کوئی کھانا پکتا ہے تو وہ مساکین کو کھلا دیتے ہیں۔ ان کی اس عادت کی بناء پر جب وہ مسجد سے نکلتے فقراء و مساکین ان کے راستے میں آ بیٹھتے وہ انہیں اپنے ساتھ لے آتے اور کھانا کھلا کر بھیجتے۔ چنانچہ ایک دن ان کی بی بی نے ان فقراء کے گھروں پر کھانا بھجوا دیا اور ساتھ ہی کہلا بھیجا کہ ان کے راستے میں مت بیٹھنا اور وہ بُلائیں بھی تو مت آنا۔

حضرت ابن عمرؓ اس دن مسجد سے نکلے تو کسی فقیر کو راستے میں بیٹھا نہ پایا گھر آئے تو واقعہ معلوم ہوا۔ غصہ سے فرمایا، کیا تم چاہتی ہو کہ مساکین میرے دستر خوان پر نہ ہوں اور میں رات فاقہ سے بسر کروں۔ چنانچہ اس رات کو کھانا نہ کھایا اور بھوکے پڑ رہے۔

اپنی جلالتِ قدر کے باوجود حضرت عبداللہ بن عمرؓ تواضع و انکسار اور اخلاق حسنہ کا مجسمہ تھے۔ لوگوں کو سلام کرنے میں ہمیشہ پہل کیا کرتے تھے۔ اس میں امیر غریب کی بالکل تفریق نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں بازار میں اس لئے نکلتا ہوں کہ لوگوں کو سلام کروں اور (جواب میں) مجھ پر سلام کیا جائے۔ اگر کسی کو سلام کرنا بھول جاتے تو پلٹ کر سلام کرتے۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ سفر میں ہوتا تھا۔ جہاں تک ممکن ہوتا وہ اپنا کام خود کرتے تھے۔ یہاں تک کہ خود اونٹ کا پاؤں دبلتے تو میں اُس پر سوار ہوتا۔

مسندِ احمد میں ہے کہ اپنی تعریف سُننا ان کو سخت ناپسند تھا۔ ایک مرتبہ کوئی شخص ان کی تعریف کر رہا تھا۔ انہوں نے اس کے مُنہ میں مٹی جھونک دی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مُنہ پر تعریف کرنے والے خوشامدیوں کے مُنہ میں مٹی ڈالا کرو۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے ان پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ انہوں نے جواب میں صرف اتنا فرمایا، بھائی ہم لوگ عالی نسب ہیں پھر خاموش ہو گئے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے پوچھا، آپ کون ہیں، فرمایا، جو تم کہو میں وہی ہوں۔ اُس نے کہا، آپ سبط ہیں، آپ وسط ہیں۔

فرمایا، سبحان اللہ، سبط تو بنی اسرائیل تھے اور وسط تمام اُمتِ محمدیہ ہے البتہ ہم قبیلہ مضر کے اوسط ہیں۔ اس سے زیادہ رتبہ کوئی ہمیں دیتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔

وہ ہمیشہ اس کو مکروہ سمجھتے تھے کہ کوئی ان کو وضو کرائے۔ ایک دفعہ کسی نے ان کو نہایت بیش قیمت ہری کپڑے ہدیۃً پیش کئے۔ انہوں نے ان کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ان کے پہننے میں کوئی حرج نہیں تھا، لیکن ہم کبر و غرور کے خوف سے ان کو نہیں پہن سکتے۔

ایک دفعہ حالت احرام میں سردی محسوس ہوئی تو اپنے ایک شاگرد قزعہ عقیلی سے فرمایا، میرے اُوپر چادر ڈال دو۔ انہوں نے چادر اوڑھادی۔ بیدار ہوتے تو اس کے نقش ونگار اور بُوٹوں کو جو ریشمی تھے، دیکھنے لگے پھر فرمایا، اگر یہ بُوٹے نہ ہوتے تو اس کے اوڑھنے میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔

اگر کسی ایسی جگہ تشریف لے جاتے جہاں لوگ انہیں دیکھ کر ازراہِ تعظیم کھڑے ہو جاتے تو وہاں نہ بیٹھتے تھے۔

غلاموں کے ساتھ ان کا سلوک نہایت مشفقانہ بلکہ مساویانہ ہوتا تھا۔ انہیں اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کر کھانا کھلاتے تھے اور اپنے اہل وعیال کی طرح ان کے کھانے پینے کا خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ان لوگوں کو کھانا کھلانے میں دیر ہوگئی۔ حضرت ابن عمرؓ کو معلوم ہُوا تو بہت ناراض ہوئے اور حکم دیا کہ انہیں فوراً کھانا کھلایا جائے پھر فرمایا، انسان کے لئے یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ اپنے غلاموں کے کھانے پینے کا خیال نہ رکھے۔

دسترخوان پر بیٹھے ہوتے اور کسی دوسرے کا غلام بھی وہاں آجاتا تو اس کو بھی شریک طعام کر لیتے۔

انہوں نے اپنے غلاموں کو ہدایت کر رکھی تھی کہ جب مجھے خط لکھو تو اس میں میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھو۔ حالانکہ اس وقت کے رواج کے مطابق آقا کا نام پہلے لکھا جاتا تھا۔

غلاموں کو نہ کبھی سخت سُست کہتے تھے اور نہ کبھی ان پر ہاتھ اُٹھاتے تھے اگر کبھی ایک آدھ مرتبہ غصہ کی حالت میں کسی غلام پر سختی کر بیٹھے تو کفارہ کے طور پر اُس کو آزاد کر دیا۔

اپنے اخلاق حسنہ، تواضع اور انکسار کی بدولت انہیں عوام الناس میں درجۂ محبوبیت حاصل ہو گیا تھا۔ لوگ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ گھر سے باہر نکلتے تو قدم قدم پر لوگ ان کو سلام کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مجاہدؒ ساتھ تھے، ان سے مخاطب ہو کر تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا، لوگ مجھ سے اس قدر محبت کرتے ہیں کہ اگر سونے چاندی کے بدلے میں بھی محبت خریدنا چاہوں تو اس سے زیادہ نہیں مل سکتی۔

حضرت ابن عمرؓ کی طبیعت میں استغنا اور قناعت کا مادہ درجۂ اتم پایا جاتا تھا۔ اگرچہ وہ سُنت نبویؐ کے مطابق ہدیہ قبول کر لیتے تھے لیکن کسی کے سامنے کبھی دستِ سوال دراز نہیں کیا۔ علامہ ابن سعدؒ نے ان کا قول نقل کیا ہے کہ میں کسی سے مانگتا نہیں، لیکن جو اللہ تعالےٰ دیتا ہے اس کو رد بھی نہیں کرتا۔ ایک دفعہ ان کی پھوپھی زادؓ نے دو سو دینار دیئے انہوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لئے اور انھیں دُعا دی۔

ایک مرتبہ عبدالعزیز بن ہارون نے ان کو لکھا کہ آپ کو جو حاجت ہو، مجھ سے طلب فرمائیے انہوں نے جواب میں لکھ بھیجا کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ اپنے اہل و عیال سے لینے دینے کی ابتداء کرو اوُپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ میرا خیال ہے دینے والا اوُپر کا ہے اور لینے والا نیچے کا۔ میں آپ سے سوال کروں گا اور نہ اس مال کو ردّ کروں گا جس کو خدا نے میری طرف بھیجا ہے

مال و دولت ان کے نزدیک بالکل بے حقیقت تھے۔ اگر ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ مالی ہدیہ خلوص سے نہیں بلکہ کسی ذاتی غرض سے پیش کیا گیا ہے تو اس کو قبول نہ کرتے اسی طرح کسی چیز میں صدقہ کے شائبہ کا بھی خیال ہوتا تو اس کو استعمال نہ کرتے۔ ایک دفعہ انہوں نے اپنی والدہ پہ ایک غلام صدقہ کیا۔ اتفاق سے اس غلام کے ساتھ بازار گئے۔ وہاں ایک شیر دار بکری فروخت ہو رہی تھی انہوں نے غلام سے کہا، اپنے مال سے اس کو خرید لو اُس نے خرید لی اور افطار کے وقت اسی بکری کا دودھ ان کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا، یہ دودھ بکری کا ہے، بکری غلام کی ہے اور غلام صدقہ کا ہے، اس کو ہٹاؤ میں نہیں پیوں گا۔

مشتبہ چیزوں سے سخت اجتناب کرتے تھے ایک دفعہ کسی نے کھجور کا سرکہ بطور ہدیہ بھیجا۔ پوچھا، کیا چیز ہے، معلوم ہُوا کھجور کا سرکہ ہے۔ انہوں نے اس کو فوراً پھنکوا دیا کیونکہ اس کے استعمال سے نشہ پیدا ہونے کا احتمال تھا۔

مروان بن الحکم نے اپنے زمانہ میں راستوں میں میل کے سنگی نشان نصب کرائے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ ان پتھروں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے اور ان سے ہٹ کر نماز پڑھتے تھے۔ کیونکہ ان کی طرف مُنہ کر کے نماز ادا کرنے میں پتھر کی پرستش کا خیالی شائبہ تھا۔

حضرت ابن عمرؓ کی زندگی ہمیشہ مصالحانہ اور مرنجان مرنج رہی۔ انہوں نے مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں میں حصہ لیا نہ حکومت وقت کے خلاف کسی سرگرمی میں۔ تاہم جس بات کو حق سمجھتے تھے اس کا بَرملا اظہار کرتے تھے۔

اصحابی کالنجوم
میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں (ارشادِ نبویؐ)

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ اسی اثنار میں ایک سوار مدینہ منورہ کے باہر آکر رکا۔ اس نے اپنی سواری کو بٹھایا۔ کپڑوں کے تھیلے سے اپنا حلہ نکالا اور اسے زیبِ تن کرکے مسجدِ نبوی کی طرف روانہ ہوا حضورؐ اس وقت خطبہ دے رہے تھے۔ وہ سلام کرکے بیٹھ گیا۔ لوگ اس کی طرف عجیب شفقت کے انداز میں دیکھنے لگے۔ اس نے اپنے قریب کے آدمی سے پوچھا۔

"عبداللہ کیا حضورؐ میرا تذکرہ فرمارہے تھے؟"

انھوں نے کہا۔ "ہاں، ابھی خطبہ کے دوران میں حضورؐ نے فرمایا کہ تھوڑی دیر میں اس دروازہ یا کھڑکی کے راستے تمہارے پاس یمن کا بہترین شخص آئے گا اس کے چہرے پر بادشاہی کی علامت ہوگی۔"

وہ اپنے بارے میں حضورؐ کے یہ ارشادات سن کر بہت مسرور ہوا اور اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا۔ اس ہستی کا نام حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی تھا۔

حضرت جریرؓ کے علوے مرتبت کی اس سے بڑی شہادت کیا ہو سکتی ہے کہ خود نطقِ رسالتؐ نے انھیں یمن کا بہترین شخص قرار دیا۔

آپؓ کا شمار ان خوش قسمت صحابہؓ میں ہوتا ہے جن سے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف محبت فرماتے تھے بلکہ ان کی تعظیم و تکریم بھی فرمایا کرتے تھے۔ جب وہ پہلی مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی ردائے مبارک بچھا دی اور لوگوں کو بھی یہ حکم دیا کہ جب کسی قوم کا کوئی معزز آدمی تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت کیا کرو۔ اس کے بعد بھی جب کبھی جریرؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ ان کے ساتھ نہایت عزت و احترام سے پیش آئے۔ وہ مدینہ منورہ آتے تو حضورؐ انھیں ضرور شرفِ باریابی بخشتے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضورؐ انھیں دیکھتے تو متبسم ہو جاتے اور آپؐ کے روئے انور پر بشاشت پھیل جاتی تھی۔

ابو عمر جریرؓ بن عبداللہ البجلی کا تعلق قبیلہ بجیلہ سے تھا جو عرب کے مختلف اضلاع میں پھیلا ہوا تھا وہ اپنے علاقے کے بنو بجیلہ کے سردار تھے۔ جریرؓ کے اجداد کسی زمانے میں یمن کے فرمانروا تھے اس لیے ان کی رگوں میں شاہی خون تھا اور وہ اپنے وطن میں بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

آپ کے اسلام لانے کا واقعہ کتب میں اس طرح مذکور ہے رمضان المبارک ۱۰ھ میں ایک دن ایک وفد مدینہ منورہ میں اس شان سے وارد ہوا کہ اہلِ مدینہ اس کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وفد کے تمام اراکین نہایت عمدہ پوشاکوں میں ملبوس تھے اور سب کے کندھوں پر بیش قیمت یمنی چادریں تھیں۔ ان کی قیادت ایک کشیدہ قامت وجیہہ جوان کر رہا تھا جس کا شہابی رنگ اور انتہائی دلکش خدوخال اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ وہ کسی اعلیٰ خاندان کا فرد ہے۔ یہ وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو حضورؐ ان لوگوں کا سلیقہ اور قرینہ دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور قائدِ وفد کے لیے اپنی ردائے مبارک بچھا دی۔ پھر مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کی عزت کرو۔"

اس کے بعد آپؐ نے جوانِ رعنا سے پوچھا۔ "تمہارا کس غرض سے یہاں آنا ہوا؟"

عرض کیا۔ "اسلام قبول کرنے کے لیے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر خوشی کے پھول کھل گئے اور آپؐ نے فرمایا۔

"اچھا تو تم ان امور پر میری بیعت کرو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں خدا کا رسول

ہوں۔ نمازیں جو تم پر فرض کی گئی ہیں، ان کی پابندی کرو، مقررہ زکوٰۃ باقاعدگی سے ادا کرو، ہمیشہ مسلمانوں کی خیر خواہی اور ہمدردی کرو کیونکہ جو کسی پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں کرتا، اپنے امیر کی اطاعت کرو خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔"

قائدِ وفد نے بلا تامل عرض کیا: "یا رسول اللہ میں ان سب باتوں کا اقرار کرتا ہوں۔ لائیے اپنا دستِ مبارک۔"

حضورؐ نے متبسم ہو کر ان سے بیعت لی اور اس کے ساتھ ہی وفد کے دوسرے ارکان بھی کلمۂ شہادت پڑھ کر پرستارانِ حق کے اس گروہ میں شامل ہو گئے۔

یہ سعادت مند خوبرو نوجوان جس کے لیے حضورؐ نے اپنی ردائے مبارک بچھائی حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی تھے۔

جریرؓ اخیر عہدِ رسالت میں مسلمان ہوئے اس لیے غزواتِ نبویؐ میں شرکت سے محروم رہ گئے تاہم انھیں حجۃ الوداع میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ایک سریہ کی قیادت کا شرف ضرور حاصل ہو گیا۔

حضرت جریرؓ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہو چکے تو آپؐ نے ان سے پوچھا: "جریرؓ تمہاری قوم کے جو لوگ بت پرستی ترک کر کے اسلام قبول کر چکے ہیں انھوں نے اپنے بتوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

جریرؓ:۔ یا رسول اللہ، خدا نے اسلام کو غلبہ عطا کیا۔ مساجد اور صحراؤں میں صدائے توحید (اذان) بلند ہوئی تو انھوں نے اپنے بتوں کو توڑ ڈالا۔"

رسولِ اکرمؐ:۔ "تمہارے بتکدۂ ذی الخلصہ کا کیا ہوا؟"

جریرؓ:۔ یا رسول اللہ ابھی تک وہ باقی ہے جب ہم واپس جائیں گے تو اس کو بھی منہدم کر دیں گے۔"

رسولِ اکرمؐ:۔ ہاں جاؤ اور اس کو ڈھا کر مجھے اطلاع دو۔"

جس بت خانے کے انہدام کا کام حضرت جریرؓ کے سپرد کیا گیا تھا اس کا نام ذی الخلصہ تھا۔ کیونکہ اس میں رکھے ہوئے بتوں میں سب سے بڑے بت کا نام "خلصہ" تھا۔ ذی الخلصہ قبیلہ خثعم اور بجیلہ کا بنایا ہوا ایک مکان تھا جس میں بہت سے بت رکھے ہوئے تھے اور لوگ اسے کعبۂ یمانیہ کہتے تھے۔ حضورؐ کا ارشاد سن کر آپ اسی وقت قبیلہ احمس کے ایک سو پچاس سوار لے کر اس مہم پر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ یہ لوگ گھڑ سواری کے بڑے

مشاق تھے اور حضرت جریرؓ گھوڑے پر جم کر نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ انھوں نے حضورؐ کے سامنے اپنی مشکل بیان کی تو آپؐ نے ان کے سینے پر اپنا دستِ مبارک اس زور سے مارا کہ آپؐ کی انگلیوں کے نشان اُن کے سینے پر پڑ گئے۔ اور پھر آپؐ نے دعا کی: الٰہی تو جریر کو گھوڑے کی پیٹھ پر قائم رکھ اور ہادی و مہدی بنا۔"

اس کے بعد وہ لوگ اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب وہاں پہنچے تو "ذی الخلصہ کو گرا کر اس کے ملبے کو آگ لگا دی کسی کو ان کے کام میں مزاحم ہونے کی ہمت نہیں ہوئی اور پھر ایک قاصد اُس کی اطلاع دینے کے لیے رسول اللہؐ کی خدمت میں روانہ ہو گیا۔ جس کا نام حضرت ابو ارطاۃؓ تھا' انھوں نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

یا رسولؐ اللہ اُس خدا کی قسم جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے میں آپؐ کے پاس اس وقت نہیں آیا جب تک ہم نے ذی الخلصہ کو جلا کر خارشتی اونٹ نہیں بنا دیا۔ حضورؐ یہ مژدہ سن کر بہت مسرور ہوئے اور روئے مبارک پر بشاشت پھیل گئی۔ اور آپؐ نے اس مہم پر جانے والے پیدل اور سواروں کے لیے پانچ مرتبہ برکت کی دعا کی۔

بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ جریرؓ ابھی یمن ہی میں تھے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔ حضورؐ کے وصال کے تین دن بعد انھوں نے عمرو نامی ایک شخص سے یہ خبر سنی تو بے تاب و غمگین ہو گئے اور اسی وقت عازمِ مدینہ ہو گئے۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ کچھ سوار مدینہ منورہ کی طرف سے آتے ہوئے ملے۔ انھوں نے اس المناک خبر کی تصدیق کی اور یہ بھی بتایا کہ حضورؐ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ مسندِ خلافت پر بیٹھے ہیں۔ آپ نے مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کی اور اس کے بعد اپنے وطن واپس ہوئے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں جب مسلمانوں نے عراق اور شام پر لشکر کشی کی تو حضرت جریرؓ یمن سے مدینہ منورہ آئے اور صدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ "اے خلیفۃ الرسولؐ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ بنو بجیلہ کو، جو مختلف قبائل میں بکھرے ہوئے ہیں، یکجا کر دیا جائے اور ان کی قیادت میرے سپرد کر دی جائے۔ حضورؐ نے یہ درخواست قبول فرمالی تھی لیکن ابھی اس کی نوبت نہیں آئی تھی،

کہ حضورؐ وفات پا گئے۔ اگر آپ اب یہ کام کر سکیں تو میری قوم بھی جہاد میں مؤثر حصہ لینے کے قابل ہو جائے گی۔"

حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا" اس وقت ہم شام اور عراق کی جنگوں میں اُلجھے ہوئے ہیں اس لیے سر دست اس مسئلے کو رہنے دو۔"

چنانچہ جریرؓ واپس یمن چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد صدیق اکبرؓ نے وفات پائی اور حضرت عمر فاروقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ ان کی خلافت کے ابتدائی ایام (رمضان ۱۳ھ) میں جسر کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا جس میں تدبیر کی غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کو ایرانیوں کے ہاتھوں سخت ہزیمت اٹھانی پڑی اور سالارِ لشکر حضرت ابو عبید ثقفیؓ سمیت ہزاروں مسلمان شہید ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کو اس سانحہ کی اطلاع ملی تو انھیں سخت صدمہ ہوا اور انھوں نے تمام عرب میں خطباء اور نقیب بھیج دیئے جنہوں نے اپنی شعلہ بیانیوں سے تمام قبائلِ عرب کا خون گرما دیا۔ یہاں تک کہ عیسائی عرب بھی ایرانیوں کے خلاف بھڑک اُٹھے اور چند دن کے اندر اندر ہر طرف سے جنگجو عرب قبائل کا مدینہ منورہ میں تانتا بندھ گیا۔ اسی زمانے میں حضرت جریرؓ بھی حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بنو بجیلہ کو یکجا کرنے کی درخواست کی۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت تمام عمالِ حکومت کے نام احکام بھیج دیئے کہ جہاں جہاں بنو بجیلہ کے آدمی ہوں وہ مقررہ تاریخ پر جریرؓ کے پاس پہنچ جائیں۔ چنانچہ حضرت جریرؓ واپس گئے اور چند دن کے بعد بنو بجیلہ کا ایک زبردست لشکر لے کر دوبارہ بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے۔

حضرت عمرؓ نے جریرؓ کو بنو بجیلہ سمیت تمام قبائل کا امیر مقرر کیا اور انھیں مثنیؓ بن حارثہ شیبانی کی مدد کے لیے عراق روانہ کیا جو ابو عبیدؓ کی شہادت کے بعد ایرانیوں کا مقابلہ کرنے والے مسلمانوں کی قیادت کر رہے تھے۔ جریرؓ نے مدینہ سے چل کر ثعلبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں مثنیؓ بھی اپنے ساتھیوں سمیت آن سے آن ملے پھر یہ متحد لشکر ثعلبیہ سے کوچ کر کے کوفہ کے قریب بویب کے مقام پر خیمہ زن ہوا ادھر ایرانی حکومت نے ایک آزمودہ کار جرنیل مہران بن مہرویہ ہمدانی کو ایک جرار لشکر دے کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ وہ بویب پہنچ کر دریائے فرات کے مغربی کنارے پر جم گیا اور مسلمان مشرقی کنارے پر تھے۔ دوسرے دن ایرانیوں نے دریا پار کر کے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ مثنیؓ اسلامی لشکر کے میمنہ کو ساتھ لے کر ایرانی لشکر سے گتھ گئے۔ اس کے ساتھ ہی جریرؓ میسرہ اور قلب کے دستوں کو لے کر ایرانیوں پر بجلی

کی طرح گرے۔ ایرانی لشکر کے تمام سپاہی منتخب جنگجو تھے وہ ایسے جی توڑ کر لڑے کہ مسلمانوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ مثنیٰؓ نے اپنی ڈاڑھی ہاتھ میں پکڑ کر مسلمانوں کی غیرت کو للکارا۔ ان کی للکار پر مسلمانوں نے پلٹ کر پھر بڑے جوش سے ایرانیوں پر حملہ کیا۔ اس حملہ میں مثنیٰؓ کے بھائی مسعودؓ بن حارثہ دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ وہ گرے تو مثنیٰؓ نے پکار کر کہا۔

"مسلمانو! شرفا یوں ہی جان دیا کرتے ہیں۔ دیکھنا تمہارے جھنڈے جھکنے نہ پائیں۔"

ادھر جریرؓ نے اپنے قبیلہ کو للکار کر کہا۔ "اے برادرانِ بجیلہ یہ تمہاری آزمائش کا وقت ہے۔ دیکھنا دشمن کو نیست و نابود کرنے میں کوئی دوسرا تم پر بازی نہ لے جائے اگر اللہ نے تمہیں کامیاب کیا تو اس ملک کے سب سے زیادہ حقدار تمہی ہو گے۔"

ان دونوں کی للکار پر مسلمانوں نے ایسا قیامت خیز حملہ کیا کہ ایرانی ہزار کوشش کے باوجود نہ سنبھل سکے اور ان کے قدم اکھڑ گئے۔ تاہم مہران ثابت قدمی سے لڑ رہا تھا۔ ایک تغلبی نوجوان نے اس کو تاک لیا اور آگے بڑھ کر اپنی تلوار کے ایک بھرپور وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ مہران کے قتل سے ایرانی بالکل بدحواس ہو گئے اور اندھا دھند بھاگنے لگے۔ ہزاروں بھاگتے ہوئے مارے گئے اور ہزاروں دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔ کیونکہ مسلمانوں نے پل پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ واقعہ جسر کا جواب تھا۔ گو اس لڑائی میں مسلمان بھی کافی تعداد میں شہید ہوئے لیکن ایرانیوں کی لاشوں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔

بویب کی شکست سے سارے ایران میں کہرام مچ گیا۔ عمائدِ سلطنت نے ملکہ پوران دخت کو تخت سے اتار کر ایک نوجوان شہزادے یزدگرد کو بادشاہ بنایا اور پھر بڑے زور شور سے جنگی تیاریاں میں مشغول ہو گئے۔ چند دن بعد وہ بڑے عزم اور حوصلے کے ساتھ اٹھے اور مسلمانوں کے تمام مفتوحہ علاقوں پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ حضرت مثنیٰؓ اور جریرؓ جنگی حکمتِ عملی کے مطابق عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آئے۔ ادھر حضرت عمرِ فاروقؓ کو ان واقعات کی اطلاع ملی تو انھوں نے سارے عرب میں قاصد بھیج کر مسلمانوں کو جہاد کے لیے بلا بھیجا۔ چند دن کے اندر اندر جذبۂ جہاد سے سرشار کثیر التعداد مسلمان مدینہ منورہ میں جمع ہو گئے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اس لشکر کے قائد مقرر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے انھیں مناسب ہدایات دیں اور پھر جلد از جلد عراق پہنچنے کا حکم دیا۔ حضرت سعدؓ جب سرحدِ عراق کے قریب پہنچے تو حضرت مثنیٰؓ نے جنگ بویب میں کھائے ہوئے زخموں کی وجہ سے وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد

حضرت جریرؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر حضرت سعدؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

حضرت سعدؓ نے آگے بڑھ کر قادسیہ کے میدان میں پڑاؤ ڈالا' اسی جگہ تاریخ کی وہ خونریز جنگ لڑی گئی' جس نے ایران کی قسمت کا بڑی حد تک فیصلہ کر دیا۔ حضرت جریرؓ نے معرکۂ قادسیہ میں نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ ایرانی سپہ سالار رستم بڑے ساز و سامان کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا۔ تین دن کی خوفناک جنگ میں اس کے جنگی ہاتھیوں اور زرہ پوش سواروں نے مسلمانوں پر ایسے تند و تیز حملے کیے کہ ان کے قدم اکھڑ اکھڑ گئے' لیکن اپنے جانباز سرداروں کی للکار پر وہ پھر سنبھل جاتے تھے۔ ان سرداروں میں حضرت جریرؓ بھی تھے ان کے قبیلہ بجیلہ کے شاہ سواروں نے اس لڑائی میں ایسی ہمت اور شجاعت کا مظاہرہ کیا کہ ایرانی شہسوار اُن کا سامنا کرنے سے کنی کتراتے تھے۔ لڑائی کے تیسرے دن ایک موقع پر چند ایرانی دستے جمع ہو کر یکبارگی بنو بجیلہ پر آ پڑے۔ انھوں نے حضرت جریرؓ کی قیادت میں جان لڑا کر مقابلہ کیا لیکن ایرانیوں نے انھیں اپنے نرغے میں لے لیا۔ اس نازک وقت میں یکایک ایک نقاب پوش سوار گرد و غبار سے نمودار ہوا' اور ایرانیوں پر اس طرح ٹوٹ کر گرا کہ ان کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور بنو بجیلہ گرداب بلا سے نکل آئے۔ یہ نقاب پوش شہسوار ثقیف کے نامور بہادر حضرت ابو محجنؓ تھے۔ اس کے بعد بنو بجیلہ نے بنو کندہ' بنو اسد نخع اور کچھ دوسرے قبائل کے ساتھ مل کر دشمن کے قلب پر اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیوں کی قوت مقاومت جواب دے گئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسی افراتفری میں رستم بھی مارا گیا۔ لڑائی کے بعد جریرؓ ایرانیوں کا تعاقب کرتے ہوئے دور تک نکل گئے اور دریا کے پل پر جا کر ایرانیوں کا راستہ روک لیا۔ بھگوڑے ایرانیوں نے ان پر برچھیوں سے حملہ کر دیا اور وہ زمین پر گر پڑے اتنے میں ان کے بچھڑے ہوئے ساتھی پہنچ گئے اور انھوں نے ایرانیوں کو اپنی تلواروں پر رکھ لیا۔ جریرؓ کو کوئی شدید زخم تو نہ آیا البتہ ان کا گھوڑا ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کی جگہ انھیں ایک ایرانی ٹٹو مل گیا جس کے گلے میں زمرد کی کنٹھی تھی۔ حضرت جریرؓ اس پر سوار ہوئے تو وہ ان کے گھوڑے کی طرح سبک رفتار نکلا۔

قادسیہ میں مسلمانوں کی فتح اتنی شاندار تھی کہ تختِ ایران ڈگمگا گیا۔ قادسیہ سے مسلمانوں کا سیلِ رواں مدائن اور جلولا کی طرف بڑھا اور ان پر قبضہ کر لیا۔ حضرت جریرؓ چار ہزار سواروں کے ساتھ جلولا کی حفاظت پر متعین ہوئے۔ چند دن بعد حضرت سعدؓ نے ان کے پاس مزید تین ہزار سپاہی بھیجے اور انھیں ہدایت کی کہ قریبی شہر حلوان پر حملہ کریں جہاں ایرانیوں کا

خطرناک اجتماع تھا۔ حضرت جریرؓ طوفانِ برق و باد کی طرح حلوان پر حملہ آور ہوئے۔ ایرانیوں کو مقابلے کی ہمت نہ پڑی اور اس اہم شہر پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

تسخیرِ حلوان کے بعد حضرت جریرؓ نے اہواز اور تستر کے معرکوں میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ ان معرکوں میں شکست کھانے کے بعد ایرانیوں نے اپنی تمام بچی کھچی قوت نہاوند میں جمع کی اور مسلمانوں کو ایران سے نکالنے کے لیے اپنا آخری سپاہی تک داؤ پر لگا دیا۔ ان کی قیادت ایک نامور ایرانی جرنیل مردان شاہ بن ہرمز کر رہا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت نعمانؓ بن مقرن کو تیس ہزار کی جمعیت دے کر ایرانیوں سے نبرد آزمائی کے لیے بھیجا اور ساتھ ہی وصیت کی کہ اگر اس لڑائی میں نعمانؓ شہید ہو جائیں تو ان کی جگہ امیرِ سپاہ حذیفہؓ بن الیمان ہوں گے اگر وہ بھی قتل ہو جائیں تو مغیرہؓ بن شعبہ لشکر کی قیادت سنبھالیں گے اور اگر وہ بھی مارے جائیں تو اشعثؓ بن قیس امیر ہوں گے۔

قادسیہ کے بعد ایران کی سرزمین پر لڑی جانے والی جنگوں میں نہاوند کا معرکہ سب سے زیادہ سخت تھا۔ حضرت جریرؓ نے اس معرکے میں کمال شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ حضرت نعمانؓ شہید ہو گئے تو حذیفہؓ بن الیمان سر عسکر بنے۔ جریرؓ نے ان کی قیادت میں بنو بجیلہ اور دوسرے قبیلوں کو ساتھ لے کر ایرانیوں پر ایسا طوفانی حملہ کیا کہ وہ حواس باختہ ہو گئے اور اپنے بیس ہزار آدمی کٹوا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ہمدان تک ان کا تعاقب کیا۔ یہ فتح اتنی شاندار تھی کہ اس کے بعد عجم پھر کبھی زور نہ پکڑ سکا اسی لیے مسلمانوں نے اسے "فتح الفتوح" کا نام دیا۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان ذوالنورینؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو انھوں نے حضرت جریرؓ کی دینی اور ملی خدمات کے پیشِ نظر انھیں ہمدان کا گورنر مقرر کیا۔ حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو حضرت جریرؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی بیعت کر لی اور پھر اپنے علاقے کے لوگوں سے حضرت علیؓ کی بیعت لے کر ان کے پاس کوفہ آ گئے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت حضرت جریرؓ، زحر بن قیس جعفی کے اشتراک سے سرزمینِ جبل کے عامل تھے اور اسی علاقے کے لوگوں سے انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی بیعت لی۔ حضرت علیؓ نے مختلف صوبوں کے حاکموں کو اپنی بیعت کی دعوت دی تو امیر معاویہؓ والیٔ شام کے نام بھی خط لکھا۔ امیر معاویہؓ کو یہ خط پہنچانے کی خدمت حضرت جریرؓ کے سپرد

کی گئی۔ جریرؓ یہ خط لے کر امیر معاویہؓ کے پاس دمشق پہنچے۔ اس وقت ان کے دربار میں شام کے کئی سربرآوردہ لوگ موجود تھے۔ جریرؓ نے حضرت علیؓ کا خط انھیں دے کر کہا: یہ امیر المومنین علیؓ کا خط آپ کے اور اہلِ شام کے نام ہے۔ وہ آپ کو اپنی بیعت کی دعوت دیتے ہیں۔

امیر معاویہؓ چند دن اپنے اعیان و انصار کے ساتھ اس بارے میں تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ اس کے بعد انھوں نے حضرت جریرؓ کو بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ "آپ حضرت علیؓ کے پاس چلے جائیں اور ان کو کہیں کہ پہلے حضرت عثمانؓ کا قاتلوں سے قصاص لیں۔

حضرت جریرؓ نے واپس آکر حضرت علیؓ کو امیر معاویہؓ کا جواب سنایا۔ اس پر حضرت علیؓ کے بعض رفقاء کو جوش آگیا اور وہ حضرت جریرؓ پر امیر معاویہؓ کی طرفداری کا الزام دھرنے لگے۔ مالک اشتر اتنا برہم ہوا کر بولا۔

" امیر المومنین جس کام کے لیے آپ نے جریرؓ کو بھیجا تھا اگر مجھے بھیجتے تو میں ذرا نرمی سے کام نہ لیتا۔

مالک اشتر کی تندو تیز گفتگو سے حضرت جریرؓ کو سخت دکھ پہنچا اور وہ دل شکستگی کے عالم میں اپنے خاندان کے ہمراہ راتوں رات کوفے سے نکل کر قرقیسیا چلے گئے اور باقی زندگی خاموشی کے ساتھ وہیں گزار دی۔ قرقیسیا میں ان کی اقامت کے بعد ملک میں کئی سیاسی اُتار چڑھاؤ آئے لیکن انھوں نے مطلق کسی میں حصہ نہ لیا۔

حضرت جریرؓ نے ۵۱ھ میں قرقیسیا کے کنجِ عزلت میں ہی سفر آخرت اختیار کیا۔ وفات کے وقت پانچ لڑکے، عمر، منذر، ایوب، ابراہیم اور عبیدہ اپنی یادگار چھوڑے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت جریرؓ کو حسنِ سیرت کے ساتھ کمال درجے کا حسنِ صورت بھی عطا کیا تھا۔ اتنے وجیہہ اور خوبرو تھے کہ حضرت عمرِ فاروقؓ انھیں اُمتِ محمدیہ کا یوسف کہا کرتے تھے۔ بال سفید ہوئے تو ان میں مہندی کا خضاب لگانے لگے۔ اس سے ان کی وجاہت اور خوب روئی میں اور بھی اضافہ ہو جاتا تھا۔

حضرت عمرِ فاروقؓ بڑے مردم شناس تھے۔ وہ حضرت جریرؓ کی خوبیوں کے دل سے معترف تھے اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ ملاقات کے لیے آئے تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

" اللہ تم پر فضل کرے تم زمانہ جاہلیت میں بھی اچھے سردار تھے اور اسلام میں بھی

اچھے سردار ہو۔"

حضرت جریرؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے صرف چھ سات ماہ قبل مشرف باسلام ہوئے تھے اور یہ مختصر عرصہ بھی انھوں نے مسلسل حضورؐ کی خدمت میں نہیں گزارا، تاہم انھیں فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہونے کے جو لمحات بھی میسر آئے ان سے انھوں نے مقدور بھر فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ ان سے سو حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے آٹھ متفق علیہ ہیں۔ ایک میں امام بخاریؒ اور سات میں امام مسلم منفرد ہیں۔ ان حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت جریرؓ کو جب کبھی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے کا موقع ملتا تھا وہ سفر و حضر میں حضورؐ کے ساتھ رہتے تھے اور آپ کے ارشادات کو حرزِ جان بنا کر رکھتے تھے۔

حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا ایک مختصر دستہ قبیلہ خثعم کی طرف روانہ کیا۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے سجدہ میں گر کر اپنی جان بچانی چاہی لیکن لشکرِ اسلام نے ان کو بلا تاخیر قتل کر ڈالا۔ جب یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے ان کی نصف دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا میں ہر ایسے مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین میں گھس کر رہے۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیوں؟ فرمایا دونوں کو اتنے فاصلے پر رہنا چاہئے کہ ایک کو دوسرے کی آگ کی روشنی نظر نہ آئے۔"

حضرت جریرؓ حضورؐ کے ارشادات پر کس طرح عمل کرتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کا خادم ان کی گایوں کو چرا کر واپس لایا تو ان کے ریوڑ میں کسی اور کی گائے بھی آگئی۔ حضرت جریرؓ نے خادم کو حکم دیا۔ "اسے نکال دو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ دوسرے کے جانور کو صرف گمراہ اپنے ہاں رکھ سکتا ہے۔"

ذخیرۂ کتب
حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فاروق سلطان قادری الازہری
(1955-2016)
جھنگ۔ پنجاب

اصحابی کالنجوم

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشادِ نبوی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوالعباس اور والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا۔ آپ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے اور اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خواہر زادہ تھے کیونکہ آپؓ کی والدہ محترمہ حضرت میمونہؓ کی سگی بہن تھیں۔ زندگی کے آخری ایام میں آپ طائف تشریف لے گئے تھے اور وہیں زندگی کے دن گزار رہے تھے۔ یہ ۶۸ ہجری کا واقعہ ہے۔ آپ ایک روز سخت بیمار ہوئے' بسترِ علالت کے اردگرد احباب و معتقدین کا ہجوم تھا' بولے "میں ایک ایسی جماعت میں دم توڑوں گا جو روئے زمین پر خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب' مشرف و مقرب ہے' اس لیے اگر میں تم لوگوں میں مروں تو یقیناً تم ہی وہ بہتر جماعت ہو۔" غرض ایک ہفتہ علالت کے بعد طائرِ روح نے قفسِ عنصری سے پرواز کی تو غیب سے آواز آئی۔

"اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ۔"

محمد بن حنفیہؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور سپردِ خاک کرنے کے بعد فرمایا۔

"آج دنیا سے حبر امت اٹھ گیا۔"

حضرت عبداللہؓ ہجرت سے تین سال قبل مکہ کی اس گھاٹی میں تولد ہوئے جہاں مشرکین قریش

نے تمام خاندانِ ہاشم کو محصور کر دیا تھا، حضرت عباسؓ ان کو بارگاہِ نبوتؐ میں لے کر آئے تو آپ نے ان کے منہ میں لعابِ دہن ڈال کر دعا فرمائی۔

آپؓ کے والد حضرت عباسؓ نے بظاہر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، لیکن حضرت عبداللہؓ کی والدہ حضرت ام الفضلؓ نے ابتدا ہی میں توحید کو لبیک کہا تھا، ابن سعدؒ کی روایت ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بعد عورتوں میں ان کا ایمان سب پر مقدم تھا، اس بنا پر حضرت عبداللہؓ نے یومِ ولادت ہی سے توحید کی لوریوں میں پرورش پائی اور ہوش سنبھالنے کے ساتھ وہ قدرتاً ایک پرجوش مسلم ثابت ہوئے، امام بخاری فرماتے ہیں۔

"ابن عباسؓ اپنی ماں کے ساتھ ضعفائے اسلام میں تھے (جو اپنی مجبوریوں کے باعث مکہ میں رہ گئے تھے) وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم کے مذہب پر نہ تھے وہ کہا کرتے تھے کہ اسلام سربلند رہے گا مغلوب نہ ہوگا۔"

حضرت عباسؓ ۸ھ میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ حضرت عبداللہؓ کی عمر اس وقت گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی، لیکن وہ اپنے والد کے حکم سے اکثر بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک روز انھوں نے واپس آکر بیان کیا: "میں نے رسول اللہؐ کے پاس ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کو میں نہیں جانتا ہوں، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کون تھے؟" حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے ان کو بلا کر فرطِ محبت سے اپنے آغوشِ عاطفت میں بٹھایا، اور سر پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی "اے خدا اس میں برکت نازل فرما اور اس سے علم کی روشنی پھیلا۔"

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ گو فطرتاً ذہین، سلیم الطبع، متین اور سنجیدہ تھے، تاہم انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا وہ درحقیقت ان کا عہدِ طفولیت تھا۔ فرماتے ہیں کہ میں لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا، ایک روز رسول اللہؐ کو پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے ایک گھر کے دروازہ میں چھپ گیا، لیکن آپؐ نے آکر مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا، "جا معاویہؓ کو بلا لا" وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے، میں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور کہا چلیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو یاد فرماتے ہیں، کوئی خاص ضرورت ہے۔

ام المومنین حضرت میمونہؓ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کی خالہ تھیں اور ان کو نہایت عزیز رکھتی تھیں، اس لیے وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہتے، کبھی کبھی رات کے وقت بھی ان ہی کے گھر

سو رہتے تھے، اس طرح ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسر تھا، فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ میں رات کے وقت اپنی خالہ کے پاس سو رہا تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر استراحت فرما ہوئے، پھر کچھ رات باقی تھی کہ بیدار ہوگئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنے لگے میں بھی اُٹھ کر بائیں طرف کھڑا ہوگیا، آپ نے میرا سر پکڑ کر مجھے داہنی طرف کر لیا۔

اسی سلسلہ میں بارہا خدمت گزاری کا شرف بھی حاصل ہوا، ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے بیدار ہوگئے، انھوں نے وضو کے لیے پانی لاکر رکھ دیا، آپ نے وضو فرما کر پوچھا" پانی کون لایا تھا؟" حضرت میمونہؓ نے حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ کا نام لیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوکر دعائیں دیں اور فرمایا۔" اے خدا! اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور تاویل کا طریقہ سکھا۔"

ایک دفعہ وہ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوئے، آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اپنے برابر کھڑا کر لیا، لیکن وہ تذبذب میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا" تمہارا کیا حال ہے؟ عرض کی" یا رسول اللہ! کیا آپ کے برابر کھڑا ہونا کسی کے لیے مناسب ہے، حالانکہ آپ رسولِ خدا ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ازدیادِ علم و فہم کی دعا فرمائی۔

حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ صرف تیرہ برس کے تھے کہ حضرت سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی، سوا دو برس کے بعد خلیفۂ اوّل نے بھی داغِ مفارقت دیا، خلیفۂ دوم یعنی حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو وہ سنِ شباب کو پہنچ چکے تھے حضرت عمرؓ نے ان کو جوہرِ قابل پاکر خاص طور سے اپنے دامنِ تربیت میں لے لیا اور اکابر صحابہؓ کی علمی صحبتوں میں شریک کیا، یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا، صحیح بخاری میں خود حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھ کو شیوخِ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپؓ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں اور ہمارے لڑکوں کو جو ان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔

حضرت عمرؓ ابن عباسؓ کو محبوب رکھتے تھے، بسا اوقات حضرت عمرؓ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا عبد اللہؓ بن عباسؓ اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمرؓ

ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے "علم سِن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے، تم اپنے نفس کو حقیر نہ بناؤ۔" حضرت عمرؓ اکثر پیچیدہ اور مشکل مسائل ان سے حل کراتے تھے، اور ان کی فطری ذہانت وطباعی سے خوش ہو کر داد دیتے تھے۔

خلیفۂ ثالث کے عہد میں عبداللہؓ بن ابی سرح والیِ مصر کے زیرِ اہتمام ۲۷ھ میں افریقہ پر فوج کشی ہوئی۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ سے چل کر اس مہم میں شریک ہوئے اور ایک سفارت کے موقع پر جرجیر شاہِ افریقہ سے مکالمہ ہوا، اس کو ان کی ذہانت وطباعی سے نہایت حیرت ہوئی اور بولا "میں خیال کرتا ہوں کہ آپؓ حبرِ عرب (عرب کے کوئی عالم متبحر) ہیں۔"

چونکہ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ محصور تھے، اس لیے اس سال وہ خود امارتِ حج کا فرض انجام نہ دے سکے، انھوں نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کو بلا کر فرمایا، "خالد بن عاص کو میں نے مکّہ کا والی مقرر کیا ہے، میں ڈرتا ہوں کہ امارتِ حج کے فرائض انجام دینے پر شاید ان کی مزاحمت کی جائے اور اس طرح خانہ خدا میں بھی فتنہ وفساد اٹھ کھڑا ہو، اس لیے میں تم کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتا ہوں۔"

حضرت عبداللہؓ اس خدمت کو سرانجام دے کر واپس آئے تو مدینہ نہایت پر آشوب ہو رہا تھا، خلیفۂ ثالث شہید ہو چکے تھے اور حضرت علیؓ کو بارِ خلافت اٹھانے پر لوگ مجبور کر رہے تھے۔ انھوں نے ان سے مشورہ طلب کیا۔

"خلافت کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ میں خیال کرتا ہوں کہ اس حادثۂ عظیم کے بعد کوئی شخص اس بار کو اٹھانے کی جراُت نہیں کر سکتا۔" حضرت علیؓ نے پوچھا۔

"یہ ضرور ہے کہ اب جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی اس پر خونِ ناحق کا اتہام لگایا جائے گا، تاہم لوگوں کو اس وقت آپؓ کی ضرورت ہے۔" حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا۔

غرض اہلِ مدینہ کے اتفاقِ عام سے حضرت علیؓ مسند آرائے خلافت ہوئے اور نئے سرے سے ملکی نظم ونسق کا اہتمام شروع ہوا۔

حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کو امیر معاویہؓ کے بجائے شام کا والی مقرر کرنا چاہا، لیکن انہوں نے انکار کیا، اور بار بار یہی مشورہ دیا کہ آپؓ معاویہؓ کو برقرار رکھ کر اپنا طرفدار بنا لیجیے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے برہم ہو کر نہایت سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا۔ "خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔"

غرض اس طرزِ عمل پر حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ واقعہ بن کر سامنے آیا، تمام ملک میں جنابِ امیرؓ کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی، ایک طرف حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہؓ نے مطالبۂ اصلاح و انتقام کا علم بلند کرکے بصرہ پر قبضہ کر لیا اور دوسری طرف امیر معاویہؓ نے شام میں ایک عظیم الشان جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

جنگِ جمل حضرت علیؓ بصرہ کو محفوظ رکھنے کے خیال سے ایک فوجِ گراں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے، لیکن وہ پہلے ہی داعیانِ اصلاح کے قبضہ میں آچکا تھا، اس لیے طرفین نے میدانِ ذی قار میں صف آرائی کی، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ جناب امیرؓ کی طرف سے اہلِ حجاز کی افسری پر مامور ہوئے اور جنگ شروع ہونے پر نہایت شجاعت و جانبازی کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔

بصرہ پر دوبارہ قبضہ ہونے کے بعد حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ یہاں کے امیر بنائے گئے اور زیاد ان کے مشیر اور بیت المال کے مہتمم مقرر ہوئے۔

جنگِ جمل کے بعد امیر معاویہؓ سے معرکۂ صفین پیش آیا، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ بصرہ سے ایک جماعت فراہم کرکے جناب امیرؓ کی حمایت میں میدانِ جنگ میں پہنچے اور نہایت جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار ہوگئے، حضرت علیؓ نے ان کو میسرہ کا افسر مقرر فرمایا تھا۔

چونکہ دونوں طرف سے روزانہ تھوڑی تھوڑی فوجیں نکل کر معرکہ آرا ہوتی تھیں، اس لیے اس جنگ کا سلسلہ طویل عرصہ تک قائم رہا۔ ایک روز شامی فوجوں نے نیزوں پر قرآن مجید بلند کرکے صلح کی دعوت دی۔ ایک بڑی جماعت نے دعوتِ قرآن کو تسلیم کرنے پر اصرار کیا۔

ثالثی اور اس کا حشر غرض جنگ ملتوی ہوگئی اور مسئلہ خلافت کا فیصلہ دو حکم پر محمول ہوا، شامیوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کو حکم مقرر کیا اور اہلِ عراق کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا انتخاب ہوا۔ حضرت علیؓ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کو ثالث بنانا چاہتے تھے لیکن لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا۔ آپؓ اور عبداللہؓ بن عباسؓ ایک ہی ہیں، حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہیے۔

دونوں فریقوں کے اتفاق سے دومۃ الجندل حکمین کے لیے مقامِ اجلاس قرار پایا، اور ہر ایک نے اپنے حکم کے ساتھ چار ہزار آدمیوں کی جمعیت ساتھ کر دی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ

تھے۔

اس ثالثی نے گتھی کو سلجھانے کے بجائے اور زیادہ الجھا دیا، جناب امیرؓ کے اعوان و انصار میں تفریق و اختلاف کی ہوا چل گئی اور ایک بڑی جماعت نے لشکرِ حیدری سے کنارہ کش ہو کر خارجی فرقہ کی بنیاد ڈالی، اس کا عقیدہ تھا کہ معاملاتِ دین میں حکم مقرر کرنا کفر ہے، اس بنا پر دونوں حکم اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہیں۔

حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ بحث و مباحثہ سے ان کی ضلالت دور کر دیں، لیکن قلوب تاریک ہو چکے تھے، آنکھوں پر ضلالت و گمراہی کا پردہ پڑ چکا تھا، اس لیے ارشاد و ہدایت کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔

خارجیوں نے نہروان میں مجتمع ہو کر عملاً سرکشی اختیار کی اور تمام ملک میں قتل و غارتگری کا بازار گرم کر دیا۔ حضرت علیؓ دوبارہ شام پر فوج کشی کے خیال سے روانہ ہو چکے تھے، ان سرکشوں کا حال سنکر نہروان کی طرف پلٹ پڑے، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ گورنری کے عہدہ پر بصرہ پہنچ گئے تھے، وہ وہاں سے تقریباً سات ہزار کی جمعیت فراہم کر کے مقام نخیلہ میں افواجِ خلافت سے مل گئے اور نہروان پہنچ کر نہایت بہادری و پامردی کے ساتھ سرگرم پیکار ہوئے۔

جنگِ نہروان نے گو خارجیوں کا زور توڑ دیا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے فارس، کرمان اور ایران کے دوسرے اضلاع میں پھیل کر ایک عام شورش برپا کر دی، اور ذمیوں کو بھڑکا کر آمادۂ بغاوت کر دیا۔ چنانچہ ایران کے اکثر صوبوں میں عمال نکال دیئے گئے اور عجمیوں نے خراج ادا کرنے سے قطعاً انکار کر دیا، حضرت علیؓ نے اپنے تمام عمال کو بلا کر اس شورش کے متعلق مشورہ طلب کیا، حضرت عبداللہؓ نے کہا: "میں ایران میں تسلط قائم کرنے کا ذمہ لیتا ہوں۔" چونکہ بصرہ ایران کے باغی اضلاع سے بالکل متصل تھا اور وہ ایک عرصہ سے وہاں کامیابی کے ساتھ، گورنری کے فرائض انجام دے رہے تھے، اس لیے حضرت علیؓ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ان کو تمام ایران کا حاکمِ اعلیٰ بنا دیا۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے بصرہ پہنچ کر زیاد بن ابیہ کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ ایران کی بغاوت فرو کرنے پر مامور فرمایا، چنانچہ انھوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران میں امن و سکون پیدا کر دیا۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ ہنوز بصرہ کی گورنری پر مامور تھے۔ جب حضرت امام حسنؓ اور امیر معاویہؓ میں مصالحت کی گفتگو

شروع ہوئی تو آپؓ مکہ جاکر گوشہ نشین ہو گئے۔

حضرت امام حسینؓ کو کوفہ جانے سے منع کرنا : ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ کے بعد جب یزید مسند نشینِ حکومت ہوا تو شیعانِ علی مرتضیٰؓ نے حضرت امام حسینؓ کو اس انقلاب سے فائدہ اُٹھانے پر اُبھارا اور کوفہ آنے کی دعوت دی۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کوفیوں کی غداری کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے اس لیے انھوں نے حضرت امام حسینؓ کو بہ اصرار کوفہ جانے سے منع کیا اور کہا،

"اے ابنِ عم! مَیں اپنے دل کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں، لیکن وہ نہیں ہوتا، اس طریقہ سے جانے میں مجھ کو تمھاری ہلاکت وتباہی کا خوف ہے، اہلِ عراق نہایت غدار ہیں، تم ان کے قول وقرار پر اعتبار نہ کرو، تم اہلِ حجاز کے سردار ہو، اس لیے کوفہ جانے سے یہاں مقیم رہنا زیادہ مناسب ہے، ہاں! اگر اہلِ کوفہ درحقیقت تمھارے عقیدت کیش ہیں تو ان کو لکھو کہ وہ پہلے اپنے ملک سے دشمن کو نکال باہر کریں، پھر ان کے پاس جاؤ، اگر یہ منظور نہ ہو تو یمن کی راہ لو، وہاں بہت سے قلعے اور گھاٹیاں ہیں، ملک نہایت وسیع وفراخ ہے اور تمھارے والد کا اثر بھی خاصہ ہے، علاوہ ازیں دشمن کے دور ہونے کے باعث لوگوں سے مراسلت ومکاتبت کر سکتے ہو اور تمام ملک میں اپنے داعی پھیلا سکتے ہو، مجھے امید ہے کہ اس طرح زیادہ آسانی واطمینان کے ساتھ تمھارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔"

"اے ابنِ عم! خدا کی قسم مَیں جانتا ہوں کہ آپ میرے سچّے خیر خواہ ہیں لیکن اب سفرِ کوفہ کی تیاریاں ہو چکی ہیں اور مَیں نے وہاں جانے کا عزمِ مصمم کر لیا ہے۔" حضرت حسینؓ نے فرمایا۔

"اگر تم جاتے ہو تو خدارا بیوی، بچّوں کو ساتھ نہ لے جاؤ، خدا کی قسم مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم بھی اس طرح نہ شہید کیے جاؤ جس طرح حضرت عثمانؓ اپنی عورتوں اور بچّوں کے سامنے ذبح کیے گئے۔" حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ بولے۔

لیکن مشیتِ الٰہی میں کس کو دخل تھا، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے ضد واصرار کے باوجود حضرت امام حسینؓ اپنے تمام خاندان کے ساتھ راہیِ کوفہ ہوئے اور میدانِ کربلا نے وہ خونیں منظر پیش کیا جس سے جگر پاش پاش ہوتا ہے، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کو اپنے خاندان کی تباہی کا جو روح فرسا صدمہ ہوا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے، وہ بیس سال سے گوشہ نشین تھے، لیکن اس واقعہ کے بعد تمام دنیا ان کے سامنے تیرہ وتار تھی، بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔

اسی سال حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ نے مکہ میں خلافت کا دعویٰ کیا، چونکہ حجاز و عراق میں حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے معتقدین کی ایک بڑی جماعت تھی، اس لیے انھوں نے ان سے بیعت کے لیے بے حد اصرار کیا لیکن وہ تمام جھگڑوں سے کنارہ کش ہو چکے تھے، اس بنا پر انہوں نے نہایت سختی سے انکار کیا۔

حضرت ابن عباسؓ اپنے عہد کے ممتاز ترین علماء میں تھے۔ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شاعری، وغیرہ کوئی ایسا علم نہ تھا جس میں ان کو یدِطولیٰ حاصل نہ رہا ہو۔ بالخصوص قرآن پاک کی تفسیر و تاویل میں جو مہارت اور آیاتِ قرآنی کے شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ کے علم میں جو وسعت ان کو حاصل تھی، وہ کم کسی کے حصّہ میں آئی، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو علم و فضل میں ان کے ہمسر تھے، فرماتے تھے کہ "عبداللہؓ بن عباسؓ قرآن کے کیا اچھے ترجمان ہیں"۔ اشفیق تابعی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے موسم میں عبداللہؓ بن عباسؓ نے خطبہ دیا اور اس میں سورہ نور کی تفسیر بیان کی، میں کیا بتاؤں وہ کیا تفسیر تھی، اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سُنی تھی، نہ آنکھوں نے دیکھی تھی، اگر اس تفسیر کو فارس اور روم والے سن لیتے تو پھر اسلام سے ان کو کوئی چیز نہ روک سکتی۔

لوگوں نے کہا واللہ اعلم۔ حضرت عمرؓ کو اس بے معنی جواب پر غصّہ آگیا، بولے اگر نہیں معلوم تو صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ نہیں معلوم، ابن عباسؓ جھجکتے ہوئے بولے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، فرمایا تم اپنے کو چھوٹا نہ سمجھو جو دل میں ہو بیان کرو، کہا اس میں عمل کی مثال دی گئی ہے، جواب گو صحیح تھا، تاہم ناکافی تھا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کیسا عمل؟ ابن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے، تب خود حضرت عمرؓ نے بتایا کہ اس میں اس دولت مند کی تمثیل ہے جو خدا کی اطاعت بھی کرتا ہے، لیکن اس کو شیطانی وسوسہ گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے، اور اس کے تمام اچھے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمرؓ ان کی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے ان کو شیوخ بدر کے ساتھ مجلسوں میں شریک کرتے تھے۔ ایک دن ان کو بُلا بھیجا اور لوگوں سے سورۂ نصر کے ابتدائی حصّہ جس کا ترجمہ ہے: "جب خدا کی نصرت اور فتح آگئی تو اے پیغمبرؐ توبہ اور استغفار کرنا۔" کے بارہ میں پوچھا کہ اس کے کیا معنی ہیں۔ کسی نے جواب دیا کہ نصرت و فتح پر ہم کو خدا کی حمد و ثناء کا حکم دیا گیا ہے، کوئی خاموش رہا، پھر ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ابن عباسؓ! تمہارا بھی یہی خیال ہے، انھوں نے کہا نہیں، اچھا پھر کیا ہے؟ عرض کی اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا جو تم کہتے ہو یہی میرا بھی خیال ہے۔ درحقیقت حضرت ابن عباسؓ کی فہم تفسیرِ قرآن میں ایسی

دقیقہ رس تھی کہ وہاں تک مشکل سے دوسروں کا خیال پہنچ سکتا تھا، چنانچہ اس سورۃ کا مقصد خاص محرمانِ اسرار کے علاوہ عام لوگ کم سمجھ سکتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اکثر صحابہؓ میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی کہ اس میں خدا نے فتح و نصرت اور اسلام کی مقبولیت کے ایفائے عہد پر حمد و ثنا کا حکم دیا ہے، لیکن مقرب بارگاہِ رسالت، محرمِ اسرارِ نبوت، ثانی اثنین فی الغار حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنکھوں سے جھڑنے اشک رواں ہوگئے، کہ اس کی صبحِ وصل کا نور چھپتا ہوا اور شامِ فراق کی تاریکی چھاتی ہوئی نظر آگئی تھی۔

بظاہر اس سورہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا لیکن اگر انسان کے مقصدِ حیات کو پیشِ نظر رکھ کر اس کی ترتیب اور اس کے معنی پر غور کیا جائے تو مطلب واضح ہو جاتا ہے، دنیا میں انسان ایک نہ ایک مقصد لے کر آتا ہے، اور اس کے حصول کے بعد اس کے آنے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، پھر قیام کی ضرورت باقی نہیں رہتی، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دینِ الٰہی کی تبلیغ کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے، وہ پوری ہو چکی تو خدا نے فرمایا کہ جب خدا کی مدد اور اس کی فتح آچکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق در جوق خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اب تم خدا کی تحمید و تقدیس کرو، اس سے مغفرت چاہو، وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، یعنی خدا کو کچھ کام تمہارے ذریعہ لینا تھا وہ لے چکا اب تم کو اس سے ملنے کی تیاری کرنی چاہیے۔

سورۂ شوریٰ میں ہے:

"کہدو اے محمدؐ (تبلیغ رسالت کے عوض) میں تم سے کوئی
صلہ نہیں مانگتا، صرف یہ کہ قرابت داری کی محبت
ملحوظ رکھو۔"

عام مفسرین "قربیٰ" سے مراد خاص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت لیتے ہیں لیکن ابنِ عباسؓ قریش کے تمام قبائل کو اس میں شامل کرتے ہیں، ایک مرتبہ کسی نے ان سے سورۃ فی القربیٰ کی تفسیر پوچھی، سعید بن جبیر بولے اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ہے، یعنی آپ کے اہلِ بیت کی قرابت، ابن عباسؓ نے کہا تم نے جلد بازی سے کام لیا، قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ رہی ہو، اس آیت میں یہ سب شامل ہیں۔

<u>حدیث</u>۔ حضرت ابن عباسؓ ان مخصوص صحابہؓ میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے

ہیں، اگر حدیث کی کتابوں سے ان کی روایتیں علیحدہ کر لی جائیں تو اس کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں گے، ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۱۶۶۰ ہے، ان میں ۵۰ متفق علیہ ہیں یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان کے علاوہ ۱۸۰ روایتوں میں بخاری منفرد ہیں، اور ۴۹ میں مسلم۔

ان کی روایات کی کثرت اور معلومات کی وسعت خود ان کی ذاتی کاوش و جستجو کا نتیجہ ہیں، گو بہت سی روایتیں براہِ راست خود زبانِ وحی و الہام سے لی ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۳ سال سے زائد نہ تھی، ظاہر ہے کہ اس کی عمر میں علم کا اتنا سرمایہ کہاں سے حاصل کر سکتے تھے، یہ ان کے ذوقِ علم اور تلاش و جستجو کا نتیجہ تھا۔

ابو سلمہؓ روایت کرتے ہیں کہ ابنِ عباسؓ کہتے تھے کہ جس شخص کے متعلق مجھ کو پتہ چلتا کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے تو میں خود اس کے مکان پر جا کر حاصل کرتا۔

ابو رافعؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے، اس لیے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال دیکھنے اور اقوال سننے کا زیادہ موقع ملتا تھا، ابن عباسؓ ان کے پاس کاتب لے کر آتے اور پوچھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں دن کیا کیا، ابو رافعؓ بیان کرتے اور کاتب قلمبند کرتا جاتا۔

اسی تلاش و جستجو نے ان کو اقوال و افعال نبویؐ کا سب سے بڑا حافظ بنا دیا تھا، اکثر اکابر صحابہؓ کو جو عمر اور مرتبہ میں ان سے کہیں زیادہ تھے، ان کے مقابلہ میں کئی علم کا اعتراف کرنا پڑتا تھا، جب صحابۂ کرامؓ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول و فعل کے بارے میں اختلاف ہوتا تو وہ ابن عباسؓ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا، سینکڑوں طلب گار روزانہ ان کے خرمنِ کمال سے خوشہ چینی کرتے تھے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس و تدریس کے لیے وقف تھا، کبھی کوئی شخص ان کے چشمۂ فیض سے ناکام واپس نہ ہوا، اس عام فیض کے علاوہ بعض مجلسیں خصوصیت کے ساتھ درس و تدریس اور علمی مذاکروں کے لیے مخصوص تھیں، اور ان میں باقاعدہ ہر علم و فن کی جدا جدا تعلیم ہوتی تھی، ابو صالح تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ کی طرف ایک ایسی علمی مجلس دیکھی کہ اگر سارا قریش اس پر فخر کرے تو بھی بجا ہوگا، اس مجلس کا یہ حال تھا کہ عبداللہؓ بن عباسؓ کے مکان کے سامنے آدمیوں کا اتنا اژدہام تھا کہ ان کی کثرت سے آمد و رفت مشکل تھی، میں نے جا کر اس اژدہام کی اطلاع دی تو مجھ سے پانی مانگا، میں پانی لایا، انھوں نے وضو کیا، وضو کر کے بیٹھ گئے، پھر مجھ سے کہا جاؤ قرآن کے جس شعبہ کے متعلق جو سائل ہوں ان کو اطلاع دو، میں نے اطلاع دی، دیکھتے دیکھتے سائلوں سے

سارا گھر اور تمام حجرے بھر گئے، جس نے جو سوال کیا اس کے سوال سے زیادہ اس کو جواب دے کر رخصت کیا، پھر مجھ سے کہا جاو حرام و حلال اور فقہ کے سائلوں کو بلاؤ، مَیں نے ان لوگوں کو اطلاع دی، چنانچہ ان کا جم غفیر آیا، اور جن کو جو سوالات کرنا تھے پیش کیے، فرداً فرداً سب کو نہایت تشفی بخش اور ان کے سوالات سے زیادہ جواب دے کر رخصت کیا، پھر فرمایا کہ اب تمہارے دوسرے بھائیوں کی باری ہے، اس کے بعد فرائض وغیرہ کے سائلوں کو بلایا، ان کی تعداد بھی اتنی بڑی تھی کہ پورا گھر بھر گیا، ان کے پیشروں کی طرح ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دے کر فارغ ہوئے تو مجھ سے کہا کہ عربی زبان، شعر و شاعری اور ادب و انشاء کے سائلوں کو بلا لاؤ، چنانچہ مَیں نے اطلاع دی، یہ لوگ آئے، ان کے ہجوم کا بھی وہی حال تھا، ان لوگوں نے جو سوالات کیے، ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیئے، ابو صالح یہ واقعہ بیان کر کے کہتے ہیں کہ مَیں نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس نہیں دیکھی تھی۔

درس کے ان مستقل حلقوں کے علاوہ کبھی کسی نماز کے بعد تقریر اور خطبہ کے ذریعے سے تعلیم دیتے، عبداللہ بن شفیق بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابن عباسؓ نے عصر کے بعد ہم لوگوں کے سامنے تقریر کی، اور اتنی دیر تک کرتے رہے کہ آفتاب غروب ہو گیا، اور تارے نکل آئے، لوگوں نے نماز نماز کی آوازیں بلند کرنا شروع کیں، ایک تمیمی نے مسلسل نماز کہنا شروع کیا، ابن عباسؓ جھنجھلا کر بولے لاام لک، تو مجھ کو سنت کی تعلیم دیتا ہے، مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، آپ ظہر، عصر اور مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ عبداللہ بن شفیق کے دل میں یہ بات کھٹکتی رہی، انھوں نے جا کر حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا حضرت ابوہریرہؓ نے کہا ہاں صحیح ہے۔

حضر کے علاوہ سفر میں بھی ان کا یہ چشمۂ فیض جاری رہتا تھا، چنانچہ جب چند دنوں کے لیے حج کی غرض سے مکہ معظمہ تشریف لے جاتے تھے، اس وقت بھی ان کی قیامگاہ طالبانِ علم کی درسگاہ بن جاتی۔

ترجمان کا تقرر ۔ اسلامی فتوحات کے بعد جب اسلام عرب کے حدود سے نکل کر ایران و مصر وغیرہ میں پھیلا، تو وہ قومیں اسلام کے حلقۂ اثر میں آئیں جن کی زبان عربوں سے جدا تھی، ابن عباسؓ نے ان کی آسانی کے لیے مخصوص ترجمان رکھے کہ ان کو سوال میں زحمت نہ ہو۔

تلامذہ ۔ ان کی اس فیض رسانی و علم و عرفان کی بارش نے ان کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا، جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے، مشہور تلامذہ اور شاگردوں کے اسماء یہ ہیں۔

بیٹوں میں محمد اور علی، پوتوں میں محمد بن علی، بھائیوں میں کثیر، بھتیجوں میں عبداللہ ابن عبیداللہ اور عبداللہ بن معبد، عام لوگوں میں عبداللہ بن عمر، ثعلبہ بن حکم، مسور بن مخرمہ، ابو الطفیل، ابو امامہ بن

سہل، سعید بن مسیب، عبداللہ بن حارث، عبداللہ بن عبداللہ، عبداللہ بن شداد، یزید بن اصم، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ابوجمرہ ضبعی، ابومجلز لاحق بن حمید، ابورجار عطاردی، قاسم بن محمد، عبید بن اسحاق، علقمہ بن وقاص، علی بن حسین، عبیداللہ ابن عبداللہ بن عقبہ، عکرمہ، عطار، طاؤس، کریب، سعید بن جبیر، مجاہد، عمرو بن دینار، ابوالجوزار، ابوالشعثا، جابر بن زید، بکر بن عبداللہ مزنی، حصین بن جندب، حکم بن اعرج، ابوالجویرہ، حطان بن خفاف، حمید بن عبدالرحمن بن عوف، رفیع ابوالعالیہ، مقسم، ابوصالح الیمان، سعد بن ہشام، سعید بن ابوالحسن بصری، سعید بن حویرث، سعید بن ابی ہند، ابوالحباب، سعید بن لیسار، سلیمان بن لیسار، ابوزمیل سماک بن ولید، سنان بن سلمہ، صہیب، طلحہ بن عبداللہ بن عوف، عامر الشعبی، عبداللہ بن ابی ملیکہ، عبداللہ بن کعب ابن مالک، عبداللہ بن عبید، عبید بن حنین، عبدالرحمٰن بن مطعم، عبدالرحمٰن بن دعلہ، عبدالعزیز بن رفیع، عبدالرحمٰن بن عابس نخعی، عبیداللہ بن عبداللہ بن ابی ثور، عبیداللہ بن یزید الملکی، علی بن ابوطلحہ، عمرو بن مرہ، عمرو بن میمون، عمران بن حطان، عمار بن ابی عمار، محمد بن عباد بن جعفر، مسلم بن صبیح، سلم القریر، موسیٰ بن سلمہ، میمون بن مہران جرزی، نافع بن جبیر بن مطعم، نائم، نضر بن انس، یحییٰ بن یعمر، ابوالبختری الطائی، ابوالحسان الاعرج، یزید بن ہرمز، ابوحمزہ، قصاب، ابوالزبیر مکی، ابوعمر البہرانی، ابوالمتوکل الناجی، ابولنضرہ العبدی، فاطمہ بنت حسین، محمد بن سیرین وغیرہم۔

فقہ وفرائض : حضرت ابن عباسؓ کے فتاویٰ فقہ کی سنگِ بنیاد ہیں، اس کی تشریح کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ تاہم ان کی فقہ دانی کا سرسری اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابوبکر محمد بن موسیٰ خلیفہ مامون الرشید کے پرپوتے نے جو اپنے زمانے کے امام تھے، ان کے فتاویٰ ۲۰ جلدوں میں جمع کیے تھے۔

مکہ میں فقہ کی بنیاد ان ہی نے رکھی، وہ تمام فقہارِ بن کا سلسلہ مکہ کے شیوخ تک پہنچتا ہے، وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے خوشہ چین تھے، ایک فقیہہ و مجتہد کے لیے قیاس ناگزیر ہے کیونکہ وقتاً فوقتاً بہت سے ایسے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو حضرت حامل شریعت علیہ السلام کے عہد میں نہ تھے اور ان کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، ایسے وقت میں مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ منصوصہ احکام اور ان میں ملّت مشترک نکال کر ان پر قیاس کر کے حکم صادر کرے، ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا، حضرت ابن عباسؓ کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے جواب مل جاتا تو فبہا، ورنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنّت کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے بھی مقصد برآری نہ ہوتی، تو حضرت

ابوبکرؓ و عمرؓ کا فیصلہ دیکھتے، اگر اس سے بھی عقدہ حل نہ ہوتا تو پھر اجتہاد کرتے، مگر اسی کے ساتھ قیاس بالرائے کو برا سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اس کی مذمت میں کہتے ہیں کہ "جو شخص کسی مسئلہ میں ایسی رائے دیتا ہے جو کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ میں نہیں ہے، تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ خدا سے ملے گا تو اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا۔

آپؓ کو فقہ کے ساتھ ساتھ فرائض میں بھی درک تھا، اگرچہ وہ اس فن میں حضرت معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر نہ تھے، تاہم عام صحابہؓ میں حضرت ابن عباسؓ بھی اس فن میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، عبیداللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ حساب اور فرائض میں ابن عباسؓ ممتاز درجہ رکھتے تھے۔

ان مذہبی علوم کے علاوہ ان تمام علوم میں جو اس زمانہ میں لازمۂ شرافت سمجھے جاتے تھے، کافی دستگاہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے۔

عبیداللہؒ بن عبداللہ کہا کرتے تھے کہ اس زمانہ کے علوم میں کوئی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ہمسر نہ تھا، معاملہ فہمی اور اصابت رائے میں وہ سب پر فائق تھے، نسب دانی اور تاویلِ قرآن کے بڑے ماہر تھے، احادیثِ نبویؐ اور ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے فیصلوں کا ان سے زیادہ کوئی واقف کار نہ تھا، شعر و شاعری، ادب، تفسیر، حساب، اور فرائض میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، اور ان سب میں ان کی رائے بے نظیر ہوتی تھی، ان کے علمی مذاکرے کے دن مقرر تھے، کسی دن فقہ کا درس دیتے تھے، کسی دن تاویلِ قرآن پر روشنی ڈالتے تھے، کسی دن مغازی کے واقعات کا تذکرہ کرتے، کسی دن ایامِ عرب کی داستان سناتے، کسی دن شعر و شاعری کا چرچا ہوتا، غرض ان کا چشمۂ معرفت فیض ہر دن نئے رنگ سے ابلتا تھا، میں نے کسی بڑے سے بڑے عالم کو نہیں دیکھا جو تھوڑی دیر کے لیے ان کی صحبت میں بیٹھا ہو اور ان کے کمالِ علم کے سامنے اس کی گردن نہ جھک گئی ہو، کسی علم کے متعلق کوئی سوال بھی کرتا اس کو اس کا جواب ضرور ملتا۔

حضرت ابن عباسؓ صحابہؓ کی جماعت میں گو عمر میں بہت چھوٹے تھے مگر ان کا علم سب سے بڑا تھا، ان کے تمام معاصرین جن میں بڑے بڑے صحابہؓ تک تھے ان کے فضل و کمال کے معترف تھے۔

حضرت عمرؓ فرماتے تھے ابن عباسؓ ادھیڑ عمر والوں میں نوجوان ہیں، ان کی زبان سائل اور ان کا ذہن رسا ہے، مجاہد تابعی کہتے تھے کہ "میں نے ابن عباسؓ کے فتاویٰ سے بہتر کسی شخص کا فتویٰ نہیں دیکھا، علاوہ اس شخص کے جو قال رسولؐ اللہ کہتا ہے۔" طاؤس کہتے تھے کہ "میں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ سو اصحاب کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں ابن عباسؓ سے مباحثہ کرتے اور دونوں میں اختلافِ رائے ہوتا تو آخر میں ابن عباسؓ ہی کی رائے پر فیصلہ ہوتا۔"

عبید اللہ بن عباسؓ کہتے تھے کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے زیادہ سنت کا عالم، ان سے زیادہ صائب الرائے، ان سے بڑا دقیق النظر کسی کو نہیں دیکھا، حضرت عمرؓ باوجود اپنے ملکۂ اجتہاد اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے ابن عباسؓ کو مشکلات کے لیے تیار کرتے تھے، قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ "ہم نے ابن عباسؓ کی مجلس میں کبھی کوئی باطل تذکرہ نہیں سنا، اور ان سے زیادہ کسی کا فتویٰ سنتِ نبویؐ کے مشابہ نہیں دیکھا۔

طاؤس تابعی حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ بہت رہا کرتے تھے، ابوسلیم نسان پر اعتراض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہؓ کو چھوڑ کر تم ان سے کیوں چمٹے رہتے ہو؟ انھوں نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر اصحاب کو دیکھا ہے جب وہ کسی مسئلہ میں گفتگو کرتے تھے تو آخر میں ان کو ابن عباسؓ ہی کے قول کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ حضرت زید بن ثابتؓ کا انتقال ہوا تو حضرت ابوہریرہؓ نے کہا آج اس امت کا عالم اٹھ گیا، امید ہے کہ خدا ابن عباسؓ کو ان کا قائم مقام بنالے گا، مشہور عالم صحابی ابی بن کعبؓ کے بیٹے محمد روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ ایک دن میرے والد کے پاس بیٹھے تھے، جب وہ اٹھ کر چلے تو میرے باپ نے کہا کہ ایک دن یہ شخص اس امت کا حبر (زبردست عالم) ہوگا، حضرت ابی بن کعبؓ کی یہ پیشنگوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور ابن عباسؓ اپنے کثرتِ علم کی وجہ سے حبرالامۃ کہلانے لگے۔

معاصرین کی عزت : اس ذاتی علم وفضل کے باوجود دوسرے علماء کی بڑی عزت کرتے تھے اور ان سے نہایت تواضع اور انکسار سے پیش آتے تھے، ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابتؓ سوار ہوئے، تو ابنِ عباس نے احتراماً ان کی رکاب تھام لی، زید بن ثابتؓ نے کہا۔ "ابن عم رسول ایسا نہ کیجیے۔"

فرمایا: "ہم کو اپنے علماء کا ایسا ہی احترام کرنا چاہیے۔"

زید بن ثابتؓ نے ان کا ہاتھ چوم کر کہا، "ہم کو اپنے نبیؐ کے اہلِ بیت کا ایسا ہی احترام کرنا چاہیے۔"

بدعت سے نفرت : عقیدہ کی صحت مذہب کی روح ہے، اس میں جہاں رخنہ پیدا ہوا، مذہب کی بنیادیں ہل جاتی ہیں، تقدیر کا مسئلہ مذہب میں ایسا نازک اور پیچیدہ ہے کہ اس میں ادنیٰ افراط و تفریط سے عظیم الشان فتنوں کا دروازہ کھل جاتا ہے، صحابہؓ کے آخر زمانہ میں نومسلم عجمیوں

کے ذریعہ سے خیر و شر اور قضا و قدر کی بحث عراق میں پیدا ہو چلی تھی' ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضؓ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص تقدیر کا منکر ہے' اس وقت اس کی آنکھوں کی بصارت زائل ہو چکی تھی' پھر بھی لوگوں سے کہا کہ مجھ کو اس شخص تک پہنچا دو' لوگوں نے پوچھا آپ اس کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کریں گے؟ بولے اگر ہو سکا تو اس کی ناک کاٹ ڈالوں گا اور اگر گردن ہاتھ میں آگئی تو اس کو توڑ دوں گا' میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ' میں بنو فہر کی عورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ خزرج کا طواف کر رہی ہیں اور سب کی سب اعمالِ شرک میں مبتلا ہیں۔" تقدیر کا انکار اس امت کا پہلا شرک ہے' میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ایسے لوگوں کی بری رائے یہیں تک نہ محدود رہے گی' بلکہ جس طرح انھوں نے خدا کو شر کی تقدیر سے معطل کر دیا ہے' اسی طرح اس کی خیر کی تقدیر سے منکر ہو جائیں گے۔

رسولؐ کی محبت : حضرت ابن عباس رضؓ کو ذات نبویؐ کے ساتھ غیر معمولی شیفتگی اور گرویدگی تھی' آپؐ کی وفات کے موقع کے ـــــ واقعہ کو یاد کرتے تو روتے روتے بیقرار ہو جاتے۔ سعید بن جبیر تابعی روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباس رضؓ نے کہا "پنجشنبہ کا دن' کون پنجشنبہ" اتنا کہنے پائے تھے' ابھی مبتدا کی خبر نہ نکلی تھی کہ زار و قطار رونے لگے۔ اور اس قدر روئے کہ سامنے پڑے ہوئے سنگ ریزے ان کے آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ ہم لوگوں نے کہا ابوالعباس رضؓ! پنجشنبہ کے دن میں کیا خاص بات تھی' بولے اسی دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری نے شدت پکڑی تھی۔

امہات المومنینؓ کا احترام : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غیر معمولی عقیدت کا فطری اقتضا یہ تھا کہ وہ امہات المومنین کے ساتھ بھی اس عزت و تکریم سے پیش آتے تھے' جب حضرت میمونہ رضؓ کا انتقال ہوا' اور لوگ مقام شرف میں جنازہ کی شرکت کے لیے جمع ہوئے تو انہوں نے کہا کہ "لوگو! یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم کا جنازہ ہے' نعش آہستہ اٹھاؤ' ہلنے نہ پائے۔
یہ احترام حضرت میمونہ رضؓ کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھا' بلکہ تمام امہات المومنین رضؓ کے ساتھ وہ اسی تعظیم سے پیش آتے تھے۔

ذکوان حضرت عائشہ رضؓ کے حاجب بیان کرتے تھے کہ حضرت عائشہ رضؓ کے مرض الموت میں ابن عباس رضؓ آئے اور حضوری کی اجازت چاہی' میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے جا کر عرض کی' اس وقت حضرت عائشہ رضؓ کے بھتیجے' عبداللہ بن عبدالرحمن ان کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے' انھوں نے بھی کہا کہ ابن عباس رضؓ آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ چنانچہ ان کو باریابی کی اجازت مل گئی' بیٹھنے کے بعد عرض کی' آپؓ کو بشارت ہو (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا چاہتی ہیں)'

حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا' تم کو بھی بشارت ہو؛ اس خوش آئند سلسلۂ کلام کے بعد ابن عباسؓ نے عرض کی کہ اب آپؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؓ کے اعزہ و احباب سے ملنے میں صرف روح کو جسم کا ساتھ چھوڑنے کی دیر ہے' آپؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین بیوی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ طیب ہی چیز کو محبوب رکھتے تھے' پھر حضرت عائشہؓ کے فضائل بیان کیے۔

ہاتھ پھیلانا اچھا نہیں ہے

حضورؐ کے ایک صحابی تھے۔ انھوں نے اپنی کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے قرض لیا۔ جب قرض ادا کرنے کا وقت آیا تو ان کے پاس اتنا مال نہ تھا کہ قرض ادا کرسکیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی حالت بیان کرکے حضورؐ سے مدد کی درخواست کی۔

حضورؐ نے ان کی ضرورت پوری کردی' پھر آپؐ نے فرمایا:

"سوال کرنا اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین آدمیوں کے لیے ٹھیک ہے۔ ایک وہ جس پر قرضہ زیادہ ہوگیا ہو' وہ مانگ سکتا ہے لیکن جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو پھر اس کو مانگنا نہیں چاہیئے۔ دوسرا وہ آدمی جس پر اچانک کوئی مصیبت آگئی ہو اور اس کا مال تباہ و برباد ہوگیا ہو۔ اس کو بھی اس وقت تک مانگنا جائز ہے جب تک اس کی حالت ٹھیک نہ ہو جائے۔ مالی حالت ٹھیک ہو جانے کے بعد کسی سے کچھ مانگنا جائز نہیں۔ تیسرا آدمی وہ ہے جس کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہو' وہ فاقے سے ہو اور محلے کے تین معتبر آدمی یہ گواہی دیں کہ یہ شخص فاقے سے ہے۔ اس کے علاوہ جو کوئی مانگ کر کچھ حاصل کرتا ہے' وہ حرام ہے۔"

حکیم بن حزامؓ ایک اور صحابی تھے جو مکہ فتح ہونے کے بعد اسلام لائے تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے رسول اللہؐ سے کچھ مانگا۔ حضورؐ نے دے دیا۔

چند روز بعد حکیم بن حزامؓ پھر حضورؐ کے پاس آئے اور سوال کیا۔ حضورؐ نے اس مرتبہ بھی ان کو کچھ عطا کردیا۔

پھر آپؐ نے فرمایا "اے حکیم! یہ دولت اچھی ہے جو اس کی پرواہ نہیں کرتا اس کو برکت ملتی ہے اور جو لالچ سے اس کو حاصل کرتا ہے وہ اس سے محروم رہتا ہے۔ دولت کو لالچ سے حاصل کرنے والے کی مثال اس شخص جیسی ہے جو کھاتا چلا جاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا (یعنی دینے والا' مانگنے والے سے بہتر ہے)"

حکیمؓ پر حضورؐ کی اس نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ اس کے بعد جب تک زندہ رہے کبھی کسی سے معمولی چیز تک نہیں مانگی۔

اصحابی کالنجوم

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشادِ نبوی)

حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ السلام قبول کرتے ہی دل و جان سے رسولِ عربیؐ کے شیدائی بن گئے تھے۔ غزوہ بدر سے پہلے ایک مرتبہ سیدالخزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ بیمار ہو گئے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپؐ ان کی عیادت کے لیے سواری پر تشریف لے گئے۔ راستے میں کچھ مسلمان اور منافقین یکجا بیٹھے ہوتے تھے۔ ان میں حضرت عبداللہؓ بن رواحہ اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول بھی موجود تھے۔ عبداللہ بن ابی کو ہجرتِ نبویؐ سے پہلے تمام اہلِ مدینہ (اوس و خزرج) اپنا بادشاہ بنانے پر متفق ہو گئے تھے اور اس کے لیے تاج بھی تیار کر لیا تھا لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد یہ ساری کارروائی ختم ہو گئی تھی اور تمام انصار نے اپنے ہاتھ حضورؐ کے دستِ مبارک میں دے دیے۔ یہ بات عبداللہ بن ابی پر سخت شاق گزری اور وہ حضورؐ سے بغض و عناد رکھنے لگا۔ حضورؐ کی سواری کی گرد اڑی تو اس نے اپنے دل کا بخار یوں نکالا کہ اپنی چادر ناک پر رکھ لی اور ترش روئی سے بولا "گرد مت اڑائیں" اس کے جواب میں حضورؐ نے سب حاضرینِ مجلس کو سلام کیا اور پھر سواری سے اتر کر خدا کی وحدانیت پر ایک مختصر خطبہ دیا۔ عبداللہ بن ابی نے بڑی تنگ مزاجی سے کہا:

"اگر آپؐ کی باتیں سچ ہیں تو یہ ان لوگوں کو بتائیں جو خود آپؐ کے پاس جائیں یہاں آکر ہم کو پریشان نہ کریں۔"

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، ابن ابی کی گستاخانہ باتیں سن کر تڑپ اٹھے اور بڑے جوش کے ساتھ بولے:

"یا رسول اللہ آپ ضرور تشریف لائیں۔ ہم آپ کے ارشادات کو دل و جان سے پسند کرتے ہیں۔"
اس موقع پر بات اس قدر بڑھی کہ مسلمانوں اور منافقوں کے درمیان تلوار چل جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فریقین کو ایسے پُرحکمت انداز سے سمجھایا کہ وہ ٹھنڈے پڑ گئے۔ اس کے بعد آپ حضرت سعدؓ بن عبادہ کے گھر تشریف لے گئے۔

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کا یہی جوشِ ایمان اور عشقِ رسولؐ تھا جس کی بدولت انہیں بارگاہِ نبوتؐ میں درجۂ تقرب حاصل ہو گیا تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد ان کی شاعری یکسر حق کی تبلیغ اور کفار کی مذمت کے لیے وقف ہو کر رہ گئی تھی۔ عبداللہؓ اپنے اشعار میں کفار کی گمراہی اور ضلالت پر ایسی چوٹ کرتے تھے کہ وہ تلملا اٹھتے تھے۔ ان کے دل میں راہِ حق میں سر کٹانے کی آرزو ہر وقت مچلتی رہتی تھی۔ "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ ہر غزوہ میں پیش پیش ہوتے تھے اور واپسی میں سب سے پیچھے ہوتے تھے۔"

آپؓ کا تعلق خزرج کے خاندان حارث بن خزرج سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
عبداللہؓ بن رواحہ بن ثعلبہ بن امراء القیس بن عمرو بن امراء القیس الاکبر بن مالک الاغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج الاکبر۔ والدہ کبشہ بنت واقد بھی اسی قبیلے سے تھیں۔ بعض روایتوں کے مطابق ان کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی مشہور کنیت ابو محمد ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ اپنے قبیلہ کے ممتاز اور صاحبِ اثر لوگوں میں سے تھے، وہ نہ صرف لکھنا پڑھنا جانتے تھے، بلکہ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں بھی بڑے ذی رتبہ تھے اور اسلام میں بھی۔ دنیوی عزت اور مرتبہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سلیم سے بھی نوازا تھا۔ بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد جب مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا پھیلا تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے بھی بلا تامل دعوتِ حق قبول کر لی۔ ۱۳ھ نبوت میں انہیں بیعت عقبہ کبیرہ میں شریک ہونے کی عظیم سعادت نصیب ہوئی۔ اس موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما پر بہتر اہلِ ایمان نے جو بارہ نقبا منتخب کیے ان میں سے ایک حضرت عبداللہؓ بن رواحہ تھے۔ وہ اور حضرت سعدؓ بن ربیع انصاری بنو حارث کے نقیب بنائے گئے۔ ہجرت کے بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو اپنے قدومِ بابرکات سے مشرف فرمایا تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ ان رؤسا مدینہ میں سے تھے،

جنہوں نے حضورؐ کا نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا اور آپؐ سے التجا کی کہ انہیں شرف میزبانی بخشیں، لیکن یہ شرف اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مقدر میں لکھ رکھا تھا اس لیے حضورؐ ان اصحابؓ کو اپنی دعاؤں سے نوازتے ہوئے حکمِ الٰہی کے مطابق آگے بڑھ گئے۔

چند ماہ بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخاۃ قائم کرائی تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو جلیل القدر مہاجر صحابی حضرت مقدادؓ بن عمرو الاسود کندی کا دینی بھائی بنایا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ مسجدِ نبویؐ کی تعمیر شروع ہوئی تو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ خود بھی گارا اور اینٹیں ڈھوتے تھے۔ اس وقت آپؐ کی زبانِ مبارک پر حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کا شعر ہوتا تھا جس کا ترجمہ ہے۔

الٰہی اجر تو بس آخرت کا اجر ہے   پس تو انصار اور مہاجر پر رحم فرما

ہجرتِ نبویؐ کے چند سال بعد ایک دن ایک انصاری صاحب الرسولؐ ـــ جن کا چہرہ نورِ ایمان سے چمک رہا تھا' سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی نیت سے بڑے ذوق و شوق سے مسجدِ نبویؐ کی طرف روانہ ہوتے۔ اس وقت حضورؐ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ وہ ابھی مسجد کے باہر ہی تھے کہ حضورؐ نے خطبہ کے دوران میں مسجد میں کھڑے چند لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا "اے لوگو! بیٹھ جاؤ" حضرت ابن رواحہؓ نے حضورؐ کا ارشاد سُنا تو معاً اُن کے قدم زمین میں گڑ گئے اور وہ اسی جگہ بیٹھ گئے۔ حضورؐ خطبہ سے فارغ ہوتے تو کسی نے یہ واقعہ آپؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپؐ کو اُن صاحب کے جذبۂ اطاعتِ رسُولؐ پر بڑی مسرت ہوئی اور آپؐ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں اللہ اور رسُولؐ کی اطاعت کا جذبہ اور زیادہ کرے"

یہ صاحب رسولؐ جن کے جذبۂ اطاعت نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر مسرور کیا کہ لسانِ رسالتؐ پر ان کے لیے دُعا تے برکت جاری ہو گئی۔ سیّدنا حضرت عبداللہؓ بن رواحہ انصاری تھے۔

اُن کے شوقِ جہاد کا یہ عالم تھا کہ بدر سے لے کر موتہ تک جس میں انہوں نے شہادت پائی کوئی غزوہ ایسا نہیں تھا جس میں انہوں نے حضورؐ کے ہمرکاب ہو کر سرفروشی اور جانبازی کا حق ادا نہ کیا ہو۔

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ ان تین جانبازوں میں سے ایک تھے جو میدانِ بدر میں عتبہ' شیبہ اور ولید کے مقابلے میں نکلے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ قریش کے مبارزت خواہوں نے ان سے لڑنا پسند نہ کیا اور حضرت حمزہؓ' حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ بن الحارث ان سے نبرد آزما ہوتے۔

معرکۂ بدرالکبریٰ کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ کو فتح کی خوشخبری سنانے مدینہ منورہ بھیجا۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے مدینہ منورہ کی شمالی آبادی کو اور حضرت زیدؓ بن حارثہ نے جنوبی حصّہ شہر کو مژدۂ فتح سنایا۔

ذوالقعدہ ۴ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر ثانیہ کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب بنا کر چھوڑ گئے۔

۵ھ میں غزوۂ احزاب پیش آیا۔ اس میں سارے مشرکینِ عرب مدینہ منورہ پر چڑھ آئے اور مسلمانوں کو خندق کھود کر اپنا دفاع کرنا پڑا۔ محاصرہ کے دوران میں مدینہ منورہ کے یہودِ بنوقریظہ نے غداری پر کمر باندھی لیکن حضورؐ کی بروقت تدابیر نے انہیں کھل کھیلنے کا موقع نہ دیا۔ اس نازک موقع پر حضورؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو دو دوسرے صاحب اثر مسلمانوں کے ساتھ یہودِ بنوقریظہ سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجا انہوں نے واپس آکر حضورؐ کو ان کے عزائمِ بد سے آگاہ کیا۔

۶ھ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر بیعتِ رضوان کے موقع پر حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو ان چودہ سو سرفروشوں میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا جنہوں نے حضورؐ کے دستِ مبارک پر موت کی بیعت کی اور جنہیں بارگاہِ الٰہی سے "اصحاب الشجرہ" کا لقب اور رضائے خداوندی کی سند عطا ہوئی۔

۷ھ ہجری میں خیبر فتح ہوا تو وہاں کی پیداوار کی قیمت کا تخمینہ لگانے کے لیے حضورؐ نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو مامور فرمایا۔ انہوں نے یہ کام نہایت حسن و خوبی سے انجام دیا۔

شوال ۶ھ ہجری میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو ایک خاص مہم پر مامور فرمایا جو "سریّہ عبداللہؓ بن رواحہ" کے نام سے مشہور ہے۔ نواحِ خیبر کا ایک یہودی رئیس ابورافع سلام بن ابی الحقیق اسلام کی مخالفت میں اس قدر بڑھ گیا تھا کہ بنوغطفان کو مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کے لیے ابھار رہا تھا۔ حضورؐ کو اس کی ریشہ دوانیوں کا علم ہوا تو آپؐ نے رمضان ۶ھ میں حضرت عبداللہؓ بن عتیک سلمی کی قیادت میں پانچ آدمیوں کی ایک مہم ابورافع کی گوشمالی کے لیے خیبر بھیجی۔ حضرت عبداللہؓ بن عتیک ابورافع کو جہنم واصل کر کے اپنے ساتھیوں سمیت بخیریت مدینہ منورہ واپس آئے لیکن ابورافع کے قتل سے معاملہ سلجھ نہ سکا، کیونکہ اس کا جانشین اُسیر بن رزام بھی اسلام دشمنی میں ابورافع کے نقشِ قدم پر چلا۔ حضورؐ کو اس کی معاندانہ سرگرمیوں کی اطلاع ملی تو آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو تحقیق کے لیے بھیجا۔ حضرت عبداللہؓ نے خفیہ طور پر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حضورؐ کو جو اطلاعات پہنچی تھیں وہ درست تھیں چنانچہ انہوں

لے واپس آکر تمام حالات حضورؐ کی خدمت میں عرض کر دیئے۔ آپؐ نے انہیں تیس سوار دے کر ہدایت فرمائی کہ خیبر جا کر اسیر کو اپنے ساتھ مدینہ لے آئیں تاکہ اس کے ساتھ دو ٹوک گفتگو کی جائے۔ حضرت عبداللہؓ خیبر جا کر اُسیر سے ملے اور اس سے ایسے حکیمانہ انداز سے گفتگو کی کہ وہ تیس یہودیوں کو لے کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ اثنائے راہ میں کوئی ایسی بات ہوئی کہ مسلمانوں اور یہودیوں میں تلوار چل گئی اور اُسیر سمیت سارے یہودی مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔

صلح حدیبیہ میں قریش سے معاہدہ ہوا کہ آئندہ سال مسلمان مکّہ میں آکر عمرہ ادا کر سکیں گے اور تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں گے، چنانچہ ۷ھ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کرا دیا کہ مسلمان ادائے عمرہ کی تیاری کریں۔ اس حکم کے صادر ہونے پر صحابہ کرامؓ سفر کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ ۲ ذوالقعدہ ۷ھ ہجری کو حضورؐ عمرۃ القضا کے لیے مدینے سے روانہ ہوئے۔ چونکہ معاہدۂ حدیبیہ میں یہ شرط قرار پائی تھی کہ مسلمان غیر مسلح ہو کر مکّہ میں داخل ہوں گے اس لیے تمام ہتھیار قریہ بطن میں چھوڑ دیئے گئے۔ جب کوکبۂ نبویؐ مکّہ میں داخل ہوا تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھے اور بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

"اے کافروں کے راستے سے ہٹ جاؤ
کیونکہ تمام بھلائیاں رسولؐ اللہ کے ساتھ ہیں
ہم نے تم کو قرآن کی تاویل پر مارا ہے اور
ہم نے قرآن کی تنزیل پر تم پر ضرب لگائی ہے
جس سے سر دھڑ سے الگ ہو گئے ہیں
اور دوستوں نے دوستی کو فراموش کر دیا ہے
اے میرے ربّ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ارشادات پر ایمان رکھتا ہوں۔"

حضرت عمر فاروقؓ کو یہ اشعار کچھ سخت محسوس ہوئے اور انہوں نے حضرت عبداللہؓ سے مخاطب ہو کر کہا "ایسے اشعار حرمِ الٰہی میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھتے ہو"۔

حضورؐ نے فرمایا "عمرؓ میں عبداللہؓ کے اشعار سُن رہا ہوں۔ اللہ کی قسم! ان کے اشعار مشرکین پر تیر اور نشتر کا کام کرتے ہیں"۔

پھر آپؐ نے حضرت عبداللہؓ سے فرمایا، تم اشعار میں یہ کہو۔

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے۔ اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور اس کے لشکر کو زور آور کر دیا اور دشمن کے لشکروں کو اکیلے نے ہی شکست دی۔"

حضرت عبداللہؓ نے حضورؐ کے ارشاد کے مطابق تعمیل کی تو تمام صحابہؓ نے بھی آواز ملا کر یہ الفاظ دہرائے۔ اس سے ایسی گونج پیدا ہوئی کہ فضا میں ارتعاش پیدا ہو گیا اور کفار کے دل دہل گئے۔

صلح حدیبیہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کے پاس تبلیغی دعوت نامے ارسال فرماتے تھے۔ ان میں ایک خط حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کے ہاتھ بصریٰ کے حاکم حارث بن شمر غسانی کے نام بھی بھیجا تھا۔ جب حارثؓ بن عمیر موتہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں کے رومی حاکم شرجیل بن عمرو غسانی نے ان کو گرفتار کر کے شہید کر ڈالا۔ قاصد کا قتل کسی مذہب یا قانون میں جائز نہیں۔ حضورؐ کو اپنے قاصد کی مظلومانہ شہادت کی خبر ملی تو آپؐ کو سخت صدمہ ہوا اور آپؐ نے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں حارثؓ بن عمیر کے خون کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار مجاہدین حضرت زیدؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں مدینہ سے روانہ فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ اگر لڑائی میں زیدؓ بن حارثہ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب امیر لشکر ہوں گے اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ لشکر کی قیادت کریں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو مناسب سمجھیں امیر بنالیں۔

ایک یہودی بھی اس موقع پر موجود تھا اس نے حضورؐ کا ارشاد سنا تو کہا کہ یہ تینوں ضرور مارے جائیں گے، کیونکہ پہلے انبیا کے اس قسم کے کلام کا یہی نتیجہ ہوتا تھا۔ تینوں بزرگوں نے کہا "حضورؐ سچے نبی ہیں اگر ہمارے مقدر میں شہادت لکھی ہے تو زہے قسمت۔"

حضورؐ نے ایک سفید جھنڈا بنا کر حضرت زیدؓ کے حوالے کیا اور لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ اہل مدینہ سے رخصت ہونے لگے تو ان کو پورا یقین تھا کہ اب اس دنیا میں دوبارہ ان لوگوں سے ملاقات نہ ہوگی۔ جب ان سب نے رخصتی سلام کیا اور دعا کی کہ اللہ تمہیں بخیر و عافیت واپس لائے تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے یہ شعر پڑھے۔ جن کا ترجمہ ہے۔

میں خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور تلوار کی ایک ایسی کاری ضرب جو ہوش کو ٹھنڈا کر دے (جس سے جھاگ دار خون پانی کی طرح بہے) یا برچھے کا وار جو آنتوں اور جگر کو چیرتا ہوا نکل جائے۔ یہاں تک کہ جب لوگ میری قبر پر گزریں تو پکار اٹھیں کہ اللہ نے اس غازی کو ہدایت دی اور کامیاب کیا اور بے شک یہ ہدایت پر تھا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ اس مقدس لشکر کی ثنیۃ الوداع تک مشایعت فرمائی۔ آپؐ نے اس لشکر کو تاکید فرمائی کہ بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو نہ مارنا۔ ان کے درخت نہ کاٹنا۔ نہ ان کے گھر مسمار کرنا اور نہ ان لوگوں سے کوئی تعرض کرنا جو اپنی عبادت گاہوں میں گوشہ نشین ہیں۔

حضورؐ واپس تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کا جی بھر آیا اور ان کی زبان پر بے ساختہ ایک شعر آگیا جس کا ترجمہ ہے۔

"اس ذات پر آخری سلام کہ میں نے جن کو کھجور کے درختوں میں رخصت کیا' جو مشایعت کرنے والوں میں سب سے بہتر ہیں اور جو سب سے بہتر دوست ہیں۔"

شرحبیل بن عمرو غسانی کو مسلمانوں کی لشکر کشی کی خبر ملی تو اس نے زور شور سے مقابلے کی تیاری کی اور ساتھ ہی ہرقل سے مدد مانگ بھیجی جو اسی علاقے میں بلقا کے مقام پر ایک زبردست لشکر کے ساتھ موجود تھا' اس نے تقریباً ایک لاکھ رومی جنگجو شرحبیل کی مدد کے لیے بھیج دیئے۔ اسلامی لشکر نے حدودِ شام میں داخل ہو کر معان کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تو انہیں غنیم کی کثیر تعداد اور جنگی تیاریوں کا علم ہوا۔ بعض اصحابؓ نے رائے دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کی اطلاع دی جائے۔ اس موقع پر حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے للکار کر فرمایا:

"اے لوگو! تم کس بات سے گھبرا رہے ہو' تمہارا مطلوب و مقصود تو راہِ حق میں اپنی جانیں قربان کرنا ہے۔ مسلمان کبھی مادی قوت اور آدمیوں کی کثرت کے بل پر نہیں لڑتے وہ صرف دینِ حق کی خاطر لڑتے ہیں جس نے انہیں عزت بخشی ہے۔ آگے بڑھو اور دو کامیابیوں میں سے ایک حاصل کرو' شہادت یا فتح۔"

حضرت عبداللہؓ کی تقریر نے تمام مجاہدین کے دلوں میں شوقِ شہادت کے شعلے بھڑکا دیئے اور وہ موتہ پہنچ کر رومیوں کی مہیب طاغوتی قوت سے بھڑ گئے۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے عَلم سنبھالا' وہ بھی نوے زخم کھا کر خُلدِ بریں کو سدھارے تو حضورؐ کے ارشاد کے مطابق حضرت عبداللہؓ بن رواحہ لشکر کے قائد بنے۔ انہوں نے تین دن سے کوئی غذا نہ کھائی تھی۔ شہادت سے کچھ دیر پہلے ان کے سامنے گوشت رکھا گیا تاکہ کھا کر پوری قوت سے لڑنے کے قابل ہو سکیں۔ ابھی پہلا لقمہ ہی منہ میں رکھا تھا کہ حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر ملی۔ انہوں نے وہ لقمہ فوراً اگل دیا اور اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہا' جعفر دنیا سے کوچ کر گئے اور تو ابھی تک دُنیا میں مشغول ہے۔ پھر شمشیر بدست عَلم سنبھال کر یہ رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی

صفوں میں گھس گئے۔

"اے نفس اگر قتل نہ ہوگا تب بھی مرے گا کہ موت کا حمام گرم کر دیا گیا ہے اور جو تیری تمنا تھی وہ پوری ہو رہی ہے اگر تو نے ان (شہیدوں) جیسے کام کیے تو ہدایت پا گیا۔"

لڑتے لڑتے انگلی میں شدید زخم آیا جس سے وہ لٹک گئی' حضرت عبداللہؓ گھوڑے سے اتر پڑے اور پاؤں سے اس انگلی کو دبا کر ہاتھ کھینچا۔ اس طرح وہ جسم سے الگ ہو گئی۔ خون زیادہ نکل جانے کی وجہ سے سخت ناتوانی محسوس کی اور دل میں کچھ تردد سا پیدا ہوا کہ کیسے لڑوں لیکن یہ تردد فوراً ہی دور ہو گیا اور انہوں نے اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے نفس یہ تردد اگر بیوی کے لیے ہے تو اس کو طلاق' اگر غلاموں کی وجہ سے ہے تو وہ سب آزاد' اگر باغ اور زراعت کی وجہ سے ہے تو وہ سب اللہ کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں۔ اس کے بعد پھر مردانہ وار یہ رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔

"اے نفس میں تجھ کو قسم دیتا ہوں کہ تجھے میدان میں اترنا ہوگا خواہ خوشی سے اتر خواہ ناگواری سے۔

اگر لوگ جمع ہوتے اور رونے کی آواز بلند کی تو مجھے کیا ہوا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اے نفس تجھے جنت میں جانے سے کراہت ہے۔

تو نے اطمینان کا بہت طویل زمانہ گزارا ہے۔ تو وہی تو ہے جو رحم کے مشکیزے میں نجس پانی کا ایک قطرہ تھا۔"

دیر تک تلوار اور نیزے سے دادِ شجاعت دیتے رہے۔ اسی دوران میں دشمن کے کسی سپاہی نے برچھی کا ایسا سخت وار کیا کہ متحارب صفوں کے درمیان گر گئے۔ سینے سے خون کا فوارہ چھوٹا تو اس کو اپنے ہاتھوں سے چہرے پر ملا اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا: "مسلمانو! اپنے بھائی کے گوشت کو بچاؤ" یعنی دشمن میری لاش کو خراب نہ کرنے پائے چنانچہ مسلمانوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا اور کفار کو پیچھے دھکیل دیا۔ اسی اثنا میں ان کی روح روضۂ رضوان کو سدھار گئی۔

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی شہادت کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید امیرِ لشکر بنے۔ انہوں نے غازیانِ دین کو مجتمع کر کے ایسا بھرپور حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ جس وقت موتہ کے میدان میں مسلمان موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہے تھے سینکڑوں میل دور مدینہ منورہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبویؐ کے منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپؐ کی آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے۔

عَلَم لیا زیدؓ نے اور وہ شہید ہوئے۔ عَلَم لیا اب جعفرؓ نے اور وہ شہید ہوئے۔ عَلَم لیا اب عبداللہؓ بن رواحہ نے اور وہ بھی شہید ہوئے۔ اب عَلَم لیا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اور اس کو فتح دی گئی۔

طبقات میں ہے کہ جب حضرت زیدؓ، جعفرؓ اور عبداللہؓ بن رواحہ شہید ہوئے تو حضورؐ نے ان تینوں کے لیے فرداً فرداً نام لے کر مغفرت کی دعا کی۔

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ دربارِ رسالتؐ کے ان الاکین میں سے تھے جو حضورؐ پر فدا ہونے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے دلی انس تھا اور آپؐ ان پر بھرپور اعتماد فرماتے تھے۔ چنانچہ حضورؐ نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو کتابت کی خدمت تفویض فرمائی تھی جسے وہ نہایت حسن و خوبی سے انجام دیتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ دربارِ رسالتؐ کے تین مشہور شاعروں میں سے ایک تھے۔ استیعاب میں لکھا ہے کہ مشرکین کی ہجوگوئی کی خدمت انصار کے تین آدمیوں نے قبول کی یعنی حسانؓ بن ثابت، کعبؓ بن مالک اور عبداللہؓ بن رواحہ نے۔ لیکن ان تینوں بزرگوں کی ہجوگوئی کا موضوع مختلف تھا۔

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ مشرکوں پر کفر کا الزام لگاتے تھے اور اس بات پر ملامت کرتے تھے کہ وہ گمراہی میں مبتلا ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احزاب سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"آج کے بعد کفار کو تم سے لڑنے کی جرأت نہ ہوگی، لیکن وہ تمہاری ہجو کہیں گے تو مسلمانوں کی عزت کو تم میں کون محفوظ رکھے گا۔"

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے فوراً اٹھ کر عرض کی: "یا رسولؐ اللہ۔ میں۔" چنانچہ اس کے بعد کفار کی ہجوگوئی ان کا مخصوص مشغلہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ ان کی ہجوؤں سے کفار سخت پریشان ہوگئے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ عبداللہؓ بن رواحہ کے اشعار کفار پر تیر و نشتر کا کام کرتے ہیں۔

ہجوگوئی کے علاوہ ان کے متعدد نعتیہ اور رجزیہ اشعار بھی ملتے ہیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبداللہؓ کے اشعار اس قدر پسند تھے کہ آپؐ نے کئی موقعوں پر اپنی زبان مبارک سے ان کے بعض اشعار دہرائے۔

ایک دفعہ انہوں نے حضورؐ کے حکم پر مشرکین کی ہجو میں کچھ فی البدیہہ اشعار کہے تو آپؐ خنداں

ہو گئے اور حضرت عبداللہؓ کو دُعا دی کہ اللہ تم کو ثابت قدم رکھے۔

اپنی شاعرانہ صلاحیتوں اور جذبۂ مذوبیت کی بنا پر حضرت عبداللہؓ بن رواحہ "شاعرِ رسول اللہ" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

تاریخ میں حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کے صرف پچاس اشعار محفوظ رہ گئے ہیں جن میں سے بیشتر "سیرۃ ابنِ ہشام" میں ملتے ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی یہ کیفیت تھی کہ آپؐ کے جمالِ جہاں آرا کی زیارت سے کبھی طبیعت سیر نہیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ ایک شعر میں آپؐ سے مخاطب ہو کر اپنے دلی جذبات کا یوں اظہار کیا:

"یا رسولؐ اللہ اگر آپؐ میں کھلی ہوئی نشانیاں نہ بھی ہوتیں جب بھی آپؐ کا رُخِ انور خبرِ رسالت دینے اور آپؐ کو اللہ کا رسولِ برحقؐ ثابت کرنے کے لیے کافی تھا۔"

اطاعتِ رسولؐ میں اس قدر التزام تھا کہ لسانِ رسالتؐ سے جو کچھ سُنتے تھے اس کو حرزِ جان بنا لیتے تھے اور اس بات کو اپنا جزوِ ایمان سمجھتے تھے کہ کسی تامّل اور چون وچرا کے بغیر حضورؐ کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ ایک مرتبہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جذبۂ اطاعتِ رسولؐ کی تحسین فرمائی اور اس میں زیادتی کے لیے دُعا کی۔

عبادتِ الٰہی میں انہماک کا یہ عالم تھا کہ پنجگانہ نمازوں کے علاوہ نفلی نمازیں بھی بکثرت پڑھتے تھے۔ وہ نہایت عابد وزاہد اور مُرتاض تھے۔ ان کا معمول تھا کہ گھر سے نکلتے وقت اور واپس آتے وقت دو دو رکعت نماز ضرور پڑھتے تھے۔ عبداللہؓ بن رواحہ شدید سے شدید گرمی میں بھی روزہ ترک نہ کرتے تھے حتیٰ کہ سفر میں بھی صائم رہتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی سفر میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ سفر میں روزے کی یوں بھی رخصت ہوتی ہے لیکن اس سفر میں گرمی کی وہ شدّت تھی کہ روزہ رکھنے کا تصوّر بھی محال تھا۔ اس کے باوجود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ روزے سے تھے۔

حضرت عبداللہؓ کو ذکرِ الٰہی سے بھی بڑا شغف تھا اور مجالسِ وعظ وذکر میں بیٹھ کر ان کو بے انتہا روحانی لذت حاصل ہوتی تھی۔ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، رسولؐ اللہ کے صحابہؓ میں سے کسی سے ملتے تو ان سے کہتے آؤ تھوڑی دیر کے لیے اپنے ربّ پر ایمان لائیں۔ ایک دن یہی بات ایک صاحب سے کہی تو ان کو ناگوار گزری اور انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ یا رسولؐ اللہ ابنِ رواحہؓ کو دیکھئے کہ وہ ہمیں تھوڑی دیر کے لیے اپنے

رَبّ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا:

"اللہ ابنِ رواحہؓ پر رحم کرے بے شک وہ ایسی مجالس کو پسند کرتا ہے جن پر ملائکہ بھی فخر کرتے ہیں۔"

ایک مرتبہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے ایک دُوسرے صاحبِ رسولؐ سے کہا کہ آؤ تھوڑی دیر کے لیے ایمان لائیں۔ انہوں نے کہا "کیا ہم مومن نہیں ہیں؟"

حضرت عبداللہؓ نے فرمایا "بے شک ہم مومن ہیں، لیکن ہم اللہ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے ایمان میں زیادتی کا باعث ہوگا۔"

حضرت شریح بن عبیدؓ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کا ہاتھ پکڑ لیتے اور ان سے کہتے کہ آؤ تھوڑی دیر کے لیے ایمان تازہ کریں۔ پھر وہ ان کو ساتھ لے کر مجلسِ ذکر میں بیٹھ جاتے۔

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ پر خشیتِ الٰہی کا ہر وقت غلبہ رہتا تھا۔ وہ آخرت کے خوف سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ علیل تھے اور اپنی اہلیہ کی گود میں سر رکھے ہوئے تھے، یکایک ان پر گریہ طاری ہوگیا، ان کی اہلیہ بھی رونے لگیں۔ حضرت عبداللہؓ نے پوچھا تم کیوں روتی ہو؟ انہوں نے کہا، آپؓ کو روتے دیکھ کر مجھے بھی رونا آگیا، حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول یاد آگیا:

"تم میں سے کوئی نہیں بچے گا مگر جہنم پر سے اس کا گزر ضرور ہوگا۔ یہ بات تیرے رَبّ کے نزدیک ضروری اور فیصلہ شدہ ہے۔"

اب میں نہیں جانتا کہ میں اس سے نجات پا جاؤں گا یا نہیں۔

جب سورۃ الشعراء کی یہ آیت اُتری وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ (اور شاعروں کی راہ تو گمراہ لوگ چلا کرتے ہیں) تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، حسانؓ بن ثابت اور کعبؓ بن مالک خوفِ الٰہی سے لرز اٹھے۔ روتے ہوتے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ان سب نے عرض کیا:

"یا رسُولؐ اللہ جس وقت اللہ نے یہ آیت نازل کی تو اسے علم تھا کہ ہم سب شاعر ہیں۔"

حضورؐ نے انہیں تسکین دیتے ہوتے فرمایا کہ تم وہ لوگ ہو جن کے بارے میں اسی سورۃ میں فرمایا گیا ہے۔

جو لوگ ایمان لاتے اور نیک کام کیے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کیا اور انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے، بدلہ لے لیا۔

اس طرح سیدالمرسلینؐ نے ان پر واضح کر دیا کہ تم ان شعراء میں سے نہیں ہو جن کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔

حضورؐ کا ارشاد سُن کر ان اصحابؓ کو اطمینان ہو گیا اور وہ خوش خوش گھروں کو لوٹے۔

مشہور صحابی حضرت زیدؓ بن ارقم جو دُور کے رشتے سے ان کے بھتیجے ہوتے تھے کمسنی میں یتیم ہو گئے تھے حضرت عبداللہؓ نے ان کی پرورش کی تھی' غزوۂ موتہ میں ابن رواحہؓ کے ہمراہ تھے۔ ان سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ غزوۂ موتہ کے لیے روانہ ہوتے تو مجھے اپنے پیچھے کجاوہ میں بٹھا لیا تھا' ہم ساری رات سفر کرتے رہے اور میں نے سُنا کہ وہ بڑے درد اور سوز کے ساتھ اپنے یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔ جن کا ترجمہ ہے:

"اے میری اونٹنی جب تو نے مجھے میدانی علاقے سے چار دن کی مسافت کے فاصلے پر پہنچا دیا تو تُو نے اپنا فرض ادا کر دیا۔"

اے اللہ! تیری شان انعام کرنا ہے اور تُو ہر عیب سے پاک ہے۔ مجھ کو اپنے اہل و عیال میں واپس نہ لانا۔

اور مسلمان آ گئے اور مجھے سرزمین شام میں چھوڑ دیا جہاں میں ٹھہرنا چاہتا تھا۔ تجھ کو ہر قریبی نسب والے نے اللہ کی طرف جاتے ہوئے چھوڑ دیا اور بھائی بندی ختم کر دی۔

اس وقت میں تر اور خشک کھجوروں کے خوشے سے بے نیاز ہوں کہ اپنی سیرابی کے لیے اسے جھاڑوں۔"

میں یہ اشعار سُن کر رونے لگا۔ اس پر حضرت عبداللہؓ نے اپنا دُرّہ اٹھایا اور کہا کہ "اے بیوقوف تیرا کیا حرج ہے اگر اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب کرے اور تُو میرے خاندان میں میرے کجاوے کو واپس لے جاتے۔"

تمام اہلِ سِیر بیان کرتے ہیں کہ سیدالمرسلینؐ کو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ سے بڑی محبّت تھی اور آپؐ ان پر بیحد شفقت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوتے یہاں تک کہ غشی طاری ہو گئی۔ حضورؐ کو معلوم ہُوا تو آپؐ عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور ان کے پاس کھڑے ہو کر دُعا کی:

"الٰہی اگر ان کی موت آ گئی ہو تو آسان کر ورنہ شفا دے۔"

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کے اہل و عیال کی تفصیل نہیں ملتی۔ البتہ ابنِ اثیرؒ نے لکھا ہے کہ شہادت کے وقت ان کے بیوی بچے موجود تھے لیکن ان سے نسل نہیں چلی۔ حضرت عبداللہؓ سے چند احادیث بھی حضرت ابوہریرہؓ حضرت انسؓ بن مالک حضرت اسامہؓ بن زید حضرت عبداللہؓ بن عباس اور نعمانؓ بن بشیر کے واسطے مروی ہیں۔

Scanned By:
ATA-UL-MUSTAFA
0333-4585215

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا حضرت عبداللہؓ بن قیس جنہوں نے اپنی کنیت ابو موسیٰ سے شہرت پائی، قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔

ابو موسیٰ عبداللہؓ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عنبر بن بکر بن مذر بن وائل بن ناجیہ بن جماہر بن الاشعر بن اود بن زید بن یشحب۔

آپؓ یمن کے رہنے والے تھے اور اپنے قبیلے کے ذی اثر رؤسا میں سے تھے۔

حضرت ابو موسیٰؓ تجارت کے سلسلے میں مختلف ملکوں میں خوب گھومے پھرے تھے اور نئے لوگوں سے میل جول اور مختلف مذاہب کے مشاہدہ سے ان کا ذہنی اُفق وسیع ہو گیا تھا۔ مکہ سے اُٹھنے والی صدائے توحید ان کے کانوں تک پہنچی تو بلا تامل اس پر لبیک کہا اور پھر بسرعت تمام عازمِ مکہ ہو گئے۔ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہو کر بیعت کا شرف حاصل کیا اور بنو عبد شمس سے حلیفانہ تعلق قائم کر کے وطن کو مراجعت کی۔ وطن پہنچ کر انہوں نے بڑے جوش و خروش سے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی اور تھوڑے ہی عرصے میں بنو اشعر کی ایک معقول تعداد کو دائرۂ اسلام میں لے آئے۔ ان میں ان کی والدہ حضرت طیبہؓ بنتِ وہب بھی تھیں جو قبیلہ عک سے تعلق رکھتی تھیں۔ جب حضرت موسیٰ اشعریؓ کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما

کہ مدینہ تشریف لے گئے ہیں تو وہ اپنے پچاس سے زائد نومسلم رفقاء کے ساتھ ایک کشتی میں سوار ہو کر عازم مدینہ ہوتے۔ اتفاق سے ان کی کشتی شاہی کشتیوں کے ساتھ حبشہ پہنچ گئی۔ وہاں ان کی ملاقات مکہ کے مہاجرین سے ہوئی تو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے حضرت ابوموسیٰؓ کو مشورہ دیا کہ آپ لوگ بھی ہمارے ساتھ یہیں ٹھہر جائیں۔ جب مدینہ میں حالات سازگار ہوجائیں گے تو سب ایک ساتھ مدینۃ النبیؐ چلیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰؓ اپنے ساتھیوں سمیت حبشہ ہی میں ٹھہر گئے۔ اواخر ۶ ہجری میں مکہ کے مہاجرین کرام حبشہ سے عازم مدینے ہوتے تو حضرت ابوموسیٰؓ اور ان کے ساتھی بھی اس قافلے میں شریک ہو گئے۔ یہ تمام حضرات اس وقت بارگاہِ رسالتؐ میں پہنچے جب خیبر فتح ہو چکا تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر بہت مسرور ہوتے اور ہر ایک کو خیبر کے مالِ غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔

مدینہ منورہ آنے کے بعد حضرت ابوموسیٰؓ اپنے وقت کا بیشتر حصہ فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہونے سے گزارتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ سفر ہو یا حضر ہر وقت بارگاہِ نبویؐ میں حاضر رہیں۔ ایک مرتبہ پانچ رفقاء کے ساتھ ایک غزوہ میں حضورؐ کے ہمرکاب تھے ان چھ کے پاس صرف ایک اونٹ تھا۔ باری باری اس پر سوار ہوتے تھے۔ پیادہ پا چلتے چلتے سب کے پاؤں پھٹ گئے اور ناخن گر گئے تو سب نے پاؤں پر چیتھڑے لپیٹ لئے۔ ایک اور غزوہ میں فوج نے رات کو ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ یہ دشمن کا علاقہ تھا، حضرت ابوموسیٰؓ کو حضورؐ کی حفاظت کے خیال سے نیند نہ آتی تھی اُٹھ کر آپ کے خیمۂ مبارک میں گئے وہاں حضورؐ کو نہ پایا تو بے چین ہو گئے اور آپؐ کی تلاش میں نکلے۔ راستے میں ایک اور صحابیؓ کو اسی فکر میں سرگرداں پایا۔ دونوں آگے بڑھے، اتنے میں حضورؐ واپس تشریف لاتے نظر پڑے۔ دونوں نے عرض کیا "یارسول اللہؐ ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان، یہ دشمن کا علاقہ ہے ہمیں ہر وقت آپؐ کی سلامتی کی فکر رہتی ہے اس لئے آپؐ کو جس وقت کوئی ضرورت پیش آتے تو کسی کو حکم دے دیا کریں وہ ساتھ ہو جایا کرے گا۔

رمضان ۸ھ میں حضرت ابوموسیٰؓ کو ان دس ہزار سرفروشوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جو فتح مکہ کے موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ اس کے بعد انہوں نے غزوہ حنین میں دادِ شجاعت دی پھر اپنے چچا حضرت ابو عامرؓ اشعری کی قیادت میں اوطاس میں جمع ہونے والے مشرکین کی سرکوبی کے لئے گئے۔ طوفان کی طرح اس طرف بڑھے اور دُرید بن الصمہ کو قتل کر کے اس کے لشکر کو عبرتناک شکست دی تاہم اثنائے جنگ میں ہوشم

کے ایک شخص کے تیر سے وہ خود بھی سخت زخمی ہو گئے. مجاہدین اسلام میں ابو عامرؓ کے بھتیجے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی موجود تھے. آپؓ چھوٹے قد کے دُبلے پتلے سے آدمی تھے. انہوں نے ابو عامرؓ کو مجروح ہو کر گرتے دیکھا تو دوڑ کر ان کے پاس گئے اور پوچھا، چچا جان آپ کو کس نے زخمی کیا؟ ابو عامرؓ نے اشارے سے بتایا تو وہ تیر چلانے والے حبشی پر باز کی طرح جھپٹے. وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ ان صاحب نے اس کا تعاقب کیا اور غیرت دلائی کہ اس طرح بھاگنا بزدلوں کا کام ہے. وہ تاؤ کھا کر رُک گیا اور تلوار نکال کر مقابلہ کرنے لگا. حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس کو چند لمحوں میں خاک و خون میں لوٹا دیا اور واپس آکر حضرت ابو عامرؓ کو خوشخبری سنائی کہ چچا جان اللہ نے آپ کے دشمن کو ہلاک کر ڈالا. حضرت ابو عامرؓ نے فرمایا، میرے زانو سے تیر نکالو، انہوں نے تیر باہر کھینچا تو خون کا فوارہ چھوٹ پڑا اور حضرت ابو عامرؓ کی حالت سخت نازک ہو گئی. دمِ نزع انہوں نے سعادت مند بھتیجے کو اپنا جانشین بنایا اور انہیں وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا اسلام عرض کرنا اور میرے لئے دعائے مغفرت کی درخواست کرنا. اس کے بعد انہوں نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی.

حضرت ابو عامرؓ کے بھتیجے نے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہو کر لڑائی کے تمام واقعات عرض کئے اور ساتھ ہی حضرت ابو عامرؓ کی وصیت بیان کی.

"اے اللہ عبید بن سلیم (ابو عامر) کو بخش دے اور اس کو جنت میں بہت سی مخلوق پر برتری عطا کر."

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت وضو فرمایا اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی:
حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ میرے لئے بھی دُعا کریں. حضورؐ نے پھر دُعا کی:

"الہٰی عبد اللہ بن قیس کی خطائیں بخش دے اور قیامت کے دن (جنت میں) اس کو باعزت داخلہ سے شرفیاب کر."

۹ ہجری میں غزوہ تبوک کی تیاری شروع ہوئی تو حضرت ابو موسیٰؓ کے رفقاء نے ان کو بارگاہ نبوتؐ میں اس غرض سے بھیجا کہ کچھ سواریاں حاصل کریں. اتفاق سے اس وقت حضورؐ کے پاس سواریوں کا انتظام نہ تھا. حضرت ابو موسیٰؓ نے سواریوں کے لئے عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا "کوئی سواری نہیں ہے."

حضرت ابو موسیٰؓ دل شکستگی کے عالم میں واپس آئے اور اپنے ساتھیوں کو حضورؐ کے جواب

سے آگاہ کیا۔ ان کو زیادہ غم اس بات کا تھا کہ معلوم نہیں حضورؐ ان سے کیوں ناراض ہیں لیکن ابھی وہ بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت بلالؓ پکارتے ہوئے آئے: "عبداللہؓ بن قیس چلو تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد فرمایا ہے۔"

حضرت ابو موسیٰؓ فوراً حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔ حضورؐ نے انہیں دو اونٹ مرحمت فرمائے۔ وہ انہیں لے کر اپنے اہل قبیلہ کے پاس آئے اور ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا: "شاید تم سوچو کہ پہلے میں نے تم سے جو کچھ کہا تھا وہ بہانہ سازی تھی۔ خدا کی قسم ایسا نہیں، تم میرے ساتھ چند آدمی کسی ایسے شخص کے پاس بھیجو جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سُنا تھا۔"

اہل قبیلہ نے کہا "خدا کی قسم ہم آپ کو سچا سمجھتے ہیں تاہم آپ اپنی بات کی تصدیق ضرور کرانا چاہتے ہیں تو آپ کی مرضی۔" چنانچہ حضرت موسیٰؓ اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر گئے اور حضورؐ کا ارشاد سُننے والے اصحابؓ سے واقعہ کی تصدیق کرائی۔

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ایک دن بنو اشعر کے دو صحابی حضرت ابو موسیٰؓ کو ساتھ لے کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے درخواست کی کہ انہیں کسی عہدے پر فائز کیا جائے۔ حضورؐ اس وقت مسواک فرما رہے تھے۔ آپؐ نے ان کی درخواست سُنی تو مسواک چھوڑ دی اور حضرت ابو موسیٰؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا " ابو موسیٰ ابو موسیٰ؟"

انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میرے ساتھی کسی عہدہ کے خواہش مند ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا: "جو کسی عہدہ کی خواہش کرے گا میں اس کو اس عہدے پر ہرگز مامور نہ کروں گا لیکن ابو موسیٰؓ تم یمن جاؤ میں تم کو وہاں کا عامل مقرر کرتا ہوں۔"

بعض روایتوں میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت ابو موسیٰؓ کو یمن کے ضلع مارب کا حاکم مقرر فرمایا۔ تعلیم قرآن اور تحصیل زکوٰۃ ان کے خاص فرائض تھے۔ یمن کے دوسرے حصوں پر حضورؐ نے حضرت معاذؓ بن جبل انصاری کو حاکم بنایا اور دونوں کو رخصت کرتے وقت نصیحت کی کہ اپنے علاقے کے لوگوں پر سختی نہ کرنا۔ ایذا دینا۔ ان کے ساتھ نرم رکھنا تاکہ وہ خوش رہیں اور تم سے نفرت نہ کرنے لگیں اور باہم میل جول سے رہنا۔

اس موقعہ پر حضرت ابو موسیٰؓ نے حضورؐ سے پوچھا یا رسول اللہؐ ہمارے ملک میں دو قسم کی شراب

بنائی جاتی ہے، ایک جَو سے جسے مزر کہتے ہیں اور دوسری شہد سے جس کو تبع کہتے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے۔

حضورؐ نے فرمایا "ہر وہ شے جو نشہ لاتے حرام ہے"

حضرت ابوموسیٰؓ اور حضرت معاذؓ بن جبل یمن پہنچ کر اپنے فرائض نہایت حُسن و خوبی سے انجام دینے لگے۔ چند ماہ بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے مکہ معظمہ تشریف لائے تو حضرت ابوموسیٰؓ بھی یمن سے مکہ آئے۔ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے پوچھا "عبداللہؓ بن قیس کیا تم حج کے ارادے سے آئے ہو؟"

اُنھوں نے عرض کیا "ہاں یارسُولُ اللہ"

حضورؐ نے فرمایا "نیت کیا تھی؟"

عرض کیا "میں نے دل میں کہا تھا کہ جو رسُولُ اللہ کی نیت ہے وہی میری نیت ہے"

حضورؐ نے پوچھا "کیا قربانی کے جانور اپنے ساتھ لاتے ہو؟"

عرض کیا "نہیں"

ارشاد ہُوا کہ تم طواف اور سعی کر کے احرام کھول دو۔

حضرت ابوموسیٰؓ نے تعمیلِ ارشاد کی اور پھر اپنے عہدے پر واپس یمن آگئے۔

تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ نبوت کے ایک جھوٹے مدعی اسود عنسی نے سارے ملک میں شورش برپا کر دی۔ اس شورش نے اس قدر زور باندھا کہ حضرت معاذؓ بن جبل مجبوراً اپنے مرکزِ حکومت جند سے نکل کر حضرت ابوموسیٰؓ کے پاس مارب آگئے۔ جب مارب بھی باغیوں کے حملوں کی زد میں آگیا تو دونوں حضر موت کی طرف چلے گئے۔ اسود عنسی جلد ہی حضرت فیروز دیلمیؓ اور ان کے رفقاء کے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔ اس کے قتل کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ یہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام تھے۔ حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو فتنۂ ارتداد کی آگ سارے عرب میں بڑی شدت سے بھڑک اُٹھی۔ صدیقِ اکبرؓ نے اس فتنہ کا مقابلہ کمال درجے کے عزم اور حوصلے سے کیا اور چند ماہ کے اندر اندر اس کا استیصال کر دیا اس کے ساتھ ہی یمن اور دوسرے تمام علاقے از سرِ نو خلافتِ اسلامیہ کے زیرِ تسلط آگئے۔ حضرت ابوموسیٰؓ بھی حضر موت سے اپنے عہدے پر واپس آگئے اور خلافتِ فاروقیؓ کی ابتدا تک اپنے فرائض نہایت احسن طریقے سے انجام دیتے رہے۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو عراق عرب کی تسخیر پر مامور فرمایا تو حضرت ابو موسیٰؓ کو بھی شوقِ جہاد نے بے چین کر دیا۔ انہوں نے اپنے عہدے سے استعفاد ے دیا اور ایک مجاہد کی حیثیت سے حضرت سعدؓ کے لشکر میں جا شامل ہوتے۔

عراق عرب کے اکثر حصوں کی تسخیر کے بعد حضرت سعدؓ نے ۱۷ ہجری میں الجزیرہ پر لشکر کشی کی تو حضرت ابو موسیٰؓ کو الجزیرہ کے شہر نصیبین کی تسخیر پر مامور کیا۔ وہ اس شہر پر پرچم اسلام بلند کر کے مظفر و منصور واپس آتے۔

اسی سال امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو معزول کر کے حضرت ابو موسیٰؓ کو ان کی جگہ بصرہ کا والی مقرر کیا۔ بصرہ میں اپنے فرائض سنبھالنے کے ساتھ ہی ان کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ ولایت بصرہ پر فائز ہونے کے تھوڑے عرصہ بعد حضرت ابو موسیٰؓ کو دربارِ خلافت سے حکم موصول ہوا کہ وہ خوزستان پر لشکر کشی کریں جہاں فارسیوں نے اہواز، مناذر، تستر اور کئی دوسرے مقامات پر مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے فوج جمع کی ہے۔ حضرت ابو موسیٰؓ یہ حکم موصول ہوتے ہی ایک فوج لے کر سب سے پہلے خوزستان کے سب سے بڑے شہر اہواز کی طرف بڑھے۔ اہواز کے حاکم نے ۱۶ ہجری میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی اطاعت قبول کر لی تھی اور ایک مختصر سی رقم ہر سال بطور خراج ادا کرنا منظور کر لیا تھا۔ بصرہ میں انقلاب حکومت کے بعد اس نے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا اور علانیہ سرکشی پر تل گیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے اہواز کی طرف پیش قدمی کی تو اہواز کے جاٹوں اور اُسادرہ نے ان کی شدید مزاحمت کی لیکن بالآخر شکست کھائی اور شہر فتح ہو گیا۔ اسلامی فوج نے ہزاروں جاٹوں اور اسادرہ کو غلام بنالیا چونکہ مفتوحہ علاقہ کی کھیتی باڑی جاٹوں کے ہاتھ میں تھی اور اسادرہ بڑے زمیندار تھے اس لئے کاشتکاری کا کام یکسر رُک گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت ابو موسیٰؓ کو لکھا کہ کاشتکاری تمہارے بس سے باہر ہے اس لئے غلاموں کو رہا کر دو اور ان سے زمین کا لگان وصول کرو۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے اس حکم کی تعمیل میں تمام غلام چھوڑ دیئے جو حسبِ سابق کھیتی باڑی میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت ابو موسیٰؓ نے مناذِر کا رُخ کیا جو اہواز کا نہایت اہم شہر تھا۔ ملک کی تمام سڑکیں یہاں آکر ملتی تھیں اور یہ کئی طرف سے دریاؤں اور نہروں سے گھرا ہوا تھا۔ اس کی فصیل اور دوسرے دفاعی انتظامات بھی نہایت مستحکم تھے۔ اہل شہر نے بڑی پامردی سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور کئی ماہ تک محصور رہ کر مزاحمت کرتے رہے۔ اثنائے محاصرہ میں اسلامی فوج کے ایک معزز افسر مہاجر بن زیادؓ شہید ہو گئے۔ قلعہ والوں نے ان کا سَر کاٹ کر برج کے کنگرہ

پر لٹکا دیا چونکہ محاصرہ کافی طول پکڑ گیا تھا اس لیئے حضرت ابو موسیٰؓ نے مہاجر بن زیادؓ کے بھائی ربیعؓ بن زیادہ کو یہاں چھوڑا اور خود سوس کی طرف بڑھے۔ اہل سوس نے بھی مقابلہ کی زبردست تیاری کر رکھی تھی تاہم انہوں نے کھلے میدان میں نکلنے کے بجائے قلعہ بند ہو جانا مناسب سمجھا۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے شہر کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی۔ اس اثنا میں حضرت ربیعؓ نے مناذر فتح کر لیا اور اپنی کچھ فوج حضرت ابو موسیٰؓ کی مدد کے لئے بھیج دی۔ سوس میں جلد ہی کھانے پینے کی اشیاء کا قحط پڑ گیا۔ مجبوراً حاکم شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سو آدمیوں کو جان کی امان دی جائے۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے یہ شرط منظور کر لی۔

حاکم شہر نے جن سو آدمیوں کو جان بخشی کے لئے نامزد کیا بدقسمتی سے اپنے آپ کو ان میں شامل کرنا بھول گیا۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰؓ نے اس کے نامزد کئے ہوئے آدمیوں کو چھوڑ دیا لیکن خود اسے قتل کرا دیا۔

سوس کی فتح کے بعد مسلمان شہر میں داخل ہوئے تو وہاں شاہی محل کے ایک کمرے میں ایک لاش پڑی پائی جو زر بفت میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس لاش کے پاس بہت سا زرو مال رکھا تھا اور ساتھ ہی اس مضمون کی ایک تحریر بھی کہ "اگر کسی کو روپیہ کی ضرورت ہو تو وہ ایک مقررہ مدت کے لئے اس مال میں سے قرض لے سکتا ہے اگر مقررہ مدت کے بعد قرض واپس نہیں کرے گا تو جذام (کوڑھ) میں مبتلا ہو جائے گا۔"

حضرت ابو موسیٰؓ نے لاش کے بارے میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حضرت دانیالؑ کی ہے۔ حضرت دانیالؑ سوس میں کیسے پہنچے؟ اس کے متعلق حضرت ابو موسیٰؓ کو بتایا گیا کہ حضرت دانیالؑ کے زمانے میں ایک مرتبہ اِمساکِ باراں کی وجہ سے سوس میں سخت قحط پڑ گیا اور لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ حضرت دانیالؑ اس وقت بابل میں تھے اور مشہور تھا کہ ان کی دُعا سے بارش ہوتی ہے چنانچہ اہل سوس کا ایک وفد بابل جا کر حضرت دانیالؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ وہ سوس تشریف لائیں لیکن وہاں کے حکام نے یہ شرط رکھی کہ اہل سوس اپنے پچاس آدمی بطور یرغمال بابل میں چھوڑ جائیں۔ تبھی وہ حضرت دانیالؑ کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ اہل سوس نے یہ شرط مان لی اور اپنے پچاس آدمی وہاں چھوڑ کر حضرت دانیالؑ کو اپنے ساتھ سوس لے آئے۔ ان کی دُعا سے خوب بارش ہوئی اور قحط دُور ہو گیا۔ ابھی وہ سوس ہی میں تھے کہ پیامِ اجل آپہنچا۔ ان کی وفات سے اہل سوس کو بہت صدمہ ہوا۔ انہوں نے ان کی لاش کو بڑے احترام سے مومیائی لگا کر محفوظ کر دیا اور پھر اسے زر بفت میں لپیٹ کر شاہی محل میں رکھ دیا۔

حضرت ابوموسیٰؓ نے اس لاش اور روپیہ کے بارے میں ساری تفصیل حضرت عمر فاروقؓ کو لکھ بھیجی۔ انہوں نے فرمان بھیجا کہ لاش کو کفناؤ اور خوشبو لگا کر نماز جنازہ پڑھو، پھر دفن کردو جس طرح دوسرے انبیاء دفن کئے گئے ہیں اور روپیہ کو بیت المال میں جمع کر دو۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے اسی کے مطابق عمل کیا۔ اس کے بعد انہوں نے رامہرمز کے پہاڑی شہر کی طرف ایک فوج بھیجی جس نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر محاصرہ کی تاب نہ لا سکے اور آٹھ لاکھ درہم سالانہ خراج دینا منظور کر کے مطیع ہو گئے۔

جس زمانے میں اہواز، مناذر، سوس اور رامہرمز فتح ہوتے، یزدجرد شہنشاہ ایران اصطخر میں مقیم تھا۔ اس کو مسلمانوں کی فتوحات کی خبریں پہنچیں تو اس نے اپنے ایک نامور سردار ہرمزان کو ایک زبردست لشکر دے کر مسلمانوں کو خوزستان سے نکالنے کے لئے روانہ کیا۔ وہ خود یزدجرد کی خدمت میں حاضر ہوا اور اہواز و فارس کی حکومت کے عوض یہ ذمہ لیا کہ وہ مسلمانوں کے سیلاب کو روک دے گا۔ یزدجرد نے اس کی بات منظور کر لی اور وہ ایک لشکر گراں اور بے شمار زر و مال اپنے ساتھ لے کر خوزستان کے صدر مقام تستر پہنچ گیا۔ یہاں اس نے بہت سے کرد اور فارسی بھی اپنی فوج میں شامل کر لئے یہاں تک کہ اس کے لشکر کی مجموعی تعداد ساٹھ ہزار سے متجاوز ہو گئی۔ فوج کی فراہمی کے ساتھ ہرمزان نے شہر اور قلعہ کے دفاعی استحکامات کو بھی ناقابل تسخیر بنانے کے لئے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ "اخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ تستر کی شہر پناہ بہت بلند اور محفوظ تھی۔ دریائے دُجیل اور دوسری قدرتی رکاوٹوں نے اس کو بہت محفوظ بنا دیا تھا۔ ہرمزان نے اس کی مرمت کرائی اور کھانے پینے کے سامان اور گھوڑوں کے چارے کا کافی ذخیرہ کر لیا۔

دوسری طرف حضرت ابوموسیٰؓ کے پاس اس وقت صرف دس ہزار مجاہدین تھے۔ انہیں ہرمزان کی جنگی تیاریوں اور تستر کے دفاع کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے فوراً دربارِ خلافت کو خط بھیج کر مدد طلب کی۔ ان کا خط ملتے ہی حضرت عمر فاروقؓ نے کوفہ کے گورنر حضرت عمار بن یاسرؓ اور حلوان کے عامل حضرت جریرؓ بن عبداللہ بجلی کو فرمان بھیجے کہ فوراً ابوموسیٰؓ کی مدد کو پہنچو۔ اس کے بعد فوج بیس ہزار ہو گئی۔ اب انہوں نے تستر کا رخ کیا اور شہر کے قریب پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے ہرمزان کو اپنی فوج اور ساز و سامان پر بڑا ناز تھا اس لئے وہ شہر سے باہر نکل کر اسلامی لشکر پر حملہ آور ہوا، حضرت ابوموسیٰؓ نے بڑے عمدہ انداز سے اپنی فوج کی صف بندی کی۔ حضرت انسؓ بن مالک کو رسالے کا افسر بنایا، میمنہ کی قیادت حضرت براءؓ بن مالک اور میسرہ کی حضرت براءؓ بن عازب کے سپرد کی۔ دونوں فوجوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت براءؓ بن مالک اللہ کے بھڑتے

شہر کے دروازے تک پہنچ گئے۔ یہاں ان کا سامنا ہرمزان سے ہوا۔ براءؓ اور ان کے ایک ساتھی مجزاۃ بن ثور نے ہرمزان کے ہاتھوں جام شہادت پیا تاہم لڑائی میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ ایک ہزار ایرانی مارے گئے اور چھ سو مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔ اب ہرمزان نے شہر کے اندر جا کر دروازے بند کر لینے ہی میں اپنی خیریت سمجھی۔ چنانچہ وہ قلعہ بند ہو گیا اور مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جن دنوں سوس کا محاصرہ جاری تھا۔ یزدجرد نے ایک فوج اہل سوس کی مدد کے لئے اصطخر سے روانہ کی تھی۔ اس فوج میں شاہی خاندان کے بیسیوں افسر تھے یہ فوج ابھی راستہ ہی میں تھی کہ سوس اور پھر رامہرمز کو مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ شاہی امدادی فوج نے سوس اور رامہرمز کے سقوط کی خبر سنی تو اس کے حوصلے پست ہو گئے اور اس کے اعلیٰ فوجی افسروں نے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا فیصلہ کر لیا چنانچہ انہوں نے دس آدمیوں کا ایک وفد حضرت ابوموسیٰؓ کے پاس بھیجا جو اس وقت تستر کا محاصرہ کئے ہوتے تھے۔ وفد کے قائد شیرویہ اسواری نے حضرت ابوموسیٰؓ سے کہا کہ اگر آپ ہماری یہ چھ شرطیں قبول کر لیں تو ہم اسلام لانے کے لئے تیار ہیں:

۱۔ ہم مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں میں غیر جانبدار رہیں گے۔

۲۔ ہم مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایرانیوں سے لڑیں گے اور ہم پر کسی عرب نے حملہ کیا تو آپ ہماری مدد کریں گے۔

۳۔ ہم کو کسی بھی جگہ آباد ہونے کی آزادی ہوگی۔

۴۔ ہم جس قبیلے سے چاہیں گے حلیفانہ تعلق قائم کر سکیں گے۔

۵۔ ہم کو ممتاز درجہ کا وظیفہ دیا جاتے گا۔

۶۔ مسلمانوں کا خلیفہ اس عہدنامے پر خود دستخط کرے گا۔

حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا، یہ شرطیں غیر معمولی ہیں۔ تم کسی شرط کے بغیر اسلام قبول کر لو تو تمہارے حقوق و فرائض دوسرے مسلمانوں کے برابر ہوں گے۔ وفد اس پر رضامند نہ ہوا۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے سارا واقعہ حضرت عمر فاروقؓ کو لکھ بھیجا، ان کا جواب آیا کہ ایرانیوں کی تمام شرطیں بلا تاخیر منظور کر لو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور تمام ایرانی شاہی فوجی افسر مشرف بہ اسلام ہو گئے اور تستر کے محاصرے میں مسلمانوں کے دوش بدوش لڑنے لگے۔ تاہم ان کے انداز جنگ میں کوئی جوش اور ولولہ نظر نہیں آتا تھا۔ ایک دن حضرت ابوموسیٰؓ نے ان کے سردار سیاہ سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے تم لوگوں نے صدق دل سے اسلام قبول نہیں کیا۔ اسی لئے تم بیدلی سے لڑتے ہو۔

سیاہ نے کہا " اے امیر ہم ابھی تازہ تازہ مسلمان ہوتے ہیں اس لئے ہمارے دلوں میں وہ دینی جوش اور جذبہ نہیں ہے جو قدیم مسلمانوں کے سینوں میں ہے پھر یہ سبب بھی ہے کہ آپؓ نے ہمیں ابھی تک ممتاز درجہ کا وظیفہ نہیں دیا۔"

حضرت ابو موسیٰؓ نے اس معاملہ میں مرکز کی طرف رجوع کیا تو وہاں سے فرمان آیا:

" اگر یہ ایرانی فوجی افسر اپنی شجاعت اور جنگی کارکردگی کی بنا پر سب سے اونچے وظیفے کے مستحق ہیں تو ان کو ضرور اونچے سے اونچا وظیفہ دو جو کسی عرب کو دیا گیا ہو۔"

اس فرمان کے مطابق حضرت ابو موسیٰؓ نے چھ اعلیٰ افسروں کو سب سے اونچا وظیفہ دیا جس کی مقدار دو ہزار پانچ سو درہم سالانہ تھی اور سو افسروں کو درجہ اوّل کا وظیفہ دیا جس کی مقدار دو ہزار درہم سالانہ تھی۔

چند دن بعد ان افسروں کے سردار سیاہ نے تستر کا وہ خفیہ راستہ مسلمانوں کو بتادیا جو دریا کی طرف کھلتا تھا۔ مسلمانوں کے سو منتخب سرفروش اس راستے سے شہر میں داخل ہو گئے اور پہریداروں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے۔ اُدھر حضرت ابو موسیٰؓ فوج کے ساتھ موجود تھے۔ دروازے کھلتے ہی سارا لشکر شہر میں داخل ہو گیا اور ہر طرف ہلچل پڑ گئی۔ ہرمزان نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی اور اس شرط پر اپنے آپ کو مسلمانوں کے سپرد کر دینے پر آمادگی ظاہر کی کہ اس کو بحفاظت مدینہ پہنچا دیا جائے اور جو کچھ فیصلہ ہو خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ سے ہو۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے یہ شرط منظور کر لی اور ہرمزان کو ایک فوجی دستے کی حفاظت میں مدینہ بھیج دیا۔

ہرمزان نے جنگ قادسیہ کے بعد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے ساتھ کئی دفعہ معاہدہ صلح کیا تھا اور ہمیشہ اس کو توڑ دیا تھا۔ معرکہ تستر میں اس نے حضرت براءؓ بن مالک اور مجزاؓ بن ثور کو شہید کیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو ان باتوں کا اس قدر رنج تھا کہ انہوں نے ہرمزان کے لئے موت کی سزا تجویز کی تھی لیکن ہرمزان بہت چالاک نکلا اور عجیب حیلے سے اپنی جان بچالی۔ ہرمزان نے پینے کے لئے پانی مانگا اور پیالہ ہاتھ میں لے کر حضرت عمرؓ سے وعدہ لیا کہ جب تک وہ پانی نہیں پی لے گا قتل نہیں کیا جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا کہ میں پانی نہیں پیوں گا اور اپنے عہد کے مطابق آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اس کی حیلہ سازی پر بڑی حیرت ہوئی لیکن ہرمزان نے یکایک کلمۂ توحید پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور کہا کہ میں پہلے ہی حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا۔ لیکن یہ حیلہ اس لئے کیا کہ لوگ یہ نہ کہیں ہرمزان نے تلوار کے

ڈر سے اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد ہرمزان نے حضرت عمرؓ کی اجازت سے مدینہ منورہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ امیر المومنین نے اس کے مصارف کے لئے دو ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔

تستر کی تسخیر کے بعد حضرت ابو موسیٰؓ جندی سابور کی طرف بڑھے جو تستر سے ۴۲ میل کے فاصلے پر ہے۔ اہل شہر نے فصیل کے دروازے بند کر لئے اور محصور ہو کر بیٹھ گئے۔ چند دن کے بعد انہوں نے یکایک تمام دروازے کھول دیئے اور اطمینان سے اپنے کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر بڑی حیرت ہوئی۔ سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امان دے چکے ہو۔ اس لئے اب ہم تمہاری طرف سے بے خوف ہو گئے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ایک غلام نے درپردہ جندی سابور کے لوگوں کو امان کا رقعہ لکھ دیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک غلام کا امان نامہ ہمارے لئے حجت نہیں بن سکتا۔ اہل شہر نے کہا کہ ہم نے تو ایک مسلمان کی تحریر پر بھروسہ کیا ہمیں آزاد اور غلام کی کیا خبر؟

بالآخر حضرت ابو موسیٰؓ نے اس معاملہ میں دربار خلافت سے استصواب کیا تو وہاں سے فرمان آیا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جس کو اس نے امان دے دی، سب مسلمانوں کی طرف سے اس کو امان مل گئی۔

جندی سابور کی فتح سے سارے خوزستان کی تسخیر مکمل ہو گئی اور حضرت ابو موسیٰؓ نے مظفر و منصور اپنے مرکزِ حکومت بصرہ کو مراجعت کی۔

حضرت ابو موسیٰؓ نے بصرہ کا نظم حکومت جس حسن و خوبی سے چلایا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ وہ ایک مجاہد اور فاتح ہی نہیں بلکہ بہترین منتظم بھی ہیں۔ چند سال پہلے حضرت عتبہؓ بن غزوان نے بصرہ کی بنیاد ڈالی تھی تو لوگوں نے نرکل کے مکانات بنا لئے تھے جن کے گھنے جنگل بصرہ کے نواح میں موجود تھے۔ حضرت ابو موسیٰؓ بصرہ کے والی مقرر ہو کر آئے تو انہوں نے محسوس کیا کہ نرکل کے مکانات بہت غیر محفوظ ہیں کیونکہ ان میں بار بار آگ لگ جاتی ہے چنانچہ انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو خط لکھا کہ لوگوں کو اینٹ گارے اور چونے کے مکانات بنانے کی اجازت دی جاتے۔ امیر المومنین نے اس شرط پر پختہ مکانات کی اجازت دے دی کہ ان کی چھتیں نیچی رکھی جائیں اور دیواریں چوڑی ہوں۔

انتظامی امور میں حضرت ابو موسیٰؓ کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو وہ حضرت عمر فاروقؓ کی طرف رجوع کرتے اور پھر وہ جو ہدایات بھیجتے ان کے مطابق عمل کرتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے بنو تمیم کے ایک شخص کو شراب نوشی کے جرم میں کوڑے لگواتے، پھر اس کا سر منڈوا کر اور

مُنہ کالا کر کے سڑکوں پر گشت کرایا اور منادی کرادی کہ کوئی اس کے ساتھ نہ کھائے پیئے اور نہ اُٹھے بیٹھے۔ اس شخص نے دربارِ خلافت میں اپنی رسوائی کی شکایت کی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس شخص کو کپڑے اور دو سو درہم عطا کئے اور حضرت ابو موسیٰؓ کو لکھا کہ ایسے جُرم میں کسی کو بیس کوڑوں سے زیادہ نہ مارو، سَر منڈوانے اور مُنہ کالا کرنے کی سزا کسی کو ہرگز نہ دو اور میرا خط پاکر لوگوں سے کہو کہ اس شخص کے ساتھ اُٹھیں بیٹھیں، اس سے ملیں جلیں اور وہ توبہ کرے تو اس کی شہادت قبول کریں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ کو اس بات کا پابند کر دیا تھا کہ وہ سال میں ایک دن ایسا مقرر کریں جب خزانہ میں ایک درہم تک نہ رہے اور وہاں جھاڑو پھیر دی جاتے تاکہ ہر حق دار کا حق ادا ہو جاتے۔ حضرت ابو موسیٰؓ اسی کے مطابق عمل کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ اور دوسرے گورنروں کو اس مضمون کا خط بھیجا۔

"مجھے ان سب لوگوں کی فہرست بھیجو جن کو قرآن حفظ یاد ہے کہ میں ان کا امتیازی وظیفہ (۲۵۰ درہم سالانہ) مقرر کروں اور ان کو اسلامی قلمرو میں تعلیم دینے بھیجوں۔"

حضرت ابو موسیٰؓ نے بصرہ کے تین سو سے زائد حفاظِ قرآن کی فہرست حضرت عمر فاروقؓ کو بھیجی۔ اسی زمانے میں حضرت ابو موسیٰؓ نے حفاظِ قرآن کو ایک جگہ جمع کیا، اس جلسے میں لگ بھگ تین سو حفاظ شریک تھے حضرت ابو موسیٰؓ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"بلاشبہ قرآنِ حکیم آپ کے حق میں باعثِ اجر اور آپ کے خلاف باعثِ سزا ہونے والا ہے۔ پس قرآن کا اتباع کریں اور قرآن کو اپنی خواہشات کا آلۂ کار نہ بنائیں۔ کیونکہ جو قرآن کو اپنا راہ نما بناتے گا قرآن اس کو جنت کے باغوں میں لا اُتارے گا اور جو قرآن کو خواہشاتِ نفس کا آلہ بناتے گا قرآن اس کو جہنم میں دھکیل دے گا۔"

۲۱ ہجری میں ایرانیوں نے مسلمانوں کے خلاف پھر بڑے زور و شور سے لڑائی کی تیاری کی۔ یزدجرد نے ایک نامی جرنیل مردان شاہ کو ڈیڑھ لاکھ فوج دے کر نہاوند کی طرف روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ ایک مسلمان بھی ایران کی سرزمین پر باقی نہ رہنے دے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو ان حالات کا علم ہُوا تو انہوں نے حضرت نعمانؓ بن مقرن کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ایرانیوں کے مقابلے کے لئے روانہ کیا اور ساتھ ہی حضرت ابو موسیٰؓ کو حکم بھیجا کہ وہ حضرت نعمانؓ کی مدد کو پہنچیں۔ حضرت ابو موسیٰؓ بصرہ سے ایک مضبوط فوج لے کر نہاوند پہنچ گئے۔ اور پہلے حضرت نعمانؓ کی قیادت

میں اور ان کی شہادت کے بعد حضرت حذیفہؓ بن الیمان کی قیادت میں ایرانیوں کے خلاف سربکف ہو کر لڑے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ اس کے بعد حضرت ابو موسیٰؓ اپنی فوج کے ساتھ بصرہ واپس آ گئے۔

خوزستان کی فتح کے بعد اہل بصرہ کی خواہش تھی کہ رامہرمز، اسپندان اور کچھ دوسرے مفتوحہ علاقے صوبہ بصرہ سے ملحق کر دیئے جائیں کیونکہ اس صوبہ کی آبادی بہت بڑھ گئی تھی لیکن اہل کوفہ ان علاقوں کے بصرہ سے الحاق کے سخت خلاف تھے۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے ان علاقوں کے بصرہ سے الحاق کے لئے دربارِ خلافت میں تحریک کی تو اہل کوفہ نے اپنے گورنر حضرت عمارؓ بن یاسرؓ پر زور دیا کہ وہ ان علاقوں کو کوفہ سے ملحق کرانے کی کوشش کریں۔ لیکن حضرت عمارؓ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانبداری اختیار کی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مفتوحہ علاقے صوبہ بصرہ میں شامل کر دیئے گئے۔

حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کے غیر جانبدارانہ رویہ سے اہلِ کوفہ ان سے ناراض ہو گئے اور انہوں نے ان کے خلاف شکایتوں کا طومار باندھ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں معزول کر دیا اور اہلِ کوفہ کی خواہش پر حضرت ابو موسیٰؓ کو بصرہ سے تبدیل کر کے کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ یہ ۲۳ھ کا واقعہ ہے۔ اہلِ کوفہ نے حضرت ابو موسیٰؓ کو اپنا امیر بنانے کی درخواست محض اس بنا پر کی تھی کہ انہوں نے اپنے صوبے (بصرہ) کے لوگوں کی پر زور حمایت کی تھی اور مفتوحہ علاقوں کو بصرہ میں شامل کرنے کے مطالبہ کو دربارِ خلافت سے منظور کرانے کا باعث ہوئے تھے لیکن حضرت ابو موسیٰؓ کو کوفہ میں زیادہ عرصہ قیام کرنے کا موقع نہ ملا اور اگلے سال ۲۲ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں کوفہ سے پھر بصرہ تبدیل کر دیا۔ بصرہ کے زمانۂ امارت میں ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰؓ کے خلاف کچھ شکایتیں دربارِ خلافت میں پہنچیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ کو مدینہ منورہ طلب کر کے تمام شکایتوں کی تحقیق کی تو ان میں سے بیشتر بے بنیاد ثابت ہوئیں البتہ ایک آدھ میں وہ بے احتیاطی کے مرتکب پائے گئے جس کے لئے حضرت عمرؓ نے انہیں معمولی فہمائش کی اور پھر باعزت بصرہ واپس بھیج دیا۔

۲۲ ہجری میں حضرت ابو موسیٰؓ نے اصفہان پر یلغار کی اور اس کو فتح کر کے واپس آ گئے۔ (اس کے بعد وہ بصرہ سے کوفہ تبدیل کر دیئے گئے)۔

امارتِ بصرہ کے زمانے میں حضرت ابو موسیٰؓ کا ایک بڑا کارنامہ دریائے دجلہ سے اہلِ بصرہ کو پانی کی بہم رسانی کا ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے ایما پر دریائے دجلہ کی ایک شاخ سے بصرہ شہر تک ایک چھ میل لمبی نہر کھدوائی۔ اس طرح بصرہ میں قلتِ آب

کی دیرینہ شکایت ہمیشہ کے لئے دُور ہو گئی۔ یہ نہر اب تک "نہر ابی موسیٰ" کے نام سے مشہور ہے۔
محرم ۲۴ ہجری کے آغاز میں سیدنا حضرت عمر فاروقؓ جامِ شہادت پی کر عازمِ خلد بریں ہوئے اور سیدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ انہوں نے بھی حضرت ابو موسیٰؓ کو بصرہ کے منصبِ امارت پر برقرار رکھا لیکن ۲۹ ہجری میں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا جو ان کی معزولی پر منتج ہوا۔ واقعہ یہ تھا کہ اس سال کردوں نے حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے مسجد میں ان کے خلاف خطبہ دیا جس میں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کئے۔ ان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ جن لوگوں کے پاس گھوڑے موجود ہوں وہ بھی ضرور پیادہ پا چلیں۔ لیکن ان کے بعض مخالفین نے ان کے وعظ کو غلط رنگ دے دیا اور کہا کہ ہم دیکھیں گے، امیر بھی پیادہ پا چلتے ہیں یا نہیں۔ دوسرے دن حضرت ابو موسیٰؓ گھوڑے پر سوار ہو کر دارالامارت سے برآمد ہوئے تو ان لوگوں نے ان کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا کہ آپؓ لوگوں کو تو پیادہ پا چلنے کی تلقین کرتے ہیں اور خود گھوڑے پر سوار ہو کر جہاد کے لئے چلتے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے ان کو بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانے اور مدینہ پہنچ کر امیر المؤمنینؓ سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے ان کو معزول کر کے ایک نوجوان صحابی حضرت عبداللہؓ بن عامر کو بصرہ کا گورنر مقرر کر دیا۔
۳۴ ہجری میں اہلِ کوفہ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ سے درخواست کی کہ حضرت سعیدؓ بن العاص کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو کوفہ کا گورنر بنایا جائے۔ امیر المؤمنینؓ نے ان کی بات مان لی اور حضرت سعیدؓ کو امارت سے سبکدوش کر کے حضرت ابو موسیٰؓ کو کوفہ کا امیر بنا دیا۔
۳۵ ہجری میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی المناک شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ مسندِ نشین خلافت ہوئے تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عثمان غنیؓ کے قصاص اور اصلاح کا علم بلند کر کے بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ حضرت علیؓ ان کے مقابلہ کے لئے مقام ذی قار میں آئے اور وہاں سے حضرت حسنؓ کو حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو اپنی حمایت پر آمادہ کریں۔ ادھر حضرت ابو موسیٰؓ مسلمانوں کو ہر قیمت پر خانہ جنگی سے بچانا چاہتے تھے۔ حضرت حسنؓ کوفہ پہنچے تو حضرت ابو موسیٰؓ جامع مسجد میں ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ اے لوگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس فتنہ کی خبر دی تھی وہ نمودار ہو گیا ہے اس لئے اپنی تلواریں نیام میں کر لو، نیزوں کی سنانیں نکال دو، کمانوں کی تانیں توڑ دو اور گھروں کے تنگ تر گوشوں میں لگ کر بیٹھ رہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فتنہ فساد

کے زمانے میں سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔"
حضرت حسنؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ کی تقریر کو پسند نہ کیا اور ان سے کہا کہ آپؓ ہماری مسجد چھوڑ دیں اور جہاں جی چاہے تشریف لے جائیں۔ وہ نہایت خوشی کے ساتھ منبر سے اتر آئے اور شام کے کسی غیر معروف گاؤں میں جاکر عزلت گزیں ہو گئے۔ جنگِ جمل میں انہوں نے مطلق کوئی حصہ نہ لیا۔ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہؓ کے درمیان صفین کی معرکہ آرائیوں کا آغاز ہُوا تو بھی حضرت ابوموسیٰؓ نے اپنے گوشۂ خلوت کو نہ چھوڑا تا آنکہ انہیں ایک قاصد بھیج کر حکم کا فرض انجام دینے کے لئے دومۃ الجندل بلایا گیا۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ ۱۰ صفر ۳۷ ہجری کو صفین) کے معرکے میں شامی فوج نے یہ نعرہ لگاتے ہوئے نیزوں پر قرآن اٹھا لیا،
(یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے)
قرآن حکیم کو سامنے دیکھ کر حضرت علیؓ کے بہت سے لشکریوں نے اپنے ہاتھ روک لئے اور امیر المومنینؓ کو مجبور کیا کہ جنگ بند کر کے حضرت معاویہؓ سے تحکیم کا معاہدہ کر لیں چنانچہ امیر معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰؓ حَکَم مقرر ہوئے۔ یہ دونوں حَکَم ایک مقررہ تاریخ پر دومۃ الجندل میں اکٹھے ہوئے اور حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان طے شدہ معاہدے کی اس شق کے مطابق گفتگو کا آغاز کیا۔
"دونوں حَکَم جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں اس پر عمل کریں اور جو کچھ کتاب اللہ میں نہ پائیں اس کے بارے میں سنتِ عادلہ جامعہ غیر مُفرقہ پر عمل کریں۔"
ان دونوں بزرگوں کے درمیان گوشۂ خلوت میں گفتگو ہوئی۔ دوسرے دن یہ دونوں بزرگ مجمع عام میں آئے تو حضرت ابوموسیٰؓ نے اُٹھ کر اعلان کیا کہ "میں اور میرے یہ دوست (یعنی عمروؓ بن العاص) اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ ہم علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو الگ کر دیں اور لوگ باہمی صلاح و مشورہ سے اپنی پسند کا امیر منتخب کر لیں۔ لہٰذا میں علیؓ اور معاویہؓ کو معزول کرتا ہوں۔ اب لوگ اس معاملے کو خود اپنے ہاتھ میں لیں اور جسے اہل سمجھیں خلیفہ منتخب کر لیں۔"
حضرت ابوموسیٰؓ کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا:
"صاحبو! ابوموسیٰؓ نے جو کچھ کہا ہے وہ آپ لوگوں نے سُن لیا۔ علیؓ کو ان کی طرح میں بھی معزول کرتا ہوں لیکن معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں کیونکہ وہ عثمانؓ بن عفان کے ولی اور ان کے خون کے دعویدار اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔"
حضرت ابوموسیٰؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کی تقریر سے سخت اختلاف کیا اور فرمایا: "جو

باتیں تم نے کہی ہیں ان پر ہمارا اتفاق نہیں ہوا تھا بلکہ جو کچھ میں نے کہا ہم دونوں اسی پر متفق ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ کے بعض حامی صحابہؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ کے موقف کو کمزوری سے تعبیر کیا تو انہوں نے آزردہ ہو کر کہا "اب میں کیا کروں اس شخص نے مجھ سے ایک بات پر اتفاق کیا اور پھر اس سے دامن چھڑا لیا۔

اس واقعہ سے حضرت ابو موسیٰؓ کی طبیعت سخت مکدر ہو گئی اور وہ دل شکستگی کے عالم میں مکہ معظمہ چلے گئے اور جب تک حیات رہے ملکی معاملات سے یکسر کنارہ کش رہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ذی الحجہ ۴۴ ہجری میں کچھ عرصہ علیل رہ کر وفات پائی اس وقت ۶۱ برس کی عمر تھی۔ انہوں نے وفات سے پہلے وصیت کی کہ میرا جنازہ جلد جلد لیکر چلنا۔ میت اور لحد کے درمیان مٹی روکنے والی کوئی چیز نہ رکھنا، قبر پر کوئی عمارت نہ بنانا اور میں نوحہ و بکا کرنے والی، کپڑے پھاڑنے والی اور سر کے بال نوچنے والی عورتوں سے بری ہوں۔

حضرت ابو موسیٰؓ نے اپنے پیچھے چار لڑکے چھوڑے، موسیٰ، ابو بردہ، ابراہیم اور ابو بکر۔ نحیف الجثہ اور پست قد تھے لیکن شجاعت اور بے خوفی میں اپنی مثال آپ تھے۔

علم و فضل کے اعتبار سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا شمار اساطین امت میں ہوتا ہے۔ وہ ان چھ اکابر صحابہؓ میں سے ایک ہیں جن کو عہد رسالتؐ میں فتویٰ دینے کی اجازت تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے:

"ابو موسیٰؓ مجسمہ علم ہیں۔"

حضرت ابو موسیٰؓ کو بارگاہ رسالتؐ میں درجہ تقرب حاصل تھا اور وہ سالہا سال تک نبوت کے چشمہ فیض سے براہ راست سیراب ہوتے رہے تھے اس لئے ان کا پایہ علم و فضل اتنا بلند ہو گیا تھا کہ مرجع خلائق بن گئے تھے۔ انہیں خود بھی علم کی اشاعت میں بڑا انہماک تھا۔ فرماتے تھے کہ جس شخص کو خدا علم دے اس کا فرض ہے کہ اپنے دوسرے بھائیوں میں بھی اس کی اشاعت کرے اور جس چیز کا اسے علم نہ ہو اس کے بارے میں سکوت اختیار کرے۔ ان کا انداز تعلیم بڑا نرم اور پر حکمت تھا اگر کبھی کوئی شخص لاعلمی کی بنا پر ان کی کسی بات پر معترض ہوتا تو وہ برہم ہونے کے بجائے اسے بڑے تحمل اور شفقت سے سمجھا دیتے۔ قرآن کریم سے غیر معمولی شغف تھا۔ فرصت کا سارا وقت قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیم میں صرف کرتے تھے۔ یمن کی گورنری کے زمانے میں ایک درسگاہ قائم کی تھی جس میں نومسلموں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں لحن داؤدی کا حصہ عطا کیا تھا۔ قرآن کریم کی قرأت ایسی خوش الحانی سے کرتے کہ خود

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک میں اس کی آواز پڑتی تو آپ سننے کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ ابن سعدؒ نے حضرت ابوموسیٰؓ کی قرأت کے بارے میں حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "ابوموسیٰؓ کو لحن داؤدی سے حصہ ملا ہے۔"

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ حضرت ابوموسیٰؓ قرآن حکیم پڑھ رہے تھے حضورؐ وہیں کھڑے ہو گئے اور سُن کر آگے بڑھے۔ صبح کو حضرت ابوموسیٰؓ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا "ابوموسیٰؓ گزشتہ شب تم قرآن پڑھ رہے تھے۔ میں نے تمہاری قرأت سنی تھی"۔ انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اگر مجھے یہ علم ہو جاتا کہ آپؐ میری قرأت سُن رہے ہیں تو میں اور زیادہ خوش الحانی سے قرأت کرتا۔"

طبقات میں یہ روایت نقل ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰؓ مسجد نبویؐ میں بلند آواز سے عشاء کی نماز پڑھا رہے تھے۔ ان کی آواز سُن کر ازواج مطہرات اپنے اپنے حجروں کے پردوں کے پاس کھڑی ہو کر سُننے لگیں۔ صبح کو حضرت ابوموسیٰؓ کو کسی نے بتایا کہ امہات المؤمنین آپؓ کی قرأت سُن رہی تھیں تو بے ساختہ کہا، اگر مجھ کو اس وقت علم ہو جاتا تو میں ان کو قرآن حکیم کی قرأت سُننے کا اس سے بھی زیادہ شائق بنا دیتا۔"

حضرت ابوموسیٰؓ کی آواز میں جو سوز اور اثر تھا سیدنا حضرت عمر فاروقؓ اس کے بے حد معترف اور مداح تھے وہ وقتاً فوقتاً ان سے فرمائش کرتے رہتے تھے کہ ابوموسیٰ ہمیں خدا کی یاد دلاؤ جب وہ قرأت کرتے تو حضرت عمر فاروقؓ کی آنکھیں شدتِ تاثر سے نم ہو جاتیں۔

روایتِ حدیث کے اعتبار سے حضرت ابوموسیٰؓ کا شمار راویانِ حدیث صحابہؓ کے طبقہ سوم میں ہوتا ہے ان سے تین سو ساٹھ احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے پچاس متفق علیہ ہیں۔ ان کے علاوہ ۴ میں بخاری اور ۲۵ میں مسلم منفرد ہیں۔ اکثر احادیث انہوں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست روایت کی ہیں اور باقی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت عمارؓ بن یاسرؓ، حضرت ابیؓ بن کعب اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بالواسطہ روایت کی ہیں۔ ان کے ارشد تلامذہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت زید بن حبشؓ، حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت ابوعثمان نہدیؒ، حضرت ربعی بن خراشؒ، حضرت قیس بن ابی حازمؒ اور حضرت ابووائلؒ جیسے اکابر امت شامل ہیں۔

حضرت ابوموسیٰؓ کے اتباعِ نبوی کی یہ کیفیت تھی کہ سُنت سے لے کر مستحبات تک کی پابندی کرتے اور اہلِ خانہ سے بھی پابندی کراتے۔ فرض نمازوں کے علاوہ نوافل بھی کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ رمضان کے روزوں کے علاوہ حضورؐ کے اتباع میں نفلی روزے بھی رکھا کرتے تھے۔ سادگی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ باوجود گورنر اور سپہ سالار ہونے کے جاہ و حشم سے کبھی سروکار نہ رکھا اور نہ کبھی مال و دولت جمع کرنے کا دل میں خیال لاتے۔ ان کے لباس، چال ڈھال اور رہن سہن میں ہمیشہ سادگی کارفرما رہی۔ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی اور انکسار کے ساتھ ملتے۔ فقراء اور مساکین کے لئے ان کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ غریبوں کے دُکھ درد میں شریک ہونا اور پریشان حال لوگوں کی دلجوئی اور خبرگیری کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے اور اس کو بجا لانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتے تھے۔ کہ منصبِ امارت پر تقرر کے بعد ایک دن حضرت ابوموسیٰؓ کی ملاقات حضرت ابوذر غفاریؓ سے ہوتی۔ وہ بھائی بھائی کہتے ہوتے دوڑ کر حضرت ابوذرؓ سے لپٹ گئے لیکن حضرت ابوذرؓ انہیں بار بار یہ کہہ کر پرے ہٹاتے تھے کہ اب تم میرے بھائی نہیں ہو۔ اس سرکاری عہدے پر فائز ہونے سے پہلے بھائی تھے۔ حضرت ابوموسیٰؓ حسبِ عادت ان سے معانقے کے لئے لپکے۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا، پہلے میرے سوالوں کا جواب دو، پھر میں دیکھوں گا کہ تم سے گلے ملوں یا نہیں۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا، فرمایئے،

"تم نے لوگوں پر حکومت کی ہے؟" حضرت ابوذرؓ نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"عمارتیں تو نہیں بنوائیں؟"

"نہیں" حضرت ابوموسیٰؓ نے جواب دیا۔

"کھیتی باڑی اور زمینداری تو نہیں کی؟"

"نہیں۔"

"جانور تو نہیں پالے؟" حضرت ابوذرؓ نے پوچھا۔

حضرت ابوموسیٰؓ: "نہیں۔"

یہ سوال جواب ہو چکے تو حضرت ابوذرؓ کے چہرے پر بشاشت پھیل گئی اور وہ حضرت ابوموسیٰؓ سے بھینچ بھینچ کر ملے۔

حضرت ابوموسیٰؓ نہایت پاکباز اور شرم و حیا کا پیکر تھے۔ ایک مرتبہ کچھ آدمیوں کو برہنہ غسل کرتے دیکھا تو فرمایا، مجھ کو بار بار مر کر زندہ ہونا پسند ہے مگر ننگا ہو کر نہانا پسند نہیں۔ رات کو سوتے

سے پہلے ایک خاص قسم کا کپڑا پہن لیتے تھے تاکہ سونے کی حالت میں بے ستر نہ ہو جائیں۔ طہارت میں شدت کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ نشستی میں پیشاب کرتے تھے تاکہ کوئی چھینٹ جسم یا کپڑے پر نہ پڑ جائے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عقیدت اور محبت کی کوئی حد و نہایت نہیں تھی۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ کچھ دلوا دیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا، بشارت ہو۔ اس نے کہا، بشارت ہو چکی کچھ دلوائیے۔ حضورؐ کے روئے انور پر تکدر کے آثار نمودار ہوئے آپؐ نے حضرت ابو موسیٰؓ اور حضرت بلالؓ سے فرمایا، اس نے بشارت سے انکار کیا تم دونوں قبول کرو۔ پھر پانی منگوا کر ہاتھ منہ دھویا اور کلی کر کے ان دونوں سے فرمایا۔ اس پانی کو پیو اور اپنے سینے اور چہرے پر ملو۔ دونوں نے یہ کام اس ذوق و شوق سے کیا گویا دین اور دنیا کی تمام نعمتیں ان کو مل گئی ہیں۔

بدگمانی نہ کرو

حاطب ابن ابی بلتعہؓ ایک صحابی تھے۔ ان سے ایک سخت غلطی ہو گئی۔

حضرت عمرؓ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ حاطبؓ نے اللہ، اللہ کے رسولؐ اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان کی گردن اڑا دوں۔"

حضورؐ نے حاطبؓ کو بلایا اور پوچھا: تم نے ایسا کیوں کیا؟"

حاطب نے جواب دیا:

" اللہ کی قسم، میرے ایمان میں کوئی خرابی نہیں۔ میں نے جو کچھ کیا وہ صرف مکے میں اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کے خیال سے کیا۔ میں کافروں پر ایک احسان کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کے بدلے میں میرے بیوی بچوں کی جان محفوظ ہو جائے۔"

حضورؐ نے فرمایا:

" حاطب سچ کہتے ہیں۔ ان کے بارے میں اچھے الفاظ استعمال کرو، بدگمانی نہ کرو۔"

لیکن حضرت عمرؓ نے پھر کہا: انھوں نے اللہ، اللہ کے رسولؐ اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی ہے۔ اجازت دیجئے کہ ان کی گردن اڑا دوں۔"

حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

" کیا یہ بدر میں نہیں تھے؟ کوئی بات تو ہے جو اللہ نے اہلِ بدر کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ جو چاہو کرو، کیوں کہ جنت تمہاری قسمت میں لکھی جا چکی ہے۔"

اصحابی کالنجوم

میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں (ارشادِ نبویؐ)

ذخیرۂ کتب
حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فاروق سلطان قادری رح (1955-2016)
جھنگ ۔ پنجاب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا خاندانی نام عبدشمس تھا کا رنگ گندمی، شانے کشادہ، دانت آبدار اور آگے کے دو دانتوں کے درمیان جگہ خالی تھی۔ ابھی بچے تھے کہ سر سے والد کا سایہ اٹھ گیا۔ غربت و افلاس بچپن سے ہی ساتھی بن گئے اور جوانی میں بھی ساتھ ہی رہے۔ مجبوراً ایک یمنی عورت لبرہ بنت غزوان کے پاس محض روٹی کپڑے پر ملازم ہو گئے اور خدمت یہ سپرد تھی کہ جب وہ کہیں جانے لگتے تو یہ پاپیادہ ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے اس کی سواری کے ساتھ چلیں۔ وقت گزرتا رہا اور پھر اتفاق سے بعد میں یہی عورت اُن کے نکاح میں آگئی۔

ابوہریرہؓ کے ایک ہم قبیلہ طفیل بن عمر دوسی ہجرت عظمیٰ کے قبل مکہ ہی میں قرآن کے معجزانہ سحر سے مسحور ہو چکے تھے اور قبولِ اسلام کے بعد اس کی تبلیغ کے لیے یمن لوٹ آئے۔ ان ہی کی کوششوں سے دوس میں اسلام پھیلا اور غزوۂ خیبر کے زمانہ میں یہ یمن کے اسّی خانوادوں کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں مدینہ حاضر ہوئے لیکن آپؐ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے' اس لیے یہ لوگ مدینہ سے خیبر پہنچے، اسی قبیلہ کے ساتھ عبدشمس بھی تھے جو ہنوز اپنے آبائی مذہب پر تھے آپؓ راستہ میں بڑے شوق و ولولہ کے ساتھ یہ شعر

بالیلۃ من طولہا وعنا ئہا   علی انہا من دار الکفر نجت

پڑھتے جاتے تھے، اسی ذوق وشوق کے ساتھ خیبر پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل فرما کر عمیر رکھ دیا۔

جب وہ بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہو کر دولت اسلام سے مالا مال ہونے کے لیے آ رہے تھے تو اُن کا ایک غلام راستہ میں گم ہو گیا تھا۔ اتفاق سے اسی وقت وہ دکھائی دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمیر تمہارا غلام آ گیا، عرض کیا اللہ کی راہ میں آزاد ہے۔ بیعتِ اسلام کے بعد وہ دامن نبویؐ سے ایسے وابستہ ہوئے کہ مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑا۔ آپؓ کا نام عمیر، ابوہریرہ کنیت تھی، سلسلہ نسب یہ ہے۔ عمیرؓ بن عامر بن عبد ذی الشریٰ بن طریف بن عیاث بن ہنیہ بن سعد بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس، اصل خاندانی نام عبد شمس تھا۔ کنیت کی وجہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بلی (ہرّہ) پالی ہوئی تھی۔ شب میں اس کو ایک درخت میں رکھتا تھا اور صبح کو جب بکریاں چرانے جاتا تو ساتھ لے لیتا اور اس کے ساتھ کھیلتا، لوگوں نے یہ غیر معمولی دلچسپی دیکھ کر مجھ کو ابوہریرہؓ کہنا شروع کیا۔ لہٰذا یہ کنیت ایسی مشہور ہوئی کہ اصل نام پس منظر میں چلا گیا۔

دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہونے کے بعد فکر ہوئی کہ بوڑھی ماں کو بھی جو زندہ تھیں اس سعادت میں شریک کریں مگر وہ برابر انکار کرتی رہیں، ایک دن حسب معمول انکو اسلام کی دعوت دی، انھوں نے شانِ نبوتؐ میں کچھ ناروا الفاظ کہے، ابوہریرہؓ روتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کرکے ماں کے اسلام کے لیے طالبِ دعا ہوئے۔ رحمتِ عالمؐ نے دعا فرمائی، واپس ہوئے تو دعا قبول ہو چکی تھی، والدہ اسلام کے لیے نہا دھو کر تیار ہو رہی تھیں، ابوہریرہؓ گھر پہنچے تو ان کو اندر بلایا اور اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کہہ کر ان کا استقبال کیا۔ یہ فوراً الٹے پاؤں مسرت سے روتے ہوئے کاشانۂ نبویؐ پر حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے: "یارسول اللہؐ! بشارت ہو آپؐ کی دعا قبول ہوئی، خدا نے میری ماں کو اسلام کی ہدایت بخشی۔"

حضرت ابوہریرہؓ کو علم کی بڑی جستجو تھی، ان کا ذوق علم حرص کے درجہ تک پہنچ گیا تھا۔ ان کی علمی حرص کا اعتراف خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک مرتبہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ "قیامت کے دن کون خوش قسمت آپؐ کی شفاعت کا زیادہ مستحق ہوگا" فرمایا کہ "تمہاری حرص علی الحدیث کو دیکھ کر میرا پہلے سے خیال تھا کہ یہ سوال تم سے پہلے کوئی نہ کرے گا۔"

عام طور پر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سوالات کرتے ہوئے جھجکتے تھے لیکن حضرت ابوہریرہؓ نہایت دلیری سے پوچھتے تھے، عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے کہا کہ ابوہریرہؓ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت سے روایت کرتے ہیں" انھوں نے جواب دیا: "پناہ بخدا" ان کی روایات میں کسی قسم کا شک وشبہہ نہ کرنا، اس کی وجہ محض یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے میں بہت جری تھے، اس لیے وہ ایسے ایسے سوالات کرتے تھے جن کو ہم لوگ نہیں کرسکتے تھے۔

وہ خود جیسے علم کے شائق تھے، چاہتے تھے کہ ہر مسلمان کے دل میں طلبِ علم کا یہی جذبہ پیدا ہو جائے، ایک دن بازار جاکر لوگوں کو پکارا "تم کو کس چیز نے مجبور کر رکھا ہے؟"

لوگوں نے پوچھا "کس شے سے؟"

کہا "وہاں رسول اللہؐ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں بیٹھے ہو۔"

لوگوں نے پوچھا "کہاں؟" کہا "مسجد میں"۔ چنانچہ سب دوڑ کر مسجد آئے، لیکن یہاں کوئی مادی میراث نہ تھی، اسی لیے لوٹ گئے اور کہا وہاں کچھ بھی تقسیم نہیں ہوتا، البتہ کچھ لوگ نمازیں پڑھ رہے تھے، کچھ لوگ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے، کچھ حلال وحرام پر گفتگو کر رہے تھے۔ بولے تم لوگوں پر افسوس ہے، یہی تمہارے نبیؐ کی میراث ہے۔

غزوات میں ان کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی، مگر اتنا معلوم ہے کہ اسلام کے بعد متعدد غزوات میں شریک ہوئے ان کا بیان ہے کہ میں جن جن لڑائیوں میں شریک رہا غزوۂ خیبر کے علاوہ ان سب میں مالِ غنیمت ملا، کیونکہ اس کا مال حدیبیہ والوں کے لیے مخصوص تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں ملکی معاملات میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اس مدت میں اپنے محبوب مشغلے حدیث کی اشاعت میں مصروف رہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ سے زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا، انھوں نے ان کو بحرین کا عامل مقرر کیا، اس دن سے ان کا فقر وافلاس ختم ہوا۔ جب وہاں سے واپس ہوئے تو دس ہزار روپیہ پاس تھا، حضرت عمرؓ نے بازپرس کی کہ اتنی رقم کہاں سے ملی؟ عرض کی گھوڑیوں کے بچوں، عطیوں اور غلاموں کے ٹیکس سے۔ تحقیقات سے ان کا بیان صحیح نکلا تو حضرت عمرؓ نے دوبارہ ان کے عہدہ پر واپس کرنا چاہا، مگر انھوں نے انکار کردیا، حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کو امارت قبول کرنے میں کیوں عذر ہے؟

بولے، میں بیچارہ ابوہریرہؓ امیمہؓ کا بیٹا ہوں، میں تین باتوں سے ڈرتا ہوں، ایک یہ کہ بغیر علم کے کچھ کہوں، دوسرے یہ کہ بغیر حجت شرعی کے فیصلہ کروں، تیسرے یہ کہ مارا جاؤں میری آبروریزی کی جائے اور میرا مال چھینا جائے۔

حضرت عثمانؓ کا عہد خلافت خاموشی میں بسر کیا، البتہ آخر میں حضرت عثمانؓ کے محصور ہونے

کے بعد لوگوں کو ان کی امداد و اعانت پر آمادہ کرتے تھے اور محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمانؓ کے گھر میں موجود تھے، کچھ اور لوگ بھی تھے، ان سب کو خطاب کر کے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "تم لوگ میرے بعد فتنہ اور اختلاف میں مبتلا ہو گے" لوگوں نے پوچھا "یارسول اللہؐ اس وقت ہمارا کیا طرزِ عمل ہونا چاہیے۔ فرمایا: تم کو امین اور اس کے حامیوں کے ساتھ ہونا چاہیے"۔ اس سے حضرت عثمان غنیؓ کی طرف اشارہ تھا۔

حضرت عثمانؓ کے محاصرہ تک حضرت ابوہریرہؓ کا پتہ چلتا ہے، اس کے بعد آپؓ جنگِ جمل اور جنگ صفین میں کہیں نظر نہیں آتے، اس کا سبب یہ تھا کہ اس فتنہ عام کے زمانہ میں اکثر محتاط صحابہؓ گوشہ نشین ہو گئے تھے، بہتوں نے تو آبادی چھوڑ کر بادہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ بھی فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے کہیں روپوش ہو گئے تھے، ان فتنوں کے بعد امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں مروان کبھی کبھی ان کو مدینہ پر اپنا قائم مقام بنانا تھا۔

۵۸ھ میں مدینہ میں بیمار ہوئے، بڑے بڑے لوگ عیادت کو آتے تھے، خود مروان بن حکم بھی آتا تھا، بیماری کی حالت میں زندگی کی کوئی آرزو باقی نہ رہی تھی، اگر کوئی تمنا تھی تو صرف یہ کہ جلد سے جلد یہ دار الابتلاء چھوڑ کر دار البقا میں داخل ہو جائیں، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن عیادت کو آئے اور ان کی صحت کے لیے دعا کی۔ انھوں نے کہا: "خدایا اب دنیا میں نہ لوٹا"۔ پھر ابوسلمہ کو مخاطب کر کے بولے "وہ زمانہ بہت جلد آنے والا ہے، جب انسان موت کو سونے کے ذخیرہ سے زیادہ پسند کرے گا، اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ جب آدمی کسی قبر پر گزرے گا تو تمنا کرے گا کہ کاش بجائے اس کے وہ اس میں دفن ہوتا۔

بستر مرگ پر پیش آنے والی منزل کے خطرات کو یاد کر کے بہت روتے تھے، لوگ رونے کا سبب پوچھتے تو فرماتے کہ میں اس دنیا کی دلفریبیوں پر نہیں روتا بلکہ سفر کی طوالت اور زادِ راہ کی قلت پر آنسو بہاتا ہوں، اس وقت میں دوزخ جنت کے نشیب و فراز کے درمیان ہوں، معلوم نہیں ان میں سے کس راستہ پر جانا ہو۔

آخر وقت میں تجہیز و تکفین کے متعلق ہدایتیں دیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح مجھ کو عمامہ اور قمیص پہنانا اور عرب کے پرانے دستور کے مطابق میری قبر پر نہ خیمہ نصب کرنا اور نہ جنازہ کے پیچھے آگ لے کر چلنا اور جنازہ لے جانے میں جلدی کرنا اگر میں صالح ہوں گا تو جلد اپنے رب سے ملوں گا اور اگر بدقسمت ہوں گا تو ایک بوجھ تمہاری گردن سے دور ہو گا۔

انتقال کے بعد اس وصیت کی پوری تعمیل کی گئی، ولید نے نمازِ جنازہ پڑھائی، اکابر صحابہؓ میں

رکھتا تھا: حضرت ابوہریرہؓ کی اس توجیہ کی تصدیق کبار صحابہؓ کرتے تھے، چنانچہ ابوعامرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت طلحہؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک شخص نے آکر کہا "ابومحمد آج تک ہم کو نہ معلوم ہو سکا کہ یہ یمنی (ابوہریرہؓ) اقوال نبوی کا بڑا حافظ ہے، یا تم لوگ۔" انہوں نے جواب دیا کہ "بلاشبہ انہوں نے بہت سی ایسی حدیثیں سنیں جو ہم لوگوں نے نہیں سنیں اور بہت سی ایسی باتیں جانتے ہیں جو ہمارے علم سے باہر ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ دولت و جائداد والے تھے، ہمارے گھر بار اور اہل و عیال تھے، ہم ان میں پھنسے رہتے تھے اور ابوہریرہؓ مسکین اور مال و متاع کی زحمتوں اور بال بچوں کی ذمہ داری سے سبکدوش تھے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے آپ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے ہم سب کو یہ یقین ہے کہ انہوں نے ہم سب سے زیادہ احادیث نبوی سنیں اور ہم میں سے کسی نے ان پر یہ اتہام نہیں لگایا کہ وہ بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے انکو بیان کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ ابوہریرہؓ ہم سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے حاضر باش تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے ان کو بلا کر پوچھا تم یہ کیسی حدیثیں بیان کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ میں نے دیکھا اور سنا وہی تم نے بھی سنا اور دیکھا، عرض کی آپؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مصروف رہتی تھیں اور خدا کی قسم میری توجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی چیز نہیں ہٹاتی تھی۔

ایک مرتبہ مروان کو ان کی کوئی بات ناگوار ہوئی، اس نے غصہ میں کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہؓ بہت حدیثیں روایت کرتے ہیں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کچھ ہی دنوں پہلے مدینہ آئے تھے۔ بولے "جب میں مدینہ آیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں تھے اس وقت میری عمر تیس سال سے کچھ اوپر تھی اور آپ کی وفات تک سایہ کی طرح آپ کے ساتھ رہا، آپ کی ازواج مطہراتؓ کے گھروں میں جاتا تھا، آپ کی خدمت کرتا تھا، آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہتا تھا، آپ کی معیت میں حج کرتا تھا، اس لیے میں دوسرے لوگوں سے زیادہ حدیثیں جانتا ہوں خدا کی قسم وہ جماعت جو مجھ سے قبل آپ کی صحبت میں تھی، وہ میری حاضر باشی کی معترف تھی اور مجھ سے حدیثیں پوچھا کرتی تھی، ان پوچھنے والوں میں عمرؓ، عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آپؓ دعا بھی زیادہ علم ہی کی مانگتے تھے، زیدؓ بن ثابتؓ کا بیان ہے کہ ایک دن میں ابوہریرہؓ اور ایک دوسرا شخص مسجد میں بیٹھے دعا اور ذکر خدا میں مشغول تھے اس درمیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

تشریف لائے، ہم لوگ خاموش ہو گئے، آپ نے فرمایا، اپنا کام جاری رکھو۔ اس ارشاد پر میں اور دوسرا شخص ابوہریرہؓ کے قبل دعا کرنے لگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آمین کہتے جاتے تھے، اس کے بعد ابوہریرہؓ نے دعا کی کہ خدایا جو کچھ میرے ساتھی مجھ سے قبل مانگ چکے ہیں وہ بھی مجھے دے، اس کے علاوہ ایسا علم عطا فرما جو پھر فراموش نہ ہو، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی، اس کے بعد ہم دونوں شخصوں نے عرض کی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو بھی ایسا علم عطا ہو جو فراموشی کی دست برد سے محفوظ رہے۔" فرمایا وہ دوسی نوجوان کے حصے میں آچکا۔ اسی طرح ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسیان حدیث کی شکایت کی آپ نے فرمایا چادر پھیلاؤ، انہوں نے چادر پھیلا دی۔ آپ نے اس میں دست مبارک ڈالے، پھر فرمایا کہ اس کو سینہ سے لگالو۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میں پھر کبھی نہ بھولا۔

حضرت ابوہریرہؓ حدیثوں کے بارے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ بھولنے یا الفاظ کے ردّ و بدل کے ڈر سے جو کچھ سنتے اس کو قلمبند کر لیتے تھے۔

ابوہریرہؓ کی کثرتِ روایت کی وجہ سے بعض اشخاص کے دل میں ان کی روایات کی جانب سے شکوک و شبہات پیدا ہوئے، چنانچہ ایک مرتبہ مروان نے امتحان کی غرض سے ان کو بلوایا اور اپنے کاتب کو تخت کے نیچے بٹھا کر ان سے حدیثیں پوچھنا شروع کیں، یہ بیان کرتے جاتے تھے اور کاتب چھپا ہوا ان کی لاعلمی میں لکھتا جاتا تھا، دوسرے سال پھر اسی طریقہ سے امتحان لیا، اس مرتبہ بھی انہوں نے بلاکم و کاست وہی جوابات دیے جو ایک سال قبل دے چکے تھے، حتیٰ کہ ترتیب میں بھی کوئی فرق نہ آیا۔

حضرت ابوہریرہؓ کا یہ خاص امتیاز ہے کہ اللہ نے آپؓ کو جس فیاضی سے علم کی دولت عطا کی، اسی فیاضی سے آپؓ نے اس کو مسلمانوں کے لیے وقف عام کیا، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے، جہاں بھی کچھ مسلمان مل جاتے ان کے کانوں تک اقوال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچا دیتے، جمعہ کے دن، نماز کے قبل کا وقت حدیث کے لیے مخصوص تھا، چنانچہ ہر جمعہ کو نماز سے پہلے لوگوں کے سامنے حدیثیں بیان کرتے اور یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا جب تک مقصورہ کا دروازہ نہ کھلتا اور امام برآمد نہ ہوتا۔

حضرت ابوہریرہؓ کے علم و عرفان کی بارش سے عورتیں بھی سیراب ہوتی تھیں، گو اس طبقہ کو وہ باقاعدہ تعلیم نہیں دیتے تھے، لیکن اگر کسی عورت سے کوئی فعل خلاف احکام نبوی سرزد ہو جاتا تو فوراً ٹوک دیتے اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اس کو بتا دیتے، ایک مرتبہ ایک عورت

سے ملے، اس کے پیراہن سے خوشبو کی لپٹ آتی تھی۔ پوچھا تم مسجد سے آئی ہو۔ اس نے کہا ہاں پھر پوچھا، مخصوص مسجد جانے کے لیے خوشبو لگائی تھی؟" اس نے کہا: ہاں" فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس عورت کی نماز جو مخصوص مسجد جانے کے لیے خوشبو لگاتی ہے اس وقت تک مقبول نہ ہوگی، جب تک کہ وہ غسل نہ کر ڈالے، یعنی اس کی خوشبو دُھل نہ جائے، کیونکہ وہ فتنہ بن جاتی ہے، غرض اس عہدِ مبارک کی خواتین بھی ان کے خرمنِ علم کی خوشہ چین تھیں، چنانچہ آپؓ کے زمرۂ رواۃ میں حضرت عائشہؓ کا نام بھی نظر آتا ہے۔

آپؓ کے دامنِ کمال میں جس قدر علمی جواہر تھے، سب عام مسلمانوں میں تقسیم کر دیے، لیکن وہ احادیث جو فتنہ سے متعلق تھیں اور جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کے طور پر فرمایا تھا زبان سے نہ نکالیں کہ یہ خود فتنہ کی بنیاد بن جاتیں، فرماتے تھے کہ "میں نے احادیث نبوی کے دو ظرف میں محفوظ کی ہیں" ایک ظرف کی پھیلائیں، اگر دوسرے ظرف کو پھیلا دوں تو نرخرہ کاٹ ڈالا جائے، صوفیہ کہتے ہیں کہ یہ اسرارِ توحید کی امانت تھے، متکلمین کہتے ہیں کہ وہ اسرارِ دین تھے لیکن محدثین کا فتویٰ یہی ہے کہ وہ فتنہ کی حدیثیں تھیں۔

اشاعتِ علم فریضۂ مذہبی اور عمل خیر ہے، لیکن اگر اس میں مذہبی خدمت کے جذبہ کے بجائے نمود و نمائش کا شائبہ شامل ہو جائے تو یہی عمل شر بن جائے گا، ابوہریرہؓ جس جذبہ کے تحت اس فرض کو انجام دیتے تھے، اس کے متعلق خود ان کا بیان ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ میں یہ نہ فرماتا۔

> "ان لوگوں پر جو ہمارے نازل کیے ہوئے، کھلے ہوئے احکام اور ہدایت کی باتوں میں جن کو ہم نے لوگوں کے لیے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے چھپاتے ہیں، خدا بھی لعنت بھیجتا ہے اور لعنت بھیجنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں۔"

تو میں کبھی کوئی حدیث نہ بیان کرتا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۳۷۴ ہے، ان میں ۳۲۵ متفق علیہ ہیں اور ۷۹ میں بخاری اور ۹۳ میں مسلم منفرد ہیں، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان ذخیرہ کی مناسبت سے آپؓ کے رواۃ و تلامذہ کا دائرہ بھی وسیع تھا، اکابر صحابہؓ میں زیدؓ بن ثابت، ابو ایوبؓ انصاری، عبداللہؓ ابن عباسؓ، عبداللہؓ بن عمرؓ، ابیؓ بن کعب، انسؓ بن مالک، ابوموسیٰ اشعریؓ، عبداللہؓ بن زبیر، جابر بن عبداللہؓ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ، اور عام صحابہؓ و تابعین، میں ابورافع، واثلہ، جابر، مروان ابن حکم، قبیصہ بن ذویب، سعید بن مسیب، سلیمان الاغر، قیس بن ابی حازم، مالک بن ابی عامر اصبحی، ابو اسامہ بن سہل بن حنیف، ابو ادریس خولانی، ابو عثمان نہدی، ابو رافع صائغ، ابو زرعہ، بن عمرو، ابو مسلم،

حضرت ابن عمرؓ، ابو سعید خدریؓ موجود تھے، نماز کے بعد حضرت عثمانؓ کے صاحبزادوں نے کندھا دے کر جنت البقیع پہنچایا اور مہاجرین کے گورِ غریباں میں اس مخزنِ علم کو سپردِ خاک کیا۔ انتقال کے وقت ۷۸ سال کی عمر تھی۔

انتقال کے بعد ولید حاکم مدینہ نے امیر معاویہؓ کو آپؓ کی وفات کی خبر دی تو انہوں نے ترکہ کے علاوہ بیت المال سے دس ہزار درہم آپؓ کے ورثہ کو دلوائے اور ولید کو اُن کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔

حضرت ابوہریرہؓ ان صحابہؓ میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں آپؓ بالاتفاق صحابہ کرامؓ کی جماعت میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے، اگرچہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور انسؓ بن مالک بھی حفاظ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے لیکن ابوہریرہؓ کو کثرتِ روایت میں ان پر بھی تفوق حاصل تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ابوہریرہؓ علم کا ظرف ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ جو خود بھی بڑے حافظِ حدیث تھے فرماتے تھے کہ "ابوہریرہؓ ہم سب سے زیادہ حدیث جانتے تھے" امام شافعیؒ کا خیال ہے کہ "ابوہریرہؓ اپنے ہمعصر حفاظ میں سب سے بڑے حافظ تھے۔" اعمش ابو صالح سے روایت کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ علامہ ذہبی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "ابوہریرہؓ علم کا ظرف تھے اور صاحبِ فتویٰ ائمہ کی جماعت میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ابوہریرہؓ اپنے ہمعصر رواۃ میں سب سے بڑے حافظ تھے اور تمام صحابہؓ میں کسی نے حدیث کا اتنا ذخیرہ نہیں فراہم کیا۔

کمال کی آخری حد یہ تھی کہ آپؓ کو خود اپنی ہمہ دانی کا یقینِ واثق تھا۔ ایک موقع پر اپنی زبان سے کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس کو مجھ سے زیادہ احادیث یاد ہوں۔ ترمذی کی روایت میں صرف عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص کا استثنا ہے۔

بہت سے اکابر صحابہؓ کے مقابلہ میں حضرت ابوہریرہؓ کے کثرتِ علم اور وسعتِ معلومات کا سبب یہ تھا کہ ان کو اس قسم کے مواقع حاصل تھے جو دوسرے صحابہؓ کو حاصل نہ تھے، یہ خود اپنی کثرتِ روایت کے وجوہ و اسباب بیان کرتے تھے کہ ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے اور انصار اپنی زراعت کی دیکھ بھال میں سرگرداں رہتے تھے، میں محتاج آدمی تھا، میرا سارا وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گذرتا تھا اور جن اوقات میں وہ لوگ موجود نہ ہوتے تھے، اس وقت بھی میں موجود رہتا تھا، دوسرے جن چیزوں کو وہ بھلا دیتے تھے، میں ان کو یاد

ابن فارض، بسر بن سعید، بشیر بن نہیک، بعجہ جہنی، ثابت بن عیاض حفص بن عاصم بن عمر الخطابؓ، حمید وابو سلمہ ابنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حمید بن عبدالرحمٰن حمیری، حنظلہ بن علی اسلمی، جناب صاحب مقصورہ غلاس بن عمرو، حکم بن مینار، خالد بن غلاق، ابو قیس، زیاد بن رباح، سالم بن عبداللہ، زرارہ بن ابی اوفی۔ سالم ابو الغیث، سالم مولی شداد، سعید بن ابی سعید، ابو سعید مقبری، حسن بصری، محمد بن سیرین وسعید بن عمرو سعید بن العاص، سلیمان بن یسار، ابو الحباب، سعید بن یسار، سنان بن ابی سنان، عامر بن سعد بن ابی وقاصؓ، شریح ابن ہانی، شفی بن ماتع، طاؤس، عکرمہ، مجاہد، عطا، عامر شعبی، عبداللہ بن رباح انصاری، عبداللہ بن شقیق، عبداللہ بن ثعلبہ، ابو الولید عبداللہ بن حارث، سعید بن حارث، سعید بن سمعان، سعید بن مرجانہ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، عبدالرحمٰن بن سعد المقعد، عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ انصاری، عبدالرحمٰن بن یعقوب، عبدالرحمٰن بن ابی نعیم البجلی، عبدالرحمٰن بن مہران، اعرج، عبید اللہ بن عبداللہ، عبید اللہ بن سفیان حضرمی، عطار بن مینار، عطا بن یزید لیثی، ابو سعید مولی بن کریز، عجلان بن مولی فاطمہ، عراک بن مالک، عبید بن حنین، عبید اللہ بن ابی رافع، عطار بن یسار، عمرو بن ابی سفیان، عنبسہ بن سعید بن العاص، محمد بن قیس بن مخرمہ، موسیٰ، عیسیٰ ابنا طلحہ بن عبید اللہ، عروہ بن زبیرؓ، محمد بن عباد، جعفر، محمد بن ابی عائشہ، محمد بن زیاد جمحیؒ، محمد بن عبدالرحمٰن، موسیٰ بن یسار، نافع بن جبیر بن مطعم، نافع مولی ابن عمر، نافع مولی ابی قتادہ، یوسف ابی ماہک، متیم بن ابی سنان، یزید بن ہرمز، ابو حازم الاشجعی، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابو تمیمہ، ہجیمی، یزید بن اصم، موسیٰ بن وردان، ابو الشعثار المحاربی، ابو صالح السمان، ابو غطفان بن طریف المری، یہ حضرت ابوہریرہؓ کے رواۃ کی نہایت مختصر فہرست ہے، صحابہؓ اور تابعینؒ ملاکر ان کے رواۃ کی تعداد ۸۰۰ سے متجاوز ہو جاتی ہے۔

تمام تعلیمی لحاظ سے وہ صحابہؓ کی جماعت میں بہت نمایاں تھے، عربی مادری زبان تھی اس کے علاوہ فارسی بھی جانتے تھے، ایک مرتبہ ایک ایرانی عورت استغاثہ لے کر آئی کہ شوہر نے مجھ کو طلاق دیدی ہے اور لڑکا لینا چاہتا ہے، یہ عورت فارسی میں گفتگو کرتی تھی اور ابوہریرہؓ اسی زبان میں جواب دیتے تھے، اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب سے بھی واقفیت رکھتے تھے، چنانچہ توراۃ کے مسائل سے کافی واقفیت تھی، لکھنے میں بھی پوری مہارت رکھتے تھے، چنانچہ احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

ابوہریرہؓ غزوہ خیبر میں دارالاسلام آئے، اس حساب سے انکو کل چار سال صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔ مگر اس مدت میں سفر و حضر، خلوت و جلوت میں ایک لمحہ کے لیے بھی خدمت اقدس سے جدا نہ ہوئے اور اس قلیل مدت میں جو لمحات بھی میسر آئے ان

سے پورا فائدہ اُٹھایا، یہ چھوٹی مدت کیفیت کے اعتبار سے بڑی طویل مدت کے برابر ہو جاتی ہے اس ملازمتِ رسولؐ کا یہ نتیجہ تھا کہ آپؓ پر تعلیمات نبویؐ کا بہت گہرا رنگ چڑھا تھا اور آپؓ اسلامی تعلیمات کا مکمل ترین نمونہ بن گئے تھے۔

خشیت الٰہی اور خوفِ قیامت صحابۂ اکرام کا خاص وصف تھا، ابوہریرہؓ اس سے لرزہ براندام رہتے تھے، خوفِ خدا اور قیامت کے احتساب کے ذکر سے چیخ کر بیہوش ہو جاتے تھے۔

ایک بار شفیا اصبحی مدینہ آئے، دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے، پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا "ابوہریرہؓ"۔ چنانچہ یہ اُن کے پاس جاکر بیٹھ گئے، اس وقت ابوہریرہؓ لوگوں سے حدیث بیان کر رہے تھے، جب حدیث سُنا چکے اور مجمع چھٹا تو انہوں نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سُنایئے، جس کو آپؓ نے اُنؐ سے سنا ہو، سمجھا ہو، جانا ہو، ابوہریرہؓ نے کہا ایسی ہی حدیث بیان کروں گا، یہ کہا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو کہا میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا جو آپ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور اس وقت میرے اور آپ کے سوا کوئی تیسرا شخص نہ تھا، اتنا کہہ کر پھر زور سے چلائے اور بیہوش ہو گئے، افاقہ ہوا تو منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور وہاں میرے اور آپ کے سوا کوئی نہ تھا یہ کہا اور چیخ مار کر غش کھا کر منہ کے بل گر پڑے، شفیا اصبحی نے تھام لیا اور دیر تک سنبھالے رہے۔ ہوش آیا تو کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن جب اللہ بندوں کے فیصلہ کے لیے اترے گا تو سب سے پہلے تین آدمی طلب کیے جائیں گے۔ عالم قرآن، راہِ اللہ میں مقتول اور دولتمند، پھر خدا عالم سے پوچھے گا کیا میں نے تجھ کو قرآن کی تعلیم نہیں دی، وہ کہے گا ہاں اللہ" فرمائے گا تُو نے اس پر کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا "رات دن اس کی تلاوت کرتا تھا"۔ اللہ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تُو اس لیے تلاوت کرتا تھا کہ لوگ تجھ کو قاری کا خطاب دیں" چنانچہ خطاب دیا۔" پھر دولت مند سے سوال کرے گا کیا میں نے تجھ کو صاحبِ مقدرت کر کے لوگوں کی احتیاج سے بے نیاز نہیں کر دیا؟ وہ کہے گا "ہاں اللہ" فرمائے گا تُو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا میں صلہ رحمی کرتا ہوں، صدقہ دیتا تھا" خدا فرمائے گا" تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ اس سے تیرا مقصد یہ تھا کہ تو فیاض اور سخی کہلائے اور لوگوں نے کہا، پھر وہ جس کو راہ اللہ میں اپنی جان دینے کا دعویٰ تھا پیش کیا جائے گا، اس سے سوال ہوگا" تو کیوں مار ڈالا گیا۔ وہ کہے گا" تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا، میں تیری راہ میں لڑا اور مارا گیا۔ اللہ فرمائے گا" تو جھوٹ کہتا ہے بلکہ تو چاہتا تھا کہ تو دنیا میں جری اور بہادر کہلائے

تو یہ کہا جا چکا" یہ حدیث بیان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا ابوہریرہؓ سب سے پہلے ان ہی تینوں سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔"

حضرت ابوہریرہؓ کو عبادت سے خاص ذوق تھا۔ شب بیداری آپؓ کا محبوب مشغلہ تھا، خود بھی شب بیداری کرتے تھے اور گھر والوں سے بھی شب بیداری کراتے تھے۔ آپؓ کا کنبہ تین آدمیوں پر مشتمل تھا ایک خود، دوسری بیوی اور تیسرا خادم، یہ تینوں بالالتزام باری باری سے اٹھ کر ایک ایک تہائی شب میں نماز پڑھتے تھے، ایک ختم کر کے دوسرے کو جگاتا اور دوسرا تیسرے کو اسی طریقے سے تینوں مل کر پوری رات نماز میں گزار دیتے۔

ہر مہینہ کے شروع میں تین روزے التزام کے ساتھ رکھتے تھے، اگر کسی سبب سے شروع میں نہ رکھ سکتے تو آخر میں پورے کرتے۔ ارکان عبادت کو پورے شرائط کے ساتھ ادا کرتے تھے بلکہ شدت احتیاط کے باعث اس میں مبالغہ سے کام لیتے تھے، نعیم بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ مسجد کی چھت پر وضو کرتے تھے، میں نے دیکھا کہ ہاتھ اٹھا کر شانوں تک دھوتے اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میری امت کے وہ اعضا جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں چمکیں گے اس لیے تم لوگوں سے جہاں تک ہو سکے اس کی چمک کو بڑھاؤ۔ عکرمہ راوی ہیں کہ ابوہریرہؓ بارہ ہزار تسبیحیں روزانہ پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ بقدر گناہ تسبیح کرتا ہوں، مضارب بن جزء بیان کرتے ہیں کہ رات کو میں نکلا کرتا تھا، ایک دن نکلا تو تکبیر کی آواز سنی، قریب جا کر دیکھا تو ابوہریرہؓ تھے، پوچھا یہ کیا کر رہے ہو، کہا اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ایک دن وہ تھا کہ میں بسرہ بنت غزوان کے پاس پیٹ کی روٹی پر ملازم تھا، اس کے بعد اللہ نے یہ دن دکھایا کہ وہ میرے عقد میں آگئی۔ آپؓ تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے، ایک تھیلی میں کنکریاں اور گٹھلیاں بھری رہتی تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھتے تھے جب تھیلی ختم ہو جاتی تو لونڈی کو حکم دیتے وہ بھر لاتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ کی محبت شیفتگی کے درجہ تک تھی، ایک لمحہ کے لیے بھی آپ سے جدا نہ ہوتے تھے، تمام مہاجرین و انصار اپنے اپنے کاروبار میں لگے رہتے، لیکن ان کا کام صرف یہ تھا کہ جمال نبویؐ کے دیدار سے شوق کی آگ بجھائیں، ایک موقع پر اس کا اظہار بھی کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضورؐ کا مشاہدہ جمال میری جان کا سرمایہ راحت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لطیف غذا کھانے سے محض اس لیے پرہیز کرتے تھے کہ حضورؐ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، ایک مرتبہ لوگوں نے ان کو بھنی ہوئی بکری کی دعوت دی، انہوں

نے محض اس لیے قبول کرنے سے انکار کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حال میں سدھارے کہ کبھی جو کی روٹی بھی آسودہ ہو کر نہیں کھائی۔

ذاتِ نبویؐ کے ساتھ اس والہانہ تعلق کا فطری اقتضا یہ تھا کہ آلِ اطہار کے ساتھ بھی یہی شیفتگی تھی، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے حضرت حسنؓ کو بلا کر گود میں بٹھایا اور اُن کے منہ میں منہ ملا کر تین مرتبہ فرمایا کہ: "اللہ! میں اس کو محبوب رکھتا ہوں اس لیے تو بھی محبوب رکھ اور اس کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ۔" اس کے بعد سے جب یہ حضرت حسنؓ کو دیکھتے تھے تو ان کی آنکھیں پُرنم ہو جاتی تھیں۔ عمیر بن اسحٰق راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ابوہریرہؓ حضرت حسنؓ سے ملے تو کہا کہ "اپنے شکم مبارک کا وہ حصہ کھولیے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بوسہ گاہ تھا" آپؓ نے کپڑا ہٹا دیا اور ابوہریرہؓ نے اسی مقام پر بوسہ عقیدت ثبت کر دیا۔

حق العباد میں ایک بڑا حق یہ ہے کہ انسان تا بمقدور ان ضعیف اور سب سے بڑے محسن والدین کی خدمت گزاری کو باعث فخر اور ذریعہ نجات سمجھے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے اس فریضہ کا یہاں تک لحاظ رکھا کہ ماں کی تنہائی کے خیال سے ان کی زندگی بھر حج نہیں کیا۔

حق گوئی اور راست بازی حضرت ابوہریرہؓ کا خاص جوہر تھا، اعلان حق میں وہ اس قدر جری اور دلیر تھے کہ بڑے بڑے شخص کو اس کی لغزش پر فوراً ٹوک دیتے تھے۔

مروان کے زمانۂ امارت میں مدینہ میں چک (ہنڈی) کا رواج ہو چلا تھا، حضرت ابوہریرہؓ کو معلوم ہوا تو مدینہ جا کر مروان سے کہا تم نے ربا حلال کر لیا، مروان نے اس سے برات ظاہر کی، فرمایا تم نے چکوں کو رائج کیا، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیاء خوردنی کی بیع کی اس وقت تک ممانعت فرمائی ہے جب تک پہلا بائع اس کو ناپ نہ لے، حضرت ابوہریرہؓ کی اس تنبیہ سے مروان نے یہ طریقہ منسوخ کر دیا۔

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ مسجد نبویؐ میں کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے، مروان بھی موجود تھا، آپؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے سنایا کہ میں نے صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔

حضرت ابوہریرہؓ کی زندگی کے دو دور تھے، پہلا افلاس، تنگدستی اور فقر و فاقہ میں بسر ہوا، دوسرے میں جاہ و ثروت اور فارغ البالی نصیب ہوئی، فقر و فاقہ کا دور نہایت درد انگیز تھا، مسلسل فاقوں سے غش پر غش آتے تھے، لیکن رحمۃ للعلمین کے سوا کوئی پوچھنے والا نہ تھا اس زمانہ میں آپؓ نے سخت تکلیفیں برداشت کیں، لیکن زبان کبھی سوال سے آلودہ نہ ہوئی۔ ایک مرتبہ بھوک کی شدت سے بہت

بے قرار ہوئے تو راستہ میں بیٹھ گئے حضرت ابوبکرؓ کا گزر ہوا۔ ان سے ایک آیت پوچھی، وہ بتا کر گزر گئے اور کچھ توجہ نہ کی، اس کے بعد حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی معاملہ پیش آیا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا، تو آپ اس حسن طلب کو سمجھ گئے اور ساتھ لے جاکر ان کو اور تمام اصحاب صفہؓ کو کھانا کھلایا۔

جب فقر و فاقہ کا دور ختم ہوا اور خدا نے فارغ البال کیا، اس وقت فقیرانہ سادگی کو قائم رکھتے ہوئے کبھی کبھی فارغ البالی کا بھی اظہار کیا، چنانچہ ایک مرتبہ کتان کے دو رنگے ہوئے کپڑے پہنے اور ایک سے ناک صاف کر کے کہا واہ وا، ابوہریرہؓ آج تم کتان سے ناک صاف کرتے ہو، حالانکہ کل منبر نبویؐ اور حضرت عائشہؓ کے حجرے کے درمیان غش کھا کر گرتے تھے اور گزرنے والے تمہاری گردن پر پیر رکھ کر کہتے تھے، کہ ابوہریرہؓ کو جنون ہو گیا ہے، حالانکہ تمہاری یہ حالت صرف بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔

آپ نے امارت کی حالت میں بھی زندگی میں کوئی خاص تبدیلی نہیں کی جب شہر سے نکلتے تو سواری میں گدھا ہوتا، جس پر معمولی نمدہ کسا ہوتا، چھال کی رسی کی لگام ہوتی، غرض اس سادگی سے نکلتے کہ کسی کو امارت کا اندازہ بھی نہ ہوتا، جب کوئی سواری کے سامنے آجاتا تو خود کہتے کہ راستہ چھوڑ دو، امیر کی سواری آرہی ہے۔

فقر و غنا دونوں حالتوں میں بلند حوصلہ اور فیاض رہے، لوگوں کو کھلانے پلانے میں بڑی سیر چشمی سے کام لیتے تھے۔ ایک مرتبہ چند آدمیوں کا وفد امیر معاویہؓ کے پاس گیا، جس میں ابوہریرہؓ بھی تھے، رمضان کا زمانہ تھا، لوگوں کا معمول تھا کہ کھانے پر ایک دوسرے کو بلایا کرتے تھے، ان سب میں سب سے زیادہ ابوہریرہؓ دعوت کرتے تھے۔

گو مہمان نوازی صحابہ کرامؓ کا عام وصف تھا، تاہم لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے زیادہ مہمان نواز کم صحابیؓ تھے۔

SCANNED BY:
ATA-UL-MUSTAFA

اصحابی کالنجوم

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (ارشادِ نبوی)

حضرت ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپؓ کی دو کنیتیں تھیں ایک ابوسفیانؓ اور دوسری ابو حنظلہ۔ لیکن پہلی کنیت نے اتنی شہرت پائی کہ اصل نام صخر اس کے نیچے دب کر رہ گیا اور خاص و عام کی زبان پر ابوسفیانؓ کا نام چڑھ گیا۔ جب آپؓ تقریباً پچاس سال کے تھے تو محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا بلکہ حق اور باطل کے درمیان ایک طویل کشمکش کا نقطۂ آغاز تھا۔ وہی رؤسائے قریش جو حضورؐ کی عظمتِ کردار کے دل و جان سے معترف تھے آپؐ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ پیغامِ حق سُنتے ہی غضب ناک ہو گئے اور اپنے آپ کو ہمہ تن اسلام کی بیخ کنی اور رحمتِ عالمؐ کی مخالفت کے لئے وقف کر دیا۔ ابوسفیانؓ پختہ عمر کے تھے خاندانی عصبیت ان کی طبیعت میں راسخ ہو چکی تھی چنانچہ وہ بھی مخالفِ اسلام گروہ کے رُکن بن گئے لیکن ان کی مخالفت ابولہب، ابوجہل، عقبہ بن ابی مُعیط، امیہ بن خلف، ابن الاصداء، نضر بن الحارث، اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، منبہ بن الحجاج اور عدی بن حمراء وغیرہ جیسے شریر النفس لوگوں کی طرح نہ تھی۔ جو حضورؐ کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے تھے اور انہیں آپؐ کی ایذا رسانی کے لئے کسی ذلیل سے ذلیل اور کمینہ سے کمینہ حرکت سے بھی اجتناب نہیں تھا۔ اس کے برعکس ابوسفیانؓ اُن کا خسر عتبہ بن ربیعہ اور چچا خسر شیبہ بن ربیعہ جیسے کچھ لوگ اسلام کے دشمن ضرور تھے لیکن

انہوں نے کبھی کوئی جسمانی ایذا حضورؐ کو نہیں پہنچائی اور نہ کسی کینہ حرکت کے مرتکب ہوئے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ :

"بعثت کے بعد جب مشرکینِ مکہ آپؐ کو بہت ستاتے تھے تو آپؐ ان کے ہجوم اور شر سے بچنے کے لئے ابوسفیانؓ کے مکان میں چلے جاتے وہ بنو اُمیہ کے سردار ہونے کے علاوہ فوج کے سپہ سالار بھی تھے اس لئے اہل مکہ پر ان کا بڑا رعب تھا۔ ان کے گھر میں داخل ہوتے ہی حضور شرپسندوں کی ایذا سے محفوظ ہو جاتے۔ اس وقت ابوسفیانؓ اور ان کے گھرانے کے سب افراد اسلام دشمن ہونے کے باوجود حضورؐ کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کرتے تھے۔"

حضرت ابوسفیان صخرؓ بن حرب قریش کے نہایت بارسوخ خاندان بنو امیہ کے سردار تھے۔ وہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم جَدّ تھے۔ ان کا نسب چوتھی پشت میں قصی پر حضورؐ کے نسب سے مل جاتا ہے۔

قریش کے گھرانوں میں سب سے ممتاز، باثر، شریف اور معزز گھرانہ بنو ہاشم کا تھا۔ کعبہ کی تولیت کے علاوہ سقایہ اور رفادہ کی اہم خدمات بھی اسی خاندان سے متعلق تھیں۔ بنو ہاشم کے بعد دوسرا درجہ بنو امیہ کا تھا جو قریش کی علم برداری، فوجی قیادت اور قافلہ سالاری کے مناصب پر فائز تھے۔ اس کی وجہ ان کی جاہ و حشمت، کثرتِ نفوس، حوصلہ مندی، بہادری اور سوجھ بوجھ تھی۔ بہرصورت علمبرداری کی خدمت بنو اُمیہ میں بالاستقلال تھی۔ قریش کا جنگی نشان رایت لعقاب صرف سخت لڑائی کے موقع پر باہر نکالا جاتا اور یہ جنگی پھریرا ہمیشہ بنو امیہ کے سربراہ کے ہاتھ میں ہوتا۔ جس زمانے میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا، ابوسفیانؓ خاندانِ بنو امیہ کے سردار تھے اور اسی حیثیت سے وہ قریش کے عَلَمدار (یعنی صاحبِ عقاب) بھی تھے۔

بنو ہاشم اور بنو امیہ کے مابین مدت سے حریفانہ کشمکش چلی آ رہی تھی۔ اس کا آغاز ان دونوں خاندانوں کے مورثِ اعلیٰ عبد مناف کے آنکھیں موندتے ہی ہو گیا تھا۔ جب نبیؐ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی ہاشم میں ظہور فرمایا تو بنو ہاشم کا شرف و مجد جو پہلے ہی بنو امیہ کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا اب ہمیشہ کے لئے بنو ہاشم کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا تھا۔ اکثر رؤساول سے سرورِ عالمؐ کی صداقت کے قائل تھے لیکن آپؐ کی رسالت تسلیم کرنے میں ان کی خاندانی عصبیت آڑے آتی تھی۔

ابوسفیان صخرؓ بھی دل و جان سے عالم عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت

کے قائل تھے لیکن جاہلی عصبیت رکاوٹ بنتی اور قبولیت اسلام سے گریز کرتے تھے۔ جس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے جو حضورؐ کی بعثت کے ابتدائی دور میں ہوا۔

ایک دن ابوجہل نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کسی بات پر تھپڑ مار دیا وہ اس وقت بہت کمسن تھیں روتی روتی حضورؐ کے پاس گئیں اور ابوجہل کی شکایت کی۔ آپؐ نے ان سے فرمایا:

"بیٹی جاؤ اور ابوسفیانؓ کو ابوجہل کی اس حرکت سے آگاہ کرو" وہ فوراً ابوسفیانؓ کے پاس گئیں اور انہیں سارا واقعہ بتایا۔ ابوسفیانؓ نے ننھی فاطمہؓ کی انگلی پکڑی اور سیدھے وہاں پہنچے جہاں ابوجہل بیٹھا تھا۔ انہوں نے فاطمہؓ سے کہا، "بیٹی جس طرح اس نے تمہارے منہ پر تھپڑ مارا تھا، تم بھی اس کے منہ پر تھپڑ مارو اور اگر یہ کچھ بولے گا تو میں اس سے نبٹ لوں گا۔" چنانچہ انہوں نے ابوجہل کو تھپڑ مارا اور پھر گھر جا کر حضورؐ کو یہ بات بتائی۔ آپؐ نے اسی وقت دونوں ہاتھ اٹھاتے اور دعا کی۔ الٰہی ابوسفیانؓ کے اس نیک سلوک کو نہ بھولنا۔ حضورؐ کی اسی دعا کا نتیجہ تھا کہ چند سال بعد ابوسفیانؓ نعمت اسلام سے بہرہ ور ہوتے۔

مستند روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیانؓ دل سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے قائل تھے مگر دین آبائی کا تعصب اور جاہلی عصبیت ان کے قبول اسلام میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔

حضرت معاویہؓ بن ابوسفیانؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کی بعثت کے بعد ایک دن میں اپنے والد ابوسفیانؓ اور ماں ہندہ کے ساتھ اپنے صحرائی علاقے کی طرف جا رہا تھا۔ میرے والد اور والدہ ایک گدھی پر سوار تھے اور میں ایک دوسری گدھی پر سوار ان کے آگے آگے جا رہا تھا۔ اتفاق سے راستے میں ہمیں رسول اکرمؐ مل گئے۔ میرے والد نے مجھ سے کہا، معاویہ تم اپنی گدھی سے اتر جاؤ تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہو جائیں۔ چنانچہ میں اتر گیا اور حضورؐ اس پر سوار ہو گئے۔ پھر آپؐ نے میرے والد اور والدہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اے ابوسفیانؓ اے ہند بنت عتبہ اللہ کی قسم تم سب پر ایک دن موت وارد ہو گی، پھر دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔ اس وقت جو نیک ہیں وہ جنت میں جائیں گے اور جو بد ہیں وہ دوزخ میں جائیں گے۔" پھر آپؐ نے سورہ حم السجدہ کی پہلی گیارہ آیات ان کو سنائیں اس کے بعد آپؐ گدھی سے اتر گئے اور میں سوار ہو گیا۔ راستے میں میری ماں نے میرے باپ سے کہا، "اس ساحر (نعوذ باللہ) کی خاطر تم نے میرے بچے کو سواری سے اتارا؟" میرے باپ نے کہا، خدا کی قسم یہ شخص نہ ساحر ہے نہ کذاب۔

اسی طرح کی بعض اور روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوسفیانؓ نے کئی موقعوں پر حضورؐ کی صداقت کا برملا اعتراف کیا تاہم اجتماعی اور سیاسی سطح پر انہوں نے ہمیشہ قوم کا ساتھ دیا اور اسلام کی بیخ کنی کے ہر منصوبے میں ان کے شریک رہے۔ دعوتِ حق کے اوائل میں قریش کے وفود یکے بعد دیگرے حضرت ابوطالبؓ کے پاس حضورؐ کی شکایت لے کر گئے ان میں ابوسفیانؓ بھی شامل تھے۔ بلاشبہ اسلام کی مخالفت میں وہ اپنی قوم کے ساتھ تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے حضورؐ سے میل ملاپ کا سلسلہ ہمیشہ قائم رکھا اور وقتاً فوقتاً آپؐ سے ایسا برتاؤ کیا جو شرافت اور آدمیت کا آئینہ دار تھا۔ جس زمانے میں مشرکینِ قریش نے بنوہاشم اور بنی المطلب کو شعبِ ابی طالب میں محصور کر رکھا تھا۔ کبھی کبھار کوئی مسلمان یا رحم دل مشرک چوری چھپے محصورین کو کچھ غلّہ پہنچا دیتا تھا ایسے ہی لوگوں میں ایک نیک دل شخص ہشام بن عمرو العامری بھی تھا۔ وہ رات کے وقت اونٹ پر غلّہ لاد کر اور شعبِ ابی طالب کے سرے پر جا کر اونٹ کو شعب کے اندر دھکیل دیتا، محصورین اونٹ سے غلّہ اُتار کر اُسے واپس چھوڑ دیتے۔ مشرکینِ قریش نے ایک دفعہ اس کو پکڑ لیا اور بڑی سختی کے ساتھ محصورین کی امداد کرنے سے روکا۔ اس موقع پر ابوسفیانؓ اُٹھ کھڑے ہوتے۔ اور قریش کو ڈانٹا کہ اس کو چھوڑ دو، یہ شخص اگر اپنے رشتہ داروں سے صلۂ رحمی کر رہا ہے تو تمہارا کیا جاتا ہے۔ کرنے دو۔"

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب مکّہ میں قحط پڑا تو اس کی شدّت کا یہ عالم تھا کہ لوگ صوف تک کھانے لگے۔ آخر ایک دن ابوسفیانؓ نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر بھوک کی فریاد کی۔ آپؐ نے دُعا کی اور اللہ تعالےٰ نے یہ قحط دُور فرما دیا۔

حضرت ابوسفیانؓ اگرچہ فتح مکّہ تک شرفِ اسلام سے محروم رہے لیکن اُن کا اپنا گھر اور قبیلہ اسلام سے لاتعلق نہیں رہا۔ ان کی صاحبزادی رملہؓ (جن کو بعد میں اُمّ المؤمنینؓ بننے کا شرف حاصل ہُوا اور جو اپنی کنیت اُمِّ حبیبہؓ سے مشہور ہوئیں) اوائلِ بعثت میں ہی مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ اور حضورؐ کے ایماء پر اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ہمراہ حبش کو ہجرت کر گئیں۔ ابوسفیانؓ کی ایک دوسری بیٹی فارعہؓ بھی آغازِ اسلام میں مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ ان کا نکاح حضرت ابواحمدؓ بن جحش سے ہوا۔ عبیداللہؓ اور ابواحمدؓ آپس میں سگے بھائی تھے اور رسولِ اکرمؐ ان کے ماموں زاد بھائی تھے۔ اسی طرح خاندانِ بنو اُمیّہ میں حضرت عثمانؓ بن عفان، عمروؓ بن سعید بن عاص اور خالدؓ بن سعید بن عاص بھی آغازِ دعوت میں سعادت اندوزِ اسلام ہو کر سابقون اوّلون میں شمار ہوتے ہیں۔

ہجرتِ نبویؐ سے قبل اسلام کے تیرہ سالہ مکّی دَور میں ابوسفیانؓ معاندینِ اسلام کے شریکِ کار تو ضرور رہے لیکن حق اور داعیِ حقؐ کے خلاف سرگرمیوں کی قیادت ہمیشہ ابوجہل، ابولہب، عاص بن وائل، امیہ وابی پسرانِ خلف اور عقبہ بن ابی معیط وغیرہ دوسرے رؤسائے قریش کے ہاتھ میں رہی۔ ہجرت کے انیس ماہ بعد قریش مکہ اور اہلِ حق کے درمیان فوجی سطح پر پہلا ٹکراؤ بدر کے مقام پر ہُوا۔ اس لڑائی میں قریش کی قیادت ابوجہل کر رہا تھا ابوسفیانؓ اس میں شریک نہ ہو سکے کیونکہ وہ اس تجارتی قافلے کی قیادت کر رہے تھے جس کی حفاظت کی آڑ لے کر قریش نے علمبردارانِ حق پر یلغار کی تھی۔ رمضان ۲ ہجری میں شام سے واپسی کے سفر کے دوران میں ابوسفیانؓ کو خبر ملی کہ مسلمان اس قافلہ پر چھاپہ مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں، انہوں نے ایک تیز رفتار قاصد اہلِ مکہ کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ قافلہ کی سلامتی خطرہ میں ہے اس کو مسلمانوں کی تاخت و تاراج سے بچانے کے لئے فوراً پہنچو۔ یہ پیغام ملتے ہی قریش کے ایک ہزار جنگجو بڑے سازوسامان کے ساتھ عازمِ مدینہ ہو گئے۔ اس اثناء میں ابوسفیانؓ نے اپنا راستہ تبدیل کر کے قافلے کو صحیح و سلامت مکہ پہنچا دیا، قریش کے لشکر کو بھی اس کا علم ہو گیا لیکن وہ واپس جانے کے بجائے جارحانہ انداز میں آگے بڑھتا رہا اور بدر کے میدان میں جا کر پڑاؤ ڈالا۔ یہیں حق و باطل کا معرکہ اوّل پیش آیا، جس میں مشرکین مکہ کو عبرتناک شکست ہوئی اور ابوجہل سمیت ان کے بڑے بڑے سردار لڑائی میں کام آئے۔ مقتولین میں ابوسفیانؓ کا بیٹا حنظلہ، ان کا خسر عتبہ، برادر نسبتی ولید بن عتبہ، چچا خسر شیبہ اور کئی دوسرے رشتہ دار بھی شامل تھے۔ ہزیمتِ بدر کی خبر مکہ پہنچی تو وہاں ماتم برپا ہو گیا اور اہلِ مکہ نے بدر کا انتقام لینے کے لئے زور شور سے تیاریاں شروع کر دیں۔ اب ان کی عنانِ قیادت ابوسفیانؓ کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے قسم کھائی کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لیں گے دُنیا کا لطف نہیں اُٹھائیں گے۔ تین ماہ بعد انہوں نے دو سو مسلح شتر سواروں کے ساتھ مدینہ منورہ پر چھاپہ مارا، شہر کے نواح میں کھجور کے باغوں کی ٹٹیاں کچھ مکانات اور گھاس کے گٹھے جلا ڈالے اور دو مسلمانوں کو شہید کر کے تیزی سے مکہ واپس آ گئے۔ یہ واقعہ غزوہ سویق کے نام سے مشہور ہے۔ سرورِ عالمؐ کو اطلاع ملی تو آپؐ نے حملہ آوروں کا قرقرۃ الکدر تک تعاقب کیا لیکن وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

اگلے سال شوال ۳ ہجری میں ابوسفیانؓ نے غزوۂ اُحد میں مشرکینِ قریش کی قیادت کی۔ اس لڑائی میں ستر مسلمانوں نے جامِ شہادت پیا۔ تاہم عسکری نقطۂ نگاہ سے ابوسفیانؓ مسلمانوں کو شکست دینے میں کامیاب نہ ہُوتے۔ لڑائی کے آخری مرحلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

زخمی حالت میں اپنے چند جاں نثاروں کے ہمراہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ ابوسفیانؓ فوج کا ایک دستہ لے کر مسلمانوں کی طرف بڑھے لیکن اُوپر سے پتھروں کی شدید بوچھاڑ نے انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ ناچار سامنے کی ایک قریبی چٹان پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کو آواز دی، "کیا تم میں محمدؐ ہیں؟" حضورؐ نے اپنے ساتھیوں کو جواب دینے سے منع فرما دیا۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو ابوسفیانؓ سمجھے کہ سرورِ عالمؐ کی شہادت کی خبر صحیح تھی، پھر آواز دی "کیا تم میں ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر صدیقؓ) ہیں؟" اس کا بھی جواب نہ ملا تو پوچھا، "کیا عمرؓ ہیں؟" اس سوال کے جواب میں بھی خاموشی رہی تو بولے، ضرور یہ سب لوگ مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا، انہوں نے کڑک کر کہا۔ "او دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں۔"

ابوسفیان نے باآواز بلند کہا، "اے ہبل بلند رہ۔"

حضورؐ کے حکم سے حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں کہا، "اللہ بلند و برتر ہے۔"

ابوسفیان نے بڑے فخر کے ساتھ کہا، "آج کا دن بدر کا جواب ہے، میرے لوگوں نے مسلمانوں کی لاشوں کا مُثلہ کر ڈالا ہے لیکن میں نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ اب جو ہو گیا سو ہو گیا، اس پر کیا افسوس۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا، "مسلمان شہید ہو کر جنّت میں گئے ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم میں۔"

ابوسفیان نے اب قسم دے کر حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ سچ سچ بتاؤ محمدؐ واقعی زندہ ہیں؟

انہوں نے کہا، "خدا کی قسم وہ زندہ ہیں اور تمہاری باتیں سن رہے ہیں۔" یہ سُن کر ابوسفیان نے کہا، "مجھے ابن قمیئہ نے بتایا تھا کہ میں نے محمدؐ کو قتل کر ڈالا لیکن تم کہتے ہو کہ وہ زندہ ہیں تو یہی صحیح ہو گا کیونکہ تم ابن قمیئہ سے بڑھ کر راست باز ہو۔"

اس گفتگو کے بعد ابوسفیانؓ اپنے لشکر کو سمیٹ کر تیزی سے مکّہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضورؐ نے ان کے تعاقب میں ستر آدمی بھیجے اور دوسرے دن خود بھی مقام حمراء اسد تک تعاقب میں تشریف لے گئے لیکن ابوسفیان کو پلٹ کر آنے کی ہمت نہ پڑی۔

غزوۂ اُحد میں ابوسفیان کی اہلیہ ہند بنت عتبہ نے بھی بہت بڑی سرگرمی دکھائی وہ دوسری عورتوں کے ہمراہ اپنے مردوں کو لڑائی پر اُبھارتی تھیں۔ عمِ رسول حضرت حمزہؓ نے شہادت پائی تو ہند نے جوشِ غضب میں ان کی لاش کا مُثلہ کیا۔ دو سال بعد غزوۂ خندق پیش آیا تو اس میں بھی قریش اور ان کے حلیفوں کی عنانِ قیادت ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی۔ اس لڑائی میں عرب کے تمام دشمنانِ اسلام نے متحد ہو کر مدینہ منورہ پر چڑھائی کی تھی۔ سرورِ عالمؐ نے مدینہ کے گرد حفاظتی

خندق کھود کر اس طوفان بلاخیز کا مقابلہ کیا اور دشمنوں کو شہر کے اندر نہ گھسنے دیا۔ حملہ آوروں نے تقریباً تین ہفتے تک محاصرہ جاری رکھا۔ اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان پھوٹ ڈال دی اور پھر ایک رات ان پر ایسی خوفناک آندھی نازل کی کہ ان کے خیمے اکھڑ گئے، کھانے کی ہنڈیاں چولھوں پر اُلٹ گئیں اور گھوڑے بھاگ اُٹھے۔ اس ناگہانی آفت نے کفار کے حوصلے پست کر دیئے اور وہ سب اُسی رات محاصرہ اُٹھا کر چلتے بنے۔

۶ ہجری میں معاہدۂ حدیبیہ سے فارغ ہو کر سرورِ عالمؐ نے پڑوسی ممالک کے فرمانرواؤں کو خطوط بھیج کر اسلام کی دعوت دی تو ایک خط حضرت دحیہ کلبیؓ کے ہاتھ قیصرِ روم ہرقل کے نام بھی بھیجا جو اس وقت بیت المقدس میں مقیم تھا۔ ہرقل کو حضورؐ کا مکتوبِ گرامی ملا تو اس نے اپنے افسروں کو حکم دیا کہ حجاز کے تاجر اگر کہیں ملیں تو انہیں حاضر کیا جائے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں ابوسفیان ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے ہوئے تھے اور غزہ میں مقیم تھے۔ رُومی افسر اس قافلے کو ساتھ لے کر ہرقل کے دربار میں حاضر ہوئے۔ سب سے پہلے اس نے اہلِ قافلہ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "برادرانِ عرب تم میں سے کون اس مدعیٔ نبوتؐ کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہے۔"

ابوسفیان نے آگے بڑھ کر کہا۔ ان سب میں زیادہ میں اس کا قریبی رشتہ دار ہوں۔ ہرقل نے اپنے درباریوں سے کہا: اس شخص کو میرے قریب بٹھاؤ اور اس کے ساتھیوں کو اس کے پیچھے بٹھا دو۔ پھر اس نے ابوسفیان کے ساتھیوں سے کہا: "میں اس شخص سے مدعیٔ نبوتؐ کے بارے میں کچھ سوالات کروں گا اگر یہ صحیح جواب نہ دے تو تم اس کے جھوٹ کو ظاہر کر دینا۔"

ابوسفیان کا بیان ہے کہ واللہ اگر اس وقت مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے ساتھی واپس کے جا کر لوگوں سے میری دروغ گوئی کا تذکرہ کریں گے تو میں غلط بیانی سے بھی دریغ نہ کرتا۔ اس کے بعد ہرقل نے سوالات پوچھنا شروع کئے۔

ہرقل :۔ "یہ شخص جو تم میں پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے، نسب میں کیسا ہے؟"

ابوسفیان :۔ "نہایت شریف النسب ہے۔"

ہرقل :۔ "اس سے پہلے بھی اس کے خاندان میں کسی نے ایسا دعویٰ کیا تھا؟"

ابوسفیان :۔ "نہیں۔"

ہرقل :۔ "اس کے دین کو جن لوگوں نے قبول کیا ہے، شرفاء اور معزز لوگ ہیں یا کمزور اور بے حیثیت؟"

ابوسفیان :۔ "زیادہ تر گرے پڑے لوگ ہیں۔"
ہرقل :۔ "اس کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے یا کمی؟"
ابوسفیان :۔ "روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔"
ہرقل :۔ "کیا کوئی شخص اس کے دین کو قبول کرنے کے بعد اس سے پھر بھی گیا ہے؟"
ابوسفیان :۔ "نہیں۔"
ہرقل :۔ "کیا نبوت کے دعویٰ سے قبل تم میں سے کسی نے اس کو جھوٹ بولتے دیکھا ہے۔"
ابوسفیان :۔ "نہیں۔"
ہرقل :۔ "اس نے کبھی اپنے عہد اور اقرار کی خلاف ورزی بھی کی ہے؟"
ابوسفیان :۔ "اب تک تو نہیں کی۔"
ہرقل :۔ "کبھی اس سے تمہاری جنگ بھی ہوئی ہے؟"
ابوسفیان :۔ "ہاں۔"
ہرقل :۔ "اس کا انجام کیا رہا؟"
ابوسفیان :۔ "کبھی ہم غالب آئے کبھی وہ۔"
ہرقل :۔ "اچھا، اس کا پیغام کیا ہے؟"
ابوسفیان :۔ "وہ کہتا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک مت ٹھہراؤ۔ اپنے آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑ دو، نماز پڑھو، سچ بولو، جنسی بے راہروی سے بچو، پرہیزگاری اختیار کرو، خیرات کرو، عزیز و اقربا اور اہلِ تعلق کے ساتھ نیکی، رحم اور فیاضی کا برتاؤ کرو۔"

ہرقل بڑا زیرک اور فہیم بادشاہ تھا وہ اس گفتگو سے بڑا متاثر ہوا اور کہنے لگا، اے سردارِ قریش جو کچھ تم نے کہا ہے اگر وہ سچ ہے تو یہ مدعیٔ نبوت بلاشبہ سچا پیغمبر ہے۔ مجھ کو یہ خیال ضرور تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ میرے پاؤں کے نیچے کی مٹی پر قبضہ کر لے گا۔ میں اس کی صداقت کا اعتراف کرتا ہوں۔ ہو سکتا تو میں جاتا اور اس کے پاؤں دھوتا۔

ہرقل کا ردِعمل دیکھ کر ابوسفیان دربار سے باہر آئے تو اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "حضورؐ کا معاملہ اب اس حد تک پہنچ گیا کہ رومی گوروں کا بادشاہ بھی ان سے ڈرنے لگا۔"

۶ ہجری میں حضرت اُمِ حبیبہ رملہؓ بنتِ ابوسفیان کا نکاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سے ہُوا۔ یوں ابوسفیانؓ کا رحمتِ عالمؐ سے رشتۂ مصاہرت قائم ہو گیا۔ حضرت اُمِ حبیبہؓ نے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ہمراہ حبش کی غریب الوطنی اختیار کر لی تھی۔ وہاں وہ مرتد ہو گیا اور اُس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ حضرت اُمِ حبیبہؓ نے اسی وقت اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ عبیداللہ کچھ عرصہ بعد کثرتِ بادہ خواری سے ہلاک ہو گیا۔ اب حضرت اُمِ حبیبہؓ تنہا تھیں۔ بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ بیوگی کے دن کاٹنے لگیں۔ سرورِ عالمؐ کو ان حالات کا علم ہُوا تو آپؐ نے انہیں نکاح کا پیغام دینے کے لیے حضرت عمرؓو بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہِ حبشہ کے پاس بھیجا۔ حبش بھیجنے سے پہلے ابوسفیانؓ کو کہلا بھیجا کہ تمہاری لڑکی اُمِ حبیبہؓ رملہ بیوہ ہو گئی ہیں، میں ان سے نکاح کرنا چاہتا ہوں تم بھی اجازت دے دو تو بہتر ہے۔ ابوسفیان نے اسلام دشمنی کے باوجود بلاتامل اجازت دے دی۔ نجاشی کو حضورؐ کا پیغام ملا تو انہوں نے اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعے حضرت اُمِ حبیبہؓ کے پاس آپؐ کا پیام پہنچایا۔ وہ بڑی خوشی کے ساتھ حضورؐ سے نکاح پر رضامند ہو گئیں اور حضرت خالدؓ بن سعید مہاجرِ حبشہ کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ نجاشی نے محفل نکاح ترتیب دی اور خطبۂ نکاح پڑھا۔ بادشاہ نے چار سو دینار بطورِ مہر حضورؐ کی طرف سے خالدؓ بن سعید کو ادا کیے اور پھر سب حاضرین مجلس کو کھانا کھلا کر رخصت کیا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت اُمِ حبیبہؓ کو حجاز بھجوا دیا۔

جب ابوسفیانؓ کو اس نکاح کی اطلاع ملی تو ان کی زبان پر حضورؐ کے لئے تعریف و تحسین کے کلمات جاری ہو گئے۔ بے ساختہ ان کے مُنہ سے یہ الفاظ نکلے: "محمدؐ میری بیٹی کے لئے بہترین"

فتح مکہ سے کچھ مدت پہلے مکہ میں شدید قحط پڑ گیا۔ حضورؐ نے مکہ میں قحط اور تنگی کا حال سُنا تو کئی سو دینار حضرت ابوسفیانؓ کو بھجوائے کہ انہیں مکہ کے اہلِ حاجت میں تقسیم کر دیا جائے۔ ابوسفیانؓ نے یہ رقم لے تو لی لیکن ہنس کر کہا:

"اچھا اب محمدؐ کیا ہمارے نوجوانوں کو خریدنا چاہتے ہیں"

معاہدۂ حدیبیہ کے مطابق یہ طے پایا تھا کہ جو قبیلہ مسلمانوں کا حلیف بننا چاہے اسے آزادی ہے اور جو قریش سے عہد و پیمان کرنا چاہے اسے بھی اختیار ہو گا۔ چنانچہ اس معاہدے کے مطابق بنوخزاعہ نے رسولِ اکرمؐ سے اور بنوبکر نے قریش سے دوستی کا معاہدہ کر لیا تھا۔ بنوخزاعہ اور بنوبکر میں عرصہ دراز سے دُشمنی چلی آ رہی تھی۔ معاہدے کے بعد اٹھارہ مہینے تک تو یہ قبیلے امن سے رہے لیکن پھر یکایک بنوبکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا اور بڑی بے رحمی سے ان کے بچوں اور عورتوں تک کو قتل کیا، انہوں نے حرم میں پناہ لی لیکن بنوبکر نے انھیں وہاں بھی نہ چھوڑا۔ عکرمہ بن ابوجہل اور متعدد دوسرے رؤسائے قریش نے اس موقع پر علی الاعلان بنی بکر کی امداد کی اور اس طرح

صلح نامہ حدیبیہ کو عملاً پارہ پارہ کر دیا۔

بنو خزاعہ نے چالیس آدمیوں کا ایک وفد عمرو بن سالم خزاعی کی سرکردگی میں بارگاہِ رسالتؐ میں بھیجا۔ اس وفد نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑے دردانگیز الفاظ میں اپنی مظلومی کی فریاد پیش کی۔ سرورِ عالمؐ نے بنی بکر اور قریش کی شقاوت اور بدعہدی کے واقعات سُنے تو آپؐ کو سخت دُکھ ہوا تاہم آپؐ نے اتمامِ حجت کے لئے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں کہ وہ ان میں سے کوئی ایک منظور کر لیں۔

۱۔ مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔

۲۔ قریش بنو بکر کی حمایت سے دست کش ہو جائیں۔

۳۔ کھلم کھلا اعلان کر دیا جائے کہ معاہدہ حدیبیہ ٹوٹ گیا۔

جب قاصد قریش کے پاس پہنچا تو انہوں نے نہایت متکبرانہ انداز میں جواب دیا "جاؤ ہم محمدؐ کی رعیت نہیں ہیں، جو ہم نے چاہا کیا، ہمیں معاہدے کی پروا نہیں ہے۔" اس وقت تو انہوں نے جاہلیت کے جوش میں یہ باتیں کہہ دیں لیکن قاصد کے جانے کے بعد انہوں نے اپنے جواب کی نامعقولیت اور اُس کے نتائج پر غور کیا تو سخت پچھتائے اسی وقت ابو سفیانؓ کو اپنا سفیر بنا کر مدینہ بھیجا کہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرا لائیں۔

ابو سفیانؓ مدینہ پہنچے تو پہلے اپنی بیٹی اُمِ حبیبہؓ کے گھر گئے جو اب اُم المومنینؓ تھیں۔ انہوں نے چاہا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بسترِ مبارک پر بیٹھیں لیکن حضرت اُمِ حبیبہؓ نے فوراً بستر لپیٹ دیا۔ بولے، "یہ کیا؟" بیٹی نے جواب دیا :۔

"یہ رسول اللہؐ کا بستر ہے۔ آپ چونکہ مشرک ہونے کی وجہ سے ناپاک ہیں اس لئے اس پاک بستر پر نہیں بیٹھ سکتے۔"

ابو سفیانؓ بیٹی کی بات سُن کر سکتے میں آ گئے۔ یہ ان کی سب سے پیاری بیٹی تھیں جن پر وہ یہ کہہ کر ناز کیا کرتے تھے :

"میرے ہاں عرب کی حسین و جمیل ترین اُمِ حبیبہؓ ہے۔"

اس موقع پر ابو سفیانؓ اس کے سوا اور کچھ نہ کہہ سکے کہ بیٹی تم نے اپنے دین کی خاطر باپ کو شوہر کے بچھونے پر نہیں بیٹھنے دیا۔ اس کے بعد ابو سفیانؓ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوتے اور تجدیدِ معاہدہ کی خواہش ظاہر کی، حضورؐ کو قاصد کے ذریعے مکہ کے تمام واقعات کی اطلاع مل چکی تھی، اس لئے آپؐ نے تجدیدِ معاہدہ کی حامی نہ بھری۔ اب انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو

درمیان میں ڈالنا چاہا لیکن وہ سفارش پر آمادہ نہ ہوئے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے بھی اس معاملہ میں پڑنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر انہوں نے خود ہی مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر معاہدے کی تجدید کا یک طرفہ اعلان کر دیا اور واپس مکے چلے گئے۔ ادھر سرور عالم نہایت خاموشی کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کی تیاری فرما رہے تھے جب سب انتظامات مکمل ہو گئے تو آپ نے ۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری کو دس ہزار جاں نثاروں کے ہمراہ مدینہ سے مکہ کا عزم فرمایا۔

لشکر اسلام نے مکہ سے ایک میل ادھر مر الظہران کے مقام پر رات کو پڑاؤ ڈالا۔ قریش کو بھی مسلمانوں کی نقل و حرکت کی سن گن مل گئی لیکن یہ بات ان کے سان گمان میں بھی نہیں تھی کہ حضورؐ کے ساتھ اتنا لشکر جرار آیا ہے۔ ابوسفیانؓ، بدیلؓ بن ورقا اور حکیمؓ بن حزام کے ساتھ تجسس کے لئے نکلے۔ مر الظہران کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ جگہ جگہ آگ روشن ہے اور دور دور تک لوگ پھیلے ہوتے ہیں، مسلمانوں کی یہ شان دیکھ کر سناٹے میں آ گئے۔ ادھر عم رسول حضرت عباسؓ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر فوج کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے اہل مکہ نے امان طلب نہ کی تو ان کو سخت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ یہ سوچ کر اپنے لشکر سے باہر نکلے کہ مکہ جانے والا کوئی آدمی مل جائے تو اس کے ہاتھ قریش کو پیغام بھیج دیں کہ مسلمان مکہ پر حملہ آور ہوا چاہتے ہیں۔ اگر سلامتی منظور ہے تو آکر امان طلب کر لو۔ اتفاق سے وہ اسی طرف گئے جہاں ابوسفیانؓ اپنے ساتھیوں سے باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عباسؓ آواز پہچان کر پکارے "ابوسفیانؓ"۔ انہوں نے کہا، ابوالفضل ہیں، فرمایا "ہاں" ابوسفیانؓ بولے، "میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ یہاں کہاں، حضرت عباسؓ نے فرمایا۔ "یہ مسلمانوں کی فوج ہے اور مکہ پر قبضہ کرنے کا عزم رکھتی ہے۔" ابوسفیانؓ پریشان ہو گئے اور کہا۔ "پھر آپ ہی کوئی تدبیر بتائیں۔"

حضرت ابوالفضل عباسؓ اور ابوسفیانؓ میں بہت دوستی تھی انہیں ابوسفیانؓ پر رحم آگیا، ان کے ساتھیوں کو واپس بھیج دیا اور خود ابوسفیانؓ کو اپنے خچر پر بٹھا کر حضورؐ کی خدمت میں لے چلے، راستے میں حضرت عمرؓ مل گئے۔ انہوں نے ابوسفیانؓ کو پہچان لیا اور یہ کہہ کر ان پر جھپٹے کہ او دشمن خدا شکر ہے کہ اللہ نے کسی ذمہ داری کے بغیر ہمیں تجھ پر قابو دے دیا۔ مگر حضرت عباسؓ ان کو لے کر تیزی سے حضورؐ کے خیمہ مبارک میں داخل ہو گئے اور عرض کی، "یارسول اللہ میں نے ابوسفیانؓ کو پناہ دی ہے۔" اتنے میں حضرت عمرؓ بھی پہنچ گئے اور حضورؐ سے ابوسفیانؓ کا سر قلم کرنے کی اجازت طلب کی۔ لیکن حضرت عباسؓ ان کی ڈھال بن گئے۔ حضرت عمرؓ نے زیادہ اصرار کیا تو حضرت عباسؓ کو غصہ آگیا اور دونوں میں تکرار شروع ہو گئی۔

اب حضورؐ نے دونوں کو خاموش کرا دیا اور حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ابوسفیانؓ کو اس وقت اپنے خیمے میں لے جاکر سلاؤ۔ صبح ہونے پر ان کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔

صبح ہوئی تو حضرت عباسؓ، ابوسفیانؓ کو ساتھ لے کر بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے حضورؐ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"ابوسفیانؓ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ خدائے واحد پر ایمان لاؤ۔"

انہوں نے جواب میں عرض کیا: "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، آپؐ کتنے حلیم اور نیک ہیں۔ اللہ کی قسم اگر اللہ کے سوا کوئی اور ذات پرستش کے لائق ہوتی تو آج میری مدد کرتی۔"

پھر ارشاد ہوا:

"ابوسفیانؓ کتنے افسوس کا مقام ہے، کیا ابھی اس کا وقت نہیں آیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا رسولؐ مانو۔"

عرض کیا: "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ سچ پوچھیں تو ابھی رسالت کے بارے میں میرا دل مطمئن نہیں۔"

علامہ ابنِ ہشامؒ کہتے ہیں کہ اس جواب پر حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو ڈانٹ پلائی کہ جاہلی عصبیت کو چھوڑو اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لاؤ، اس پر انہوں نے فوراً کلمۂ توحید پڑھ کر اپنے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کا اقرار کر لیا۔ اس وقت ان کی عمر ۱۷ سال تھی وہ فتح مکہ سے دو دن پہلے اسلام لائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اسلام قبول کرنے پر بڑی مسرت ہوئی اور آپؐ نے نہ صرف ان کی جان بخشی فرمائی بلکہ یہ اعلانِ عام بھی فرمایا کہ جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے گا اس سے کوئی بازپُرس نہیں۔

اس کے بعد حضورؐ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ ابوسفیانؓ کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جاکر ذرا افواجِ الٰہی کی شان اور جلال کا منظر دکھاؤ۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے انہیں لے جاکر ایک مناسب جگہ پر کھڑا کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد لشکرِ اسلام کے دستے بڑی سج دھج کے ساتھ گزرنے شروع ہوئے۔ سب سے پہلے بنو غفارؓ پرچم اُڑاتے گزرے اور آخر میں انصارِ مدینہ اس شان سے نمودار ہوئے کہ حضرت ابوسفیانؓ مبہوت ہو گئے اور حضرت عباسؓ سے پوچھا، "یہ کون لوگ ہیں؟" انہوں نے بتایا کہ یہ اہلِ مدینہ ہیں۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سید الانصار حضرت سعدؓ بن عبادہ علم بدست برابر سے گزرے۔ حضرت ابوسفیانؓ پر نظر پڑی تو بے اختیار پکار اُٹھے:

آج گھمسان کی لڑائی کا دن ہے آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔

حضرت ابوسفیانؓ یہ سن کر گھبرا گئے اور انصار کے لشکر کے بعد جب خود آفتابِ رسالتؐ کا شترِ نمودار ہوا تو حضورؐ سے مخاطب ہو کر عرض پیرا ہوتے:

"یا رسول اللہؐ اپنی قوم پر رحم فرمایئے۔ سعدؓ بن عبادہ ابھی کہہ گئے ہیں کہ آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔"

رحمتِ عالمؐ نے فرمایا: "سعدؓ نے غلط کہا آج کعبہ کی عظمت دوبالا ہونے کا دن ہے۔ آج کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔"

حضورؐ کا ارشاد سن کر حضرت ابوسفیانؓ مطمئن ہو گئے اور مکہ جا کر لوگوں کو تلقین کی کہ وہ اسلام قبول کر لیں تو محفوظ رہیں گے۔

شرفِ اسلام سے بہرہ یاب ہونے کے بعد حضرت ابوسفیانؓ سب سے پہلے غزوۂ حنین میں شریک ہوئے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت سے انہیں چالیس اوقیہ سونا اور سو اونٹ مرحمت فرمائے۔ حنین کے بعد انہوں نے غزوۂ طائف میں حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کر لیا۔ اہلِ طائف نے حنین کے مفروروں کو اپنے ہاں پناہ دی تھی اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ حضورؐ نے طائف کا محاصرہ کر لیا جو اٹھارہ یا بیس دن تک جاری رہا۔ اس دوران میں مسلمان جب بھی قلعہ پر حملہ کرتے تھے مشرکین ان پر قلعے کی برجیوں سے لوہے کی گرم سلاخوں، پتھروں اور تیروں کی بارش کر دیتے تھے۔ اس کے جواب میں حضورؐ نے حکم دیا کہ شہر کے باہر مشرکین کی انگور کی ٹٹیاں برباد کر دی جائیں۔ یہ اہلِ طائف کی دکھتی رگ تھی۔ انہوں نے ابن الاسود ثقفی کو حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ محمدؐ نے اگر ہمارے سرسبز باغوں کو برباد کر دیا تو ہم اپنی روزی سے محروم ہو جائیں گے۔ ان سے خدا اور صلہ رحمی کا واسطہ دے کر درخواست کریں کہ فی الحال ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ حضورؐ کے سامنے یہ درخواست پیش ہوئی تو آپؐ نے محاصرہ کو مزید طول دینا مناسب نہ سمجھا اور اس دعا کے ساتھ محاصرہ اٹھا لیا "الٰہی ثقیف کو ہدایت فرما اور توفیق دے کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں۔" دعا قبول ہوئی اور اگلے ہی سال ثقیف نے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہو کر قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔

غزوۂ طائف میں حضرت ابوسفیانؓ نے اپنی ایک آنکھ راہِ حق کی نذر کی۔ طائف کے بعد حضورؐ نے حضرت ابوسفیانؓ اور مغیرہؓ بن شعبہ کو مشرکین کا ایک صنم خانہ گرانے پر مامور فرمایا۔ یہ کام حضورؐ خاص خاص صحابہؓ ہی کے سپرد فرمایا کرتے تھے۔ انہوں نے اس کو کامیابی سے انجام دیا۔

سرورِ عالمؐ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوئے تو حضرت

ابوسفیانؓ نے کچھ دوسرے صحابہؓ کی طرح ان کی بیعت میں توقف کیا۔
حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وہ اپنے سارے کنبے کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے شام پہنچ گئے۔ اس وقت ان کی عمر اسّی برس کے لگ بھگ تھی۔ لیکن شوقِ شہادت میں گھر بیٹھنا گوارا نہ کیا۔ دراصل وہ قبل اسلام کی زندگی کی تلافی کرنا چاہتے تھے جنگِ یرموک میں حضرت ابوسفیانؓ نے جانبازانہ کردار ادا کیا۔ اس لڑائی میں ایک حصّے کے سردار حضرت یزید بن ابوسفیانؓ تھے۔ حضرت ابوسفیانؓ اسی حصۂ فوج میں اپنے مجاہد فرزند کی قیادت میں شریکِ کارزار تھے۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت ابوسفیانؓ نے گھوڑے پر سوار ہوکر پوری فوج کا چکر لگایا۔ وہ ہر جھنڈے کے نیچے کھڑے ہوکر مجاہدین کو حوصلے کی تلقین کرتے ہوتے کہتے:

"مسلمانو! تم دشمن کے ملک میں ہو اور وطن سے بہت دور۔ دشمن تم سے تعداد میں بہت زیادہ ہے اور تم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا ہے لیکن فتح و شکست کا انحصار نہ تعداد پر ہے اور نہ کسی کے غیظ و غضب پر۔ تم لوگ عرب کا خلاصہ اور اسلام کے دست و بازو ہو اللہ پر بھروسہ کرکے کمرِ ہمت باندھ لو اور میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہو۔ انشاءاللہ رحمتِ حق تم پر بارش کی طرح برسے گی۔"

لڑائی شروع ہوئی تو دونوں طرفوں کے سپاہیوں نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔
حضرت ابوسفیانؓ جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے۔ بیٹے کو دیکھ کر للکارے "جانِ پدر تو مسلمانوں کا افسر ہے اور سپاہیوں کی نسبت تجھ پر شجاعت کا حق زیادہ ہے۔ تجھے چاہیئے کہ اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ آخرت کا طالب، میدان میں ثابت قدم، دشمنوں پر سخت اور شدائدِ جنگ کا برداشت کرنے والا ہو، اگر ایک سپاہی بھی میدانِ رزم میں تجھ پر سبقت لے گیا تو تیرے لئے شرم کا مقام ہے۔"
پھر انہوں نے بڑی پُرسوز آواز میں دُعا کی: "اے نصرتِ خداوندی جلد آ"۔ عین اس موقع پر تائیدِ غیبی نمودار ہوئی اور قیسؓ بن ہبیرہ جو میسرہ کی پشت پر متعین تھے۔ اپنے دستۂ فوج کو ساتھ لے کر عقب سے نکلے اور رومیوں پر حملہ آور ہوتے۔ انہوں نے اپنے آپ کو بہت سنبھالا لیکن مسلمانوں کا حملہ اتنا تند و تیز تھا کہ تھوڑی دیر میں ان کی صفیں ابتر ہوگئیں اور وہ نہایت بے ترتیبی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ عین معرکۂ وغا میں حضرت ابوسفیانؓ کی اچھی آنکھ پر ایک تیر لگا اور یہ آنکھ بھی راہِ خدا میں جاتی رہی یوں وہ رضائے الٰہی کے حصول

کی کوشش میں ظاہری بصارت سے یکسر محروم ہو گئے۔
دونوں آنکھیں راہِ حق میں قربان کرنے کے بعد حضرت ابوسفیانؓ خانہ نشین ہو گئے۔ صرف نماز پڑھنے یا کسی ضروری کام کے لئے غلام کے سہارے گھر سے باہر آتے تھے، آخری عمر میں مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ وہیں حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ۳۲ ہجری کے اواخر میں وفات پائی اور قبرستان بقیع میں مدفون ہوئے۔ وفات کے وقت ان کی عمر ستانوے سال کی تھی۔ نمازِ جنازہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے پڑھائی بہت خوبصورت گندم گوں بلندو بالا آدمی تھے۔ چہرہ چوڑا چکلا تھا اور سر اتنا بڑا تھا کہ خود بخود رئیس اور سردار دکھائی دیتے تھے۔ حضرت ابوسفیانؓ کی اولاد میں حضرت اُمِ حبیبہؓ، امیر معاویہؓ اور یزید الخیرؓ تاریخ اسلام کی نامور شخصیتیں ہیں۔ حضرت اُمِ حبیبہؓ ازواجِ مطہرات اور امہات المؤمنین میں داخل ہیں۔ امیر معاویہؓ کاتبِ وحی اور اموی حکومت کے بانی تھے۔ ان کا شمار مدبرین عرب میں ہوتا ہے۔ حضرت یزیدؓ جو اپنی فیاضی اور نیک طبعی کی بدولت یزید الخیرؓ کے لقب سے مشہور تھے، شجاعانِ عرب میں شمار ہوتے تھے۔ شام کی فتوحات میں انہوں نے حضرت خالدؓ بن ولید، ضرارؓ بن ازور، عمروؓ بن معدی کرب، زبیرؓ بن العوام، قیسؓ بن ہبیرہ، شرجیلؓ بن حسنہ جیسے نامور بہادروں کے پہلو بہ پہلو نہایت نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ لیاقت اور تدبر میں بھی وہ امیر معاویہؓ سے کم نہیں تھے۔ تمام بنو امیہ میں ان سے بڑھ کر کوئی لائق نہ تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے انہیں فلسطین کا حاکم بنا دیا تھا۔ کچھ عرصہ دمشق کی امارت پر بھی فیض رہے۔ حضرت ابوسفیانؓ کی تین اور بیٹیوں کے نام ملتے ہیں۔ ایک کا نام فارعہؓ تھا جو رسولِ اکرمؐ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت ابواحمدؓ بن جحش سے بیاہی گئی تھیں۔ دوسری آمنہ تھیں جو حضرت عروہؓ بن مسعود ثقفی کے عقد میں تھیں۔ تیسری کا نام عزہ تھا
حضرت ابوسفیانؓ قریش کے ان لوگوں میں سے تھے جو ظہورِ اسلام کے وقت اچھی طرح پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ ان سے چند احادیث بھی مروی ہیں جنہیں حضرت معاویہؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے روایت کیا ہے۔

Scanning Date: 29-02-2024